فتاویٰ صدر الافاضل

سید محمد نعیم الدین مرادآبادی

شبیر برادرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتاویٰ صدر الافاضل



خلیفۂ اعلیٰ حضرت

صدر الافاضل فخر الاماثل

سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006

نام کتاب	فتاوی صدر الافاضل
تصنیف	سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	مارچ 2008ء
جمع و ترتیب	مولانا نور محمد القادری بلرامپوری
طباعت	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ	۲۰۰ روپے

خریدی ۰۴/۰۵/۲۰۱۰ منگل، جمادی الاول ۱۴۳۱ھ

شبیر برادرز

بیسمنٹ ۴۰ اردو بازار لاہور

فون: 042-7246006

خوش خبری

جماعت اہلسنت کے عظیم و جلیل عالم دین، مفسر شہیر، حکیم الامت، صاحب تصانیف کثیرہ و جلیلہ، تلمیذ و مرید صدر الافاضل حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی علیہ الرحمہ والرضوان کے علمی، دینی، تصنیفی و تبلیغی کارناموں پر مشتمل نمبر نکالنے کیلئے ارباب تنظیم افکار صدر الافاضل ممبئی نے عزم مصمم کرلیا ہے۔ انشاء المولی الکریم عنقریب حضرت حکیم الامت کے حیات خدمات پر محیط فہرست شائع کر کے دانشوروں مفکرین سے رابطہ کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہمیں آپ کے مفید مشورے اور آراء کا شدت سے انتظار ہے۔

المعلن

نور محمد نعیم القادری بلرامپور

نوٹ: مراسلت صدر تنظیم حضرت مولانا مفتی شعبان علی نعیمی کے نام آفس کے پتہ پر کریں۔

فہرست فتاویٰ صدر الافاضل

فہرست عناوین	صفحہ نمبر
انتساب	۱۱
نذرانۂ عقیدت	۱۲
الاہداء	۱۳
تقریظ جلیل (حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ)	۱۴
تقریظ (حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ)	۱۵
ادعیۂ وافرہ (از نبیرۂ صدر الافاضل علیہ الرحمہ)	۲۳
تاثر (مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی)	۲۴
تاثر (رئیس التحریر حضرت علامہ وارث جمال قادری)	۳۲
معروضات مرتب	۵۰
مقدمہ (حضرت مفتی شعبان علی نعیمی حبابی مدظلہ)	۶۲
تعارف مصنف (حضرت مفتی شعبان علی نعیمی حبابی مدظلہ)	۶۷۳
باب العقائد	
قرآن عظیم اور حضور ﷺ کی ہدایت جملہ مخلوق کو عام ہے	۸۹
درود ابراہیمی کی خصوصیت وفضیلت	۹۱
امت محمدیہ کی افضلیت	۹۵
ابن تیمیہ کی شرعی حیثیت	۹۶
تعظیم اور عبادت میں فرق، مزارات پر چادر پھول کا شرعی حکم	۱۰۱
سنی وہابی کی پہچان اور ان کے احکام	۱۰۴
قرآن میں متعدد اشیاء کی قسمیں اور ان کی حکمتیں	۱۰۶

صفحہ نمبر	فہرست عناوین
۱۰۹	دہریہ کا سوال اور اس کا جواب
۱۱۱	قادیانی، بہائی سخت کافر ہیں ان کے ساتھ کسی کا نکاح درست نہیں
۱۱۷	سنی کی جامع تعریف
۱۱۸	تقویۃ الایمان اور اس کے مصنف کی حقیقت
۱۱۹	چودھویں صدی کے مجدد کون؟
۱۲۱	اعلیٰ حضرت اور فتاوائے کفر (فتاویٰ حسام الحرمین کی صداقت اور المہند کا رد وابطال)
۱۳۶	وہابیہ کی عیاریاں اور التلبیسات کا افشائے راز
۱۳۹	علم غیب مصطفوی قرآن وحدیث کی روشنی میں
۱۴۳	علوم خمسہ حضور علیہ السلام کے لئے ثابت ہیں اور شبہات کا ازالہ
۱۷۴	اشرفعلی تھانوی کی تقریظ کا رد
۱۸۳	فتاویٰ قاضی خان کی عبارت پر وہابیوں کے شبہات کا ازالہ
۱۸۸	رسالہ "**اسواط العذاب علی قوامع القباب**"
۱۸۹	مزارات اولیاء اور ان کے گنبدوں کو ڈھانا ہرگز جائز نہیں
۲۱۲	رسالہ "**کشف الحجاب عن مسائل ایصال الثواب**"
۲۱۴	**ما اھل بہ لغیر اللہ** کا جامع تحقیق
۲۱۹	قبروں پر پھول ڈالنا اور خوشبوؤں کا غیر معمولی استعمال
۲۲۲	استعانت بالغیر
۲۲۴	محفل میلاد اور تقسیم شیرینی
	بزرگان دین کی فاتحہ، شیرینی یا کھانے پر سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا
۲۲۹	ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، مسلمانوں کا کھانا کیسا؟
۲۳۲	دنوں کا تعین
۲۳۴	شب برأت کا حلوہ پکانا، کھلانا کیسا؟

فہرست عناوین

صفحہ نمبر	فہرست عناوین
	زیر بحث مسئلہ کی مزید تحقیق، حکیم صاحب کے اعتراضات مع جوابات
	اعتراض نمبر۱۔ قبروں پر پھول ڈالنا احادیث معتبرہ واقوال مستند فقہا کے خلاف ہے
	اعتراض نمبر۲۔ مذکورہ عمل ہر شخص کیلئے بایں سبب جائز نہیں ہے کہ یہ خصوصیات رسول سے تھا
	اعتراض نمبر۳۔ تخفیف عذاب شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے (مفہوما)
	اعتراض نمبر۴۔ یہ حدیث (قبروں پر تر شاخیں گاڑنا) ایک حال خاص کا واقعہ ہے جو مفید عموم نہیں
	اعتراض نمبر۵۔ تخفیف عذاب شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی نہ کہ تر شاخوں کی تسبیح سے
	اعتراض نمبر۶۔ تخفیف عذاب شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی جریدہ کا اس میں دخل نہیں
	اعتراض نمبر۷۔ عذاب میں کمی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہوئی یا آپ کی دعا سے
	اعتراض نمبر۸۔ عذاب میں کمی دست مبارک کی برکت سے ہوئی
	اعتراض نمبر۹۔ تخفیف عذاب دست مبارک کی برکت سے ہے نہ کہ تسبیح جریدہ سے
	اعتراض نمبر۱۰۔ قبروں پر پھول ڈالنا سلف صالحین وائمہ مجتہدین کا معمول نہیں تھا
	اعتراض نمبر۱۱۔ حضرت بریدہ کی وصیت ہمیں تسلیم نہیں
	اعتراض نمبر۱۲۔ یہ حدیث خاص ہے اس کو عموم پر محمول نہیں کیا جاسکتا
	اعتراض نمبر۱۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے قبر پر شاخیں ڈالنا خرگاہ جانا ہے
	اعتراض نمبر۱۴۔ حضرت بریدہ کی روایت سے قبروں پر پھول ڈالنا ثابت نہیں
	اعتراض نمبر۱۵۔ روایت فتاوی غرائب کیا وقعت رکھتی ہے
۳۶۸	رسالہ " **اداب الاخیار فی تعظیم الآثار** "
	آثار مبارکہ کی زیارت کرنا اور تعظیم بجالانا شرعا کیسا ہے؟
	قرآن میں مذکور تابوت بنی اسرائیل کی حقیقت
	حضور ﷺ کے موئے مبارک صحابہ کرام بطور آثار رکھتے تو وہ آج مکہ ومدینہ میں موجود ہوتے
	حضرت خالد بن ولید موئے مبارک کو سبب فتح جانتے تھے
	کیا آثار وتبرکات کو صحابہ کی وصیت کے مطابق قبروں میں دفن کردیا جاتا تھا

فہرست عناوین

فہرست عناوین	صفحہ نمبر
	۵۴۷

فہرست عناوین

انتساب

دنیائے علم وفن کے اس تاجدار اور شیخ طریقت کے نام جن کے شرف تلمذ اور نسبت ارادت نے حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کو مسند علم وعرفان کا نیر تاباں اور طریقت ومعرفت کا بدر کامل بنادیا یعنی استاذ الاساتذہ، بحر العلوم شیخ الکل حضرت علامہ سید محمد گل قادری کابلی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات سے منسوب ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

نذرانۂ عقیدت



امام اہلسنت مجدد دین وملت غواص بحر معرفت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت

امام احمد رضا خان

محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

اور

شیخ المشائخ عارف حق آگاہ ہم شبیہ غوث الثقلین حضرت مولانا الحاج الشاہ

سید محمد علی حسین

اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان

کی بارگاہ عظمت پناہ میں بطور نذرانۂ عقیدت پیش ہے۔

شاہاں بنوازند چہ عجب گر گدارا

(مولانا) بدر عالم نعیمی

معتمد ادارہ



شہزادۂ صدر الافاضل تاج الاصفیاء رہنمائے ملت حضور سیدی مرشدی آقائی ومولائی

مولانا الحاج الشاہ **سیّد محمد اختصاص الدین احمد نعیمی** علیہ الرحمۃ والرضوان

کی مقدس بارگاہ میں ہدیۂ پیش ہے جن کی نگاہ انتخاب وعنایات نے مجھ ہیچمداں کو

فتاویٰ صدر الافاضل

کے ترتیب وتدوین کی سعادت بخشی

اور

شیخ طریقت نبیرۂ صدر الافاضل حضرت علامہ

الحاج الشاہ **سیّد محمد رضوان الدین احمد نعیمی** مدظلہٗ

سجادہ نشین جامعہ نعیمیہ

و

ناصر حق وصداقت شہزادۂ رہنمائے ملت حضرت اقدس مولانا

الشاہ **سیّد محمد عرفان الدین احمد نعیمی** مدظلہٗ

مسند نشین خانقاہ نعیمیہ محمودیہ تمیمی پور

کی بارگاہ عالی جاہ میں پیش ہے جن کے مفید مشوروں اور دعاؤں کے طفیل

فتاویٰ صدر الافاضل

آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

"کفش برداروں میں اک ریزہ خوار ہم بھی ہیں"

امام اہلسنت مجدد دین وملت مولینا الشاہ

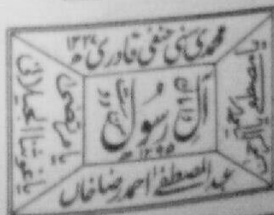
تقریظ جلیل امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ القریب المجیب وافضل الصلوٰۃ والسلام
علی المولی الحبیب والہ وصحبہ اولی التقریب
جزی اللہ الفاضل المجیب خیرا وثیب وجعلہ
کاسمہ نعیم الدین واتم لنا ولہ
النعیم یوم الدین فقد غرز فی قبور قلوب
المنکرین جرائد فرائد من الحق المبین
لیخفف عنہم الرجز ان کانوا منصفین
والا فلا دواء لداء المتعسفین اعاذنا اللہ
منہ وجمیع المسلمین والحمد للہ رب العالمین۔

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی۔



تقریظ

تاجدار اہلسنت شہزادۂ اعلحضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری
مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کا رسالہ اسواط العذاب علی قوامع القباب جو صرف ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے جسے انجمن فروغ ملت بلاری مراد آباد نے ۱۹۸۱ء میں شائع کیا تھا جس پر تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی زیر نظر تقریظ جو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے اعتراف علم و فضل پر ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ کاش حضور صدر الافاضل قدس سرہٗ کا مجموعہ فتاویٰ شہزادۂ اعلحضرت کے پیش نظر ہوتا تو آپ کی تقریظ بجائے خود ایک مبسوط کتاب ہوتی۔ بطور یادگار ہم فتاویٰ صدر الافاضل میں قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی المرسلین لاسیما علی افضلھم سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین وآلہ الطیبین وصحبہ الطاہرین وازواجہ الطاہرات امہات المومنین وعلماء ملتہ واولیاء امتہ الراشدین المرشدین

الھادین المھدین خصوصاً الامام الھمام سیدنا سید الاعلام امامنا الاعظم وحضرۃ قطب الاقطاب غوث الاغواث محی الملۃ والدین وسائر الائمۃ اجمعین۔ اما بعد فقیر نے یہ رسالہ ہدایت قبالہ مصنفہ حضرت الفاضل الجلیل العالم النبیل الالمعی اللوذعی الفطین استاذ العلماء مولانا المولوی الحافظ الحکیم محمد نعیم الدین نعیم اللہ تعالٰی بمزید العلم والتصدیق والیقین وجعلھم کاسمھم نعیم الدین ومعین الدین وسنیع الدین دیکھا بحمد اللہ تعالٰی اسے طالب حق کے لیے کافی ووافی اور ہزلیات وساوس کا نافی اور مرض کے لیے دوا شافی پایا۔ مولا تعالٰی حضرت مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس رسالہ کو مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ آمین۔

حضرت مولانا زید فضلہ نے مفتیان نجدیہ و ندویہ کے خیالات خام اور باطل اوہام کی خوب خوب سفر شکنی فرمائی ہے۔ نہایت وضاحت سے ان کی سفاہتوں اور دغاحتوں کو طشت از بام فرمایا ہے ان کا کوئی شبہ ایسا نہیں چھوڑا جس پر کافی نقض و ابرام نہیں فرمایا ہے۔ یہ مختصر مگر نہایت جامع رسالہ ازہاق باطل ودفع ظلمات نجدیاں گمراہ و غافل کے لیے حق کا آفتاب نصف النہار ہے۔ ہر منصف پر یہ مبارک رسالہ دیکھ کر ان نجدیوں ندویوں کی ذلیل ترین حرکات کیادی ومکاری و فریب دہی و غداری جیسی گندی صفات روشن وآشکار ہے۔ اگرچہ علماء اہل سنت کثرھم اللہ تعالٰی وشکر سعیھم نے مسئلہ کو واضح فرما دیا اور اب کوئی اولٰی خفا باقی نہیں رہا، ہر مخالف دریدہ دہن کے منہ میں پتھر دے دیا اور اس کے لیے مجال دم زدن و یارائے لب جنبانیدن نہ رکھا مگر اب یہ دعوی سے کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ پر اس کے علاوہ جو ان علمائے کرام نے

تحریر فرمایا جز کے جز لکھے جاسکتے ہیں مگر کیا ضرورت ہے کہ اگر در خانہ کس است یک حرف بس است"۔ اور معاندین کے لئے دفتر بیکار کہ وہ تو سب کچھ دیکھ کر سن کر بہرے اندھے بنتے ہیں۔ اور جلوہ حق سے اپنے مریض آنکھوں میں چکا چوند پا کر انہیں خوب میچ لیتے اور ظلمت کے گڑھوں میں گرتے ہیں اور جس زبوں حالی میں خود ہیں دوسروں کو بھی اسی میں مبتلا دیکھنا چاہتے ہیں خود حق سے اندھے ہیں اور دوسروں کی آنکھوں میں خاک اڈیلیچ کر اپنی طرح گنگرہی بنانا چاہتے ہیں۔

جامعہ ملیہ کے مفتی عبدالحئی صاحب نے تو وہ اندھا دھند کیا ہے کہ توبہ بھلی"

گر ہمیں جامع است ہیں مفتی کار فتوائی تمام خواہد شد

جس کی حالت یہ ہو کر اپنے صریح مخالف عبارتیں اپنے موافق جان کر نقل کرے زہر پئے اور شہد سمجھے وہ اور فتوے جامعہ ملیہ کا مفتی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آپ کا دعوی باطل تو یہ ہے کہ قبے بنانا قرآن و حدیث و فقہ کی نظر میں ناجائز اور حرام اور ہر قبہ واجب الانہدام ہے اور ابن سعود نے جس قدر قبوں کو منہدم کیا ہے وہ بالکل کتاب وسنت کے مطابق کیا ہے مگر ہر آنکھ والا دیکھ رہا ہے کہ انہوں نے قرآن عظیم کی کوئی ایک آیت ایسی نہیں پیش کی جس میں قبوں کی حرمت کا کوئی ذکر ہو بلکہ جو آیت پیش کی ہے وہ وہ ہے جس سے حضرت علامہ شہاب خفاجی قدس سرہٗ نے انکے جواز پر استدلال فرمایا ہے۔ اگرچہ ابن کثیر و آلوسی و ابن تیمیہ سے انہوں نے اس کا رد بھی نقل کیا ہے مگر اس سے کیا غایت مافی الباب اتنا ہے کہ ان کے نزدیک ابن کثیر وغیرہ کے قول سے حرمت نکلی یہ ابن کثیر و ابن تیمیہ کے دامنوں تک کیوں چھپے

ہیں ان میں کیا کچھ دم ہے تو قرآن عظیم کی کچھ آیت سے قبوں کی حرمت ثابت کریں اور کتاب کریم سے ان کا واجب الانہدام ہونا دکھائیں مگر ہم لکھے دیتے ہیں کہ قیامت تک قرآن عظیم کے کسی ایک حرف سے بھی اپنا باطل دعویٰ ثابت نہ کر سکیں گے۔

تیسری صدی کے آلوسی نے حضرت علامہ شہاب خفاجی پر جو رد کیا اس کا حاصل تو صرف اتنا ہے کہ اس آیت سے قبوں پر استدلال صحیح نہیں۔ بالفرض اس کی یہ بات قابل قبول ہو، تو آپ کا باطل دعویٰ قرآن سے کیونکر ثابت ہوا۔

یونہی ہر عقل والا دیکھ رہا ہے کہ جو احادیث نقل کی گئیں ان میں حرمت قبہ سے کوئی علاقہ نہیں۔ قبوں کا ان میں کہاں ذکر ہے۔ دعویٰ یہ کہ قبہ بنانا ناجائز ہے دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ قبر کو سجدہ گاہ نہ ٹھہراؤ۔ اور حدیث میں ہے کہ کوئی قبر اونچی نہ چھوڑو۔ اگر یوں کتاب و سنت سے اپنے دعوے ثابت کئے جائیں تو وہ کون سا باطل دعویٰ ہے جس کے اہل باطل قرآن و حدیث سے ثبوت نہ دے لیں گے رہی فقہ آپ نے اس میں جو کچھ ڈھایا ہے وہ بھی کسی اہل علم سے مخفی نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ مطلقاً قبہ بنانا حرام اور ہر قبہ واجب الانہدام اور دلیل میں وہ عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جو ان عمارتوں سے متعلق ہیں جو قبرستان وقف میں بنائی جائیں یا ملک غیر میں بے اذن مالک بنی ہوں، یا اپنے ملک میں محض بے فائدہ بنائی گئی ہوں ہوں، علماء کرام قدست اسرارہم کی ان عبارتوں میں زینت اور احکام وغیرہ الفاظ دیکھ صرف احکام کے لحاظ سے تعمیر کی گئیں ہوں یا محض زینت و تفاخر کے لئے بنی کر ان سے آنکھ چرانا کہنا کتنے بڑے حیادار کا کام ہے لطف یہ ہے کہ وہ بھی صرف

قبوں کے متعلق نہیں بلکہ ان میں مساجد و مدارس کا بھی ذکر ہے۔ کیوں صاحب مدارس و مساجد کے الفاظ دیکھ کر بھی نہ سمجھے کہ ان عبارات کا محل کیا ہے وہ کتنا بلید و نافہم ہے اور اگر سمجھ کر الٹی کہے تو کیسا عنید ہٹ دھرم ہے اگر آپ کی یہ بات مان لی جائے تو ہم آپ سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے ان عبارات سے مطلق قبوں کا حرام و واجب الانہدام ہونا ثابت کرنا چاہا مگر جب کہ مساجد و مدارس کا بھی ان میں ذکر تھا تو اس سے کیوں کنی بچا گئے یوں آپ پر لازم ہے کہ جس طرح حرمت قبہ کا اعلان کیا ہے اسی طرح آپ علی الاعلان یہ کہتے کہ قرآن وحدیث و فقہ ائمہ اربعہ کی رو سے مدارس و مساجد بنانا حرام اور جو بنے ہوئے ہوں۔ ان کا مسمار کر دینا اور ان کے آثار مٹا دینا لازم کیوں ہے صلاح کیا آپ یہ اعلان کرائیں گے۔ اور نہیں تو دیوبند و جامعہ ملیہ اور ایسے ضلالت کے جو اور مدارس ہوں۔ ان کے قلع قمع میں تو اہل سنت بھی آپ کا ساتھ دیں گے اور اگر کسی دینی مدرسہ کا آپ نے رخ کیا تو وہ اپنے دینی بھائی کے ساتھ ہوں گے آپ نے ابن تیمیہ سے استدلال کی زحمت کیوں گوارا کی سرے سے یونہی کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ سب کچھ حرام و شرک ہے۔ اس لئے کہ ہمارا امام محمد بن عبد الوہاب نجدی اپنی کتاب التوحید میں اس کی تصریح کرتا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔

مسلمانوں کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ وہ جس راہ پر گامزن ہیں وہ بالکل صحیح و درست اور نہایت پاک و صاف راہ ہے۔ انہیں ان وہابیوں ندویوں کے فریبوں کیدوں مکاریوں سے دھوکے میں نہ پڑنا چاہیئے۔ جن علماء نے منع فرمایا ہے اور جنہوں نے اجازت دی ہے ان میں کوئی اختلاف نہیں جسے وہ منع کرتے ہیں وہ وہاں منع

فرماتے ہیں جہاں وجوہ منع سے کوئی وجہ منع پائی جائے کہ غیر کی ملک میں بے اجازت تعمیر ہو یا قبرستان وقف میں بے شرط واقف عمارت بنالی جائے یا صرف تفاخر و زینت کے لئے بنائیں یا محض بے فائدہ ایسا کریں اور جہاں یہ کچھ نہ ہو وہاں کیوں ممنوع ٹھہرائیں اور جبکہ علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمادی کہ جواز ہی مختار و مرجح و مفتی بہ ہے تو اب کسی کو کیا گنجائش کلام ہے اور جواب بھی محض بزور زبان مخالفت کی جائے تو اس کا قول کیا قابل التفات ہو سکتا ہے اب آخر میں ہم بعض وہ عبارات جو پیش نظر ہیں پیش کریں۔ منتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے۔

يكره الأجر والخشب اى كره ستر اللحد بهما وبالحجارة والجص لكن لو كانت الارض رخوة جاز ويسنم اى يرفع القبر استحبابا غير مسطح قدر شبر فى الظاهر الرواية وفيه اباحة الزيادة ويكره بناؤه بالجص والاجر والخشب لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم صفق الرياح وقطر الامطار على قبر المومن كفارة لذنوبه لكن المختار ان التطين غير مكروه وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمر القبور الخربة كما فى القهستانى وفى الخزانة لا باس بان يوضع حجارة على راس القبور ويكتب عليه شيئ وفى النتف كره ان يكتب عليه اسم صاحبه مختصرا۔

بدائع امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس اللہ سرہ النورانی میں ہے۔ روی عن

ان عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لما مات بالطائف صلی علیہ محمد بن الحنفیۃ وجعل قبرہ مسنما وضرب علیہ فسطاطا اھ مختصر. تاتارخانیہ میں پھر عالمگیریہ میں ہے اذا خربت القبور فلا باس بتطینہا. جواہر الخلاطی میں ہے وھو الاصح وعلیہ الفتوی. کفایہ میں فرمایا وان اہیل علیہ التراب بالحجر و الآجر وکذا علی القبر ان احتیج الی الکتابۃ وفی الجامع الصغیر لقاضی خان رحمۃ اللہ علیہ لاباس بکتابۃ شیئ او بوضع الاحجار علی القبر لیکون علامۃ. خاص قبول کے متعلق تو امام ابن حجر نے نص فرما دی کہ علماء و اولیاء و صلحاء کے مزارات طیبہ پر قبہ بنانا قربت ہے. کما فی مصباح الانام حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں ضرب الفسطاط ان کان لغرض صحیح کالتستر من الشمس للحی لا لاظلال المیت فقد جاز اس میں ہے اذا علی القبر لغرض صحیح لا لقصد المباہات جائز یہ دونوں ائمہ حضرت ابن حجر عسقلانی و علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہما نے تو ان منہ زوروں کے منہ پر پتھر دے دیا ہے. یہ متبعین الشیخ نجدی جس علت سے قبول و مزاروں کے قمع قمع کے درپے ہیں علمائے کرام اسی علت سے اس کے جواز بلکہ استحباب کا فتویٰ دیتے ہیں.

محبوبان الٰہی و مقبولان بارگاہِ رسالت پناہی سے جلنے والے اسی لئے توسع کرتے ہیں کہ اس میں ان کی تعظیم ہے اور علماء انہیں اس لئے جائز بلکہ قربت فرماتے ہیں ملاحظہ ہو تفسیر روح البیان « بناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا قصد بذالک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب ہذا القبر». یہ دشمنانِ دین

وایمان جو آج اس تعظیم محبوبان خدا کی وجہ سے ان کے مزارات طیبہ کھود ڈالتے ہیں اور ان کا ہدم واجب ٹھہراتے ہیں خیریت ہوئی کہ انہیں اب تک یہ معلوم نہ ہوا کہ نماز جنازہ میں بھی تعظیم میت ہے اور وہ اسی سے مشروع ہوئی ہے اسی واسطے کافر و باغی و قطاع الطریق جن کی اہانت لازم ہے ان کی جنازہ کی نماز نہیں ہوتی اگر اس طرف انہوں نے توجہ کی تو یہ فرض کفایہ یعنی نماز جنازہ کو بھی حرام و شرک ٹھہرائیں گے۔ بدائع امام ملک العلماء میں ہے هذه الصلوة شرعت لتعظيم الميت ولهذا تسقط من يجب اهانته كالباغي والكافر وقاطع الطريق۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

فقیر مصطفےٰ رضا قادری
رضوی بریلوی عفی عنہ

ادعیۂ وافرہ

نبیرۂ صدر الافاضل شیخ طریقت حضرت علامہ الحاج الشاہ سید محمد رضوان الدین نعیمی مدظلہ العالی
سجادہ نشین آستانہ نعیمیہ و متولی جامعہ نعیمیہ مرادآباد (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

لاکھ صد ہزار مبارکباد ہیں ارباب تنظیم افکار صدر الافاضل ممبئی بالخصوص مولانا المحترم عزیزی مولوی نور محمد نفیس نعیم القادری صاحب جن کی سعی پیہم نے پندرھویں صدی ہجری کے تاجدار ماہتاب علم و عمل پیکر خلوص و وفا امام اہلسنت تاجدار دین حدی و سیدی امام سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ محدث مرادآبادی کے فتاویٰ کو ترتیب دے کر اشاعت کا کارنامہ انجام دیا۔ تنظیم افکار صدر الافاضل ممبئی کی یہ آٹھویں فخریہ پیشکش ہے مولیٰ تبارک و تعالیٰ بطفیل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان خدمات کا صلہ دونوں جہان میں عطا فرمائے اور ملت مرحومہ کو اس کتاب سے بیش از بیش فیضیاب کرے۔ آمین!

استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی الحاج شعبان علی نعیمی اور تنظیم کے متحرک رکن عزیزم حضرت مولانا سید عالم نعیمی و دیگر ارکان ادارہ و جملہ معاونین کے لئے فقیر قادری دعاگو ہے۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ سبھوں کو دونوں جہان میں رفعتیں نعمتیں اور برکتیں عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

دعاگو

فقیر قادری سید محمد رضوان الدین نعیمی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ نعیمیہ
و متولی دار العلوم جامعہ نعیمیہ
دیوان بازار مرادآباد یو۔پی
۵/ جمادی الآخر ۱۴۲۸ھ
۲۱/ جون ۲۰۰۷ء

تاثر

از- ادیب ملت اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خان صاحب قبلہ اعظمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عالم اسلام اور بالخصوص مسلمانان برصغیر کے لیے انیسویں اور بیسویں صدی کا نصف آخر بے شمار مسائل مشکلات اور چیلنجوں سے بھرا ہوا تھا سیاسی اعتبار سے سوائے ترکی اور اس کے چند مقبوضات کے پوری دنیائے اسلام برطانیہ فرانس جرمنی اٹلی اور دیگر یورپی ممالک کی کالونیوں میں تبدیل ہو چکی تھی اور اسلام دشمن قوتیں اپنے سیاسی غلبے کے ساتھ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے سلسلے میں تمام تر توانائیاں اور وسائل استعمال کر رہی تھیں اپنے مقبوضہ ملکوں میں وہ ہر ممکن طریقے سے اسلام کو کمزور کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی تھیں۔ کہیں ان پر اپنی تہذیب مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور کہیں انہیں دنیاوی ترقی کا سبز باغ دکھا کر دین سے بغاوت پر آمادہ کیا جا رہا تھا کہیں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض کے انبار لگائے جا رہے تھے وہ لوگ جو مغربی فکر کے پروردہ تھے ان کا انداز معذرت خواہانہ تھا وہ دشمنان اسلام کا جواب دینے کے بجائے اپنے اکابر پر الزام تراشی کرتے تھے ان کو اب دیکھ کر اس طرح کا نعرہ لگاتے اے آقایان مغرب دراصل ہمارے

اسلاف نے قرآن اور دین کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اب ہم وہ اسلام پیش کر رہے ہیں جو مغرب کے مزاج کے بالکل مطابق ہے سر سید احمد خاں اور بہت سے انگریزوں کے خطاب یافتہ اور اعانت یافتہ افراد کا یہی حال تھا۔

اس اعتذار پسند طبقے کے علاوہ وہ طبقہ جو طبقہ خالص مذہبیت کا دعویدار رہا اس طبقے کے اکابرین سے نہ معلوم کس جذبے کے تحت اور کس ہمت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا اور ان کی عظمت کے حوالے سے ان کا انداز منفی اور گستاخانہ تھا۔ منصب نبوت علم نبوت اختیارات مصطفےٰ اور شفاعت وغیرہ جیسے متفقہ اور اجتماعی عقیدے کو اختلافی بنا کر امت مسلمہ میں افتراق و انتشار کا بیج بو دیا دوسری طرف انگریزوں نے ہندوستان کی ہندو اکثریت کو مسلمانوں کے خلاف اکسا کر قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نیز اسلام کی اخلاقی اقدار کے خلاف زہر افشانیوں کے لئے تیار کیا۔ یورپ کے پادریوں کو بلا کر مناظرے کرائے گئے اور جب اس میدان میں انہیں اہلسنت وجماعت کے عظیم عالم دین اور مناظر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمہ نے شکست فاش دی تو آریوں اور سناتن دھرمیوں کو میدان مناظرہ میں اتارا گیا لیکن اسلام دشمن قوتوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ قدرت نے اپنے پسندیدہ دین اور اپنے عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور منصب نبوت کے تحفظ کے لئے ایسے افراد پیدا کر دیئے ہیں جو باطل قوتوں کو ہر میدان میں شکست دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

خدائے قدیر وجبار نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی درسگاہ کے تربیت یافتہ افراد اور معاصر علماء و مشائخ کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ طبقہ نیا چہرہ وہابیہ دیابنہ اور ہندؤں

کے تمام حملوں کا منہ توڑ جواب دے سکیں اور اس طرح برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کے عقیدوں کو تحفظ دے سکیں ان شخصیات میں حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل علامہ سید محمد نعیم الدین محقق و مفسر مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت بہت نمایاں ہے جنہوں نے ہر چہار جانب سے اسلام پر ہونے والے حملوں کا اپنی تحریروں اور تقریروں اور مناظروں سے بھرپور جواب دیا اور اپنی حیات طیبہ ہی میں اسلام دشمن قوتوں کو میدان مناظرہ میں شکست فاش دے کر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔

مناظروں میں شکست کے بعد ہندوؤں نے میدان جنگ بدل دیا اور شدھی تحریک کے ذریعہ پسماندہ ان پڑھ اور غریب مسلمانوں کو ہندو بنانے کا آغاز کیا اور ارتداد کا یہ فتنہ بڑا بھیانک اور لرزہ خیز تھا ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ہزاروں مسلمان مرتد ہو کر ہندو مت قبول کر چکے تھے، مرتدین کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی ان حالات میں جماعت رضائے مصطفےٰ کے پلیٹ فارم سے اسلام کے دفاع کا آغاز کیا گیا سرکار مفتی اعظم کی سرپرستی میں علمائے اہلسنت نے متاثرہ علاقوں کا دورہ فرمایا یوں تو اس تحریک میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری سے لیکر ہندوستان کے اکابر علماء شریک تھے مگر ان میں سب سے نمایاں نام اور کام حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کا ہے۔ انہوں نے پنڈت رام چندر اور سوامی شردھانند وغیرہ سے مناظرہ کر کے انہیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور مرتد ہو جانے والے مسلمانوں کے علاقوں میں مسلسل دورہ کرکے اور بعض مقامات پر مہینوں خیمہ زن رہ کر انہیں دوبارہ اسلام میں داخل فرمایا۔ اگر صدر الافاضل علیہ الرحمۃ اور ان کے رفقاء نے اس فتنہ کا سدباب اس قدر

جوانمردی سے نہ کیا ہوتا تو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ دین سے منحرف ہو کر ہندومت قبول کر چکا ہوتا اور اب کے حالات بہت بدتر ہوتے۔

ہندوؤں کے پنڈتوں نے اپنی چرب زبانی سے باور کرانے کی کوشش کی کہ اے مسلمانوں تم ہندو تھے، مغلوں نے تم کو بزورِ شمشیر مسلمان کیا ہے اب مغل ختم ہو گئے تم آزاد ہو اس لئے اپنے دھرم میں واپس آجاؤ اس کے ثبوت میں انہوں نے انگریزوں اور متعصب ہندوؤں کی ان تحریروں کا سہارا لیا جن میں اس جھوٹ کو تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا تھا انگریزوں نے تو مسلمانوں کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے یہ تحریریں اپنے ہندوستان میں آمد کے سلسلے میں بطور جواز لکھی تھیں کہ ہم نے ہندوستان کی اکثریت یعنی ہندوؤں کو مسلمانوں کے ظلم و جبر سے نجات دلائی ہے مگر ہندوؤں نے اسے مسلمانوں کے مذہب کو تبدیل کرانے کے لئے استعمال کیا۔

ہندو پنڈتوں نے قرآن پاک کے ان تراجم سے فائدہ اٹھایا جس میں "مکر" "استہزا" وغیرہ کا لفظی ترجمہ کیا گیا تھا جو شانِ الوہیت کے خلاف تھا۔ انہوں نے لکھا سکو مسلمانوں کا خدا معاذاللہ مکار ہے اور "مکروا ومکراللہ" کا ترجمہ اور ان مولویوں کا ترجمہ پیش کیا جنہوں نے عربی مکر کا ترجمہ اردو میں مکر ہی کر دیا تھا یا اللہ یستہزی کا ترجمہ ٹھٹھا وغیرہ کیا تھا ان حالات میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ترجمہ کنزالایمان اور صدرالافاضل علیہ الرحمہ کی تفسیر خزائن العرفان نے شانِ الوہیت اور منصب رسالت پر الزام تراشیوں کا بھرپور جواب دیا اس طرح کنزالایمان اور خزائن العرفان نے اسلام دشمن قوتوں کی ناطقہ بندی کا فریضہ انجام دیا۔

خزائن العرفان کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا اعلیٰ فن جانتے تھے۔ اپنے زمانہ میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ یہ تفسیر قدماء کی تمام معتبر تفسیروں کا خلاصہ ہے اور آیات کے سلسلے میں اقوال مفسرین میں انہیں اقوال کو نقل کیا گیا ہے جو متفق علیہ ہیں انداز بیان انتہائی سہل ہے تاکہ ہر آدمی استفادہ کر سکے۔

چونکہ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ اپنے دور کے تمام فتنوں سے نبرد آزما تھے اس لئے ان کی تفسیر میں ہر فتنے کا جواب موجود ہے حضرت صدر الافاضل کی شخصیت ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی وہ ایک عظیم مفسر ایک عظیم فقیہ ایک عظیم مدرس ایک عظیم سیاستدان تھے ان کے عظیم مفسر ہونے کا ثبوت تفسیر خزائن العرفان ہے اور ایک عظیم مدرس ہونے کا ثبوت ان کے وہ تلامذہ ہیں جن میں کا ہر ایک امام وقت معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی حضرت مولانا ابو البرکات حضرت مولانا ابو الحسنات استاذ العلماء حافظ ملت شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی مولانا غلام یزدانی اعظمی مورخ جیش حضرت پیر کرم شاہ ازہری علیہم الرحمۃ والرضوان اور ان جیسے درجنوں افاضل حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی تدریس کے شاہکار ہیں۔ جن میں مصنف مدرس مورخ فقیہ محدث ادیب اور شاعر تمام خصوصیات کے حامل افراد ہیں۔ ان کے عظیم مناظر ہونے کے ثبوت میں درجنوں مناظرے پیش کئے جا سکتے ہیں جس میں انہوں نے پنڈتوں کو آریوں کو نیز وہابیوں کو اور نیچریوں کو شکست فاش دی ہے۔

ان کے عظیم مصنف ہونے کے ثبوت میں ان کی درجنوں تصانیف

ہیں جن میں الکلمۃ العلیا، اطیب البیان، اسواط العذاب، التحقیقات اور کشف الحجاب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

وہ نباض وقت تھے اور دین و سیاست میں علٰحدگی کے قائل نہیں تھے چنانچہ سیاسی طور پر اٹھنے والے تمام فتنوں کا انہوں نے جواب دیا اس دور میں شائع ہونے والے رسالوں میں ان کے مضامین اور خطبات کے اقتباسات سے اس کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے انہوں نے اہلسنت و جماعت کو ایک متحدہ سیاسی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے سنی کانفرنس مرادآباد اور سنی کانفرنس بنارس کا انعقاد فرمایا۔ ان دونوں کانفرنسوں کے وہ خود منتظم تھے۔ اس طرح انہوں نے بنگال سے لے کر سرحد تک کے تمام سنی علماء و مشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع فرمایا۔ تقسیم ہند کے بعد یہ منظر آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا۔

انہوں نے اہلسنت و جماعت کو متحد کرنے کے لیے ایک ملک گیر تحریک چلائی، اور باطل قوتوں بالخصوص شدھی تحریک کو مٹانے کے لیے جگہ جگہ مدارس، مکاتب تعلیم بالغاں اور مختلف زبانوں میں لٹریچر کی فراہمی کا انتظام فرمایا انہوں نے اپنی قیادت میں اس دور کے ہر عالم دین کو متحرک اور فعال کر دیا تھا۔

معمار قوم و ملت کی حیثیت سے انہیں جامعہ نعیمیہ مرادآباد جیسا عظیم ادارہ قائم فرمایا جس کے فارغین نے دنیا بھر میں ادارے قائم کئے اور ایک جامعہ نعیمیہ سینکڑوں مدارس کی بنا ثابت ہوا۔

وہ ایک عظیم فقیہ تھے جس کا ثبوت تفسیر خزائن العرفان کے ہزاروں فقہی مباحث ہیں

جس میں انہوں نے اس دور میں اٹھنے والے تمام سوالوں کے جوابات دلائل کے ساتھ دیے ہیں اسلوب تحریر امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے بالکل ملتا جلتا ہے۔

انہوں نے بعض ایسے مسائل پر قلم اٹھائے ہیں جو بے پناہ اہم ہیں مثلاً

امت محمدیہ کی خصوصیات و امتیازات۔

نبی اور رسول کی جامع تعریف اور فرق۔

ابن تیمیہ اور اس کی دینی و علمی حیثیت

تعظیم و عبادت میں فرق۔

قرآن میں رب کریم نے اپنی مخلوق کی قسم کیوں یاد فرمائی

دہریوں کے سوالات کا دندان شکن جواب۔

فتاویٰ قاضی خاں کی ایک عبارت پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب۔

مولوی کفایت اللہ دہلوی کے بعض فتاویٰ کا رد بلیغ۔

ہندو نوازی (سوالات) وغیرہ کی شرعی حیثیت

اس طرح کے سیکڑوں ایسے مباحث ہیں جن کے جوابات مفتیان کرام کے لئے مراجع کی حیثیت اختیار کر جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

میں جماعت اہلسنت کے نوجوان فاضل مولانا نور محمد نعیم القادری اور ان کے رفقائے کار کو "فتاویٰ صدر الافاضل" کی اشاعت پر صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ خلاق کائنات اس نشریاتی ادارہ تنظیم ائمہ صدر الافاضل کو استحکام عطا فرمائے کہ وہ اپنے اسلاف کی حیات و

خدمات اور دینی و ملی کارناموں سے قوم و ملت کو روشناس کرانے کا قابل تقلید کارنامہ انجام دے۔ فجزاھم اللہ عنا و عن جمیع اھل السنۃ والجماعۃ۔

محمد قمر الزماں اعظمی

۹ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

۱۰ جنوری ۲۰۰۶ء



از قلم: رئیس التحریر حضرت علامہ الحاج محمد وارث جمال قادری حفظہ اللہ ورعاہ
(صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت ممبئی)




مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

استاذ العلماء، سند المحققین، سید المفسرین، سلطان المناظرین، صدر الافاضل، فخر الاماثل، حضرت علامہ مفتی سید شاہ محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان برصغیر ہند کے ان اعاظم رجال میں سے تھے جن کے قامت زیبا پر یہ قول خوب سجتا تھا

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

اللہ تعالیٰ پر یہ دشوار نہیں کہ وہ ایک عالم کو کسی فرد واحد میں جمع کردے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وعطا سے ان کے وجود حیرت میں ایک عالم کو جمع فرمادیا تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ ایسوں کی ہی ذات مقدسہ پر موت العالم موت العالم کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ آپ کی شخصیت بڑی جامع وہمہ جہت تھی۔ شرف ومجد، علم وفن، کرامت وبزرگی، دینی وملی قیادت وسیادت وامامت کا وہ کون سا میدان ہے؟ جس میں آپ کی یکتائی وبے نظیری کا سورج سوا نیزے پر نہیں چمکا!

مضت الدھور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزت عن نظرائہ

متحدہ ہندوستان میں اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد اس قدر ہمہ جہت اور قدآور کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی۔ علمی، دینی، ملی، قومی، فکری، جس میدان میں دیکھئے آپ ہی مرجع علماء وملجائے انھیں محسوس ہوں گا۔

امیر ملت حضرت علامہ سید امیر الدین مخدوم گجرات ومفتی اعظم گجرات جو علم وفضل کے بحر بیکراں اور مجد وشرف کرامت وسیادت کے میر کارواں تھے جن کی عظمت شان کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اعلیٰحضرت امام اہلسنت نے اپنے دوسرے حج وزیارت کے بعد بمبئی سے گجرات کا جو سفر فرمایا تو حضرت امیر ملت سے ازخود ملاقات کی خاطر نوساری تشریف لے گئے۔ حضرت امیر ملت سے ملاقات کے وقت اعلیٰحضرت نے شہزادہ رسول کا بڑا اعزاز واکرام کیا اور ان سے اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا اور یہ عقیدت واحترام دوطرفہ تھا۔

انہوں نے اپنے تلامذہ، خانوادہ، مریدین ومعتقدین اور اہل محبت کے لئے ایک وصیت نامہ تیار کیا۔ جس کی ایک خاص شق یہ ہے۔

''ہر مسئلہ دین میں امام اہلسنت شاہ احمد رضا بریلوی کے فتوؤں پر عمل کیا جائے جو بالکل صحیح ہیں۔''

جو بالکل صحیح ہیں کا لفظ ہی دلالت کر رہا ہے کہ وصیت کرنے والا میدان فقہ کا شہسوار اور اس بحر بیکراں کا ایک بڑا غواص ہے۔

اعلیٰحضرت امام اہلسنت کے بعد حضور صدر الافاضل پر انہیں کس قدر اعتماد تھا ملاحظہ فرمایئے۔ اسی وصیت نامے کی ایک شق یہ بھی ہے۔

''اگر کسی مسئلہ میں فتوے کی ضرورت ہو تو مولانا نعیم الدین مرادآبادی سے رجوع کیا جائے۔''

(مجلہ امیر ملت وعظیم ملت، ناشر خانقاہ اہل سنت بڑودہ، مقالہ نگار ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی)

ان کے علمی اور روحانی خوان نعمت سے واسطہ و بالواسطہ مستفیض ہونے والوں کے اسماء کی فہرست سے جنت نگاہ بناتے چلیں تاکہ ان کی قصر عظمت کو خراج عقیدت پیش کرتے وقت ہماری عقیدت و احترام کو باادب باملاحظہ ہوشیاری کی منزل سعادت مل جائے۔

استاذی الکریم امام النحو شارح بخاری حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی ،استاذ العلماء، جلالۃ العلم حضرت علامہ حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ محدث مرادآبادی، حضرت علامہ سردار احمد لائل پوری محدث اعظم پاکستان، حضور مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج شاہ مفتی محمد حبیب الرحمن قادری رئیس اعظم اڑیسہ (سابق صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت ،سلطان المناظرین امین شریعت حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب قبلہ مفتی اعظم کانپور، شمس العلماء حضرت علامہ شمس الدین جعفری صاحب قانون شریعت ،امام المعقولات علامہ احمد سلیمان صاحب بھاگلپوری، حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی صاحب تصانیف کثیرہ و جلیلہ، حضرت علامہ جسٹس پیر کرم شاہ ازہری ،مجاہد دوراں حضرت علامہ مظفر حسین کچھوچھوی، عبقری الشرق حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہم الرحمہ اور آبروئے اہل سنت صاحب تصانیف کثیرہ و جلیلہ حضرت علامہ فیض احمد اویسی متعنا اللہ بطول حیاتہ وحسن خدمۃ الاسلام۔

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو حضور صدر الافاضل کے علمی فکری اور روحانی خوان نعمت سے مستفیض و مستنیر ہوئے۔ ع

'کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے'

آپ کی شخصیت کس قدر ہمہ گیر اور ہمہ جہت و فیض رساں تھی اس کے سرحد ادراک تک کما حقہ ارباب دین و دانش اور اصحاب لوح و قلم کی رسائی ہی نہیں ہو سکی۔ ان کے فضل و کمال دانش و بینش علم و فن حیات و خدمات اور کارناموں کا تمام تر جزئیات کے ساتھ جب احصار ہوگا تو اصحاب بصارت و بصیرت کے دیدۂ حیرت کا عالم یہ ہوگا ع

'ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے'

استاذ الکل حضرت علامہ شیخ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے آخری دور میں برطانوی استعمار کے سیاسی بطن سے جو مذہبی فتنے پیدا ہوئے تھے جسے حکومت برطانیہ کی عظیم قوت اپنے سیاسی مقاصد کے لئے مسلسل توانائی فراہم

واضح رہے کہ موخر الذکر یادگار سلف حجۃ الخلف حضرت علامہ اویسی صاحب قبلہ تین ہزار کتابوں کے مصنف و مترجم ہیں اور اس وقت سواد اعظم اہل سنت کا سب سے قیمتی سرمایہ۔ ۳ر محرم الحرام ۱۴۲۵ھ مدینہ طیبہ میں بعد نماز مغرب جواہر مدینہ ہوٹل میں راقم الحروف وارث جمال قادری کو مولانا قاضی محمد ابراہیم مقبولی کے ہمراہ زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ بعد تعارف حضور والا نے گلے سے لگایا اور اسی وقت سلسلہ عالیہ قادریہ اویسیہ و سلسلہ رضویہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ میرے ہمراہ قاضی محمد ابراہیم مقبولی بھی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔ فالحمد للہ علی ھذہ النعمۃ۔

کر رہی تھی جو آپ کے زمانے تک پہونچتے پہونچتے کافی زور پکڑ چکے تھے ایک طرح سے متحدہ ہندوستان برطانوی سامراج کے بدولت قومی، ملی، اور مذہبی فتنوں کا دنگل بن چکا تھا، جو ہر طرف سے حقیقی اسلام کو اپنے نرغے میں لیکر اس کے متبادل ایک مصنوعی اسلام پیش کر رہا تھا۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا امام، جس کا فراست مومن ان حالات میں ہمیشہ چاک و چوبند رہا، اپنے رب کی بارگاہ میں فریاد کناں ہے۔

بہر اسلامے ہزاراں فتنہا اک مہ چوں صد داغے فریاد اے خدا

اسلام کی سربلندی اور اس کی حفاظت و صیانت میں اسلام کے خلاف تمام داخلی و خارجی فتنوں کی سرکوبی و استیصال میں آپ امام اہلسنت مجدد دین وملت کے دست راست اور قوت بازو بنکر ان کے شانہ بشانہ رہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کے جلو میں ارباب فضل و کمال کے درمیان آپ کی شان بہت نمایاں تھی۔ آپ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ اعلیٰ حضرت کے استاذ کامل تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت کے تلمیذ نہیں، بلکہ آپ کے معاصر اور تحریک عشق رسول کے ایک بڑے حامی و ناصر اور موید و معین تھے۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں آپ کو بڑی وجاہت اور قرب خصوصی حاصل تھا۔ آپ امام اہل سنت کے

قلب کی دھڑکن اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ اہل کمال کے درمیان صدرالافاضل کا لقب خود امام اہلسنت نے اپنے دست محبت سے ان کے فرق اقدس پر سجایا تھا جو آپ کے اوپر ایسا سجا کہ یہی لقب آگے چل کر آپ کے نام کا علم بن گیا۔

ے زندگی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

بے شک آپ کی شخصیت بڑی بے کراں و جامع الصفات تھی جو اپنے وجود میں خود ہی ایک جہان حیرت تھی۔ آپ کی زبان دانی اور اس کے تب و تاب جاودانہ کا عالم یہ تھا کہ بقول استاذی الکریم بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ مبارکپوری کہ "آپ کی اردو اگر ابوالکلام سن لیتا تو اپنی زبان دانی بھول جاتا۔" آپ کی شان خطابت اور زبان کی فصاحت و بلاغت وطلاقت لسانی کا تذکرہ کرتے ہوئے بحرالعلوم فرماتے ہیں۔ "ایک بار مبارکپور کے گولا بازار میں ایک بہت بڑے مجمع میں خطاب فرما رہے تھے، زبان کی فصاحت و بلاغت اور طلاقت لسانی سے مجمع دم بخود تھا۔ سیرت پاک کے ایک ایک گوشے پر بولتے بولتے یہ جملہ بڑی روانی کے عالم میں زبان سے نکلا "پتھر میں جان ڈال دی گویا بنا دیا۔" آپ کے اس جملے پر اہل ذوق اور ارباب ادب مچل مچل گئے اور شعرأ مبارکپور نے کوثر و تسنیم سے دھلے اس جملے کو مصرع طرح بنا کر پورا مشاعرہ کر ڈالا۔ ع پتھر میں جان ڈال دی گویا بنا دیا۔

اور عربی زبان وادب اور اس کے بلاغت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ ایک دیوبندی۔جس کو اپنی عربی دانی پر بڑا ناز تھا اور وہ قابلیت وہمہ دانی کے بخار میں بھی مبتلا رہا کرتا تھا۔حضرت صدر الافاضل کے فضل وکمال کا شہرہ سن کر وہ مرادآباد آیا اور آپ کو چیلنج مناظرہ دے کر یہ شرط لگادی کہ مناظرہ عربی زبان میں ہوگا۔آپ نے آنجناب کے چیلنج کو بطیب خاطر منظور کرتے ہوئے اپنی طرف سے دو شرط اور لگا دی کہ بیشک مناظرہ عربی زبان میں ہوگا مگر وہ منظوم اور غیر منقوط ہوگا۔عربی دانی اور قابلیت کے بخار میں مبتلا رہنے والے مولوی صاحب منظوم وغیر منقوط کی شرط پر بدحواس ہوگئے،عربی دانی کا سارا نشہ اکھڑ گیا،قابلیت کا بخار سر سے اتر گیا بھیگی بلی بن کر رات کی تاریکی میں بڑی خاموشی کے ساتھ فرار میں اپنی عافیت سمجھی اور نو دو گیارہ ہوگئے۔

یہاں ہوتا کے ہاتھوں جب فرعون خدائی کے بجاتے ہیں
انہیں محلوں میں پالا کرکے بچے موسیٰ بن جاتے ہیں

اسلامی علوم میں سب سے اہم اور مہتم بالشان علم ؛علم فقہ ہے۔جس کی عظمت و جلالت پر قرآن شاہد ہے۔ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔(جسے حکمت ودانائی عطا کی گئی یقیناً اسے خیر کثیر عطا کیا گیا۔ارباب تفسیر خیر کثیر سے علم فقہ مراد لیتے ہیں)۔حدیث پاک ہے۔من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔) یہ علم یعنی تفقہ فی الدین اپنے اندر بڑی وسعت، گہرائی، تنوع اور عظمت وجامعیت رکھتا ہے۔ تمام علوم اسلامیہ میں یہی علم مشکل تر و کارے دارد کے مترادف بھی ہے جس میں محنت شاقہ، دیدہ ریزی و جگر سوزی کے ساتھ توفیق الٰہی و عنایات ربانی کی بھی ضرورت ہے۔ صحیح عبارت خوانی و عبارت فہمی اور چند فقہی جزئیات سے باخبری، مفتی بننے کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ اس کے لئے اٹھائیس شرطیں اور قرآن وسنت کی تفہیم کے لئے اٹھارہ علوم ضروری ہیں۔ جبکہ فی زمانہ علی العموم مفتی کہلانے والے حضرات ''رسم المفتی'' کی زیارت تک سے محروم ہیں ''آداب المفتی'' تو بڑی بات ہے ایسے لوگ بھی خود کو مفتی کہلانے میں بڑی مسرت محسوس کرتے ہیں جو اپنے علمی افلاس کے سبب اپنے نام کے مادہ اشتقاق سے بھی واقف نہیں۔ آج یہ لفظ مفتی بھی لفظ علامہ کی طرح بڑا بے توقیر ہو چکا ہے اور اپنی افادیت واہمیت و معنویت ختم کر کے جناب کے معنی میں ہو کر رہ گیا ہے۔ جیسے عربی زبان میں سید و سیدہ جناب و جنابہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں جس کا اطلاق غیر مسلم پر بھی ہوتا ہے۔ **مثلہ**،

قال السید راجیو غاندی والسیدة اندرا غاندی!۔

ٹپکے گا لہو اور میرے دیدۂ تر سے	دھڑکے گا دل خانہ خراب اور زیادہ

آئے گا نہیں مجھ سے حجاب اور زیادہ
ہوگی میری باتوں سے انہیں اور بھی حیرت

حالانکہ اس لفظ کے عظمت و جلالت کا عالم یہ ہے کہ عدالت اسلامیہ کے اہم مناصب میں یہ ایک اہم منصب ہے۔ جیسے قاضی، قاضی القضاۃ، یوں ہی مفتی شرعی عدالت کا اہم عنصر ہے۔ جس طرح دنیاوی کورٹ و قانون میں جج، جسٹس، چیف جسٹس، منصف، مجسٹریٹ وغیرہ یہ بڑے اہم پوسٹ و منصب ہیں۔ جسے قانون کی ڈگری اور حکومت کی منظوری کے بغیر کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ ہرگز ہرگز لگا نہیں سکتا ورنہ ملکی تعزیرات کے تحت وہ مجرم مانا جائے گا۔ خواہ وہ کتنا ہی قابل و دولتمند کیوں نہ ہو۔ یوں ہی عدالت اسلامیہ کے ان مناصب کے استعمال کے لئے اعلیٰ ترین علمی دینی و فقہی صلاحیت چاہیے اور ساتھ ہی کسی عظیم دینی و علمی درسگاہ سے سند! اور تخصص فی الفقہ کی عملی تربیت! اور برسوں کسی طبیب حاذق کی صحبت اتب کہیں جاکر یہ مرتبہ بلند ملتا ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

حکیم الامت صاحب تصانیف کثیرہ حضرت اقدس علامہ احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے ایک مفتی کے لئے اٹھائیس شرطوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن میں کچھ اہم شرطوں کا ذکر یہاں ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مفتی عدالت اسلامیہ کا ایک عظیم ترین رکن ہے اور اس عظیم منصب کا اہل وہی ہو سکتا ہے جس کے اندر فقہائے کرام کی

فرمودہ اٹھائیس شرطیں پائیں جائیں۔ایک مفتی کے لئے پہلی شرط اس کی اعلیٰ نسبی ہے اگر چہ وہ غریب ہو، کیوں کہ متبحر اور جید علماء ہر دور میں علی العموم سفید پوش رہے۔اور ان کی سفید پوشی ان کے غربت کا بھرم رکھے رہتی تھی۔

شرافت،تہذیب،شائستگی،حسن اخلاق یہ سب خاندانی شرافت ونجابت کا ایک حصہ ہے۔

مفتی کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے وہ اٹھارہ علوم کا ماہر ہو۔(فتاویٰ عالمگیری،فتح القدیر)

مفتی کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جتنے علاقے میں اسکا فتویٰ جاری ہوتا ہو ان علاقوں کے لغت ورسم ورواج نیز ضرب الامثال سے بھی واقف ہو کہ عقد رسم مفتی کے مطابق جو اپنے زمانے کے رواج سے ناواقف ہو وہ علماء فتویٰ کے نزدیک جاہل ہے۔

مفتی کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ صاحب عقل وخرد ہو،ذہانت وفطانت بالغ نظری اور قوت فیصلہ کا حامل ہو،فروعی مسائل کے لئے اس کے اندر اجتہادی ملکہ ہو۔

مفتی کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تمام دینی تعلیم کسی بلند پایہ وتبحر عالم دین سے حاصل کی ہو اور سند یافتہ ہو کتب بینی کے ذریعہ خواہ وہ کتنا بھی بڑا عالم بن

جاہل مگر وہ فتویٰ دینے کا اہل نہیں ہو سکتا۔

ایک مفتی کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اغنیا اور دولت مندوں سے اور کثرت محافل سے دور بلکہ کسی حد تک گوشہ نشین رہے۔

ایک مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحب حلم ومروت، نرم رو، نرم خو اور صاحب اخلاق ہو۔

ایک مفتی کے لئے تقویٰ پرہیزگاری بھی لازم ہے ساتھ ہی وہ حق گو وباہمت بھی ہو، بزدل اور مصلحت پسند نہ ہو۔

ایک مفتی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ استفتاء کا جواب ترتیب سے دے کسی امیر کی رعایت سے ترتیب نہ توڑے اگرچہ امراء دباؤ ہی کیوں نہ ڈالیں، مگر یہ کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو البتہ بہت ضروری فتوے کے لئے ترتیب توڑ سکتا ہے۔ البتہ علماء دین ومشائخ کرام کی جانب سے اگر کوئی استفتاء ہو تو پھر وہاں ترتیب نہ دیکھے بلکہ جتنی جلد ہو سکے جواب دے۔

ایک مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر مگر کر کے فتویٰ نہ لکھے بلکہ اگر کسی دوسرے شخص کا اس فتویٰ سے تعلق ہو تو صرف مستفتی پر انحصار نہ کرے بلکہ اس فریق کو بلا کر شہادت شرعی وحلف کے ذریعہ پوری تشفی حاصل کرے اور بڑی خود اعتمادی وپر اعتمادی کے ساتھ شریعت کا حکم نافذ کرے اور اپنے فتوے کو فقہ کے

کتب معتبرہ کے حوالے سے مدلل ومبرہن کرے اور یہ خیال دل میں نہ لائے کہ اس مسئلے سے رجوع کرلیں گے، حوالہ جات کے لئے نادر کتابوں سے پرہیز کرے کہ جب وہ خواص کو دستیاب نہیں تو عوام بیچارے کیا کرسکتے ہیں۔

(ماہنامہ سنی آواز شمارہ جنوری فروری ۲۰۰۳ء)

فی زمانہ مفتیانِ دین متین یا اس مقدس صف میں کھڑے ہونے کا جذبہ و تڑپ رکھنے والے مذکورہ بالا شرائط پر ضرور غور فرمائیں۔

مفتی کہتے ہیں شریعت کے احکام بتانے والے کو اور جو شریعت کے احکام معلوم کرنا چاہیں انہیں مستفتی کہیں گے۔ اور جہاں سے فتویٰ جاری ہوتا ہے اسے دارالافتاء کہتے ہیں۔

برصغیر ہند سواد اعظم اہل سنت وجماعت میں یوں تو بہت سی جگہوں پر دارالافتاء قائم ہیں علاقائی حیثیت سے ان کا وجود بھی ضروری ہے، مگر پورے ملک میں (۱) بریلی شریف (۲) الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (۳) صاحب تذکرہ حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی عظیم یادگار جامعہ نعیمیہ مرادآباد (۴) اور دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کو مرکزیت حاصل ہے۔

چونکہ فقہ وابواب فقہ ومتعلقات فقہ واصطلاحات فقہ اور اس کے اصول مبادی پر ایک بے حد قیمتی تاریخی وعلمی مقدمہ اس مجموعہ فتاویٰ میں شامل ہے جو فتاویٰ

صدر الافاضل کی زینت بھی ہے۔ یہ مقدمہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جو مفتیان دین متین کے لئے ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مقدمہ علم فقہ پر ایک قیمتی دستاویز بھی ہے، جس میں فقہ کے سارے مالہ وماعلیہ پر تفصیلی گفتگو ہے اس کے اصول ومبادی پر گفتگو کرنا تحصیل حاصل کے مترادف تھا اس لئے ہم نے اپنی گفتگو کو سمیٹا۔ صاحب مقدمہ استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد شعبان علی نعیمی مدظلہ العالی ممبئی کے جلیل القدر علمی شخصیت ہیں اور خانوادہ نعیمی سے روحانی طور پر وابستہ ہیں اس لئے اس مجموعہ فتاوی پر مقدمہ نگاری کا حق بھی حضرت والا ہی کو تھا اور حق تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قامت علمی کے اعتبار سے اس کا حق بھی ادا کردیا۔ فجزاہ اللہ تعالی احسن الجزاء

حضرت علامہ مفتی محمد شعبان علی قبلہ نعیمی نے جس دیدہ وری و دیدہ ریزی سے یہ مقدمہ لکھا ہے اور اس کم ذری میں جو محنت شاقہ کی ہے اس میں وہ شدید والہانہ وابستگی بھی کارفرما ہے جو علامہ کو حضور صدر الافاضل کی ذات ستودہ صفات سے ہے۔

اس نے مانگا ہے محبت میں تڑپنے کا ثبوت
ہم گواہی میں تجھے دیدہ تر رکھتے ہیں

کم وبیش ۳۰ سال قبل حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر راقم الحروف وارث جمال قادری نے ایک طویل مقالہ لکھا تھا جو اس وقت

ماہنامہ پاسبان الہ آباد میں شائع ہوا تھا، جسے بڑی پزیرائی ملی تھی۔ پھر اس کے بعد متعدد بار شائع ہوا۔ آخیر میں قدرے اضافے کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب ''انوار کنزالایمان'' میں شائع کیا۔ علامہ نورالدین نظامی جیبی نے اسے ہندی میں ''اہل سنت کی دو آنکھیں'' کے عنوان سے شائع فرمایا۔ اس میں آپ کے فتویٰ نویسی کے ضمن میں ایک حسرت ظاہر کی تھی کہ اے کاش آپ کے فتاوے منظر عام پر آ جاتے تو عوام وخواص دونوں کا بڑا فائدہ ہوتا۔ میری حسرت واپیل میں جو درد واخلاص تھا وہ تاخیر ہی سے سہی رنگ لایا۔ ان کے فرزندان روحانی کی پچھلی صفوں سے ایک نوجوان فاضل اٹھا اور اس نے کمر ہمت کسی اور حضور صدر الافاضل کے اس علمی خزانے سے جزوی طور پر ہی سہی ایک منفرد فقہی شاہکار کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فتاویٰ صدر الافاضل کے فاضل مرتب عزیزم مولانا نورمحمد نعیمی نعیم القادری بلرامپوری نے ایک ملاقات میں بتایا کہ آپ کے اس مقالے اور اس میں حضور صدر الافاضل کے فتاویٰ کے تعلق سے آپ کی حسرت دیرینہ پڑھکر ہی میرے دل میں یہ عزم پیدا ہوا کہ لاؤ میں ہی یہ کام کر جاؤں، چنانچہ اسی وقت سے آپ کے فتاویٰ کے حصول میں لگ گیا، جس کے لئے انہیں جگہ جگہ کی خاک چھانی

انہوں نے بڑے درد کے ساتھ بتایا کہ اس تعلق سے آپ کی عظیم یادگار پڑی، جسے آپ نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا جو پورے ملک میں اپنی ایک انفرادی شان لیے ہوئے ہے "جامعہ نعیمیہ" وہاں اس تعلق سے ایک صفحہ بھی نہیں مل سکا، جبکہ اس نوعیت کے سارے علمی ذخیرے وصال تک جامعہ نعیمیہ ہی میں تھے، مگر وہاں کا حال تو یہ ہے۔

کہیں بھی کوئی دریچہ کھلا نہیں ملتا اس گلی میں میاں کون لوگ رہتے ہیں

مقدمہ نگار علامہ مفتی محمد شعبان علی صاحب زید مجدہ اس تعلق سے اپنے درد کا اظہار مقدمہ کے آغاز ہی میں یوں کرتے ہیں۔

"اس مجموعہ کو ہزاروں صفحات اور متعدد جلدوں پر مشتمل ہونا چاہیے چونکہ فقہ کے ہر باب پر فتوے بلاد و امصار، قصبات و قریات میں گئے اور ان کے ضبط و تحریر کا نظم بھی قائم رہا۔ جامعہ نعیمیہ کے دار الافتاء میں رجسٹر نقل فتاویٰ سے بھرے ہوئے تھے مگر بدقسمتی سے آپ کے وصال پر ملال کے بعد وہ رجسٹر حصہ دشمناں و نذر حاسداں ہو گئے، کہاں گئے؟ کون لے گیا؟ کچھ پتہ نہ چلا۔

راقم الحروف وارث جمال قادری کو بھی یہی خوش فہمی تھی کہ فتاویٰ کے ذخیرے تو انہیں جامعہ نعیمیہ ہی سے مل گئے ہونگے (مرتب کے ذمہ ترتیب و تہذیب و تبویب کا کام تھا حالانکہ یہ کام کم زہرہ گداز نہیں، اس کے لئے بھی پتھر

کا جگر پانی کرنا پڑتا ہے۔

کیونکہ روایت وطریقہ یہی ہے چھوٹے اور علاقائی مفتی صاحبان بھی اپنے فتاوے کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ جبکہ حضور صدرالافاضل، اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے بعد متحدہ ہندوستان میں سب سے بڑے اور سب سے زیادہ قدآور عالم دین تھے۔ عوام تو الگ رہے وہ خواص ہی نہیں بلکہ اخص الخصوصین کے بھی مرکز امید وملجی وماوی تھے۔ جنکے علم وفضل کا شاہکار تو ترجمہ پاک کنز الایمان پر خزائن العرفان کا عظیم تفسیری حاشیہ ہے، جو اپنے وجود با مسعود میں ایک جہان علم وفضل ہو، جس نے کمسنی میں ہی اہل کمال سے اپنے اعتبار کی سند حاصل کرلی ہو۔ ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، علامہ حسرت موہانی وغیرہ کے شانہ بشانہ جس کے قلم نے علم وادب کے گوہر لٹائے ہوں۔ جو اپنے آپ کو نوجوانی ہی میں دینی، ملی، قومی، ہر محاذ پر اپنی قیادت و سیادت وامامت کا اہل ثابت کرچکا ہو، جس کے آغاز شباب کو اہل کمال واہل نظر نے حیرت ومسرت سے دیکھا ہو، جو نوجوانی میں ہی تاجدار علم وفن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی کا دست راست اوران کا اعتماد بن چکا ہو، اس ہستی بے کراں کے دور عروج کا عالم کیا رہا ہوگا۔

جو اپنے زمانے کا استاذ الکل اور اس دور کے اعاظم رجال کا مرکز ملجا وماویٰ ومرجع

رہا ہو۔ جس کے تلامذہ کے تلامذہ اپنے وقت کے رازی و غزالی و ابن سینا ہوں۔ جو زبان سے زیادہ قلم اور قلم سے زیادہ کردار و عمل کا بادشاہ رہا ہو۔ پورے برصغیر میں جس کے دین و دانش بصیرت و جہاں بینی کا غلغلہ ہو، اور جس کے سوز دروں اور اخلاص فی الدین کی قسم کھائی جا سکتی ہو۔ اس نے کیا اپنے علمی خزانے میں فتاویٰ کے ذخیرے نہیں چھوڑے ہونگے؟

اس صبر آزما سکوت اور مجرمانہ غفلت کو کس خانے میں ڈالا جائے اور کس کا نام لیکر نوحہ خوانی کی جائے۔

کعبۂ دل مسلک تھا جن کے سومنات سے کس نے کے مٹا دیا دیدہ وراں بجھتے ہیں

فتاویٰ صدر الافاضل کا یہ مجموعہ ان کے علمی خزانہ عامرہ کا تلچھٹ ہی سہی، فتاویٰ رضویہ شریف کے بعد سارے مجموعہ فتاویٰ جو اس وقت مارکیٹ میں ہیں انشاء المولیٰ ان کے ہجوم میں اپنی انفرادیت کا لوہا منوائے گا۔ ان کے فتاویٰ کے تعلق سے مجھ جیسے بے بضاعت کا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

فاضل گرامی محترم مولانا نور محمد نعیم القادری سلمہٗ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی طرف سے شکریے، دعاؤں اور مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے بے زاد و راحلہ انتہائی دشوار ترین سفر وہ بھی کامیابی کے ساتھ طے کیا، اور ان کے شانہ

بشانہ اور اس راہ محبت ان کے رفیق و دست راست عزیزم محمد رضوان سلمہ' جو اس فتاویٰ کے خوشنویس ہیں۔ یہ ایسے اعلیٰ درجے بالخصوص عربی کے ماہر خطاط ہیں جن کی عربی کتابت ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ بھی ہماری دعاؤں، شکریے اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان حضرات کو دارین کی نعمتوں سے نوازے اور ان کے دینی خدمات کو حسن قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام حرف و حکایات تمام دیدہ و دل
اس اہتمام پہ بھی شرح عاشقی نہ ہوئی



محمد وارث جمال قادری

صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت۔ ممبئی

وصدر مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بوسیاپست کھنڈسری باولا، ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

پروپرائٹر: یوپی اسٹیل مارٹ ۵۱/۵۳ ابابنی روڈ، دونا ٹکی، ممبئی ۴۰۰۰۰۴

فون: 23867045 موبائل: 9820815674

معروضات مرتب

لک الحمد یا اللہ عز جلالہ والصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر سو پھیلی خوشبوئے صدر الافاضل ہے

حضور سیدنا سرکار صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی نادر و نایاب شخصیت بلاشبہ اپنی مثال آپ ہے۔ جس طرح خورشید مشرق کی عالم تاب کرنوں پر دم زدن کے لئے ابر سیہ کی دبیز چادر پڑ جانے کے بعد بھی حجاب سحاب شمس درخشندہ کے کرنوں کی لمعان کو روکنے کی تاب نہیں رکھتا بالکل اسی طرح سیادت و شخصیت زبدۃ الافاضل پر دبیز چادر بن کر معاندین و حاسدین نے پردہ ڈالنے کی بے شمار کوششیں کر ڈالیں مگر الحمد للہ حضور ممدوح گرامی علیہ الرحمہ کے افکار اور علم و عرفان کا سورج ہمیشہ سوا نیزے پر رہا۔

امام احمد رضا ہیں ہند کے خورشید تابندہ
تو ماہ تمام عرفان بلا شک صدر الافاضل ہیں

سیدی سرکار صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے اپنی جلالت علمی کا ایسا عظیم الشان پرچم لہرایا کہ جس کی رفعتوں کو آج بھی افلاک ہفت کی بلندیاں جھک جھک کر سلام کرتی ہیں۔

امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ بے نظیر مترجم قرآن ہیں جس پر تفسیری حاشیہ لکھنے والے حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ ہی صاحب تفسیر خزائن العرفان ہیں۔ آپ نے قرآن مقدس کی مثالی تفسیر فرما کر تالیان قرآن "کلام رحمان" کو اس کے غوامض و افکار سے روشناس فرمایا ہے۔

موصوف عالی نسب وحسب کے کلک حقیقت رقم کے جواہر پاروں نے ادوار ماضی، حال، مستقبل کے بقلم خود مفسرین اور بزبان خود مٹھو میاں بننے والے ڈھونگی خامہ فرسائی کرنے والوں کو ناکوں چنے چبوا دیے ہیں، تفسیر خزائن العرفان دیکھنے کے بعد ان نام نہاد جعلی، مصنوعی مفسرین کو مجبوراً اعلان کرنا ہی پڑا کہ

''چہ نسبت ماست از صدر الافاضل کجا ذرہ کجا خورشید کامل''

سیدی سرکار صدر الافاضل علیہ الرحمہ بلاشبہ جامع علوم وفنون ہیں۔ آپ کے پاس علوم حکم کی ایسی بافیض بھٹی تھی کہ جو بندگان رموز وافکار نے جب اپنے وجود کو اس میں تپایا تو کوئی حکیم الامت کی شکل میں نیر تاباں بن کر چمک اٹھا، کوئی شمس دین بن کر جگمگاتے ہوئے قاضی شریعت فاخرہ بن کر دمک اٹھا، کوئی مبارکپور میں حافظ ملت بن کر آج بھی ناموس رسالت کی حفاظت کر رہا ہے، کوئی رفاقت حسین کا ترشح پاتے ہوئے امین شریعت بن کر فیضان امانت داری تقسیم کر رہا ہے، کوئی حبیب رحمان ہونے کے صدقے میں سرزمین ہند (اڑیسہ) سے لیکر حرمین طیبین تک محبوب رحمان بن کر نجدی حکومت سے بھی اپنے تصلب کا لوہا منوا رہا ہے، کوئی محمد حسین بن کر سرزمین لاہور پر فیضان حسینی کو عام وتام کرتے ہوئے مسند افتاء کی زینت بنا ہوا ہے، کوئی عتیق رحمان صاحب علم عرفان ہو کر گونڈہ، بستی، بہرائچ، شمالی ہند کے علاوہ نیپال میں بھی شموع علوم نبوی کو فروزاں کرتے ہوئے اپنے خاندان کے بدعقیدوں نیز اطراف وجوانب کے گمرہوں کے تابوت میں حقانی کیل ٹھونک کر آج ملک نیپال ہی میں تربت مشکبار کی پر تقدس چادر اوڑھ کر محو خواب ناز ہونے کے ساتھ ساتھ مرجع خلائق بنا ہوا ہے، کوئی تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی کی شکل

میں عمر بھر طلبہ حضرات علم پڑھتا رہا۔ کسی نے میرٹھ کی دھرتی پر علم نحو کے پرچم کو اس طرح لہرایا کہ فرقہائے باطلہ کے نحوی معلومات رکھنے والے دعویداروں کی مٹی پلید ہوگئی اور انہیں کہنا پڑا کہ بس ع

"انہیں کے سر پہ زیبا تاج علم نحو ہے بے شک"

دنیائے سنیت کے عظیم الشان نحوی حضرات صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کو ان کی خداداد صلاحیتوں علی الخصوص حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی عطا کردہ نحوی جولانیوں کے پیش نظر امام النحو کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ اسی نعیمی بحر سے نکل کر پیر کرم شاہ ازہری نے علم و حکمت کے دھارے بہادیئے۔ اجمل العلماء مفتی اجمل حسین سنبھلی علیہ الرحمہ نے بھی اسی فیضان علمی کو اجمل ترین انداز میں گردونواح میں روشن و منور فرمایا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے علمی جوہر کا
میرے صدر الافاضل علم و حکمت کے سمندر ہیں

حاشیہ صفحہ گذشتہ موجودہ

۱۔ حکیم الامت مفسر قرآن حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ (صاحب تصانیف کثیرہ)

[illegible]

آپ کی سنہ ولادت ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ ہے ویسے باعتبار ابجد آپ کا اسم مقدس غلام مصطفےٰ ۱۳۰۰ ہے مگر عرفی نام ذی اکرام سید محمد نعیم الدین شہرت پذیر و ہمہ گیر ہے۔

علاوہ ازیں آپ کی علمی صلاحیتوں کے پیش نظر صدر الافاضل، فخر الاماثل جیسے عظیم اور پاکیزہ القابات سے معاصرین علماء و فضلاء آپ کو یاد کرنے لگے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے حاسدین و معاندین نے عداوت کی عینک لگا کر چیخنا چلانا شروع کر دیا کہ صدر الافاضل تو سید تھے ہی نہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ حضور ممدوح گرامی علیہ الرحمہ جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے تھے، حکمت میں بعطائے رسول اکرم نور مجسم ﷺ، و رب قدیر جل مجدہ الکبیر نے آپ کو دست شفائے امراض لاعلاج مرحمت فرمایا تھا۔

کرم بالائے کرم حضرت والا درجت کشور شعر و سخن کے بے تاج بادشاہ بھی تھے، افلاک شعر و شاعری پر کبھی آپ کوکب نعیم بن کر چمکے اور کبھی نجم منعم کی شکل میں اپنے عروض کی تابانیوں سے طواغیت اربعہ اور ان کے نطفہ ناتحقیق دولادول کی چمچیاتی کیچڑ آلود آنکھوں کو چکا چوند فرماتے رہے اور اپنے معتقدین و محبین، متوسلین و مریدین کے کانوں میں اپنی مثالی زمزمہ سنجی سے عشق رسالت کا حیات و شجاعت افزا رس گھولتے رہے۔

آپ بلا کے ذہین تھے، صرف آٹھ سال کی عمر شریف میں حافظ قرآن ہو گئے، آپ کے جملہ مشاہیر اساتذۂ کبار علوم و فنون کے بحر ذخار تھے۔ آپ نے فارسی کی تعلیم اپنے پدر بزرگوار حضرت مولانا سید معین الدین نزہت علیہ الرحمہ سے حاصل فرمائی، کتب متوسطہ کی تعلیم صاحب الفضیلت حضرت علامہ شاہ ابو الفضل احمد علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔

علاوہ ازیں دیگر کتب منطق، فلسفہ، حدیث، ریاضی، اقلیدس، علم ہیئت وغیرہ آپ نے

علم وحکمت کے شاداب گل حضرت علامہ سید محمد گل کابلی علیہ الرحمہ سے پڑھیں اور انیس سال کی عمر شریف میں جمیع علوم عقلیہ ونقلیہ سے آپ نے فراغت حاصل فرمائی۔ ایک سال فتویٰ نویسی کی مشق کے بعد ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ امدادیہ مرادآباد کے مثالی جلسے میں اکابر مشائخ واجلہ عمائدین کے مشکبار ہاتھوں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

کمسنی کے باوجود آپ کے رشحات قلم سے نکلے ہوئے مضامین کو دیکھ کر بڑے بڑے صاحبان زبان وقلم انگشت بدنداں ہو جاتے اور ماہرین فن نیز مصنفین تصانیفِ کثیرہ گمان کرتے کہ حقیقتاً یہ اپنے دور کے کہنہ مشق کے نگارش پارے ہیں۔ آپ کے نوک قلم سے نکلے ہوئے مضامین بڑے بڑے صاحبان فکروفن سے خراج ہائے داد وتحسین حاصل کرچکے تھے آپ کی پہلی تصنیف کتاب مستطاب "الکلمۃ العلیاء لاعلاء علم المصطفےٰ" اثبات علم غیب مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے موضوع پر دانشوران اسلام نیز ارباب اقلام کے حلقوں میں بے حد مقبول ومستجاب ہوئی۔

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں جب یہ کتاب پیش کی گئی تو آپ نے دعوات وافرہ سے نوازتے ہوئے انتہائی مسرت میں ارشاد فرمایا کہ اس کتاب کے مستحکم دلائل وبراہین نویسندۂ کتاب کی لیاقت وصلاحیت کی بلاشبہ غمازی کررہے ہیں۔ اسی کتاب لاجواب نے بریلی شریف اور مرادآباد شریف کی لمبی مسافتوں کو سمیٹ کر اس طرح یکجا کردیا کہ رضا نگر سے فیضان نعیمی کے مناظر اور مخزن نعیمی سے بریلی شریف کے حسین وجمیل جلوے بالمشافہ نظر آنے لگے یعنی یہی کتاب سیدی سرکار اعلیٰ حضرت اور حضرت صدر الافاضل کے ملاقات کا سبب بنی۔

آپ مفسر اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ محدث اعظم ،فقیہ اعظم ،مناظر اعظم ،خطیب اعظم ،مصنف اعظم ،علاوہ ازیں ہمہ جہت جامع الکمالات ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر اعظم بھی تھے ،آپ کی بے مثال شاعری دردو کرب ،سوز وگداز سے مزین ومرصع ہوتی تھی ، موضوع عروض پر ریاض نعیم کتاب آپ کے دل کی آواز اور نعتیہ کلام کا حسین مجموعہ ہونے کے ساتھ ساتھ عشق رسالت مآب علیہ السلام کا شاداب وعبقری گلدستہ ہے۔

یوں تو آپ کی خطابت اور جولانئ قلم کے پرچم تو چھائے مراد آباد شریف میں لہرا ہی رہے تھے مگر عنایت خاص ،حمایت سیدی سرکار امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کو چرخ رفعت وشہرت کا ایسا نیر تاباں بنادیا جس کی نور بار کرنیں تا ابد دنیائے سنیت کو چمکاتی رہیں گی ۔امام اہلسنت رضی المولی تعالی عنہ نے آپ کو اپنا ایسا معتمد خاص بنالیا کہ مناظرہ وغیرہ میں آپ ہی امام اہلسنت کی نمائندگی فرماتے ،میدان مناظرہ کے آپ عظیم شہسوار اور فرقہائے باطلہ کے لئے تیغ آبدار تھے۔ آپ نے بے شمار سادھوؤں سناتن دھرمیوں ،آریوں ،ناریوں کے بھی چھکے چھڑائے ہیں۔

سیاسی بصیرت میں بھی آپ اپنی مثال آپ تھے ترک موالات ،خلافت کمیٹی تحریک ترک گاؤکشی کے فتنے جب آسمان سے باتیں کر رہے تھے اس وقت بھی آپ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے جہاد بالقلم فرما کر لاکھوں ،کروروں مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچایا ۔ملک کے سنی مسلمانوں کو متحد فرمانے کے لئے آپ نے ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کی داغ بیل ڈالی جس کی شاخیں ہر چہار جانب پھیل گئیں اس کانفرنس کا پہلا اجلاس ماہ شعبان پر از فیضان ۱۳۴۳ھ مطابق مارچ ۱۹۲۵ء میں

مرادآباد کی سرزمین پر منعقد کر کے سوتی ہوئی قوموں کو بیدار فرمایا، دوسرا اجلاس بنارس کی سر زمین پر انعقاد پذیر ہوا جس کی مقبولیت وافادیت کا اندازہ سیدی سرکار محدث اعظم علیہ الرحمہ کے خطبہ استقبالیہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں.......

"آج میں اپنی قسمت پر جس قدر بھی ناز کروں کم ہے، مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ بیکاروں کو بے شمار معالجین مل گئے اور ایک فریادی کو کثیر تعداد میں صاحبان عدل وانصاف میسر آگئے ہیں، کاش کہ ہم نے اس عالم ربانی عارف باللہ کے نور فراست کو پہلے ہی مان لیا ہوتا تو دشمنان نظام اسلام اپنی دھوکہ دھڑی والی چال میں کامیابی نہ حاصل کر پاتے وغیرہ وغیرہ۔ حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ تھوڑا آگے چل کر مزید فرماتے ہیں کہ........

"ہندوستان کا کون سی مسلمان ہے جو نعرۂ پاکستان سے بے خبر ہے"۔ دنیا نے بڑی تلاش وجستجو کے بعد اس تخیل کی ابتدائی کڑی کا نام ڈاکٹر اقبال بتایا ہے، لیکن اس کو آج سنئے کہ اس پیغام کیلئے قدرت نے عہد حاضر کے ہندوستان میں جس کا انتخاب فرمایا وہ ہماری آل انڈیا سنی کانفرنس کے بانی و ناظم اعلیٰ ہمارے صدر الافاضل بدر العلماء کی مقبول و برگزیدہ ذات گرامی ہے۔ سب سے پہلے جو اس دولت کو لیکر بانٹنے لگا، اس میں ڈاکٹر اقبال کی شہرت آگے نکل گئی۔ اس وقت قومی سیاست ایک خطرناک دلدل کی طرح تھی، نہ جانے کتنے صاحبان جبہ و دستار اس دلدل میں ڈبکیاں کھا رہے تھے، مگر واہ رے آل رسول جگر گوشۂ بتول حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات کہ اس قدر احتیاط سے اس سیاسی دلدل کو آپ نے پار کیا کہ آپ کے دامن پر تقدس پر معمولی سا دھبہ بھی نہ لگ سکا۔ لطف بالائے لطف یہ کہ ایک سے ایک مار سیاست گزیدہ لوگوں کو آپ نے دم زدن میں

تریاق جاں بخش مرحمت فرمادی۔ کون نہیں جانتا مولانا محمد علی جوہر کو آپ نے دہلی ان کے گھر جا کر سیاسی خطاؤں سے توبہ کروائی، اور مولانا شوکت علی نے مرادآباد آپ کے در دولت پر حاضری دیکر توبہ وانابت کی سعادت حاصل کی۔ (وما توفیقی الاّ باللّٰہ)

پنڈت دیانند سرسوتی، اور دشمن اسلام منشی لالہ رام، نیز شردھانند کے برپا کردہ فتنہ عظیم شدھی سنگھٹن کی وجہ سے (معاذاللّٰہ) جو لاکھوں مسلمان مرتد ہوگئے تھے انہیں دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل فرمایا جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

شدھی تحریک کے قلع قمع کیلئے آپ نے جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی شریف کے پلیٹ فارم سے مجاہد صفت علماء ذوی الاحترام کی معیت میں وہ عظیم کارنامہ انجام دیا جو بلا شبہ تاریخ اسلامی کا درخشندہ ترین باب ہے۔ گوناں گوں تنظیمی، تدریسی اور سیاسی مصروفیات کے باوجود آپ نے وافر مقدار میں تحریری سرمایہ بھی چھوڑا ہے جس پر امت مسلمہ کو فخر ہے۔ آپ کے قلم حقیقت رقم سے تقریباً ڈیڑھ درجن کتابیں منظر عام پر آئیں آپ کی ہر تحریر سرمایہ افتخار ہے مگر آپ کی مشہور زمانہ تفسیر خزائن العرفان کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ جس کی بنیاد پر آپ کا مبارک نام اور کام صبح قیامت تک زندہ وتابندہ رہیگا۔

درس وتدریس و دیگر مصروفیات سے فراغت کے بعد ملک کے طول وعرض سے آئے ہوئے دینی، ملی، فقہی سوالات کے جوابات بھی آپ تحریر فرماتے۔ آپ کے فتاوے انتہائی مدلل ومبرہن ہوتے تھے۔ سوالات کے ضمن میں جس قدر بھی حوالہ جات کی ضرورت ہوتی مع عبارت حوالے تحریر فرماتے۔ مسائل اور اقوال فقہا ومحدثین نیز عربی عبارتوں کا آپ کو اس قدر استحضار تھا کہ آپ کو بار بار کتابوں کی ورق گردانی نہیں کرنی پڑتی تھی۔ آپ کے

فتاوے انتہائی جامع ہوتے تھے۔ بعض فتاوے تو اس قدر تفصیلی ہیں کہ بجائے خود ایک رسالہ یا کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مگر افسوس حضور ممدوح گرامی قدس سرہ السامی کے پر از معلومات مثالی فتاوی جات احسان فراموشوں کی غفلت وتساہلی کی بنیاد پر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ اگر وہ کراماتی فتاوے محفوظ ہوتے تو یقیناً فقہ حنفی میں ایک باب جدید کا اضافہ ثابت ہوتے۔ آج تقریباً سوا سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے پیغام لالہ فام کے سلسلے میں ایک مخصوص علمی طبقہ ہی کچھ واقفیت رکھتا ہے یعنی جو اس سلسلۂ عالیہ سے روحانی طور پر وابستہ ہیں جنہیں نعیمی کہا جاتا ہے یا پھر ان کے خرمن علمی یعنی (جامعہ نعیمیہ) سے جو خوشہ چینی کا مخصوص شرف رکھتے ہیں۔ ویسے تعصب کیشوں نے تو حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے تلامذہ وفیض یافتگان کا خوب خوب ڈھنڈورا پیٹا یعنی ان کی تعریف وتوصیف میں زمین کو عرش بریں سے ملا دیا مگر یہی تلامذہ اور فیض یافتگان جس خرمن فیض وبرکت کے ریزہ خوار تھے یعنی جس سرکار صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے ان حضرات کو اپنی نگاہ فیض بار سے رفعت ثریا مرحمت فرمائی انہیں یکسر فراموش کر دیا۔ اسباب ووسائل کی فراوانی کے باوجود اساتذہ وارکان جامعہ نعیمیہ مراد آباد نے تو اس جانب توجہ ہی نہیں فرمائی۔ کاش یہ لوگ ہی حضور ممدوح گرامی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دینی، ملی اور سیاسی کارناموں پر مشتمل کچھ کام کر جاتے جو ہم اصاغرین کے لئے تازیانۂ عبرت ہوتا۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

زیر نظر کتاب فتاویٰ صدر الافاضل کی ترتیب وتدوین، نیز حصول فتاویٰ میں

راقم الحروف نور محمد نعیم القادری بلرامپوری کو جن دشواریوں سے دو چار ہونا پڑا ہے یہاں اس کی تفصیل نہیں عرض کروں گا بلکہ اس دشوار گذار مرحلے میں جن بزرگوں نے ہمیں سہارا دیا اُن کی بارگاہوں میں ہدیہ تشکر پیش کر دینا میں اپنا اخلاقی فریضہ تصور کرتا ہوں۔

سب سے پہلے شیخ طریقت نبیرہ صدر الافاضل حضرت علامہ الحاج الشاہ سید محمد رضوان الدین نعیمی صاحب قبلہ مدظلہ العالی سجادہ نشین اور رفیع الدرجت مخدوم گرامی حضرت مولانا سید شاہ محمد عرفان الدین نعیمی صاحب قبلہ مسند نشین خانقاہ نعیمیہ گنوریہ کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر پیش ہے۔ حضور صاحب سجادہ نے فتاویٰ و دیگر مواد کی فراہمی میں کلیدی کردار ادا فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں صاحب اخلاق حمیدہ حضرت مولانا عبد المنان صاحب برکاتی (خوش نویس) استاذ مدرسہ مظہر العلوم دھانے پور ضلع گونڈہ کی ذاتی لائبریری سے ہمیں کافی مواد اور متعدد فتاوے فراہم ہوئے ہیں علی الخصوص آس دم تا ایں دم استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج مفتی شعبان علی نعیمی حبابی مدظلہ کے ارشادات و ہدایات ہمارے لئے خضرِ راہ بنکر دست و بازو بنے جا رہے ہیں اس اہم ترین کام میں کاتب رضوان القادری نعیمی اور حضرت مولانا بدر عالم نعیمی زید مجد ہما کے مثالی کارناموں کو بھی میں قطعی فراموش نہیں کر سکتا۔ اداریہ اور فہرست وغیرہ کا باقی ماندہ کام جناب محمد شمیم انجم نوری (رضا گرافکس ممبئی) نے بذریعہ کمپیوٹر بحسن و خوبی انجام دیا ہے۔ فتاویٰ صدر الافاضل کے حوالہ جات کی تصحیح میں حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب نعیمی استاذ دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا اور خطیب شہیر حضرت مولانا مفتی انوار احمد برکاتی بلرامپوری نے کافی محنت فرمائی ہے۔

کتاب کی پروف ریڈنگ میں حضرت علامہ مفتی الحاج محمد حفیظ اللہ خان صاحب نعیمی، حضرت مولانا الحاج مفتی محمد بشیر حشمتی صاحب، حضرت مولانا مفتی توفیق احمد مصباحی صاحب، حضرت مولانا الحاج زبیر احمد رضوی، حضرت مولانا مفتی زبیر احمد برکاتی ممبئی اور حضرت مولانا نصیر القادری گونڈوی وغیرہ نے اپنا قیمتی وقت دے کر ناچیز پر احسان فرمایا ہے، جس کا بدلہ میں تو نہیں دے سکتا، ہاں اللہ تعالیٰ کی کریم ذات سے امید قوی ہے کہ مذکورہ بالا حضرات کو اپنے اچھوں کا صدقہ ضرور مرحمت فرمائیگا۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۰

کسی بھی کتاب کی تسوید و ترتیب کے بعد کتابت و طباعت کا مرحلہ کس قدر زہرہ گداز ہوتا ہے؟ اس کا احساس کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اس راہ کے مسافر بننے کی سعادت حاصل ہے۔ فتاویٰ صدر الافاضل کی کتابت و طباعت کیلئے ایک خطیر رقم کی ضرورت تھی۔ میں نے اپنی بے سروسامانی کا تذکرہ پیکر محاسن و مکارم حضرت مولانا الحاج مفتی محمد بشیر صاحب حشمتی سے کیا تو موصوف نے تسلی دی اور فرمایا کہ آپ اپنا کام مکمل کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ طباعت کا انتظام ہو جائے گا۔ بالآخر مفتی صاحب موصوف نے میری ملاقات ایک ایسے مرد درویش سے کروائی جو مسلک اعلیٰحضرت کا سچا شیدائی اور تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم کا پکا فدائی ہے میری مراد محبوب المشائخ حضرت الحاج محمد عیسیٰ بابا نوری کی معروف ذات سے ہے۔ حضرت موصوف نے فتاویٰ صدر الافاضل کی طباعت کیلئے ایک خطیر رقم مرحمت فرما کر زیر نظر کتاب کو منظر عام پر لانے میں کلیدی کردار ادا فرمایا۔ ان کے علاوہ اور ہمارے دوسرے احباب جناب محمد یوسف بھائی، حاجی ابراہیم میمن، حاجی غلام رسول شاہ رضوی، عبد العزیز و معصوم علی صاحبان کے علاوہ وہ جن کا تھوڑا بھی تعاون ہمیں حاصل ہے، مولیٰ

تبارک وتعالیٰ بطفیل رسول الاعلیٰ سیدنا سرکار حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ کے صدقے میں
ان تمامی حضرات کے مالی ایثار وقربانی کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں
سے مالا مال فرمائے۔ فتاویٰ صدرالافاضل کو مجھ فقیر بے توقیر نور محمد نعیم القادری اور ہمارے
والدین کریمین نیز آباواجداد کیلئے ذریعہ نجات ومغفرت سیّآت بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

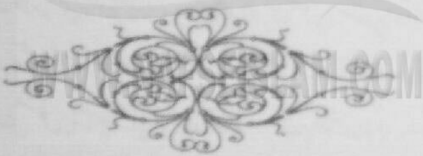
نور محمد نعیم القادری بلرامپوری

بانی : تنظیم افکار صدرالافاضل ممبئی

متوطن موضع نواز پور، پوسٹ کواپور، ضلع بلرامپور (یوپی)

۱۲؍ جمادی الاوّل ۱۴۲۸ھ

۲۹؍ مئی ۲۰۰۷ء بروز یکشنبہ



مُقدمہ

از استاذ العلماء خلیفۂ شہزادۂ صدر الافاضل ادیب شہیر حضرت
علامہ الحاج مفتی **شعبان علی نعیمی** صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ
دار العلوم حبیب الرضا باندرہ ممبئی و صدر تنظیم افکار صدر الافاضل ممبئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خاتم المفسرین راس المحققین تاج اہلسنت استاذ العلماء سند الفضلاء صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت علامہ مفتی حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین محقق و مفسر مراد آبادی علیہ الرحمہ کا مجموعہ فتاویٰ پیش نظر ہے جس کی ضخامت ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ کو ہزاروں صفحات اور متعدد جلدوں پر مشتمل ہونا چاہیے چونکہ فقہ کے ہر باب پر فتوے بلاد و امصار قصبات و قریات میں گئے اور ان فتووں کے ضبط و تحریر کا نظم بھی قائم رہا جامعہ نعیمیہ کے دار الافتاء میں رجسٹر کے رجسٹر نقل فتاویٰ سے بھرے ہوئے تھے مگر بد قسمتی سے آپ کے وصال پر ملال کے بعد وہ سارے رجسٹر حصۂ دشمناں و نذر حاسداں ہو گئے، کہاں گئے، کون لے گیا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

تنظیم افکار صدر الافاضل کے بانی و سربراہ برادر دینی و یقینی حضرت علامہ

مولانا نور محمد نعیم القادری جراپسوری کا خدا بھلا کرے کہ انہوں نے بے پناہ محنت کر کے جانے کہاں کہاں اپنے صرف خاص سے جا جا کر متعدد کتابوں اور رسالوں سے بالخصوص ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد سے حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے کچھ فتاویٰ جمع کئے اور انہیں کو مرتب کر کے فتاویٰ صدر الافاضل کے نام سے شائع کر دیا شخصیت اور ان کے دینی و مذہبی خدمات کے پیش نظر بہر حال مجموعہ فتاویٰ کا حجم بالکل مختصر ہے ۔ مگر جس قدر بھی ہے علماء کرام و مفتیان عظام کے لئے مولانا نعیم القادری جراپسوری کی جانب سے بیش بہا علمی تحفہ ہے ۔ مولا تعالیٰ ان کی محنتوں کو قبول فرما کر دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے ۔ آمین ثم آمین ۔

سرچشمہ فقہ اسلامی

شریعت اسلامیہ کے تمام احکام و مسائل کا منبع و ماخذ دو قسم کے امور ہیں ایک وہ جو تمام ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک متفق علیہا ہیں اور وہ چار ہیں ۔ اول قرآن مجید دوم ۔ احادیث نبویہ ، سوم ۔ اجماع امت ، چہارم قیاس ۔ ان چاروں پر علماء فقہ کا اجماع ہے کہ یہ شریعت مطہرہ کے جملہ امور احکام و مسائل کی بنیادیں ہیں ۔

دوسری وہ قسم ہے اور ایسے امور ہیں جو ان کے علاوہ ہیں اگر چہ یہ امور بھی نور قرآن اور احادیث کریمہ سے منور ہیں اور ان ہی کے فیضان سے مستفیض ہیں لیکن وہ اصول ایسے ہیں جن کو احکام شریعت و مسائل فقہیہ کی بنیاد تسلیم کرنے اور حجت شرعیہ

اور قابل استدلال ماننے میں علماء فقہ باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ نیز ان کے مفہوم کی تعریف اور ان کے دائرہ عمل کی توسیع میں بھی اختلاف ہے۔ ایسے اصولوں کو فقہ کی اصطلاح میں، استدلال سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کی تعداد پانچ ہے۔ اول استحسان، دوم مصالح مرسلہ، سوم استصحاب، چہارم سابقہ شرائع، پنجم مسلک صحابہ۔

ہمارے ائمہ کرام و مجتہدین عظام اور ماہرین علم فقہ علیہم الرحمۃ نے مذکورہ بالا تمام ہی بنیادی اصولوں کی روشنی میں ان کو منبع و ماخذ بنا کر مسائل فقہ و احکام شرعیہ کا استخراج کیا، فقہ کی کتابیں اور فتاوی مرتب فرمائے جن میں بے شمار احکام و مسائل، اور جزئیات فقہیہ کو بیان فرمایا جس سے آنے والی نسلیں مستفید ہوئیں۔ اور ہوتی رہیں گی تاہم وہ اپنی مدت العمر کوششوں کے باوجود تمام جزئیات کا احاطہ نہ کر سکے۔ بے شمار مسائل ایسے ابھر کر سامنے آئے جن سے متعلق صریح حکم ان کتابوں میں نہیں ملتا اور قیامت تک نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہی رہیں گے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل مذہب ہے۔ اور قرآن کا یہ نہایت سچا دعوی ہے کہ وہ "تبیانا لکل شیئ" ہے اس لئے علمائے اسلام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر نئے ابھرنے والے مسائل کا حکم قرآن مجید احادیث نبویہ اور ان سے ماخوذ منابع و مآخذ سے بیان کریں۔

مشتے نمونہ از خروارے

ذیل میں وہ چند قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ بیان کیے جاتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہر نومولود مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کیا جاسکتا ہے جس کا ذکر نہ کتب فقہ میں ہے نہ اس پر کوئی شرعی نص ہے۔

اور نہ ہی کوئی اس پر استدلال شرعی ہے۔ بلکہ ایک بالغ نظر عالم دین ومفتی شرع تائید خداوندی اور اعانت مصطفوی سے انہیں قواعد واصول کی روشنی میں حکم شرع بیان کردیتا ہے۔

قاعدہ ۱: لاثواب الا بالنیہ۔ یعنی اخروی ثواب کا مدار اخلاص نیت پر ہے۔

قاعدہ ۲: الامور بمقاصدھا۔ یعنی اعمال اور معاملات کا دارومدار ان کے مقصد پر ہے۔

قاعدہ ۳: الیقین لا یزول بالشک یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا

قاعدہ ۴: ما ثبت بالیقین لا یرتفع الا بالیقین۔ یعنی جو چیز یقین سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف یقین ہی سے زائل ہوسکتی ہے

قاعدہ ۵: الضرورات تبیح المحظورات یعنی ضرورتیں ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں

قاعدہ ۶: ماجاز بعذر بطل بزوالہ: یعنی عذر کی وجہ سے جائز ہونے والی چیز عذر ختم ہوجانے پر باطل ہوجائے گی۔

قاعدہ ۷: الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ۔ یعنی حاجت ضرورت کا مقام حاصل کرلیتی ہے۔

قاعدہ ۸: السکوت فی معرض البیان بیان۔ مقام اظہار وبیان میں سکوت اختیار کرنا اظہار وبیان ہی مانا جائے گا۔

قاعدہ ۹: الفرض افضل من النفل یعنی فرض نفل سے افضل ہے

قاعدہ ۱۰: الحر لا یدخل تحت الید۔ یعنی آزاد مرد وعورت پر کوئی قبضہ نہیں ہوسکتا۔

قاعدہ ۱۱: الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد۔ یعنی ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے ٹوٹتا نہیں ہے۔

قاعدہ ۱۲: اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام۔ یعنی جب حلال اور حرام جمع ہو گئے تو غلبہ حرام کو ہو گا۔

قاعدہ ۱۳: التابع لا یتقدم علی المتبوع۔ یعنی تابع اپنے متبوع پر مقدم نہ ہو گا۔

قاعدہ ۱۴: الحدود تدرء بالشبہات۔ یعنی حدود شبہات سے ساقط ہو جائیں گی۔

قاعدہ ۱۵: ما حرم فعلہ حرم طلبہ۔ یعنی جس چیز کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے۔

فائدہ: قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ سے میں نے یہ چند اصول و قواعد بیان کر دیئے ہیں ورنہ ایسے اصول و قواعد کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز ہے مشہور مالکی فقیہ سیدی امام قرافی نے اپنی مشہور کتاب "انوار البروق فی انوار الفروق" میں پانچسو اڑتالیس قواعد جمع فرما دیئے ہیں۔

فائدہ: بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ایسی ہیں جن سے اس قسم کے قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ اخذ کئے جا سکتے ہیں شرط یہ ہے کہ عالم دین اور مفتی شرع متین سلیم الطبع اور بالغ نظر ہو۔

۱. اتقوا مواضع التہم

۲. ما رآہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن۔

۳. المرء مع من احبہ۔

۴. تعاونوا علی البر والتقوی

٥۔ کل مسکر حرام۔

٦۔ اللہ فی عون عبدہ ما کان العبد فی عون اخیہ،

٧۔ جزاء سیئة بمثلها،

٨۔ من تشبہ بقوم فھو منھم،

٩۔ کل قرض جر نفعا فھو ربوا،

١٠۔ دم المسلم ومالہ وعرضہ حرام،

١١۔ من سن سنة حسنة فلہ اجرها واجر من عمل بها

١٢۔ من سن سنة سیئة فعلیہ وزرها ووزر من عمل بها

١٣۔ یسروا ولا تعسروا

١٤۔ خیر الامور اوسطها

١٥ الدال علی الخیر کفاعلہ،

ان تمام قواعد کے ماتحت بے شمار جزئیات ہیں۔ مفتی وقت اور فقیہ عصر نومولود اور تمام حادثاتی مسائل جو مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ پیدا ہو رہے ہیں، اور نئے رنگ ڈھنگ سے سر ابھار رہے ہیں جن پر کوئی شرعی استدلال نہیں ہے ان اصول و قواعد کی روشنی میں شرعی حکم کی تخریج کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ فقہ اسلامی پر اس کی گہری نظر ہو اور مسائل کے استنباط و استخراج پر کامل دستگاہ حاصل ہو۔

مُعجزہ مِن معجزاتِ النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

فقہ اسلامی درحقیقت معلم کائنات حکم مطلق کے نائب اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے جسے دانشوران عالم دنیا کے عجائبات میں سب سے بڑا عجوبہ کہتے ہیں۔

تعلیمات اسلامی کی روشنی میں علماء اسلام نے دنیا کو جن علوم سے آشنا کیا ان میں علم حدیث علم اسماء الرجال اور علم الفقہ وہ علوم ہیں جن کی کوئی مثال ونظیر نہیں ہے۔ ان علوم کی ترتیب وتدوین میں محققین اسلام نے جو محنتیں اور مشقتیں اٹھائی ہیں اور دور دراز سفر کی تکلیفیں برداشت کرکے جس طرح خدمت دین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور خالصاً لوجہ اللہ دن رات اسی میں لگے رہے یہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔

احکام فقہیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ انسانی افعال واعمال کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے فقہ اسلامی میں جواز یا عدم جواز کا حکم نہ بیان کردیا گیا ہو۔

اگر کسی اجنبی اور نومولود مسئلہ سے متعلق صراحۃً حکم نہ ملے تو ایسے قواعد اور اصول ضرور ملیں گے کہ جن کے ذریعہ ان کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے فقہ اسلامی کی ابتدا ساتویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی سے ہوئی اور دسویں صدی عیسوی تک اپنے عروج کو پہونچ کر مکمل ہوگئی۔

حدیث میں فقہ اسلامی کا ذکر

ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا العلم ثلثة اٰية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة وما كان سوى ذالك فهو فضل، یعنی علم دین تین چیزیں ہیں۔ اول قرآن مجید کی آیات محکم جو منسوخ نہیں ہیں، دوم صحیح و ثابت شدہ احادیث کریمہ۔ سوم وہ احکام جو قیاس واجتہاد سے مستنبط ہوں،[1] اور جو علوم ان کے علاوہ ہیں وہ مزید زائد ہیں۔

فقہ کی تعریف

لغت میں فقہ کے معنی ہیں کسی شئی کا جاننا۔[2] پھر یہ لفظ علم شریعت کے ساتھ خاص ہوگیا۔[3] علماء اصول کی اصطلاح میں علم فقہ کی تعریف یہ ہے کہ فقہ وہ علم ہے کہ جس میں احکام شرعیہ کا علم ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ حاصل کرکے ان کو حفظ کرلینا اور اہل حقیقت فقہ سے احکام شرعیہ پر عمل مراد لیتے ہیں۔

فقہ کی ضرورت

مذکورہ بالا فقہ کی تعریف سے یہ امر واضح ہوگیا کہ فقہ کا مطلب احکام و مسائل کی بنیادی ضرورت ہے۔

فقہ کی فضیلت

علماء کرام فرماتے ہیں کہ کتب فقہیہ کا مطالعہ کرنا قیام اللیل سے بہتر ہے۔ صاحب ملتقط نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کی ہے کہ انسان کو سب سے پہلے حلال و حرام اور احکام شرعیہ و مسائل فقہیہ کا علم حاصل کرنا چاہیے اس کے مقابلے میں اسے دیگر علوم کو ترجیح نہیں دینی چاہیے بلکہ علم فقہ میں ہی انہماک مناسب ہے کہ تمام علوم میں فقہ ہی اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ اشرف و اعلیٰ ہے۔

قرآن اور علم فقہ کی عظمت

علم فقہ کی عظمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی اور اس کو لفظ "خیر" سے تعبیر فرمایا جو کسی شی کی مدح اور تعریف میں ایک جامع اور وسیع المفہوم لفظ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا"۔ یعنی جسے حکمت دی گئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا کی گئی۔ ارباب تفسیر نے لفظ حکمت کی تفسیر فقہ سے فرمائی ہے۔ اس تفسیر کی روشنی میں علم فقہ خیر کثیر ہے اور فقہاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر سے نوازا ہے۔

حدیث اور عظمت فقیہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین۔" اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔" مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے کہ فضل و شرف تو صرف علماء شریعت کے لئے ہی ہے اس لئے کہ یہی علماء رشد و ہدایت چاہنے والوں کی ہدایت کے راہ نما ہیں۔

آداب الافتاء

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتب فقہیہ میں اس کا مطالعہ وسیع ہو، اصول فقہ اور قواعد فقہیہ سے واقف ہو، اسی کے ساتھ ساتھ قرآنی احکام احادیث نبویہ اور تفسیر پر بھی اس کی نگاہ ہو، نیز استدلال، اور روایت و درایت سے بھی اسے حصہ ملا ہو۔ کیونکہ بغیر علم شریعت فتویٰ لکھنا سراسر غلط اور جہالت ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایک مفتی طبقات مسائل اور طبقات فقہاء سے کما حقہ واقف ہو اور اس کا علم وافر مقدار میں رکھتا ہو۔ دونوں کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

طبقات مسائل

علمائے احناف کے نزدیک مسائل تین طبقات پر مشتمل ہیں۔ اور مفتی کو ان تین طبقوں کا جاننا ضروری ہے۔

اوّل مسائل الاصول ان کو ظاہر الروایۃ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے مروی ہیں اور مشہور و اغلب ظاہر الروایۃ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر الروایۃ کا اطلاق جن کتابوں پر ہے وہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتابیں ہیں

۱. مبسوط، ۲ جامع صغیر، ۳ جامع کبیر، ۴ زیادات، ۵ سیر صغیر، ۶ سیر کبیر، ان کو ظاہر الروایۃ اس لئے کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ کتابیں حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہیں اس لئے یہ آپ سے یہ تواتر ثابت یا مشہور ہیں۔

دوم مسائل نوادر یہ وہ مسائل ہیں جو مذکورہ بالا کتابوں میں نہیں ہیں، جن کو ظاہر الروایۃ سے موسوم کیا گیا ہے بلکہ یہ مسائل یا تو امام محمد علیہ الرحمہ کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں یا پھر وہ مسائل دوسرے ائمہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن ان کے بھی راویان ثقہ ہوں جیسے حسن بن زیاد کی المحرر اور کتب الامالی جو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے املا کرائی تھی۔

سوم الواقعات یہ وہ مسائل ہیں جن کو بعد کے مجتہدین نے مرتب و مؤلف فرمایا جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد کے تلامذہ یا ان کے تلامذہ۔ ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔

طبقات فقہاء ایک مفتی کے لئے جس طرح طبقات المسائل اور معتبر و مستند کتب فقہیہ اور فتاوٰی کا علم ہونا ضروری ہے اسی طرح اسے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ طبقات فقہاء کتنے ہیں اور کس فقیہ کا کیا درجہ ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ کس فقیہ کا قول معتبر اور قابل استناد ہے اور کون درجہ اعتبار میں نہیں ہے۔ علماء ماہرین فقہ و شریعت نے فقہاء کے سات طبقات بیان فرمائے ہیں

طبقۃ المجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین اور وہ لوگ جو قواعد و اصول کی تاسیس میں نیز ادلہ اربعہ (یعنی قرآن مجید، احادیث نبویہ قیاس اور اجماع) سے احکام شرعیہ کے استنباط میں اور اصول و فروع میں بغیر کسی دوسرے کی تقلید کے انہیں ائمہ اربعہ کے مسلک پر ہے

طبقۃ المجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسف امام محمد اور جملہ تلامذہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حضرات اس امر کی قدرت رکھتے تھے کہ ادلہ اربعہ سے اپنے استاد حضرت امام ابو حنیفہ کے مستخرجہ قواعد و اصول کے مطابق احکام شرعیہ کا استخراج کر سکیں۔

طبقۃ المجتہدین فی المسائل یہ وہ حضرات ہیں جو ایسے مسائل کا استنباط جن کے بارے میں کوئی روایت صاحب المذہب سے نہیں ملتی اپنے ائمہ کرام کے مقرر کردہ قواعد و اصول کے مطابق کرتے ہیں۔ جیسے علامہ خصاف، ابو جعفر طحاوی ابو الحسن کرخی شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ سرخسی، اور

فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خان وغیرہم یہ اصول و فروع کسی میں بھی اپنے امام کی مخالفت نہیں کرتے۔

طبقۃ اصحاب التخریج من المقلدین علماء کرام کا یہ گروہ اجتہاد پر بالکل قادر نہیں لیکن چونکہ یہ جملہ قواعد و اصول کا پورا علم اور مسائل و قواعد کے ماخذ سے پوری واقفیت رکھتے تھے اس لئے ان میں یہ صلاحیت تھی کہ ایسے امور کی تفصیل بیان کردیں جہاں امام مذہب سے ایسا قول مروی ہو جو مجمل ہے جیسے امام رازی، امام کرخی وغیرہما۔

طبقۃ اصحاب الترجیح من المقلدین علماء کرام میں ایسے حضرات کا یہ مقام ہے کہ یہ بعض روایات کو بعض پر فضیلت دینے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے۔ مثلاً وہ کسی روایت کی تفصیل میں فرماتے ہیں ھذا اولی، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس وغیرہ جیسے ابوالحسن قدوری صاحب الہدایہ وغیرہما۔

طبقۃ المقلدین القادرین علی التمیز ان کا یہ درجہ ہے کہ اپنی کتابوں میں ضعیف و مردود اقوال بیان نہیں کرتے اور روایات میں قوی اقوی ضعیف ظاہر الروایۃ ظاہر المذہب اور روایت نادرہ میں امتیاز و تمیز کرنے کے اہل تھے جیسے صاحب کنز، صاحب المختار صاحب الوقایہ اور اصحاب المتون المعتبرہ وغیرہم۔

طبقۃ المقلدین الذین لایقدرون علیٰ ماذکر یہ حضرات وہ ہیں جو کھرے کھوٹے، کمزور و قوی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ انہیں جہاں سے بھی جو کچھ مواد مل جاتا ہے اسے جمع کرتے ہیں اور اندھیرے میں ہاتھ مارتے رہتے ہیں یہ لوگ ہرگز اس قابل نہیں کہ ان سے مسائل میں رجوع کیا جائے۔

(شرح عقود رسم المفتی المنظوم لابن عابدین ورد المحتار، بحوالہ ضمیمہ بہار شریعت ج۲)

دارالافتاء کی ضرورت

شریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے افتاء ایک لازمی اور ضروری امر ہے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون** یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ وہ ہے جس کو علم دین پر عبور حاصل نہ ہوگا اور ایک طبقہ ایسا ہوگا جو صاحب علم و فضل ہوگا۔ اور اسے دین میں بصیرت حاصل ہوگی چونکہ ہر مسلمان کے لئے وہی راستہ اختیار کرنا ضروری ہے جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ راستہ ہے اس لئے ہر شخص کو اپنا ہر عمل اسلام کے احکام کے مطابق رکھنا چاہیے۔ اور اگر کسی کو کسی معاملے میں شریعت کا حکم معلوم نہیں ہے تو اس کو

اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ان سے سوال کر کے حکم شرعی معلوم کرنا چاہیئے۔ اسی اصول کے مطابق زمانہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لیکر آج تک مسلمانوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ اگر انہیں کسی چیز کے جواز عدم جواز کا علم نہیں ہے تو انہوں نے بلاتامل اہل علم سے اس کا حکم شرعی معلوم کرلیا۔ ہر زمانہ میں لوگ علمائے شریعت کی طرف مسائل شرعیہ کا علم حاصل کرنے کے لئے رجوع کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ دار الافتاء کا قیام عمل میں آیا۔ اور اب مفتیان کرام باحسن وجوہ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آج شاید ہی کوئی ایسا علاقہ یا شہر یا قصبہ یا قریہ دیا بازار ہو کہ جہاں کوئی نہ کوئی مفتی موجود نہ ہو۔ اور دار الافتاء قائم نہ ہو بلکہ بحمد اللہ تعالیٰ دار الافتاء بھی کثرت سے قائم ہیں اور قائم ہو رہے ہیں اور مسلم عوام مسائل شرعیہ جاننے کے لیے اس کی طرف رجوع بھی کر رہے ہیں۔

افتاء افتاء کے لغوی معنی جواب دینے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں احکام شرعیہ بیان کرنے کو افتاء کہتے ہیں۔ حضرت علامہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ تعریفات میں فرماتے ہیں الافتاء بیان حکم المسئلۃ یعنی حکم مسئلہ بیان کرنے کو افتاء کہتے ہیں۔

قضاء لغت میں قضا کے معنی فیصلہ کرنا، حکم کرنا ہے اور اصطلاح میں شریعت کے احکام کو لازم و نافذ کرنے کے معنی ہیں۔

مفتی لغت میں جواب دینے والے کو مفتی کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں احکام شرعیہ بیان کرنے والے کو مفتی کہا جاتا ہے۔

قاضی لغت میں حکم کرنے والے کو قاضی کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں شریعت کے احکام کو لازم اور نافذ کرنے والے کو قاضی کہتے ہیں۔

فائدہ: علامہ علاؤالدین الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ قاسم علیہ الرحمہ کی کتاب "التصحیح والترجیح" کے حوالے سے بیان فرمایا ہے کہ مفتی اور قاضی میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ مفتی احکام شرعیہ بیان کرتا ہے اور قاضی احکام شرعیہ کو نافذ کرتا ہے۔

فائدہ: فتاویٰ خیریہ میں ہے کہ مفتی مسئلہ شرعیہ کے بیان میں اور قاضی احکام شرعیہ کے نفاذ کے وقت مفتی مسئلہ کا جواب دینے اور قاضی قضیہ کا فیصلہ کرنے اور اس کے لازم و نافذ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لے۔

مفتی مطلق

صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین عظام اور ائمہ اسلام (امام اعظم، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام شافعی) رضوان اللہ علیہم اجمعین جو منصب افتاء پر فائز ہوئے سب مجتہد اور مفتی مطلق تھے لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کوئی بھی مفتی مطلق نہیں ہوا اب مفتی منتسب اور مفتی ناقل ہیں۔ وقد اتفق رأی الاصولیین علی ان المفتی ھو المجتھد فاما غیر المجتھد ممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفتی والواجب علیہ اذا سئل ان یذکر قول المجتھد۔ (رد المحتار، جلد اول) یعنی اہل اصول کی رائے اس بات پر متفق ہے کہ مفتی مجتہد ہی ہوتا ہے۔ رہے غیر مجتہدین جو اقوال مجتہد

حفظ کر لیتے ہیں تو وہ حقیقتاً مفتی نہیں اور ان پر واجب ہے کہ جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ اقوال مجتہد بطریق حکایت بیان کر دیں معلوم ہوا کہ آجکل مفتیان کرام جو کچھ فتوے صادر فرماتے ہیں وہ کسی نہ کسی مجتہد (مفتی مطلق) کے قول کی نقل ہوتی ہے جو عمل کرنے کے لئے مستفتی کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

مگر خداوند قدوس جل جلالہ وعم نوالہ نے مفتیان منتسبین کو بھی یک گونہ اجتہاد کی طاقت وقوت صلاحیت واستعداد عطا فرمائی ہے اس لئے کہ اس کے بغیر وہ نوزائدہ مسائل اور آئے دن نئے نئے ایجادات کی گرہ گیر گتھیاں سلجھا ہی نہیں سکتے اور نہ ہی مسائل حل کر سکتے ہیں، علامہ شامی علیہ الرحمہ رد المحتار جلد ثانی میں فرماتے ہیں "التحقیق ان المفتی فی الوقائع لابد لہ من ضرب اجتہاد ومعرفۃ باحوال الناس، یعنی مسائل جدیدہ کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مفتی وقت اجتہادی قوت کا حامل ہو اور لوگوں کے حالات کا جاننے والا ہو۔"

فقہ وافتاء کا میدان اس قدر وسیع وعریض اور خارزار و دشوار گذار ہے کہ اس میدان میں اترنے کے بعد بڑے بڑوں کے قدم زخمی ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی کم علم فقہ میں بے مایہ مفتی اپنے ساتھ مستفتی کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ اسی لئے اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "علم الفتوی پڑھنے سے نہیں آتا جب تک کہ مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔" محض درسی کتابیں پڑھ لینے سے علم الفقہ وعلم الفتوی حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ اکثر علماء اور بیشتر اہل مدارس سمجھتے ہیں کہ درس نظامیہ کا ہر وہ فارغ التحصیل

جو قدرے صلاحیت رکھتا ہو فتوے دے سکتا ہے۔ مجدد اعظم امام احمد رضا فتاوی رضویہ جلد چہارم میں فرماتے ہیں کہ، آجکل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا۔

علم فقہ وافتاء اپنے اندر بے پناہ گہرائی وگیرائی اور وسعت وجامعیت رکھتا ہے، ہر کس وناکس کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ فقیہ ومفتی بن جائے الا ماشاء اللہ کہ یہ اسی کے فضل وکرم سے ہے، وہ جس پر رحم وکرم کی بارش کرنا چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے، چنانچہ سید عالم نور مجسم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین" یعنی اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ (مشکوۃ)

صدر الافاضل

شہزادۂ رسول جگر گوشۂ بتول گلشن قادریت کے مہکتے پھول استاذ العلماء سند الفضلاء مظہر غزالی یادگار رازی مفسر قرآن محقق دوراں صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت علامہ مفتی حکیم سید محمد نعیم الدین احمد محدث مرادآبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا ایک بالغ نظر مفکر عظیم الشان مفسر جلیل القدر محدث مایہ ناز مصنف بے نظیر فقیہ بے مثال مفتی تھے جن میں اجتہادی جلوے نظر آتے تھے، تدریس، تحریر وتقریر

میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ میدان مناظرہ ومقابلہ کے تو آپ خاص شہسوار تھے۔ تفسیر وحدیث واصول حدیث اور فقہ واصول فقہ نیز علم کلام منطق فلسفہ ہیئات و ریاضی وغیرہ علوم وفنون میں آپ کو اس قدر دستگاہ حاصل تھا کہ جس کا جواب نہیں آپ کے درس میں فارغ التحصیل علماء وفضلاء شریک ہو کر اکتساب فیض وتحصیل علم کرتے تھے قدیم وجدید عربی ادب میں تو مہارت تامہ حاصل تھی علاوہ ازیں بے نقط عربی پر اس قدر عبور تھا کہ بے تحاشہ بولتے چلے جاتے تھے۔

حضرت علامہ مولانا غلام علی صاحب عزیزی دام ظلہ اپنی کتاب "العتیق والنعیم" میں ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک دیوبندی مولوی غرور علم کے نشہ میں چور عربی دانی کی ترنگ میں مراد آباد آیا اور صدر الافاضل کو مناظرہ کا چیلنج دینے کے بعد یہ شرط بھی لگا دی کہ مناظرہ عربی میں ہوگا آپ نے منظور فرما کر دو شرطیں اپنی بھی بڑھا دیں کہ مناظرہ عربی میں ہوگا مگر نظم میں اور الفاظ غیر منقوط استعمال ہوں گے۔ یہ سن کر دیوبندی مولوی کے علمی غرور کا شیش محل چور چور ہو گیا۔ پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ آخر کار وہ رات کی سیاہی میں ایسا بھاگا کہ پھر دوبارہ مراد آباد کا اجالا دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

فالحمد للہ رب العلمین۔

فقاہت علمی کی چند مثالیں

خواجہ حسن نظامی دہلوی کے فتوے کی بخیہ دری

محبوب الٰہی حضور سیدنا خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ کے آستانہ پاک کے خادم خاص خواجہ حسن نظامی دہلوی کبھی کبھی میدان افتاء میں بھی قدم رکھ دیا کرتے تھے مگر عموماً ان کی یہ کوشش سعی لاحاصل ثابت ہوتی تھی انہیں کوششوں میں سے ایک کوشش جوتا پہنکر نماز پڑھنے کی اجازت ہے بلکہ واجب اور ایسا واجب کہ جوتا نہ پہنکر نماز پڑھنے والا ضعیف الایمان ٹھہر جائے۔ نمونہ کے طور پر استفتاء اور مطول و مفصل جواب کی تلخیص ملاحظہ ہو۔

سوال :- خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کا ایک مضمون رسالہ "پیشوا" جلد ۵ میں چھپا ہے، اس مضمون میں صاحب موصوف نے مسجد میں جوتا پہنکر جانے اور جوتا پہنے ہوئے ہی نماز پڑھنے پر بہت زور دیا ہے اور اس امر کو جائز و مستحب ہی نہیں رکھا بلکہ واجب قرار دیا ہے اور نہ کرنے والوں پر ترک واجب کا الزام لگایا ہے۔ اور انہیں ضعیف الایمان ٹھہرایا ہے۔ اپنی تائید میں کچھ احادیث بھی پیش کی ہیں۔ ازراہ کرم تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

خاکسار محمد ظہور اختر فتحپوری

ارشاد :- (ابتداءً حضرت مصلحانہ تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں) تمام عالم کے مسلمان مساجد میں جوتا اتار کر داخل ہونے کے پابند ہیں اور اس کو مسجد کا احترام سمجھتے ہیں۔

اگر بالفرض کسی تشریح کے تحت جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونا جائز بھی ہو تو اتنے امر کے لئے مسلمانان عالم کے متحدہ طریق عمل میں تغییر کرنا اور ان میں ایک نئے تفرقہ کی بنیاد ڈالنا سخت ممنوع ہوگا ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی باتیں مسلمانوں میں لانا جس سے ان میں اختلاف پیدا ہو اور ان کے اپنے صدیوں کے معمول نیز اکابر علماء و مشائخ اولیاء و ائمہ اور بزرگوں کے معمول کے خلاف انہیں مجبور کرنا یقیناً ایک فساد عظیم کی بنیاد ہے اور مسلمانوں میں ایک نئی جنگ چھڑ جانے اور تفرقہ پیدا ہونے کی تحریک ہے۔ ابو داؤد شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال ڈالا۔

(اب تفصیل جواب کی تلخیص ملاحظہ ہو) "مساجد خیر بقاع ہیں"۔ زمین کے تمام خطوں اور بقعوں میں مساجد بہترین بقاع ہیں۔ ہر مسلمان ان کو غایت احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور دین اسلام نے یہی تعلیم بھی دی ہے۔ مسلم شریف میں ہے

احب البلاد الی اللہ مساجدھا؛ یعنی اللہ تعالیٰ کو سارے بلاد میں سب سے پیاری مسجدیں ہیں۔

ابو داؤد، ابن ماجہ اور ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے اور اس کو خوب پاک و صاف اور مطیب رکھنے کا حکم دیا۔ کیا یہی پاکی اور صفائی ہے کہ ہر کس و ناکس کو مسجد میں جوتا پہنکر چلنے پھرنے کا اذن عام دیدیا جائے۔ اور سینکڑوں بے احتیاط چلنے والے بازاروں کی سنی سنائی نجاست آلود جوتیاں پہنکر مسجد میں بے کھٹک چلے آئیں۔ خواجہ صاحب

کے فرش و بستر پر اگر کوئی جوتا پہن کر پاؤں رکھ دے تو انہیں سخت ناگوار ہو مگر مسجد کے لیے ہر طرح گوارا ہے۔ حیف صد حیف۔

خواجہ صاحب نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو حدیث نقل کی ہے اس میں ذکر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نعلین شریفین کو نماز میں پائے اقدس سے اتارا تو صحابہ نے اپنی پاپوشیں اتاریں۔ حضور نے نماز سے فارغ ہو کر صحابہ سے پاپوش اتارنے کا سبب پوچھا تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے حضور کو دیکھ کر ایسا کیا، ارشاد فرمایا کہ جبرئیل نے آکر ہمیں خبر دی کہ نعلین شریفین میں کچھ لگا ہے۔ (اس لیے ہم نے نعلین شریفین کو اتارا) تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے چاہیے کہ اپنی پاپوشوں کو دیکھ لیا کرے اگر ان میں کچھ لگا ہے تو ان کو رگڑ کر صاف کرے۔

اس حدیث پاک پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نعل پاک میں جو چیز لگی تھی وہ نجاست تو نہ تھی جس سے نماز نہ درست ہوتی۔ کیوں کہ نجاست ہوتی تو نماز کا اعادہ فرمایا جاتا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ جو حصہ نماز کا نجس نعلین سے پڑھا گیا ہے اعادہ ہو علاوہ بریں نجاست کی صورت میں چونکہ نماز ہی درست نہ تھی اس لیے جبرئیل علیہ السلام نماز سے قبل حاضر ہو کر اطلاع کرتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو چیز لگی تھی وہ نجس نہ تھی لیکن گرد وغبار اور کوڑے کرکٹ کا لگنا بھی حبیب کے نعل شریف میں رحمت الٰہی کو گوارا نہ ہوا اور یہ آپ کے منصب عالی کے لائق قرار نہ دیا گیا، چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "و قذر بفتح قاف و ذال معجمہ آنچہ مکروہ پندارد و آنرا طبع ظاہر انجاستی نبود کہ نماز باں گذاردہ بود خبر داد ان جبرئیل و برآوردن از پا جہت

کمال تنظیف و تطہیر بود کہ لائق بحال شریف وے بود۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعل شریف کی طہارت کا تو یہ عالم ہے کہ اس کو اگر کوئی ایسی چیز بھی لگ جائے جس کو طبع سلیم ناپسند رکھے تو نماز میں حضرت جبرئیل حاضر ہو کر عرض کریں جبکہ ایسی نعل پاک ہے جس سے کسی کے جبہ و دستار کو بھی کچھ نسبت نہیں اس پر آجکل کے بے احتیاط لوگوں کے جوتوں کو قیاس کرنا سراسر خطا ہے پھر یہ ادعا بھی غلط و باطل ہے کہ حضور کی یہ عادت کریمہ تھی کہ پاپوش مبارک پہن کر نماز پڑھیں اور ہمیشہ ایسا ہی کیا جاتا تھا اور صحابہ بھی یہ سب اس کے عامل تھے۔

(اب خواجہ صاحب کی حدیث دانی کا پول کھلنے جا رہا ہے ملاحظہ ہو) ابو داؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو جوتا اپنی داہنی طرف نہ رکھے اور نہ بائیں طرف رکھے کیونکہ وہ دوسرے شخص کے داہنے ہو جائے گا مگر جس حالت میں کہ اس کے بائیں طرف کوئی نہ ہو بلکہ چاہیے کہ جوتا اپنے دونوں پاؤں کے درمیان رکھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ اقدس میں بھی جوتا پہنکر نماز پڑھنا امر عادی نہ تھا جب تو جوتا رکھنے کی جگہ بتائی گئی اسی ابو داؤد شریف میں دوسری جگہ حضرت عمرو ابن شعیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں "رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی حافیا ومتنعلا" میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نماز پڑھتے بھی دیکھا ہے اور پاپوش مبارک پہنے ہوئے بھی۔ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پاپوش مبارک پہنکر نماز پڑھنا امر عادی نہ تھا، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی پاپوش مبارک کے

بغیر نماز پڑھتے تھے۔ اور صحابہ کرام بھی۔

خواجہ حسن نظامی نے جو ٹوپی پہنکر نماز پڑھنا واجب بتایا ہے تو کیا ان کے نزدیک معاذ اللہ صحابہ کرام اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم واجب ترک کیا کرتے تھے۔ اور خواجہ صاحب نے تو نماز میں جوتا پہنے والے کو ضعیف الایمان تک ٹھہرایا ہے۔ کس قدر نادانی اور جہالت ہے اور یہ بات کہاں تک پہونچتی ہے، خواجہ صاحب کو کچھ بھی حق و انصاف کا پاس و لحاظ ہو تو فوراً توبہ کریں اور توبہ کا اعلان بھی شائع کریں کہ توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ۔ یعنی جس طرح گناہ ویسی توبہ۔

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کے جواب کا مضمون کئی صفحات پر مشتمل ہے جس کو تفصیلی مطالعہ کرنا ہو اس کو چاہیے کہ "فتاوی صدر الافاضل باب العقائد" کا مطالعہ کرے۔

جو ہم عقیدہ نہیں وہ مسلمان نہیں

اعلحضرت سے متعلق سوال و جواب

وہابیہ دیابنہ نے یہ ہنگامہ مچا رکھا ہے کہ اعلحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کثرت سے علماء امت کو کافر کہتے ہیں اور جو ان کا ہم خیال و ہم عقیدہ نہ ہو اس کو مسلمان نہیں سمجھتے اسی لئے انہیں مکفر المسلمین کہتے ہیں جناب عبد الوحید چندوسی نے اسی سلسلہ میں حضرت صدر الافاضل کی بارگاہ میں ایک استفتاء بھیجا اس کا جواب حضرت نے انتہائی دانشمندانہ اور حکمت انداز میں دیا تھا۔

ارشاد: وہابیہ کا اتہام کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے علماء اسلام کو کافر کہا ہے کذب محض اور افتراء خاص ہے۔ اعلیٰحضرت نے ان مفسدوں کو کافر فرمایا جو ضروریات دین کے منکر ہوئے ایسوں کو قرآن و حدیث اور تمام امت کافر کہتی ہے اعلیٰحضرت نے کفر کا حکم اپنی طرف سے نہیں دیا بلکہ نصوص نقل فرمائے جن کا آج تک کسی وہابی نے جواب نہیں دیا اور نہ کبھی وہ جواب دے سکتے ہیں۔ ان امور کا کفر ہونا اور ان کے قائل کا کافر ہونا خود وہابیہ کو بھی تسلیم ہے جس کا اعتراف خود مولوی اشرف علی تھانوی نے "بسط البنان" میں کیا ہے۔

رہی یہ بات کہ جو اعلیٰحضرت کا ہم عقیدہ نہ ہو اس کو وہ کافر جانتے ہیں یہ بالکل حق و درست ہے اور ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمانیات و ضروریات دین سے جو اس کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے۔ جو توحید مانے اور رسالت میں ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے۔ توحید و رسالت دونوں کو مانے اور قرآن کا منکر ہو تو کافر ہے غرض کسی ایک امر ضروری سے اگر انکار کرے تو کافر ہے۔ مسلمان وہی ہے جو تمام ضروریات دین میں ہمارا ہم خیال و ہم عقیدہ ہو۔ (جس پر حدیث جبریل ان تؤمن باللہ الخ شاہد عدل ہے)

رمضان کا جمعہ اخیرہ اور خطبۃ الوداع

ائمہ اہلسنت عموماً اپنی اپنی مسجدوں میں رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ایک خاص قسم کا پڑھتے ہیں جسے خطبۃ الوداع کہتے ہیں اور اکثر علماء اہلسنت کی ترتیب شدہ کتب خطبات میں الوداع کا خطبہ ضرور ہوتا ہے۔ رمضان شریف کے آخری جمعہ یہی خطبۃ الوداع

اڑا اہلسنت پڑھتے ہیں اور اہلسنت کا یہ عمل عمل متواترہ کی حیثیت اختیار کرے گیا بھلا وہابیوں سے اہلسنت کا کوئی عمل خیر کیوں کر دیکھا جاتا چنانچہ خطبۃ الوداع پر بدعت و ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا اور اس کی سند کا مطالبہ شروع کر دیا حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کے حضور خطبۃ الوداع سے متعلق استفسار آیا اور آپ نے جواب دیا۔

ارشاد: خطبۃ الوداع میں ان وہابیہ نے نہایت شور و غل مچا رکھا ہے اور اس خطبہ کو ناجائز و ممنوع بتایا باوجودیکہ ان کے پاس ممانعت کی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے اور نہ وہ کوئی ایک یا ایک فقہی عبارت اس کے عدم جواز میں پیش کر سکتے ہیں مگر ان کا دستور ہی یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کو دین میں داخل کر دیتے ہیں اور اپنے خیال سے جس چیز کو چاہتے ہیں ناجائز کر ڈالتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ منصب رسالت پر حملہ کرتے ہیں اور اس منصب عالی میں شرکت کرتے ہیں اسی لئے انہوں نے امکان نظیر کا مسئلہ اٹھایا اسی لئے انبیاء کو بڑا بھائی بتایا علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات۔

اسی لئے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں نبی پیدا ہونا ممکن ٹھہرایا اور اس کو منافی خاتمیت نہ جانا، اسی لئے اپنے بڑے بڑوں کو انبیاء کا استاد بھائی کہا اور ان لوگوں کی طرف وحی باطنی آنے کا دعویٰ کیا چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ارشاد واجب العمل اور دلیل شرعی ہیں اور ان کا اتباع سب پر لازم ہے کسی کو حق نہیں کہ ان سے کسی حکم کی دلیل مانگے احکام ان کی طرف مفوض ہوتے ہیں ان وہابیوں کو بھی حرص ہوئی کہ وہ بھی شارع بنیں، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر کے دنیا پر اپنا حکم چلائیں اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس چیز کو چاہا بے دلیل ممنوع و ناجائز کہہ دیا۔

خطبۃ الوداع کس طرح ناجائز ہوگیا، خطبہ میں جو چیزیں شرعاً مطلوب ہیں ان میں سے کونسی ان میں نہیں پائی جاتی؟ یہ کونسا امر ممنوع اس میں داخل ہے۔

تذکیر (پندو نصیحت) خطبہ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ رمضان کے گذرے ہوئے ایام میں عمل خیر پر حسرت و افسوس اور بابرکت ایام کو غفلت میں گذارنے پر قلق و ندامت اور مہینہ کی رخصتی کے وقت اپنی گذشتہ کوتاہیوں کو مدنظر میں لاکر آئندہ کے لئے تیقظ و بیداری اور مسلمانوں کو عمل خیر کی تحریص و تشویش یہ بہترین طریقہ تذکیر ہے اور اس میں نہایت نافع و سودمند نصیحت و پند ہے اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ جاتی ہیں اور انہیں سچی توبہ نصیب ہوجاتی ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں استغفار کرتے ہیں آئندہ کے لئے عمل نیک کا مصمم ارادہ کرلیتے ہیں اس تذکیر کو فقہاء نے سنت فرمایا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے عاشرھا العظۃ والتذکیر یعنی خطبہ کی دسویں سنت پند و نصیحت ہے۔ وہابیہ نے اس سنت کو بدعت و ناجائز کہہ دیا ہے اس جماعت کی کیا انتہا اور اس بے باکی کیا حد ہے۔ اگر شریعت کے ظاہر بین جو چیز سنت ہو یہ ظالم اس کو بدعت کہتے ہیں۔ رہا یہ مطلب کہ بعینہٖ یہ الفاظ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں تو بھی باطل ہے کیوں کہ سنت فقط پند و نصیحت ہے خواہ وہ کسی بھی عبارت سے حاصل ہو نہ کہ خاص الفاظ۔ اور یہ خود جو خطبہ پڑھتے ہیں ان کے الفاظ و عبارتیں کب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں؟ اور کیوں یہ خاص حضور ہی کے خطبے نہیں پڑھتے نئے خطبے اپنی طرف سے گڑھتے ہیں۔ ان کے گرو گھنٹال اسماعیل دہلوی کی کتاب

تقویۃ الایمان میں ان کا لکھا خطبہ چھپا ہوا ہے یہ خطبہ لکھ کر وہ بدعتی ہو گیا۔ اور جو وہابی اس خطبہ کو پڑھتا ہے وہ اپنے ہی حکم سے بدعتی ہے ورنہ کیا معنی کہ تمہارا بنایا ہوا خطبہ بدعت نہ ہو اور اکابر علماء دین کے خطبے بدعت ہو جائیں۔ بات یہ ہے کہ وہابی کا عمل اس کے قول پر لعنت کرتا رہتا ہے۔

وہابیہ کا یہ بھی اعتراض ہے کہ اس جمعہ کو جمعۃ الوداع کیوں کہتے ہیں مگر یہ ایسی لایعنی بات ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اس طرح کی بات زبان پر لانا گوارا نہیں کرے گا کون نہیں جانتا کہ رمضان المبارک کا سب سے پچھلا جمعہ ہی جمعۃ الاخیرہ اور وقت وداع کا جمعہ ہے اس کو جمعۃ الوداع کہہ دیا تو کیا بیجا ہے؟ کبھی وہابیہ یہ نہیں سوچا کہ اس کو عید الفطر کیوں کہتے ہیں سارے ہی مسلمان عبد الحق ہیں اسی کو کیوں تخصیص ہے۔ اسی طرح رشید احمد خلیل احمد وغیرہ نام کیوں رکھے جاتے ہیں جمعۃ الوداع کو تو مناسبت بھی ہے ان ناموں کو تو ان اشخاص کے ساتھ کوئی خصوصیت اور مناسبت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان وہابیوں کو توفیق ہدایت عطا فرمائے۔

فقط والسلام

غلام غلامانِ آلِ عبا

فقیر شعبان علی جبابی نعیمی غفرلہ القوی

۱۲ ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ

استفتاء

آیات ذیل کی مطابقت باہمی بدلائل قرآنی سورہ سبا کی آیت نمبر ۲۹. ما ارسلناك الا كافة للناس بشیرا و نذیرا سے فرما دیجئے کیوں کہ قرآن شریف اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام دنیا کے انسانوں اور قوموں کی ہدایت کے واسطے نازل ہوئے ہیں تو آیات ذیل میں خصوصیت خاص قوم کی کیوں کی گئی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ کی رسالت انبیاء علیہم السلام کی قوم پر نہ تھی. لتنذر قوما ما اتهم من نذیر من قبلك لعلهم يهتدون (سورۃ السجدہ آیت نمبر ۳) لتنذر قوما ما انذر اباءهم فهم غفلون (یٰس)

الجواب بعون الملك الوهاب

آیات مذکورہ میں اصلا اختلاف نہیں نہ آیت سورہ سجدہ یا سورہ یٰس سے کسی قسم کا کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے. **اولاً** اس لئے کہ ثبوت نفی ماعدا کی دلیل نہیں ہوتا تو کسی قوم کے لئے آپ کا نذیر ہونا دوسری اقوام کے نذیر ہونے کا انکار نہیں. اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ یہ حکیم ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ رئیس نہیں ہے ورنہ خصوصیت کے ساتھ حکیم ہونے کا ذکر کیوں کیا جاتا یا کسی شخص کو کہا جائے کہ آپ اس گاؤں کے زمیندار ہیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ اور کسی گاؤں کے زمیندار نہیں یا کسی استاذ سے کہا جائے کہ یہ لڑکا آپ کی شاگردگی میں اس لئے دیا گیا کہ آپ اس کے اخلاق کی درستی کریں اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کے سوا اور کسی لڑکے کے استاذ ہی نہیں ایسا سمجھنا سراسر جہل

ونادانی ہے۔

قرآن پاک کی آیات مبارکہ خود دلالت کرتی ہیں کہ بعض مقامات پر حسب موقع بعض افراد کا ذکر کرنا منافی عموم نہیں ہوسکتا۔ جیسے قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ خالق کل شیئ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے واللہ خلقکم وما تعملون اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دونں آیتوں میں مخالفت ہے اور دوسری آیت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ انسان اور اس کے عمل کے سوا کائنات میں سے اور کسی چیز کا اللہ تعالیٰ خالق نہیں ہے۔ معاذ اللہ ایک آیت میں ارشاد ہوا یایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا۔ کیا کوئی نادان کہہ سکتا ہے کہ ان آیتوں سے شبہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ صرف انسانوں ہی کا خالق ہے اور کسی چیز کا نہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر صرف ایک قوم کے لئے نذیر ہونے کا ذکر کیا جاتا تو بھی وہ دوسری قوم کے حق میں نذیر نہ ہونے کی دلیل نہ ہوسکتا چہ جائیکہ سورہ سبا کی آیت میں ارسال عام کا صاف وصریح ذکر موجود ہے۔ پھر شبہ کا کیا محل۔ علاوہ ازیں اور بہت سی آیات اس مدعا کی مثبت ہیں وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین، ولتکون للعلمین نذیرا، وغیرہا من الآیات۔

ثانیاً سائل کا یہ قول کہ آیات ذیل میں خصوصیت خاص قوم کی کیوں کی

گئی۔ یہ سوال ایک غلط دعویٰ پر مشتمل ہے ان آیات میں کسی قوم کی خصوصیت نہیں گئی کہ حضور صرف اسی قوم کے لئے یا خاص اسی قوم کے لئے نذیر بنائے گئے اس معنی پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ آیات میں نہیں۔ یہ قرآن پاک پر افترا و بہتان ہے اس میں یہ نہیں فرمایا گیا لتنذر الا قوما ماانتہم جس سے خصوصیت سمجھی جائے۔ ذکر خاص تخصیص عام نہیں ہوتا اگر زید کو کہا جائے کہ وہ بکر کا باپ ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ خالد کا باپ نہیں خاص ایک بیٹے کا ذکر کرنا زید کے باپ ہونے کی اسی کے ساتھ تخصیص نہیں کرتا ہاں اگر یہ کہا جاتا کہ زید بکر ہی کا یا صرف بکر کا باپ ہے تو تخصیص ہوتی آیت میں ایسا کہاں ہے؟

ثالثا آیات سورہ سجدہ و سورہ یٰسٓ میں قوم خاص مراد ہونے پر معترض کے پاس کونسی دلیل قطعی ہے۔ حاشیہ تفسیر جلالین جمل میں قوما کی تفسیر میں فرمایا ای العرب وغیرہم اس تفسیر پر سارے ہی عرب و عجم مراد ہیں تو خصوص بھی ندارد چہ جائیکہ تخصیص ارسال۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین
محمد نعیم الدین غفرلہ اللہ تعالیٰ بمزید الصدق والیقین

استفتاء

(۱) نمازمیں جو درود پڑھے جاتے ہیں ان میں کونسی ایسی رحمت و برکت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل میں موجود نہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے واسطے ابتدائے اسلام سے اب تک برابر مانگ رہے ہیں اور وہ

پوری ہونے کو نہیں آتی بظاہر اس سے افضلیت میں نقص پایا جاتا ہے۔؟

(۲) نبی رسول کی جامع تعریف اور ان کا فرق بتایئے۔؟

الجواب بعون الکریم الوھاب

(۱) سوال نہایت بیہودہ ہے اور عقل وعلم سے بہت ہی دور ہے۔ اول تو تشبیہ میں حقیقۃً وجہ شبہ کی کثرت وقوت ضرور نہیں شہرت کافی ہے کما لا یخفی علی اھل العلم اھ اعتراض تو ختم ہو گیا لیکن اس کو بھی تو وہ سمجھے جس کو علم سے کچھ واسطہ ہو۔ عام آدمی بھی اپنے محاورات میں اتنا سمجھتے ہیں کہ جب ایک کریم بادشاہ داد و دہش پر آئے اور اپنے غلاموں اور حاشیہ برداروں کو انعام دے اس وقت اعیان دولت اور وزرائے سلطنت عرض کریں جیسا کہ ان غلاموں پر کرم ہوا ہے ہم نیازمندوں پر بھی نظر توجہ ہو۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ پانچ پانچ روپے کے ملازموں کو دس دس روپے انعام دیا گیا ہے تو ان کی شان بیش بہا ہے ہم بھی نظر عنایت کے امیدوار ہیں ہمیں سات آٹھ روپے یا غایت یہ کہ ان کے برابر دس دس روپے انعام دے دیا جائے۔ ایسا کوئی اشد درجہ کا بدعقل سمجھے تو سمجھ سکتا ہے ورنہ جسے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے وہ تو یہی سمجھے گا جس طرح ان کے لئے جیسا انعام شایاں تھا وہ انہیں دیا ایسے ہی ہمارے لئے تیرے کرم سے جو شایان شان ہو وہ ہم پر بھی عنایت فرما۔ تو اب فضیلت میں وہ حاشیہ بردار فائق ہوں گے یا وزراء و اعیان سلطنت۔ اتنی موٹی بات بھی سمجھ میں آجاتی تو معترض ایسا بیہودہ لا یعنی اعتراض ہرگز نہ کرتا۔ دوم یہ بات کس قدر بعید از عقل ہے جو وہ کہتا ہے

کہ ابتدائے اسلام سے سارے مسلمان مانگ رہے ہیں اور وہ پوری ہونے کو نہیں آتی اسی
سے اس کو حضور پرنور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان معلوم ہو جاتی اگر وہ عقل
رکھتا ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ درود شریف حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اور آپ کی آل
کے حق میں دعائے رحمت و برکت ہے۔ اور قرآن پاک میں پروردگار عالم نے اس کا حکم
فرمایا تو اگر پروردگار عالم کو اس دعا کا قبول کرنا منظور نہ ہوتا تو وہ مسلمانوں کو کیوں حکم فرماتا اور کس
طرح رغبت دلاتا کہ ہم بھی اس محبوب اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پر صلوٰۃ نازل فرماتے ہیں
ہمارے ملائکہ بھی درود بھیجتے ہیں تم بھی درود وسلام بھیجو تو ظاہر ہے کہ یہ سب دعائیں مقبول
اور شرع میں مطلوب اور ان سے اظہار شان سید کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کا منظور اور
مسلمانوں کو اس محبوب اکرم کی محبت اور درود و دعا گوئی کی برکتوں سے فیضیاب فرمانا مدنظر
تو اب جتنے مسلمان درود بھیجتے ہیں اور حضور کے حق میں رحمت و برکت کی دعائیں کرتے
اور قیامت تک کرتے رہیں گے وہ سب مقبول اور مرضی الٰہی کے مطابق۔ اور مسلمان
درود میں دعا یوں کرتا ہے کہ اے پروردگار حضور پرنور سید الانبیاء محبوب کبریا صلی اللہ علیہ
وسلم اور ان کی آل پاک پر اتنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جتنی تو نے سیدنا حضرت ابراہیم اور ان
کی آل پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں۔ تو اگر کوتاہ نظر معترض کے طور پر یہ بھی فرض کر لیا جائے
کہ ہر مسلمان حضور اور ان کی آل کے لئے اتنی ہی رحمت و برکت مانگتا ہے جتنی حضرت
ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو ملی ہے، اور دعا مقبول ہو تو حضور کو ہر ہر مسلمان کی ہر ہر دعا
پر رحمتیں و برکتیں ملتی ہیں جتنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو ملیں اور قیامت
تک بے شمار مسلمان یہ دعا مانگتے رہیں گے اور پھر ایک ایک مرتبہ ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان

وجہ ہوا اپنے تمام فرائض و نوافل وغیرہ میں یہ دعا مانگتا رہتا ہے تو اب حضور کی رحمت و برکت کی کیا نہایت ہوئی۔ اکرم کارساز کا مقصود ہی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کی آل کو جتنی رحمتیں اور برکتیں عطا فرمائی گئیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر غلام ان کا ذکر کرکے حضور کے لئے ان سے اعلیٰ نعمتیں اور برکتیں مانگا کرے اور ان کی ہر دعا مقبول ہو اور حضور کو ہر دعا کے ساتھ حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم سے زیادہ نعمتیں اور برکتیں دی جائیں۔ اور ان کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے۔ اس فضیلت کا کچھ نہایت ہے کم عقل پر افسوس ہو اس کو نقصان سمجھ گیا۔

(۴) نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی میں منحصر نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہوتے ہیں۔ لہ

کہ المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۱۲ جمادی الآخر ۱۳۲۸ھ

لہ شرح العقائد میں ہے الرسول انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام وقد یشترط فیہ الکتاب بخلاف النبی فانہ اعم هذا هو الفرق بین النبی والرسول وهذا منتقض بقولہ تعالیٰ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی

استفتاء

دیگر انبیا علیہم السلام کی امتوں کی بنسبت بروئے قرآن کیا کیا فضیلت و انعام خاص امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں؟

الجواب بعون الکریم الوہاب

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی امت کو دوسری امتوں پر بیشمار فضیلتیں حاصل ہیں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امت وسط فرمایا دوسری امتوں کے حق میں ان کو شاہد کیا ان کی قسمتوں کا فیصلہ ان کی شہادت پر رکھا اور سب کا اجمال یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس امت کی مدح کی اور اس کو خیر امت فرمایا۔ قرآن پاک ارشاد ہوا وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۲۰ / جمادی الاخریٰ ۱۳۲۸ھ

وہابیوں کے مقتدا ابن تیمیہ

کی شرعی تحقیق

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ ابن تیمیہ کون اور کیسا شخص ہے؟ مذہب کے اعتبار سے اس کا رتبہ کیا ہے! ہندوستان کے اخبار نویس مثلاً ابوالکلام آزاد اس کے اقوال اکثر نقل کرتے ہیں آجکل یزید پلید کی مدح و ثنا میں ابن تیمیہ کا کلام پیش کیا جاتا ہے۔ یہ شخص معتبر تھا یا غیر معتبر!

المستفتی
احقر محمد ظہور
۲۱ شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ

الجواب بعون الملک الوہاب

ابن تیمیہ کو وہابیہ نجدیہ اپنا پیشوا جانتے ہیں اور کبھی اس کے نام کی تصریح کر کے اور کبھی بلا تصریح اس کے اقوال فاسدہ سے تمسک کرتے ہیں ابن سعود جس نے وہابیت کا مجموعہ "مجموعۃ التوحید" چھاپا ہے اس میں بھی ابن تیمیہ کے رسالے شامل ہیں۔ اس شخص کی نسبت خاتم المحدثین علامہ شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ

حدیثیہ صفحہ ۸۳ میں فرماتے ہیں ؎ ابن تیمیۃ عبد خذلہ اللہ واضلہ واعماہ واصمہ واذلہ وبذالک صرح الائمۃ الذین بینوا فساد احوالہ وکذب اقوالہ ومن اراد ذالک فعلیہ بمطالعۃ کلام الامام المجتہد المتفق علی امامتہ وجلالتہ وبلوغہ مرتبۃ الاجتہاد ابی الحسن السبکی وولدہ التاج وشیخ الامام العز ابن جماعۃ واہل عصرہم وغیرہم من الشافعیۃ والمالکیۃ والحنفیۃ ولم یقصر اعتراضہ علی متاخری الصوفیۃ بل اعترض علی مثل عمر ابن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کما یاتی والحاصل ان لا یقام لکلامہ وزن بل یرمی فی کل وعر وحزن ویعتقد فیہ انہ مبتدع ضال ومضل جاہل غال عاملہ اللہ بعدلہ واجارنا من مثل طریقتہ وعقیدتہ وفعلہ آمین

ترجمہ۔ ابن تیمیہ ایک بندہ ہے جس کو خدا نے رسوا کیا، گمراہ کیا اندھا کیا بہرہ کیا۔ ذلیل کیا ائمہ دین نے اس کی تصریح کی جنہوں نے اس کے فساد احوال اور جھوٹے اقوال کا بیان فرمایا جو شخص چاہے وہ امام مجتہد جن کی امامت جلالت رتبۂ اجتہاد کو پہنچی ہے یعنی ابوالحسن سبکی اور ان کے فرزند ارجمند علامہ تاج الدین سبکی اور شیخ امام عز بن جماعہ اور ان کے زمانہ والے اور ان کے سوا علماء شافعیہ، مالکیہ، حنفیہ کے کلام کا مطالعہ کرے ابن تیمیہ نے متاخرین صوفیہ پر ہی اعتراض کرنے میں اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ جیسے اکابر صحابہ پر بھی اعتراض کیا ہے جیسا کہ آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کا کلام کچھ وزن نہیں رکھتا بلکہ ویرانہ میں پھینکنے کے لائق ہے اس کے حق میں یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ وہ

بدعتی گمراہ گر کن جاہل غالی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے عدل سے معاملہ کرے اور ہمیں اس کے جیسے عقیدے و طریقے سے بچائے۔ آمین۔"

اس کے بعد علامہ نے ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے کن کن اکابر اسلام و اعلام دین پر اعتراض کئے اور افترا اٹھائے۔ ان میں سے اکابر صحابہ بھی ہیں حتیٰ کہ امیر المومنین امام المسلمین خلیفہ راشد سیدنا و مولانا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شان میں کہا ان عمر لہ غلطات و بلیات وای بلیات اور امیر المومنین امام المتقین حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں کہا ان علیا اخطا فی اکثر من ثلث مائۃ مکان یعنی معاذ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت سی غلطیاں اور بڑی بڑی بلائیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین سو سے زائد غلطیاں کیں۔ معاذ اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ من این یحصل لک الصواب اذا اخطا علی بزعمک کرم اللہ وجہہ وعمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کہ تجھے کہاں سے صواب حاصل ہو گیا جب امیر المومنین علی اور عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما تیرے گمان میں خطا کار ہیں اس بے دین نے بہت سے مسائل ایسے گھڑ دیئے۔ اجماع کو توڑ دیا۔ شریعت کے نظام کو درہم برہم کیا جو شخص کہے "علی الطلاق" اس پر کفارہ یمین لازم کرے گا اور طلاق نہ ہوگی حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں میں سے کوئی بھی کفارہ کا قائل نہ ہوا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حائض کی طلاق نہ ہوگی۔ ایسے ہی جس طہر میں قربت ہو اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ایسے ہی یہ مسئلہ کہ نماز عمداً چھوڑ دی جائے تو اس کی قضا واجب نہیں۔ ایسے ہی مسئلہ کہ حائض کے لئے بیت اللہ کا طواف مباح ہے اور اس پر کفارہ نہیں۔ ایسے ہی یہ مسئلہ

کہ تین طلاقیں ایک کی طرف رد ہو جاتی ہیں. اور اس کا دعوی کرنے سے پہلے ابن تیمیہ خود اس کے خلاف پر مسلمانوں کا اجماع نقل کرتا تھا. اس کے علاوہ بہت مسائل ہیں جن میں اس نے دین کی مخالفت کی منجملہ ان کے یہ ہے کہ بہنے والی چیزوں میں جو ہے وغیرہ کی طرح کوئی جاندار مرجائے تو وہ نجس نہیں ہوتے. اور مخالف اجماع نہ کافر ہے نہ فاسق. اور رب تعالیٰ محل حوادث ہے تعالی اللہ عن ذالک وتقدس. اور یہ کہ باری تعالیٰ مرکب ہے. اور اس کی ذات ایسی ہی محتاج ہے جیسا کل جزو کا اور قرآن ذات الٰہی میں محدث ہے تعالی اللہ عن ذالک. اور یہ کہ عالم قدیم بالنوع ہے. اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مخلوق دائم رہا تو اس نے واجب تعالیٰ کو موجب بالذات قرار دیا. نہ کہ فاعل بالاختیار جسمیت وجہت انتقال کا قائل ہوا اور یہ کہا کہ خدائے تعالیٰ بقدر عرش کے ہے نہ چھوٹا نہ بڑا اور انبیاء غیر معصوم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی مرتبہ نہیں. ان کے ساتھ توسل نہ کیا جائے. ان کی زیارت کے لیے سفر کرنا حرام ہے. اور وہابیہ نے بھی اور اس کی خوشہ چینی اور ریزہ خواری کی ہے. ایسے ایسے اور اس سے بہت زیادہ ناپاک اور گندے مسائل اس کے ہیں جن کو حضرت شیخ علامہ نے اپنے اس فتاوے میں ذکر فرمایا ہے. دوسری جگہ اسی فتاوے کے صفحہ ۴۴ پر یہی علامہ فرماتے ہیں۔ ؎

وایاك ان تصغی الی ما فی کتب ابن تیمیة وتلمیذہ ابن القیم الجوزیة وغیرهما ممن اتخذ الٰهه هواه واضله الله علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره غشاوة فمن یهدیه من بعد الله وکیف تجاوز هؤلاء الملحدون الحدود وتعدوا الرسوم وخرقوا سیاج الشریعة والحقیقة فظنوا بذالك انهم علی هدی من

ربهم ولیسوا کذلک بل هم علی اسوأ الضلال واقبح الخصال وابلغ المقت والخسران وانهی الکذب والبهتان فخذل اللہ متبعهم وطهر الارض من امثالهم

ترجمہ۔ ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزی وغیرہ کی کتابوں پر کان رکھنے سے بچو جنہوں نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنایا اور خدا نے اس کو برباد کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر کی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈالا اسکے بعد اب کون اسے ہدایت کرے گا اور بے دینوں نے کس طرح حدود سے تجاوز کیا اور رسوم عدی کی اور چادر شریعت وحقیقت کو پھاڑ کر یہ گمان کیا کہ وہ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ بدترین گمراہی اور قبیح ترین خصائل اور انتہائی بدنصیبی اور ٹوٹے اور کذب وبہتان میں ہیں۔ اللہ ان کے متبع کو رسوا کرے اور ان کے امثال سے زمین کو پاک کرے۔ آمین۔

ابن تیمیہ کا یہ حال ہے اور ائمہ دین اور مشائخ ومحدثین اس کے حق میں ایسا فرماتے ہیں۔ اہل اسلام ایسے بے دین سے احتراز کریں اور اس کی گمراہ کن تعلیم سے بچیں۔ جو حضرت علی مرتضیٰ کو خطا کار بتاتا ہے۔ یزید کی تعریف وتوصیف اس سے کیا بعید ہندوستان کے بے قید جو دین سے آزاد ہو گئے اور ملحدان بے دین کے دام تزویر میں گرفتار ہیں وہ اگر ایسے فاسد العقیدہ شخص کی تقلید کریں تو یہ ان کی بدمذہبی کا ایک ثبوت ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ ایانا وجمیع المسلمین ووقانا وسائر المومنین عن مکائد الشیطین المفسدین والداعین من الدین بحرمة خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین محمد نعیم الدین غفرلہ۔

تعظیم اور عبادت میں فرق

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ تعظیم اور عبادت میں کیا فرق ہے؟ کیا سبب ہے کہ اولیاء کرام کی قبروں پر چادریں پھول مٹھائیاں چڑھانے والے موحد مسلمان اور بتوں پر پھول پتیاں چڑھانے والے کافر و مشرک بے ایمان۔

المستفتی
منور حسین انصاری مرادآبادی
۱۵ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ

الجواب بعون الملک الوہاب

عبادت غایت خضوع اور انتہائی تذلل کو کہتے ہیں اور یہ حاصل نہیں ہوتا، جب تک عابد معبود کی نسبت الوہیت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اور اس کو قادر مطلق متصرف بالذات و بالاستقلال نہ جانتا ہو اور اس کے حضور بغیر اضطرار کے اپنے اختیار سے نہایتی تذلل جسکو اظہار عبدیت کہتے ہیں بجا نہ لائے۔

تعظیم اس سے عام ہے اس میں غایت تذلل اور غایت خضوع اور معظم کی

الوہیت اور اس کی قدرت ذاتیہ و مستقلہ کا اعتقاد ضروری نہیں ہے. ان دونوں میں عموم و خصوص کی نسبت ہے. ہر عبادت تعظیم ہے اور تعظیم عبادت نہیں. ورنہ ماں باپ استاد، پیر، نبی رسول، قرآن شریف، مسجد، کعبہ معظمہ سب کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے اور مسلمانوں کو ان کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا گیا ہے. ہر تعظیم اگر عبادت ہو جایا کرے تو یہ سب تعظیمیں شرک ہوں، اور ان کا حکم کرنا شرک کا حکم کرنا، جو شخص شریعت پر ایسا الزام لگائے گمراہ بے دین ہے. ایک ہی طرح کے افعال جن میں صورتاً کوئی فرق ظاہر نہ ہو، بسا اوقات حقیقت میں ہوتے ہیں مشرکین سے زیادہ کا بعد و دوری ہوتا ہے. غیر خدا کی عبادت یقیناً شرک ہے شریعت حقہ اس کو مٹانے آئی. تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام جب تک دنیا میں تشریف فرما رہے اس کی بیخ کنی میں مصروف رہے. شرک کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتا اور محال ہے کہ خدا کی طرف سے شرک کا حکم دیا جائے باوجود اس کے ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے کا حکم ہوا. برادران یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیمات کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا قرآن کریم نے ذکر فرمایا. صورۃً یہ سجدہ اور نمازی کا سجدہ وضع جبہہ یا انحنا ہے. یہ بات تینوں صورتوں میں پائی جاتی ہے. مگر حقیقت و حکم میں اشتراک نہیں ملائکہ اور برادران یوسف علیہ السلام کا سجدہ حضرت آدم و یوسف علی نبینا و علیہ السلام کی تعظیم تھا نہ عبادت، ورنہ اس کا حکم ہونا محال تھا فرق یہ تھا کہ ملائکہ اور برادران یوسف علیہما السلام اپنے مسجود کی الوہیت کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے تو وہ سجدہ عبادت نہ ہوا، اور نمازی سجدہ میں مسجود لہٗ کی الوہیت کا اعتقاد رکھتا ہے اس لئے

اس لئے اس کا سجدہ عبادت ہے۔ مگر چونکہ مسجود لہٗ اس کا اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ ہے اس لئے یہ عبادت مقبول اور مامور بہا ہے۔ بت پرست کا سجدہ بھی باعتقاد الوہیت ہے اور چونکہ اس کا مسجود لہٗ غیر خدا ہے اس لئے وہ شرک و ممنوع موجب خسران و خذلان ہے۔ قبروں پر چادریں اور پھول ڈالنا اور بتوں کے آگے پھول پیش کرنا ان دونوں میں بھی وہی فرق ہے کہ قبروں پر پھول دیے جانے والا صاحبِ قبر کو الٰہ اور قادر بالذات و مستقلال نہیں اعتقاد کرتا اس کو خدا کا مخلص بندہ جانتا ہے نہ خدائی کا شریک یا حصہ دار نہ معاذ اللہ چھوٹے درجہ کا خدا۔ اور بت پرست بت کو الٰہ اور قادر بالذات اور بالاستقلال اعتقاد کرتا ہے۔ فافترقا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر سورہ بقرہ میں فرماتے ہیں پیشانی بر زمین رسانیدن بر دو طریق واقع میشود یکے آنکہ برائے ادائے حق عبودیت باشد ایں قسم در جمیع ادیان ملل جانب غیر خدا حرام و ممنوع است و ہیچ گاہ جائز نہ شد زیرا کہ از محرمات عقلی است و محرمات عقلیہ بتبدل ادیان و ملل متبدل نمی شوند و دلیلش آنکہ ایں نوع تعظیم مشعر بغایت تذلل است و غایت تذلل برائے کسے سزاوار است کہ در غایت عظمت باشد و غایت عظمت آنست کہ ذاتی باشد و عظمت ذاتی خاص بحضرت حق است در ہیچ مخلوقے یافتہ نمی شود۔ دوم آنکہ برائے تکریم و تحیت باشد مانند سلام و سر خم کردن و ایں معنی باختلاف رسوم و عادات و تبدل ازمنہ و اوقات مختلف است گاہے جائز و گاہے حرام در امتہائے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ حضرت یوسف و اخوان ایشاں واقع شدہ کہ وخروا لہ سجدا۔ واللہ سبحٰنہ تعالیٰ اعلم۔

وہابی کِسکو کہتے ہیں اور سنی کِسکو کہتے ہیں؟

استفتاء

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہلسنت وجماعت اس مسئلہ ذیل میں کہ وہابی کس کو کہتے ہیں اور غیر مقلد کسکو کہتے ہیں اور دونوں کے عقائد ایک ہیں یا کچھ فرق ہے اور ان لوگوں کی علامات ظاہری کیا ہیں اور یہ لوگ دائرہ اہلسنت وجماعت میں داخل ہیں یا شل اور فرق ضالہ کے اہلسنت وجماعت سے خارج ہیں اور ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا یا ان لوگوں کو مساجد میں آنے دینا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں اور ان لوگوں سے میل ملاپ سلام کلام بیاہ شادی وغیرہ کر سکتے ہیں یا نہیں دلائل شرعیہ کی روشنی میں واضح اور مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

والسلام

المستفتی

محمد عبد المجید سنی حنفی خادم مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ
نگ پور۔ ڈاکخانہ جلال پور ضلع فیض آباد۔

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد
وہابی اور غیر مقلد دونوں عبد الوہاب نجدی کے مقلد ہیں "کتاب التوحید" اور تقویۃ الایمان"

کو دونوں مانتے ہیں مسلمانوں کو دونوں مشرک کہتے ہیں ایصال ثواب کے طریقوں اور بزرگان دین کی زیارت اور ان کی تعظیم ومحبت سے دونوں کو عداوت ہے بزرگان دین کی جناب میں گستاخ دونوں ہیں۔ عقائد میں ایک دوسرے کے بہت موافق ہیں فرق یہ ہے کہ ایک دعویٰ تقلید کا کرتے ہیں اور دوسرے بالاعلان تقلید ائمہ کے منکر ہیں اور درحقیقت نجدی کے مقلد ان میں سے جو اپنے آپ کو مقلد کہتے ہیں ان کا دعویٰ تقلید نمائشی ہے۔ ردالمحتار میں ہے کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوھاب الذین خرجوا من النجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلة لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذلک قتل اھل السنة وقتل علمائھم حتی کسر اللہ شوکتھم وخرب بلادھم وظفر بھم عساکر المسلمین عام ثلث وثلثین ومائتین والف۔

یہ لوگ گمراہ بے دین ہیں ان کے پیچھے نماز جائز نہیں اختلاط ومصاحبت ممنوع ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ (الحدیث) ان کے ساتھ مناکحت میل ملاپ ابطال اسلام ہے اور سخت ہے مسلمانوں کو ان کی صحبت سے پرہیز لازم ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ک۔ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المبین

قرآن عظیم میں قسمیں فرمانے کی حکمتیں

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے دن و رات سورج چاند زیتون و انجیر اور طور و سینا وغیرہ کی جو قسمیں یاد فرمائی ہیں اس کی کیا حکمت ہے اور قسمیں یاد فرمانے میں کیا راز ہے۔

المستفتی

محمد محمود عالم سیتاپور۔ ۱۳ رشوال ۱۳۵۲ھ

الجواب بعون الکریم الوہاب

اللہ تعالیٰ جل علا سبحانہ و تعالیٰ ضرورت سے پاک ہے اسے کسی چیز کی کوئی ضرورت نہیں وہ سب سے بے نیاز ہے۔ ضرورت دلیل نقصان و علامت امکان ہے۔ تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا واللہ غنی عن العالمین۔ البتہ اس کے ہر کام میں حکمت ضرور ہے خواہ بندوں کی فہم اس حکمت تک رسائی کرے یا نہ کرے۔ قرآن کریم میں جو قسمیں یاد فرمائی گئیں ان میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ اول تو یہ قرآن پاک محاورۂ عرب میں نازل ہوا اور اثبات مطالب میں حلف و یمین عرب کا طریقہ مالوفہ ہے۔ تو کلام ان کے اسلوب پر ہونا مناسب۔

امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے فرمایا والقران انزل بلغۃ العرب واثبات المطالب بالحلف والیمین طریقۃ مالوفۃ عند العرب۔

دوم اصول وہدایت وارشاد کا تقاضہ ہے کہ رہنمائی کے تمام مدارج ومراتب پورے کر دیئے جائیں اور قوم کے لئے جائے عذر نہ چھوڑی جائے پھر بھی وہ انکار ہی کرتی رہے تو اس کی بدنصیبی۔

جہال کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ براہین کی اقامت اور دلائل کے وضوح کے بعد وہ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم علم میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم نے ہمیں علمی قوت سے دبا لیا، مدعی پر اطمینان نہیں ہوا ایسی حالت میں اور مزید دلائل قائم کرنا بے کار ہوتا ہے اب ضرورت ہے کہ ان کے اطمینان اور قطع عذر کے لئے کلام کو مؤکد بقسم کیا جائے تاکہ انہیں عذر کرنے کا موقع نہ رہے کہ دلائل تک تو ہمیں رسائی نہ تھی قسم یاد کی جاتی تو ہماری تسلی ہو جاتی اس لئے قرآن کریم میں اقامت دلائل اور براہین کے ساتھ مطالب پر اطمینان دلانے اور عذر دفع فرمانے کے لئے قسم یاد فرمائی جاتی ہے۔

سوم عرب جھوٹی قسموں سے بہت ڈرتے اور پرہیز کرتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ جھوٹی قسم کھانے والا ضرور برباد ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں جو قسمیں ذکر فرمائی گئیں اور دین اسلام برابر ترقی پر رہا یہ عرب کے لئے ایک دلیل تھی کہ یہ مضمون صحیح ہے۔ ورنہ تمہارے اعتقاد کے بموجب قسموں کے مؤکد کرنے کے بعد اس کا رواج روز بروز کیسے بڑھتا رہتا۔

چہارم قرآن کریم میں جسقدر قسمیں مذکور ہیں ان میں غور کیجئے تو وہ سب

کہ سب اثبات مدعا پر زبردست دلائل ہیں، پیرایہ قسم کا ہے اور مضمون برہان قوی، واللہ العلیم الحکیم اس کے علاوہ اور بہت سے وجوہ حکمت ہیں استعمال میں اسی قدر پر اکتفا کیا گیا جو ماننے والوں کے لئے کافی ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے دفتر بھی بے کار ہے۔

کتبہ سید محمد نعیم الدین غفرلہ

۱۰ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ

دہریہ کا سوال اور اس کا جواب

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین ایک دہریہ کا سوال یہ ہے کہ ایک ملزم کا مقدمہ جج کے یہاں گیا اور اس پر ہر طرح جرم ثابت ہو گیا اس کے بعد ایک شخص کی سفارش سے جج نے اس کو بری کر دیا۔ تو کیا جج نے انصاف کیا یا بے انصافی؟ اگر انصاف کیا تو کیسے۔ از راہ کرم مسئلہ کا جواب دلائل کی روشنی میں واضح بیان فرمائیں۔ عین نوازش۔

فقط والسلام
المستفتی
سید عبد المجید۔ سورت
۱۹ر شوال المکرم ۱۳۳۵ھ

بعون الملک الوھاب
الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ جرم مختلف قسم کے ہوتے ہیں سب کے لئے ایک ہی حکم لگانا نہایت بے وقوفی ہے اگر جرم ایسا تھا جو کسی دوسرے کے حق سے متعلق ہوتا تھا یا اس کے معاف کر دینے سے کسی اور کا ضرر لازم آتا تھا تو اس کا معاف کرنا دوسرے کے

ضرر اور اتلاف حق کا باعث ہے۔ تو جب تک خود صاحبِ حق معاف نہ کرے یا اس کی تلافی نہ کر دی جائے، مجرم کو چھوڑ دینا خلافِ حکمت ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی سے کچھ روپیہ لیا اور دینے سے انکار کرتا ہے ایسی حالت میں اگر قرض خواہ کے معاف کئے بغیر یا اس کے نقصان کی تلافی کے بغیر مجرم معاف کر دیا جائے خواہ کسی کی سفارش سے یا کسی بے سفارش کے تو ضرور اس میں قرض خواہ کا نقصان ہوگا اور جج کا ایسا فیصلہ عدل وحکمت کے خلاف مانا جائے گا البتہ اگر جج کے سمجھانے سے خود صاحب حق بخوشی اپنے حق سے دست بردار ہو جائے یا جج قرض خواہ کو اس کا مطالبہ ادا کر دے اور امید ہو کہ اس کے اس سلوک سے مجرم کے نفس کی اصلاح ہو گی تو ایسی حالت میں جج کا معاف کر دینا عین حکمت اور کمال رحمت اور عقل سلیم کے نزدیک نہایت مستحسن ہے اور اگر جرم ایسا ہے جس کا تعلق حاکم کے سوائے کسی دوسرے شخص کے حق سے نہیں ہے مثلاً جج نے حاضری کا حکم دیا اور مجرم نے اس کی تعمیل نہ کی ایسے جرم کو اگر جج خود یا کسی کی سفارش سے معاف کر دے تو وہ کریم المزاج اور نیک دل مانا جائے گا اور اس کا یہ عفو قابلِ تعریف ہوگا۔ شریعت میں اس قسم کے فیصلے ثابت ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

قادیانی وبہائی کے ساتھ سنیہ کا نکاح

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پہلے قادیانی تھا اب قادیانی ہونے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بہائی ہوں یعنی بہاء اللہ کا معتقد اور اس کے مذہب پر ہوں. بہاء اللہ وہ شخص ہے جس کی نسبت اخبار وغیرہ میں لکھا ہے اور بہت مشہور ہے کہ وہ مدعی نبوت تھا جس کا زمانہ عنقریب گذرا ہے. دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمہ سنیہ حنفیہ سیدانی لڑکی کا نکاح شخص مذکور سے شرعاً جائز ہے یا ناجائز.

بینوا توجروا. المستفتی

مقدس حسین نزد جامع مسجد دہلی ۱۳۵۰ھ

الجواب

بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم.

قادیانی مرزا کی نبوت کا قائل ختم نبوت کے معنی متواترہ کا منکر اور اس وجہ سے کافر ہے. اب اگر بہائی ہوگیا تو اس وجہ سے اس کا کفر اٹھ نہ گیا جب تک کہ وہ اپنے کفر سے توبہ نہ کرے اور ختم نبوت کے معنی متواترہ کو تسلیم نہ کرے. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے بعد کسی نبی جدید کے آنے کے خیال سے تائب نہ ہو. اور تمام کفریات

بیزاری کرے اور سرنو اسلام نہ لائے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بہائی ہو جانا اس کو کفر سے پاک نہیں کر سکتا بلکہ اب بھی وہ گندے کفر میں مبتلا ہے مرزا نے جس قسم کا دین ایجاد کیا اور ضلالت کی جو راہیں اختیار کیں وہ سب اس کی طبع زاد نہیں ہیں۔ اس نے اپنے زمانہ سے قبل کے بے دینوں دجالوں سے بہت کچھ اخذ کیا اور ان سب کا پس خوردہ جمع کرکے ایک دوکان رکھ لی۔ انہی میں سے بہائی فرقہ بھی ہے۔ تو قادیانی سے بہائی ہو جانا ایک ہی سلسلہ کے کفریات میں گشت لگانا ہے۔ اب سب کی مکاری ختم نبوت کے معنی متواتر کے انکار کو اپنا اصل بنانے سے چلتی ہے۔ سنہ ۸۴۷ھ میں جونپور میں ایک شخص ہوا جس کا نام میراں سید محمد تھا اس کے باپ کا نام سید خاں، ماں کا نام بی بی آغا ملک ماں باپ کا نام بدل کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوین کریمین کے نام رکھے۔ ماں کا نام آمنہ اور باپ کا نام عبداللہ رکھا۔ اور یہ شخص "مہدی" موعود بنا۔ اس سے بھی کام نہ چلا ماں باپ کے نام جاننے والوں نے اعتراض کیا تو اس ناہنجار نے حضور اقدس ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کا نام عبداللہ ہونے سے انکار کر دیا اور یہ مکر گڑھا کہ حضور کا اسم گرامی محمد عبداللہ ہے ابن کا لفظ راویوں کی غلطی سے زیادہ ہو گیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔ اس شخص کے معتقدین اس کی مہدیت کی تصدیق کو فرض اور اس کا انکار کفر جانتے تھے لہٰذا وہ بھی اسی راستے پر چلا ہے جس طرح مرزا کے گھر والوں کو اس کے معتقدین "اہلبیت" اور اس کی بی بی کو "ام المومنین" کہہ کر ایوان رسالت کی نقل اتارتے ہیں اسی طرح میراں سید محمد کے یہاں خلفاء راشدین پانچ اور صدیق دو۔ اور عشرہ مبشر بالجنۃ ۱۲ اور چہتر فرقے۔ اور جنگ بدر، اور فاطمہ اور حسین ولایت سب بنائے گئے

تھے۔ یہ لوگ اپنے گرو میراں سید محمد کو خلفاء راشدین اور تمام انبیاء و مرسلین سے افضل اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرتبہ میں ہمسر و برابر ٹھہراتے تھے اور اس کو مفترض الطاعہ سمجھتے تھے، شریعت طاہرہ کے احکام کا ناسخ اور صاحب شریعت جدید مانتے تھے اس پر وحی آنے کے معتقد تھے چنانچہ اس کے رسالہ "ام العقائد" میں اس کی وحی یوں لکھی ہے۔ قال الامام المهدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علمت من اللہ بالواسطۃ جدید الیوم قلائی عبد اللہ تابع محمد رسول اللہ محمد مهدی الزمان وارث نبی الرحمن عالم علم الکتاب والایمان مبین الحقیقۃ والشریعۃ والرضوان۔ اس وحی شیطانی کی زبان اور مضمون بھی قابل دید ہے۔ یہ شخص بلا واسطہ اللہ سے اخذ علوم کا مدعی تھا، ہندی میں بھی وحی کا دعویٰ کرتا تھا اور نئے نئے احکام کا نزول بتاتا تھا۔ زکوٰۃ میں بھی بہت سی قطع و برید کی تھیں اس کے عقائد فاسدہ اور مکائد کاسدہ کہاں تک بیان کئے جائیں۔ علماء عرب و عجم اور فضلاء مکہ مکرمہ نے ان لوگوں کے کفر و قتل کے فتوے دیئے اور شاہان اسلام نے انہیں سزائیں دیں اور ہلاک کر دیا۔ پھر اس قسم کا کفر ایران سے پیدا ہوا۔

سنہ ۱۸۱۹ء میں شیراز میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام مرزا علی محمد تھا۔ اسی کو باب کہتے ہیں اور اس کے معتقدین اس پر ایمان لانے والے "بابی" کہلاتے ہیں یہ شخص بھی مہدی ہونے کا مدعی تھا اپنے آپ کو مثل حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اور ایک شخص اور جس کا لقب اس نے من یظہرہ اللہ جل ذکرہ رکھا تھا اسے مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتا تھا۔ چنانچہ کتاب "بہاء اللہ کی تعلیمات" کے صفحہ ساٹھ پر اس مرزا علی محمد کا یہ قول مذکور ہے

کہ میں پہلی ہوں من یظہرہ اللہ۔ اس مرزا علی محمد باب نے پیغمبری کا بھی دعویٰ کیا۔ بہاء اللہ کی تعلیمات صفحہ ۱۰ میں ہے "سید مرزا علی محمد باب نے بھی پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔" اس نے اپنی علیحدہ شریعت بنائی تھی کتاب بہاء اللہ کی تعلیمات صفحہ ۱۴ میں اس کا یہ قول موجود ہے "نبی نے جو شریعت لکھی ہے اس پر عمل کرنے کا حکم تم کو اسی وقت ملے گا جب کہ من یظہرہ اللہ ظاہر ہوگا اور شریعت میں سے وہ جس بات کو پسند کرے گا اس پر عمل کرنے کا حکم دے گا اور جس کو وہ ناپسند کرے گا اس کو تم ترک کرنا۔"

طہران میں سب سے پہلے مرزا حسین علی اس پر ایمان لایا۔ مرزا علی محمد نے اس کو بہاء اللہ کا لقب دیا۔ مرزا حسین علی عرف بہاء اللہ نے دعویٰ کیا کہ وہ من یظہرہ اللہ ہے جس کی علی محمد باب نے بشارت دی ہے۔ کتاب بہاء اللہ کی تعلیمات صفحہ ۱۹ میں ہے "ایڈریانوپل میں بہاء اللہ نے کہا کہ جس شخص کی بشارت مجھ کو حضرت باب نے دی ہے اور جس کی راہ میں انہوں نے جان فدا کی وہ میں ہی ہوں۔ من یظہرہ اللہ میرا لقب ہے۔" اس بہاء اللہ پر ایمان لانے والے بہائی کہلاتے ہیں کتاب مذکور کے صفحہ ۲۰ میں ہے "جنہوں نے حضرت بہاء اللہ کا دعویٰ قبول کیا ان کا نام بہائی ہو گیا۔" بہاء اللہ خدا کی طرف سے بے واسطہ علم ملنے اور مبعوث من اللہ ہونے کا مدعی تھا۔ بہاء اللہ کی تعلیمات صفحہ ۲۵ میں ہے "یکایک خدا کی نسیم لطف مجھ پر گذری اور جو کچھ ابتدائے آفرینش سے اب تک ظہور میں آیا اس کا علم اس نے مجھے دیا۔ صفحہ ۲۶ میں لکھا ہے اسی نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اس کے نام کی منادی کر دوں۔" اس بہاء اللہ نے اپنی نبوت کا سکہ جمانے کے لئے ختم نبوت کا انکار کیا چنانچہ صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے "پیغمبروں کا ظاہر ہونا محال اور غیر ممکن نہیں جانتے

اور اگر کوئی شخص اس بات کو محال جانے تو پھر اس میں اور ان لوگوں میں کیا فرق ہے جنہوں نے خدا کے ہاتھوں کو بندھا ہوا سمجھا دہ کون! جمہور اہل اسلام اور مخصوص اہلسنت اگر یہ لوگ خدائے تعالی کو مختار جانتے ہیں تو انہیں لازم ہے کہ اس شہنشاہ ازل کے ہر حکم کو قبول کریں جو اس کے رسول کی معرفت صادر ہیں۔" صفحہ ۳۵ میں لکھا ہے " الطاف باری کی ٹھنڈی اور خوشگوار ہوانے جگا کر مجھے یہ حکم دیا کہ میں زمین و آسمان کے درمیان اس کے نام کی منادی کردوں یہ بات میں نے خود نہیں کی۔ بلکہ خدا ہی کی طرف سے کی۔ اس کی ہدایت ہوئی تھی۔" صفحہ ۴۱ پر یہ قول لکھا تھا " میرا علم خدا کا عطا کردہ ہے کسی انسان سے حاصل نہیں کیا ہے۔" اس بہاء اللہ نے شرع کے احکام کو بھی درہم برہم کردیا ہے اور نئے حکم اپنے دل سے تراشے ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب "بہاء اللہ کی تعلیمات" کے آخر حصہ کے صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے۔ خدا تم کو نکاح کا حکم دیتا ہے مگر خبردار دو سے زائد نہ کرنا۔ تیسری طلاق کے بعد کی حرمت اور بغیر حلالہ عدم حلت کے حکم کی تبدیلی صفحہ ۱۰۔ اسی کتاب کے صفحہ ۴ میں ہے خدا نے منع کر دیا کہ جو تم تیسری طلاق کے بعد کیا کرتے تھے۔" گانا باجا سب حلال کر دیا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۴ میں ہے " ہم نے حلال کیا تمہارے اوپر گانے اور بجانے کا سننا۔" اس گروہ کا دستور تقیہ کرنا بھی ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۴ میں اس کا اقرار ہے۔

اتنے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ مرزا غلام احمد اور بہاء اللہ ختم نبوت کے معنی متواتر کے انکار میں شریک ہیں۔ دعوئے مہدیت میں شریک ہیں۔ مثیل مسیح ہونے کے دعوے میں شریک ہیں۔ رسالت اور وحی کے دعوے میں شریک ہیں۔ تبدیل احکام شرع میں شریک ہیں۔ دونوں کے کافر ہوئے۔ اب بہاء اللہ خود بھی رسول بنتا ہے اور اپنے اوپر وحی آنے

بے واسطہ اللہ سے علم پانے کا مدعی ہے۔ اور مرزا علی محمد کو بھی پیغمبر مانتا ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بھی کرتا ہے کتنے کفروں میں مبتلا اور اپنے معتقدین کو مبتلا کرنے والا ہے یقیناً اس کی تصدیق کرنے والے کافر و مرتد خارج از اسلام ہیں۔ شفاء شریف میں ہے۔ و کذلک قال من تنبأ وزعم انہ یوحیٰ الیہ قالہ سحنون وقال ابن القاسم دعی الی ذلک سرا وجہرا قال اصبغ وھو کالمرتد لانہ کفر بکتاب اللہ مع الفریۃ علی اللہ وقال اشہب فی یہودی تنبأ او زعم انہ یوحی ارسل الی الناس او قال ان بعد نبیکم نبی انہ یستتاب ان کان معلنا بذلک فان تاب والا قتل وذلک لانہ مکذب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ لا نبی بعدی مفتری علی اللہ فی دعواہ علیہ الرسالۃ والنبوۃ۔

علامہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں وقد یکون فی ھؤلاء من یستحق القتل کمن یدعی النبوۃ بمثل ھذہ الخزعبلات او یطلب تغییر شیء من الشریعۃ ونحو ذلک۔

اب ثابت ہو گیا کہ وہ شخص قادیانی صاحب ہیں کا فر تھا اور بہائی ہوا اب بھی کافر ہے اس کے ساتھ سلام کلام تعلق نہیں اور نکاح ہمیشہ حرام ہو گا۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتم واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۱۰ شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ

استفتـــــــــــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنی کسے کہتے ہیں اور اس کی تعریف کیا ہے۔ برائے کرم اس کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں عین کرم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

محمد عبد الحمید سنی حنفی خادم مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ۔ ننگ پور شریف جلالپور فیض آباد

الجـــــــــــــــواب

بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد! سنی وہ ہے جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار اور ائمہ مجتہدین کے متبع ہیں یہی جماعت ہیں یہی سواد اعظم یہی ظاہرین علی الحق یہ ہر بے دین کے کید سے محفوظ رکھنے کے لئے مستعد رہتے ہیں انبیاء واولیاء کی محبت و توقیر ذکر الٰہی کی کثرت ان کی ایک ظاہر علامت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل المتین

سید محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کیسی کتاب ہے اس کے جملہ مضامین اہل سنت وجماعت کے موافق ہیں یا مخالف اور مولوی صاحب مذکور کا عقیدہ کیسا تھا؟ سنا جاتا ہے کہ ان کو امام الوہابیہ کہا جاتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

فقط والسلام
المستفتی
حکمت علی۔ اسید علی
بجنور۔

الجواب
بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد۔

تقویۃ الایمان کے کثیر مضامین قرآن وحدیث اور خدا ورسول کے خلاف ہیں اس کا مصنف نہایت بدعقیدہ گمراہ تھا ہندوستان میں وہابیت کا تخم اسی نے لگایا مسلمان اس کی کتاب کو نہ دیکھیں۔ واللہ اعلم

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین
محمد
سید نعیم الدین عفاعنہ المعین

استفتـــــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جناب حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم ومغفور اس چودہویں صدی میں حکیم امت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ شیخ الاسلام والمسلمین کہے جاتے ہیں تو آیا یہ کہ یہ حق ہے یا باطل اور مولانا مذکور موصوف واقعی اس پایہ کے بزرگ تھے یا نہیں بریلوی اور دیوبندی علما کے عقائد میں بڑا اختلاف ہے تو آیا ان دونوں فریق میں کونسا فریق حق پر ہے مفصلاً جواب عنایت فرما کر عند اللہ الکریم ماجور ہوں۔ بینوا توجروا۔

فقط والسلام

المستفتی

محمد عبد الحمید مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ

نگ پور جلالپور فیض آباد۔

الجـــــــــــواب

بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد۔ اعلیٰحضرت مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا مولوی مفتی احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اپنی مبارک زندگی دین کی خدمت میں

صرف فرمائی ان کے علمی فیوض وبرکات سے دنیا کو بڑے قیمتی فائدے پہنچے اسلام وسنیت کی تائید وتقویت ہوئی۔ ہر گمراہ بے دین کی کیا دی کے آپ نے پردے فاش کر دیے ان کے محامد اس سے زیادہ ہیں جو سوال میں مذکور ہیں قدس سرہٗ، روح روحہٗ۔ آمین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین
محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

استفتـــــــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ دیوبندی علما کہتے ہیں کہ اعلحضرت نے کتاب حسام الحرمین میں بہت سی عبارتیں کاٹ چھانٹ کر نقل کر کے علمائے حرمین شریفین سے کفر کا فتویٰ لکھوا لیا ہے چنانچہ ایک کتاب "التصدیقات لدفع التلبیسات" معروف بہ مہند جس کو مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے مرتب کر کے شائع کی ہے۔ جس پر علمائے حرمین شریفین اور ہند کے علمار کی مہریں اور تصدیقیں موجود ہیں جس سے سند لاتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے عقائد پر علمار حرمین شریفین تصدیق فرما رہے ہیں لہذا استفسار ہے کہ کتاب حسام الحرمین حق ہے یا کتاب "التصدیقات" ہمارے سنی علمار کرام کا عمل کس پر ہے اور دیوبندی عقائد والوں کو تو بڑا ناز ہے کہ ہم لوگ حق پر ہیں اور بریلوی عقائد والے کفری اور کاذب کہ ان کے یہاں کفر کا کارخانہ ہے۔ جس کو چاہتے ہیں مسلمان کہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں کفر کا فتویٰ دے کر دوزخ میں ڈال دیتے ہیں تو آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ براہ کرم دلائل کی روشنی میں مسئلہ واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی
سید مظاہر حسین مظفر پور
۱۸ جمادی الاول ۱۳۹۲ھ

بعون الملک الوھاب

الجـــــــــــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

یہ بات قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ حسام الحرمین کی عبارات میں قطع و برید کر کے کفری معنی پیدا کئے گئے ہوں۔ ساری عبارتیں بعینہٖ و بلفظہٖ نقل کی گئی ہیں اور انہیں پر علمائے حق نے فتویٰ دیا گیا ہے انہیں کو علماء حرمین طیبین نے کفر فرمایا ہے۔ البتہ ایک مضمون کی چند عبارتیں ایک کتاب میں تھیں تو ان کو اختصار کے لئے یکجا کر کے لکھ دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک عبارت وہ کفری معنی رکھتی ہے۔ مجموعہ کے ملانے سے کوئی جدید معنی پیدا نہیں کئے گئے یہ محض افتراء ہے اور ہر شخص حسام الحرمین کے نقول کو اصل کتابوں سے ملا کر اطمینان کر سکتا ہے۔ البتہ وہابیہ کی کتاب التلبیسات لدفع التصدیقات جس کا یہی نام ہے اس میں تلبیس کی گئی ہے اور چالاکیوں سے کام لیا گیا ہے علمائے مکہ مکرمہ کو طرح طرح سے دھوکے دیئے ہیں اپنا مذہب کچھ کا کچھ بتایا ہے عقیدے برخلاف اپنی تصنیفات کے ظاہر کئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند فریب کاریاں اس کی نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) وہابی ہندوستان میں کس کو کہا جاتا ہے اس کی تفصیل میں لکھا ہے بلکہ جو سود کی حرمت ظاہر کرے وہ بھی وہابی ہے گو کتنا ہی بڑا مسلمان کیوں نہ ہو۔"

(التلبیسات صفحہ نمبر ۳)

دیکھئے کتنا بڑا دھوکہ ہے، ہندوستان میں سود کے حرام کہنے والے

کو کون وہابی کہتا ہے۔ سود کو تمام علمائے اہلسنت حرام فرماتے ہیں۔ وہابی کے یہ معنی بتانا کتنا بڑا خدع و مکر ہے۔

۲۔ روضۂ طاہرہ کی زیارت کے لئے لکھا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے۔ بلکہ واجب کے قریب ہے گو شدرحال اور بذل جان ومال سے نصیب ہو" (التلبیسات صفحہ ۵)، پر زیارت شریف کی نیت سے سفر کو منع کرنا وہابیہ کا قول بتایا۔ دیکھئے کیسے خالص سنی بن رہے ہیں گویا وہابی ان کے سوا کوئی اور ہے۔ اب ذرا تقویۃ الایمان دیکھئے کہ وہاں سلسلۂ شرکیات میں کیا ہے "اس کے گھر کی طرف اور دور دور سے قصد کر کے سفر کرنا" (تقویۃ الایمان) دوسری جگہ لکھا ہے "اور کسی کی قبر پر یا چلہ پر یا کسی کے تھان پر جانا۔ دور سے قصد کرنا" (تقویۃ الایمان مطبوعہ مرکنٹائل پریس دہلی صفحہ ۵۴) اس میں صاف بتایا ہے کہ کسی کے گھر یا کسی کی قبر کی طرف قصد کر کے سفر کرنا شرک ہے۔ اور تقویۃ الایمان کے مصنف اسمٰعیل کی تعریف اسی التلبیسات کے صفحہ ۳ میں مرقوم ہے۔ جب وہ ان کا پیشوا ہے اس کی کتاب پر ساری جماعت کا ایمان اور اس میں بقصد زیارت سفر کو شرک کہا۔ اسی سفر کو التلبیسات میں قربت اور واجب کہنا اور اس کے لئے جان ومال کا خرچ روا رکھنے کا اظہار کتنا بڑا کید اور کیسا کھلا ہوا فریب ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہابیہ کے دین میں تقیہ بھی درست ہے کہ اپنے مذہب کو چھپا کر کچھ اور ظاہر کرے۔

۳۔ "تقویۃ الایمان" میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت

کر کے لکھا ہے کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں "۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ جانتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ مگر التلبیسات میں ظاہر کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے۔ اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آنحضرت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے "۔ (التلبیسات صفحہ ۱۰) دیکھئے کیسا مسلمان بن رہا ہے۔

۴۔ تقویۃ الایمان صفحہ ۴۰ میں ہے "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔ اسی کتاب کے صفحہ ۴۳ میں اولیاء کی نسبت لکھا کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور التلبیسات میں اولیاء کرام کی نسبت اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیض کا پہنچنا بیشک صحیح ہے "۔ (التلبیسات صفحہ ۱۱)

۵۔ التلبیسات صفحہ ۱۲ میں محمد ابن عبد الوہاب نجدی اور اس کے تابعین کو خارجی بتایا ہے اور ان کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے فرقہ کے سوا تمام عالم کے مسلمانوں کو مشرک جانتے ہیں اور اہل سنت وعلمائے اہلسنت کا قتل ان کے نزدیک مباح ہے۔ مگر فتاوی رشیدیہ میں اچھا بتایا ہے۔ چنانچہ فتاوی رشیدیہ جلد اول صفحہ ۱۱۱ میں ہے "محمد ابن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ جلد ۱ صفحہ ۹۶ میں لکھا ہے "محمد ابن عبد الوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا

بدعت و شرک سے روکتا تھا۔

عقیدہ تو یہ ہے مگر التلبیسات میں سنی بننے کے لئے ظاہر کیا کہ ہم اس کو خارجی جانتے ہیں۔ کیا مکاری ہے۔

۶. ختم نبوت کے متعلق التلبیسات میں سنی بننے کے لئے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ولکن محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور یہی ثابت ہے بکثرت حدیثوں سے جو معنا حد تواتر تک پہونچ گئیں اور نیز اجماع امت سے۔ سو حاشا ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کیوں جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اسی لئے کہ منکر ہے نص صریح کا۔"

(التلبیسات صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲)

یہاں تو صاف اعلان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور یہ آیت اور احادیث متواترة المعنی اور اجماع سے ثابت بتایا اور نص قرآنی کو اس معنی میں صریح و قطعی اور اپنے آپ کو خالص سنی ظاہر کیا۔ "اور تحذیر الناس دیکھیے تو اس میں صفحہ ۳ پر لکھا ہے عوام کے خیال میں تو رسول کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں و لکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

۷. التلبیسات میں تو اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا البتہ جہت و مکان کا اللہ تعالیٰ کے لئے ہم جائز نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت و مکانیت اور جملہ علامات

حدوث سے منزہ و عالی ہے۔ (التبیسات صفحہ ۱۳) مگر واقعہ میں وہابیہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے جہت و مکان سے منزہ جاننے کے عقیدہ کو بدعت کہتے ہیں چنانچہ امام الوہابیہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایضاح الحق صفحہ ۳۵، ۳۶، میں لکھا ہے "تنزیہ او تعالیٰ از زمان و مکان جہت و ماہیت ترکیب عقلی و بحث عینیت و زیادت صفات و تاویل متشابہات و اثبات رویت، بلاجہت و محاذات و اثبات جوہر فرد و ابطال ہیولی و صوری و نفوس و عقول بالعکس و کلام در مسئلہ تقدیر و کلام و قول بصدور عالم و امثال آں از مباحث فن کلام و الٰہیات و فلسفہ ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد"۔ یہ عیاری ہے کہ عقیدہ کچھ ہے اور ظاہر کرتے ہیں اس کے خلاف۔

۸۔ التبیسات صفحہ ۱۴ میں لکھا ہے کہ جو اس کا قائل ہو کر نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے کہ جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ ایمان سے خارج ہے"۔ یہاں تو یہ ظاہر کیا اور پردہ اٹھا کر دیکھئے تو۔ حقیقت یہ ہے کہ جس عقیدہ پر دائرہ ایمان سے خارج ہونے کا حکم دیا ہے وہ عقیدہ خود ان کا اپنا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تقویۃ الایمان مطبوعہ مرکنٹائل پریس دہلی صفحہ ۶۰، میں لکھا ہے "انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے"۔ دوسری کتاب براہین قاطعہ جس کے مصنف بظاہر یہی مولوی خلیل احمد ہیں جنہوں نے

التلبیسات میں مذکورہ بالا عبارت لکھی وہ براہین قاطعہ صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں اگر کسی نے بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کہہ دیا وہ خود نص کے موافق ہی کہتا ہے۔ اس مکاری کی کیا انتہا ہے۔ جو عقیدہ بار بار لکھ کر چھاپ چکے التلبیسات میں اس کا صریح انکار کر دیا۔

۹۔ التلبیسات صفحہ ۱۸ میں ہے "ہم زبان سے قائل اور قلب سے معتقد ہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے ہیں جن کو ذات وصفات اور تشریعات یعنی احکام علیہ وحکم نظریہ اور حقیقتہائے حقہ واسرار مخفیہ وغیرہ سے تعلق ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی انکے پاس تک نہیں پہونچ سکتا۔ نہ مقرب فرشتہ اور نہ نبی رسول، اور بیشک آپکو اولین وآخرین کا علم عطا ہوا اور آپ پر حق تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔"

اس عبارت کو ملاحظہ کیجئے کیا مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کی وسعت اور حضور کا تمام خلق سے اعلم ہونا بیان کر رہے ہیں اور عقیدہ دیکھئے تو نہایت ناپاک کہ معاذ اللہ حضور کو اپنے خاتمہ اور انجام کا بھی علم نہیں اور دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔" (تقویۃ الایمان مطبوعہ مرکنٹائل پریس دہلی ص ۳۱) میں لکھا ہے۔" جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو اسکی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا۔" اور براہین قاطعہ ص ۴۶ میں لکھا ہے "اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔" حقیقۃً عقیدہ تو یہ ہے اور دھوکہ دینے کے لئے

التلبیسات میں ظاہر وہ ہے۔

۱۰۔ التلبیسات صفحہ ۱۹ میں لکھا ہے " اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی علیہ السلام سے اعلم وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتوٰی دے چکے ہیں۔ جو یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ یہاں تو لکھا اور براہین قاطعہ میں خود ہی شیطان لعین کے لئے وسعت علم کو ثابت کیا ہے اور حضور کے حق میں اس کے ثبوت کا انکار کیا۔ یہاں جس چیز کو کفر بتایا اس کے قائل خود آپ ہی ہیں۔ براہین قاطعہ صفحہ ۵۱ میں لکھتے ہیں "شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔" دیکھیے عقیدہ تو یہ ہے اور التلبیسات میں اس کا صاف انکار ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کافر بتایا ہے۔ کیا عیاری ہے۔

۱۱۔ التلبیسات صفحہ ۲۱ میں جو شخص نبی علیہ السلام کے علم کو زید و بکر بہائم و مجانین کے علم کے برابر سمجھے یا کہے وہ قطعاً کافر ہے۔

علمائے حرمین کے سامنے تو اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا اب یہ دیکھیے کہ ایسا سمجھنے اور کہنے والا کون جس کو کفر کہہ رہے ہیں وہ فعل کس کا ہے۔ ملاحظہ کیجیے "حفظ الایمان" مطبوعہ مجتبائی مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی صفحہ ۷، ۸ میں ہے پھر یہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر ہے کہ مراد اس سے بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور

کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و بکر بلکہ ہر صبی مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔" دیکھئے وہ کفری قول جس کے قائل کو التلبیسات میں کافر کہہ رہے ہیں خود ان کے پیشوا مولوی اشرف علی کا ہے۔

اس کے علاوہ دوسری عیاری یہ ہے کہ التلبیسات میں اشرف علی کی عبارت پیش کی تو اس میں قطع و برید کر لی کہ حفظ الایمان میں تو علم غیب کا حکم کیا جانا۔ لکھا ہے۔ اور التلبیسات میں علم غیب کا اطلاق لکھا ہے۔ کہاں حکم کرنا کہاں محض اطلاق اپنی عبارت میں تحریف کر ڈالی۔ اگر ان کے نزدیک حفظ الایمان والی عبارت صریح کفر نہ تھی تو التلبیسات میں اس کو کیوں بدلا؟ کیوں دوسرے لفظوں سے بیان کیا؟ اصل لفظ کو کیوں بچایا۔ قول کچھ تھا علمائے عرب کو کچھ دکھایا۔

۱۲۔ مجلس میلاد شریف کی نسبت اپنا یہ خیال ظاہر کیا دیکھو التلبیسات ص۲۲:

"حاشا ہم تو کیا کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہ آنحضرت کی ولادت شریفہ کا ذکر بلکہ آپ کی جوتیوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح و بدعت سیئہ یا حرام کہے وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا بھی علاقہ ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ ہے اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول و براز اور نشست و برخاست اور بیداری و خواب کا تذکرہ ہو۔"

دیکھئے یہاں مولود شریف کو اعلیٰ درجہ کا مستحب بتایا جاتا ہے اور اس کو بدعت سیئہ کہنے سے حاشا کہہ کر انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بڑا فریب ہے کیونکہ اس

ہیں وہ اس کے منکر ہیں دیکھئے ذیل کے حوالے۔ فتاوی رشیدیہ جلد اول صفحہ ۵۰

سوال: مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اور شاہ صاحب واقعی مولود شریف اور عرس کرتے تھے یا نہیں؟

جواب: عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام تداعی اس میں بھی موجود ہے لہذا اس زمانہ میں درست نہیں۔

اسی فتاوی رشیدیہ جلد دوم صفحہ ۱۴۵ میں ہے "مسئلہ محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور لاف وگزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے؟"

جواب: ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے۔

اسی فتاوی رشیدیہ کے جلد ۳ صفحہ ۱۴۴ میں ہے "کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی سا عرس اور مولود درست نہیں"

انصاف کیجئے کہ حقیقت میں مذہب تو یہ ہے کہ کوئی مولود شریف کسی طرح درست نہیں اور التلبیسات میں ظاہر اس کے خلاف کیا۔ یہ ہیں کیادیاں یہ مکاریاں، استغفر اللہ ان دیوبندیوں وہابیوں کی تمام کتابیں ایسی مکاریوں سے لبریز ہیں چند بطور نمونہ یہاں لکھی گئیں۔ اب دوسرا انداز فریب ملاحظہ کیجئے خود سوالات لکھے خود ان کے جوابات دیئے اپنے ہی گھر کے لوگوں سے تصدیقیں کرائیں جوابوں میں وہ فریب کاریاں کیں جو اوپر بیان ہوئیں اب اس مجموعۂ فریب کو حرمین شریفین

لے کر پہنچے تاکہ وہاں کے علماء کو دھوکہ دیں اور ان سے کسی طرح تصدیق کرالیں تو کہنے کو ہو جائے کہ حسام الحرمین میں علمائے حرمین شریفین نے جن بدرگاموں پر کفر کا حکم دیا تھا انہوں نے ہی ان کا اسلام تسلیم کر لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ علماء ربانی کا محافظ ہے۔ مکاروں کا کید نہ چلا اور حرمین طیبین کے علماء اعلام کی تصدیقیں حاصل نہ ہوئیں اگرچہ بعید نہ تھا کہ وہ حضرات ان پُر فریب جوابوں سے دھوکہ کھاتے جن میں فریب کاروں نے اپنے آپ کو پکا سنی ظاہر کیا تھا مگر الحمد للہ حرمین طیبین کے علماء کرام ان کے فریب میں نہ آئے۔

علمائے حرمین کی تصدیق کا حال

علمائے حرمین طیبین کی تصدیقات کا حال تو حسام الحرمین میں دیکھئے اور التلبیسات کی جعلی کارروائی محض فریب کاری ہے۔ عنوان میں تو لکھا ہے کہ ھذا خلاصۃ تصدیقات العلماء بمکۃ المکرمۃ اور اس کے ذیل میں صرف مولانا محمد سعید بابصیل کی ایک تحریر ہے اس تحریر میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ براہین قاطعہ وحفظ الایمان اور تحذیر الناس وغیرہ کے مسئلوں پر جو حکم حسام الحرمین میں دیا وہ غلط ہے نہ یہ تحریر ہے کہ ان کتابوں کی کوئی عبارت کفری نہیں تصدیق کس بات کی ہے اور اس تحریر سے دیوبندیوں کو فائدہ کیا پہنچتا ہے۔ التلبیسات میں جو انہوں نے اپنے آپ کو جو سنی ظاہر کیا اور محمد ابن عبدالوہاب نجدی کو وہابی خارجی بتایا مولود شریف کو جائز کہا اس کی مولانا نے تصدیق فرمادی۔ تو یہ سنیت کی تائید ہوئی۔ وہابیہ کی حیاداری ہے کہ وہ اس تحریر کو اپنی تائید میں پیش کریں۔

علاوہ بریں جو تحریر انہوں نے لکھی تھیں بعینہٖ درج کرنا چاہیے تھی اس کا خلاصہ کیوں کیا گیا۔ وہ کیا مضمون خلاف تھا جس کو چھپانے کے لیے ان کی تحریر میں کاٹ چھانٹ کی اور اس تلبیسات میں خود اقرار ہے۔ چنانچہ صفحہ ۵۰ کے اول میں لکھا ہے یہ علماء مکہ مکرمہ زاداللہ شرفاً و تعظیماً کے علماء کی تصدیقات کا خلاصہ ہے؟ جن علماء کی تحریر اپنی برأت کے ثبوت کے لیے پیش کی جاتی ہیں ان میں قطع و برید کیوں کی گئی۔ اس سے اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ تحریر ان کے موافق نہ تھی، جو باتیں خلاف اور صریح خلاف تھیں وہ نکال دیں یہ حال ان کی دیانت کا ہے۔

اس کے بعد ایک تصدیق شیخ احمد رشید کے نام سے لکھی ہے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ کوئی عرب اور علماء مکہ میں سے ہوں گے۔ مگر آخر میں جہاں دستخط ہے وہاں "بندہ احمد رشید خاں نواب" لکھا ہے دیکھو التلبیسات صفحہ ۵۲۔ یہ نواب اور خاں بتا رہا ہے کہ یہ عرب نہیں ہیں اسی لئے اول میں ان کے نام کے ساتھ نواب اور خان نہیں لکھا گیا۔

تیسری تصدیق شیخ محب الدین کی ہے جن کو مہاجر لکھا ہے۔ لفظ مہاجر سے ظاہر ہے کہ وہ عرب علماء مکہ مکرمہ میں سے نہیں ہیں ان کی تحریر کو علمائے مکہ کی تحریر قرار دینا دنیا کو فریب دینا ہے یہ جرأت ہے کہ ہندستانیوں کی تحریریں علماء مکہ کے نام سے پیش کر کے دنیا کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔

چوتھی تحریر شیخ محمد صدیق افغانی کی ہے اس کو بھی علماء مکہ کے سلسلہ میں داخل کیا ہے۔ سندی و افغانی علماء مکہ بن بیٹھے اس دھوکہ دہی کی کچھ انتہا ہے ایسے

تو جتنے حاجی ہندوستان سے گئے تھے۔ ان سبھوں سے نشان انگوٹھے لے کر علماء مکہ میں شمار کر دیتے تو کوئی کیا کرتا۔

ایک اور بڑا مکر

اسی سلسلہ میں پانچویں اور چھٹی تحریریں شیخ محمد عابد صاحب مفتی مالکیہ اور ان کے بھائی شیخ علی بن حسین مدرس حرم شریف کی بھی درج ہیں۔ یہ حضرات بیشک علماء مکہ میں سے ہیں مگر ان کے نام سے جو تحریر التلبیسات میں درج ہیں وہ جعلی ہیں۔ چنانچہ خود التلبیسات صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے کہ "جناب مفتی مالکیہ اور ان کے بھائی صاحب نے بعد اس کے کو تصدیق کر دی تھی مگر مخالفین کی سعی کی وجہ سے اپنی تقریظ کو بحیلہ تقویت کلمات لے لیا اور پھر واپس نہ کیا اتفاق سے ان کی نقل کر لی گئی تھی سو ہدیہ ناظرین ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کی تحریریں وہابیہ کے پاس موجود نہیں پھر ان کے نام سے تحریر چھاپنا کس قدر بے باکی و مخادعت ہے۔ فرض کرو یہ سچ ہی اگر ان صاحبوں نے اپنی تحریر واپس لے لی اور پھر نہ دی تو وہ تحریر ان کو مقبول نہ ہوئی اس کو چھاپنا کتنا بڑا مکر ہے اور مخالفین کی رعایت کی وجہ سے انہوں نے امر حق کو چھپایا تو وہ اس قابل ہی کب رہے کہ ان کی تحریر لائق اعتبار ہو۔ غرض کسی طرح سے ان کی تحریر چھاپنا اور ان کی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔

التلبیسات میں علماء مکہ کے نام سے صرف اتنی ہی تحریریں درج ہیں ان میں قطع و برید بھی ہے۔ ہندیوں اور افغانیوں کو مکی بھی بنایا گیا۔ جعلی تحریریں بھی ہیں ایک بھی تحریر قابل اعتماد نہیں۔ کل کا کل کارخانہ دھوکے اور فریب کا ہے اور

اس سے ظاہر ہے کہ تمام علماء مکہ مکرمہ ان کے کفر پر متفق تھے اور کسی طرح ان کی فریب کاری نہ چل سکی۔ اس لئے انہوں نے جعلی تحریریں بنائیں اور ہندوستانیوں اور افغانیوں کو علماء مکہ مکرمہ ظاہر کر کے ان سے کچھ لکھوالیا ایسا نہ کرتے تو تائید باطل کے لئے اور کر ہی کیا سکتے تھے۔

علمائے مدینہ کی تصدیقات کا حال

علمائے مدینہ کے نام سے التبیسات میں عجیب چال چلی ہے۔ مولانا سید احمد صاحب برزنجی کے کسی رسالہ کے چند مقامات کی تھوڑی تھوڑی عبارتیں نقل کر کے اس پر جن چوبیس پچیس صاحبوں کے دستخط تھے سب نقل کر دیئے وہ دستخط التبیسات پر نہ تھے۔ برزنجی صاحب کے رسالہ پر تھے مگر التبیسات میں سب نقل کر دیئے تاکہ عوام دھوکہ کھائیں کہ مدینہ طیبہ کے اس قدر علماء اس سے متفق ہیں۔ چنانچہ التبیسات کے صفحہ ۶۰ میں اس کا اقرار بھی کیا ہے۔

برزنجی صاحب کا پورا رسالہ بھی نقل نہیں کیا جس کو لوگ پڑھ کر دیکھتے کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔ تین مقامات کی کچھ عبارتیں لکھ ڈالیں یہ کہاں کی دیانت ہے اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ اس رسالہ کو بالکل نظر انداز کر دینا ضرور کسی مطلب سے ہے۔ چونکہ اگر وہ موافق ہوتا تو اس کا حرف حرف لکھا جاتا۔

مولانا شیخ احمد بن محمد خیر شنقیطی کی تحریر

علماء مدینہ کی تحریرات کے سلسلہ میں سب سے آخر مولانا شیخ احمد بن محمد خیر شنقیطی کی تحریر ہے اس تحریر میں مولانا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ

تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان وغیرہ کی وہ عبارات جن پر حسام الحرمین میں کفر کا حکم دیا گیا ہے درست ہے یا کفر نہیں ہیں یا ان کے مصنف مومن رہے کافر ہوئے، بلکہ وہابیہ کا رد کیا ہے اور ان کی ناک کاٹ دی ہے کہ مولود شریف اور قیام وقتِ ذکر ولادت کو جائز و مستحب اور شرعاً محمود اور اکابر علماء کا قرناً بعد قرنٍ معمول اور مسلمانوں کا شعار بتایا ہے۔ دیکھو التلبیسات صفحہ ۶۰ و ۶۱۔ اور اس سے بڑھ کر حضور کی روح مبارک کی تشریف آوری کو امرِ ممکن اور اس کے معتقد کو غیر خاطی بتایا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور وہابی دین پر خاک ڈالنے کے لئے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حضور باذنہٖ تعالیٰ جہان میں جیسے چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں۔ (دیکھو التلبیسات صفحہ ۶۲) یہ وہابیہ کا رد اور ان کے دین کا ابطال ہے اس نے تقویۃ الایمان کو جہنم رسید کر دیا اس کے علاوہ التلبیسات کی نقل کی ہوئی اور تحریرات میں بھی وہابیہ کے کھلے ہوئے رد ہیں یہ ایک مختصر نقشہ التلبیسات کا پیش کیا گیا ہے جس سے ہر عاقل منصف اس دجالی کتاب کی فریب کاری پر نفرت کرے گا۔

اب بحمد اللہ تعالیٰ روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ حسام الحرمین حق و صحیح اور التلبیسات کذب و زور و باطل و مردود ہے والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وسید انبیائہ ورسلہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۱۳۴۳ھ

وہابیہ کی عیاریاں اور تلبیسات کا افشاء راز

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان امور مندرجہ ذیل میں کہ مخالفین دیوبندیہ وہابیہ نے جو یہ شورش اٹھائی ہے کہ اعلیٰحضرت حکیم الامت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا مولانا شاہ مفتی محمد احمد رضا خان محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کثرت سے علماء امت کو کافر کہتے ہیں۔ اس لئے اعلیٰحضرت کو مکفر المسلمین کے لقب سے یاد کرتے ہیں تو آیا ان کا یہ کہنا حق ہے یا باطل، ہدایت ہے یا ضلالت۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن علماء کو اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز نے کافر کہا یا کفر کا فتویٰ دیا ہے تو کن وجوہات سے۔ آیا یہ کہ از روئے شرع دلائل سے یا یوں ہی بغیر کسی دلیل کے کافر کہنا استعمال کیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بلا ثبوت شرعی کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہ عظیم بلکہ حقیقۃً بحکم حدیث شریف خود کافر بننا ہے، مخالفین کا کہنا ہے کہ اعلیٰحضرت کا جو شخص ہم خیال و ہم عقیدہ نہ ہو اس کو مسلمان ہی نہیں جانتے تو آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ مبرہن دلائل اور ثبوت کی روشنی میں تفصیلی و تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء۔

المستفتی
عبدالوحید چندوسی

بعون الملك الوھاب

الحبــــــوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

وہابیہ کا اتہام کہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے علماء اسلام کو کافر کہا ہے کذب محض اور افترا خالص ہے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے ان مفسدین کو کافر فرمایا جو ضروریات دین کے منکر ہوئے ایسوں کو قرآن و حدیث اور تمام امت کافر کہتی ہے اعلیٰحضرت نے کفر کا حکم اپنی طرف سے نہ دیا بلکہ نصوص نقل فرمائے جن کا آج تک کسی وہابی نے جواب نہ دیا اور نہ کبھی وہ جواب دے سکتے ہیں۔ ان امور کا کفر ہونا اور ان کے قائل کا کافر ہونا خود وہابیہ کو بھی تسلیم ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب بسط البیان میں لکھتے ہیں کہ "جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔"

اور رہی یہ بات کہ جو اعلیٰحضرت کا ہم عقیدہ نہ ہو اس کو وہ کافر جانتے ہیں یہ درست ہے اور ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمانیات اور ضروریات دین سے جو اس کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے۔ جو توحید مانے رسالت میں ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر، توحید و رسالت دونوں کو مانے قرآن کا منکر ہو تو کافر ہے۔ غرض کسی ایک امر ضروری سے اگر انکار کرے تو کافر ہے۔ مسلمان وہی ہے جو تمام ضروریات دین میں ہمارا ہم عقیدہ ہو۔ حدیث جبرئیل میں ہے قال ان تومن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ یعنی ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے

ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کو ماننے اور اس کی تقدیر کو خیر و شر پر ایمان لائے۔ تو جو ان امور میں ہمارا ہم عقیدہ ہے مومن ہے اور جو ان میں ایک میں بھی ہم عقیدہ نہیں اس کو حقیقت ایمان ہی حاصل نہیں تو وہ مومن نہیں کافر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین

مراد آباد۔

مسئلہ علم غیب

استفتاء

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے متعلق ہر جگہ گفتگو ہو رہی ہے دیوبندی لوگ اس کے انکار میں بہت مبالغہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی کے لئے غیب کا علم ثابت کرنا شرک ہے اور اپنی تائید میں قرآن پاک کی آیتیں اور حدیثیں بیان کرتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ جواب مدلل ارشاد فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

سید عبدالماجد دہلی ۱۵ محرم ۱۳۵۹ھ

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رب العزت تبارک وتعالیٰ نے جمیع اشیاء کا علم عطا فرمایا حاضرہ ہوں یا غائبہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے یہ خوب اچھی طرح ثابت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں ہر شیٔ کا واضح بیان ہے۔ اس آیت

سے معلوم ہوا کہ حضور کو جمیع اشیاء کا علم ہے اور قرآن پاک میں ان سب کا بیان۔ اور بالاتفاق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے عالم ہیں۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما۔ اور اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمایا آپ کو جو آپ نہ جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے تیسری آیت میں ارشاد ہوا۔ ما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تمہیں علم غیب دے۔ ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ چوتھی آیت یہ ہے۔ عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول "اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اپنے غیب پر کسی کو ظاہر و مسلط نہیں فرماتا مگر جس کو وہ چاہے اپنے رسولوں میں سے" ان کے علاوہ بہت کثیر آیات ہیں جن سے یہ مضمون ثابت ہے۔ اب چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث (۱) بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتى دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذالك من حفظ ونسيه من نسيه حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری مجلس میں قیام فرما کر ابتداء آفرینش سے اہل جنت اور اہل نار کے اپنی اپنی منزلوں میں داخل ہونے کی خبر دی جسے یاد رہا یاد رہا اور جو بھول گیا بھول گیا۔ بخاری شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجلس صحابہ میں ابتداء آفرینش سے دخول جنت و نار تک ہونے والے جملہ وقائع و حوادث اور تمام حالات و مکنونات کی خبر دی۔

حدیث (۲) بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما ما ترک شیئا یکون فی مقامہ ذالک الی قیام الساعۃ الا حدث بہ. یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری مجلس میں قیام فرمایا اور قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی جن کا بیان نہ فرمایا ہو۔

بخاری و مسلم کی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کا بیان فرمادیا کوئی چیز نہ چھوڑی۔

حدیث (۳) مسلم شریف میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے میرے لئے زمین کو سمیٹا پس میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھا یعنی تمام زمین کو ملاحظہ فرمایا۔

مرقاۃ المفاتیح میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا معناہ ان الارض زویت لی جملتھا مرۃ واحدۃ فرایت مشارقھا ومغاربھا. یعنی میرے لئے تمام زمین ایکبارگی سمیٹی گئی پس میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھا۔

حدیث (۴) مواہب لدنیہ میں طبرانی سے بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالی قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھذہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے میرے لئے دنیا اٹھائی میں نے اس کو اور اس میں جو کچھ قیامت تک ہونے والے ہیں سب کو ایسا ملاحظہ فرمایا جیسا اپنے اس کف

دست کو۔

حدیث (۵) امام احمد و ترمذی نے ایک حدیث روایت کی اور اس کو حسن و صحیح بتایا۔ اور ترمذی نے کہا میں نے امام بخاری سے اس حدیث کو دریافت کیا انہوں نے فرمایا صحیح ہے اس حدیث میں ہے فتجلی لی کل شیء وعرفت پس مجھے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔

ان آیات واحادیث سے خوب ظاہر و روشن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع اشیاء کے علوم عطا فرمائے اور کائنات کا کوئی ذرہ اور قیامت تک ہونے والا کوئی واقعہ حادثہ ایسا نہ رہا جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم نہ دیا گیا ہو۔

اب جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا انکار کرتا ہے وہ باطل پر ہے اور آیات واحادیث میں یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ علوم عطا نہیں فرمائے۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں فرماتے ہیں ان المنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطلاعہ علیہ با علام اللہ تعالیٰ فامر متحقق قال اللہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ یعنی نفی علم ذاتی کی گئی ہے اور ثبوت علم بتعلیم الٰہی کا ہے جو امر ثابت ہے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو ظاہر و مسلط نہیں کرتا مگر جس کو رسولوں میں سے چنے۔ خفاجی علیہ الرحمہ کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ عبارات نفی میں علم ذاتی مراد ہے۔ اور عبارات اثبات میں علم عطائی دونوں میں کوئی تعارض نہیں پس حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے علم عطائی کے انکار میں آیات واحادیث پیش کرنا مغالطہ اور تغلیط ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا مسئلہ خوب واضح وروشن اور دلائل و براہین سے موشح و مزین ہوچکا۔ اب مخالفین کو جائے چون وچرا باقی نہیں۔ بیان مسطور بالا سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے لئے بتعلیم الٰہی علم غیب کا اثبات شرک نہیں۔ اور جو چیز نصوص سے ثابت ہو کس طرح شرک ہو سکتا ہے اس کو شرک کہنا کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ شرک کہنے والا اس بات کا مدعی ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا علم بھی معاذ اللہ عطائی اور بتعلیم غیر ہے۔ ایسا کہے تو یقیناً کافر اور نہ کہے تو اثبات علم عطائی پر شرک کا حکم لگانا کذب وباطل اور جہالت وضلالت ہے۔ تمام عالم کے وہابی مل کر کوشش کریں تو بھی علم عطائی کو شرک ثابت نہیں کر سکتے۔ واللہ تعالیٰ سبحانہٗ اعلم۔

کتبہ
المعتصم بحبل اللہ المتین محمد نعیم الدین غفرلہٗ
۱۰ر صفر المظفر ۱۳۵۱ھ

طرزِ استدلال

مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات کے سلسلے میں آپ کے جوابات نہایت متین اور سنجیدہ ہوتے تھے تضحیک و تمسخر سے آپ کا جواب بالکل مبرا ہوتا تھا طرز استدلال اتنا عجیب اور انوکھا ہوتا کہ اہل علم عش عش کر اٹھتے تھے، اور مخالفین کو ذرہ بھر مزید اعتراض و شبہ کا موقعہ نہ ملتا تھا اس کے لئے آپ کی تمام تصانیف شاہد و ناطق ہیں۔ تاہم اس جگہ ہم نمونۃً آپ کا ایک مقالہ پیش کرتے ہیں جو علم غیب مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے اثبات میں ہے اور مخالفین و معاندین کے جس قدر شبہات اور اعتراضات آج تک ان کی جھولی میں رہتے ہیں ان کا آپ نے شافی اور مسکت جواب دیا ہے لطف یہ ہے کہ مختصر ہوتے ہوئے بھی اپنی جامعیت میں بے مثل ہے۔ اگر اسی ایک مقالے کو اہل علم اپنے ذہن میں محفوظ کرلیں تو مزید کسی کدوکاوش کی ضرورت نہ رہے۔ اور اس مسئلہ میں یہی ایک مقالہ ان کے لئے مفید و کارآمد ثابت ہو۔

سیدی صدر الافاضل قدس سرہ نے پہلے شبہات بیان فرمائے ہیں اس کے بعد ان کے شافی جوابات دیئے ہیں سب ملاحظہ فرمایئے اور حظ حاصل کیجئے۔ واللہ یھدی من یشاء

شبہہ اوّل

قرآن شریف کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا قولہ تعالیٰ۔ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب" (کہہ دو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں) دوسری آیت لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر (اگر میں غیب جانتا ہوتا تو خیر زیادہ کر لیتا) اس پر دال ہے۔

جواب

ان آیتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم نہ ہونے پر دلیل لانا خود قرآن سے جاہل ہونے کی دلیل ہے یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ میں غیب جاننے کا مدعی نہیں تواضعا ہے جمل حاشیہ جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ میں تفسیر خازن سے نقل کیا ہے۔ "فان قلت قد اخبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن المغیبات وقد جاءت احادیث فی الصحیح بذالک وھو من اعظم معجزاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکیف الجمع بینہ وبین قولہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر قلت یحتمل ان یکون قال صلی اللہ علیہ وسلم علی سبیل التواضع والادب والمعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی اللہ علیہ ویقدرہ لی ویحتمل ان یکون قال ذالک قبل ان یطلعہ اللہ عزوجل علی علم الغیب"۔ اس عبارت کا حاصل مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت مغیبات کی خبریں دیں اور یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور غیب کا علم حضور کے اعظم معجزات میں سے ہے پھر آیۂ ولو کنت اعلم الغیب کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نے اپنی ذات جامع کمالات سے علم کی نفی تواضعاً فرمائی اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ کے مطلع فرمانے اور اس کے مقدر کرنے سے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ علم غیب عطا

ہونے سے پہلے لو کنت الآیہ فرمایا ہو اور علم اس کے بعد عطا ہوا غرضیکہ یہ آیات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیب نہ جاننے پر دلیل نہیں، یا آیت مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ بالذات اور بالاستقلال غیب کا علم کسی کو نہیں، ہمارے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے تو تعلیم الٰہی سے ہے، چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں ہے: ای قل لا اعلم الغیب فیکون فیہ دلالۃ علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ باستقلال کوئی غیب کا عالم نہیں سوائے خدائے تعالیٰ کے۔ علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: وقولہ لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر فان المنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطلاعہ علیہ باعلام اللہ تعالیٰ فامر متحقق بقولہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ یعنی آیت لو کنت الخ میں اس علم کی نفی ہے جو بے واسطہ ہو لیکن بواسطہ تعلیم الٰہی کے پس بے شک ہمارے حضرت کے لئے ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عالم الغیب فلا یظہر۔ تیسری بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آیت شریف میں لفظ لو کنت اعلم اور لاستکثرت اور مامسنی سب صیغے ماضی کے ہیں جو زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتے ہیں۔ آیت شریفہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر میں زمانہ گذشتہ میں غیب کو جانتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو برائی نہ پہنچتی۔ اگر جملہ عبارات سطورہ بالا سے قطع نظر کر کے حسب مدعائے مخالف یہ فرض کر لیا جائے کہ اس آیت شریفہ سے انکار غیب معلوم ہوتا ہے تو بھی ہمیں کچھ مضر نہیں اس لئے کہ اگر بالفرض آیت میں انکار ہے تو زمانہ گذشتہ میں حاصل ہونے کا انکار ہے کہ اگر میں پہلے غیب جانتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور برائی مجھ کو نہ پہنچتی۔ اس آیت میں اس امر پر دلالت نہیں کہ میں اب بھی غیب نہیں جانتا یا آئندہ بھی مجھے اس کا

علم نہ ہوگا۔ پس اگر آیت میں بیان ہے تو اس وقت کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب پر اطلاع نہ دی گئی تھی، نہ اس کے بعد کا جیسا کہ اوپر حاشیہ جمل کی عبارت سے واضح ہو چکا۔

شبہہ دوم قرآن شریف میں ہے ومنھم من قصصنا علیک و منھم من لم نقصص علیک اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ہمارے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض انبیاء کا قصہ نہیں بیان کیا ہے پھر وہ تمام چیزوں کے عالم کیونکر ہوئے۔

جواب آیت شریفہ کی یہ مراد ہے کہ ہم نے بواسطہ وحی جلی کے قصہ بیان نہیں کیا یہ علم نہ ہونے کی دلیل نہیں اس لئے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بواسطہ وحی خفی کے اس پر مطلع فرمایا ہے چنانچہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۵ میں فرماتے ہیں ھذا لاینافی قولہ تعالیٰ ولقد ارسلنا رسلا من قبلک منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک لان المنفی ھو التفصیل والثابت ھو الاجمال او النفی مقید بالوحی الجلی والثبوت متحقق بالوحی الخفی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ پس ہمارے نبی کا انبیاء کی تعداد بتانا آیت کے منافی نہیں اس لئے کہ آیت میں نفی تفصیل کی ہے اور اجمال ثابت ہے یا آیت کی نفی وحی جلی کے ساتھ مقید ہے اور ثبوت وحی خفی سے متعلق ہے۔

شبہہ سوم کلام اللہ میں ہے لا تعلمھم نحن نعلمھم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے حال کی

جواب اول تو اس آیت سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم الٰہی بھی منافقین کے حال کا علم نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم منافقین کے حال کو اپنی فراست اور دانائی سے نہیں جانتے چنانچہ بیضاوی میں ہے خفی علیك حالهم مع کمال فطنتك وصدق فراستك مگر حضور بتعلیم الٰہی ضرور جانتے ہیں چنانچہ جمل جلد چہارم صفحہ میں ہے معنی الآیة وانك یا محمد لتعرفن المنافقین فیما یعرضون به من القول من تهجین امرك وامر المسلمین وتقبیحه والاستهزاء به فکان بعد هذا لایتکلم منافق عند النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الا عرفه بقوله ویستدل بفحوی کلامه علی فساد باطنه ونفاقه. دوم یہ کہ یہ آیت پہلے نازل ہوئی اس کے بعد علم عطا فرمایا گیا، چنانچہ اسی جمل میں تحت آیۃ لا تعلمهم کے مسطور ہے. فان قلت کیف نفی عنه علم بحال المنافقین واثبته فی قوله تعالٰی ولتعرفنهم فی لحن القول فالجواب ان آیة النفی نزلت قبل آیة الاثبات فلا منافی کرچی بس اب ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے حال کے بھی عالم ہیں۔

شبہہ چہارم

ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی مخالفین کی خوش فہمیوں نے انہیں اس امر پر آمادہ کردیا ہے کہ وہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ حضرت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہ تھا۔

جواب سبحان اللہ جناب مخالف کس درجہ عقیل ہیں کہ بھلا یہ آیت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو روح کا علم نہ تھا آیت کا ترجمہ یہ ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم سے روح کی نسبت

سوالات کرتے ہیں تم کہہ دو کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔ اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضور کو اس کا علم نہ تھا۔ اب محققین کا فیصلہ اس امر میں کیا ہے وہ ملاحظہ فرمایئے۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب احیاء العلوم میں فرماتے ہیں "ولا تظن ان ذالك لم یکن مکشوفا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان من لم یعرف نفسہ فکیف یعرف اللہ سبحانہ ولا یبعد ان یکون ذلك مکشوفا لبعض الاولیاء والعلماء" یعنی گمان نہ کر کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ظاہر نہ تھا اس لئے کہ جو شخص روح کو نہیں جانتا وہ اپنے نفس کو نہیں پہچانتا اور جو اپنے نفس کو نہیں پہچانتا وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو کیونکر پہچان سکتا ہے اور بعید نہیں ہے کہ بعض اولیا اور علماء کو بھی اس کا علم ہو۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ جلد دوم میں فرماتے ہیں "چگونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین صلی اللہ علیہ وسلم کند و داده است او را حق سبحانہ تعالیٰ علم ذات و صفات خود و فتح کرده بر وے فتوح بے از علوم اولین و آخرین۔ روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت وے قطره ایست از دریا و ذره ایست از بیدا" اس سے صاف ظاہر ہے کہ روح کا علم حضور کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو مرحمت فرمایا۔

شبہ پنجم

کافروں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت باندھی تھی حضور کو نہایت رنج ہوا تھا۔ کچھ دنوں بعد جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ عائشہ پاک ہے کافر جھوٹے ہیں تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ اگر آگے سے معلوم ہوتا تو کیوں غم ہوتا۔

جواب سرمایہ ناز مخالفین کا یہی شبہ ہے جو ہر چھوٹے بڑے کو یاد کرا دیا گیا۔ اور اس بے باکی سے زبان پر آتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ پھر اگر انصاف سے غور فرمایئے تو کھل

جائے کہ کم ازکم بدنامی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اللہ ہوش درست نصیب فرمائے تو یہ سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ہے
کہ بدنامی ہر شخص کیلئے غم کا باعث ہوتی ہے اور جھوٹی بدنامی کے اگر اپنی بدنامی ہوتے دیکھیں اور لوگوں کے طعن
سنیں اور یقین جانیں کہ جو ہم کو کہا جاتا ہے بالکل غلط اور سراسر بہتان ہے تو کیا حیا داروں کو رنج نہ ہوگا
اور جو ہوگا تو وہ اس کی بدگمانی کی دلیل ہو جائے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ حضور سراپا رحمت صلی
اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت کسی قسم کی بدگمانی نہ تھی پھر غم کیوں تھا،
صرف اس وجہ سے کہ کافروں کی یہ حرکت سخت تہمت اور اس کی شہرت پریشانی کا باعث ہوگئی تھی یہ وجہ غم
کی تھی نہ اصل واقعہ کی اداقفیت جیسا کہ سبائے زمانہ کا خیال ہے۔ تفسیر کبیر جلد ششم،
مطبوعہ مصر میں ہے فان قیل کیف ان تکون امراۃ النبی کافرۃ کامراۃ نوح ولوط، ولم
یجوزان تکون فاجرۃ وایضا فلو لم یجز ذلک لکان الرسول اعرف الناس بامتناعہ ولو
عرف ذلک لما ضاق قلبہ ولما سال عائشۃ کیفیۃ الواقعۃ قلنا الجواب عن الاول
ان الکفر لیس من المنفرات اما کونہا فاجرۃ فمن المنفرات فالجواب والثانی انہ علیہ
السلام کثیرا ما کان یضیق قلبہ من اقوال الکفار مع علمہ بفساد تلک الاقوال قال
اللہ تعالیٰ ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فکان ھذا من ھذا الباب۔ ترجمہ
پس اگر کہا جائے کہ کیونکر ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیبیاں کافر تو ہوں جیسے کہ حضرت لوط اور حضرت
نوح علیہما السلام کی مگر فاجر اور بدکار نہ ہوں اور اگر یہ ممکن نہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی بیبیاں فاجرہ ہوں
تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ضرور معلوم ہوتا اور جب حضرت کو یہ معلوم ہوتا کہ نبیوں کی بیبیاں فاجرہ
ہو ہی نہیں سکتیں تو حضور تنگدل نہ ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ کی کیفیت دریافت

نہ فرماتے۔ پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ کفر نفرت دینے والی چیز نہیں ہے مگر بیوی کا فاجرہ (بدکار) ہونا نفرت دلانے والی چیز ہے۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بیبیاں فاجرہ ہوں۔ دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کافروں کے اقوال سے تنگدل اور مغموم ہوجایا کرتے تھے باوجودیکہ حضور کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کفار کے یہ اقوال بالکل فاسد ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی بیہودہ باتوں سے تنگدل ہوتے ہیں تو یہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے یعنی حضور کا تنگدل ہونا محض کفار کی بیہودہ گوئی کی بناء پر تھا باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بیہودہ بکواس کا باطل اور جھوٹا ہونا معلوم تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے مفسدانہ اقوال سے تنگدل ہوتے تھے جس کو خود حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد نعلم انک یضیق الآیۃ اور ان مفسدوں کے اقوال کے فساد کو جانتے بھی تھے۔ اسی طرح اس موقعہ پر بھی کفار کی جھوٹی تہمت سے مغموم تھے اور یہ جانتے تھے کہ کافر جھوٹے ہیں۔ صاحب تفسیر کبیر کی یہ تقریر نہایت معقول ہے۔ ہر وہ شخص جس کو زنا وغیرہ کی تہمت سے متہم کریں اور ہر جگہ اس کا چرچا ہو اسی کا ذکر ہو تو وہ شخص اور اس کے اقارب باوجودیکہ اس کی پاکی کا اعتقاد بھی رکھتے ہوں تاہم اس کی پاکی کے اعتقاد بھی سخت مغموم و پریشان ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور کو غم ہوا۔ مگر مخالف عنید و بدبخت یہ نہیں مانے گا جب تک دو الزام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ لگائے۔ ایک عدم علم کا اور ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بدگمانی کی جو شرعاً ناجائز ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تقوے اور متہمین کے منافق ہونے کی طرف توجہ نہ فرمائی، چاہیے تو تھا

گمان نیک اور کی بدگمانی، معاذ اللہ۔

تفسیر کبیر جلد ششم میں ہے[1] وثانیھا ان المعروف من حال عائشۃ قبل تلک الواقعۃ انما ھو الصون والبعد عن مقدمات الفجور من کان ذلک کان اللائق احسان الظن بھا وثالثھا ان القاذفین کانوا من المنافقین واتباعھم وقد عرفان کلام العدو المفتری ضرب من الھذیان فلمجموع ھذہ القرائن کان ذالک القول معلوم الفساد قبل نزول الوحی۔ اگرچہ تفسیر کبیر کی عبارتوں سے یہ بات یقینی ہو چکی ہے کہ اس قصہ افک سے عدم علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر استدلال کرنا سخت بے حیائی ہے اور حضور کو قبل از نزول وحی علم تھا کہ صدیقہ پاک ہیں پھر حضرت کا ظاہر نہ فرمانا بالکل عقل کے موافق تھا کہ کوئی اپنے قضیہ اور معاملہ کا از خود فیصلہ نہیں کر لیتا، دوسرے وحی کا انتظار کہ فضیلت اور برأت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قرآن پاک سے ثابت ہو تاکہ اس تہمت کا جڑ سے رفع ہو جائے وہ سب کالعدم ہو کر مسرت تازہ حاصل ہو۔ مگر اب ہم ایک ایسی مضبوط دلیل لائیں گے جس کے بعد مجال گفتگو نہ ہو۔ حدیث افک جو بخاری کی کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضھن عن بعض میں

---

[1] یعنی دوم یہ کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ سے پیشتر کے حالات سے ظاہر تھا کہ مقدمات فجور سے بہت دور اور پاک ہیں اور جو ایسا ہو اس کے ساتھ نیک گمان کرنا چاہیے۔ سوم یہ کہ تہمت لگانے والے منافق اور ان کے پیروکار تھے اور یہ ظاہر ہے کہ مفتری دشمن کی بات ایک ہذیان ہے پس بریں ہمہ نتائج قرینہ کے یہ قول بدتر از بول جس سے منافقوں نے مدد چاہی ہے نزول وحی سے قبل معلوم الفساد تھا۔ ۱۲ منہ

ہے کہ "فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یعذرنی من رجل بلغنی اذاہ فی اہلی فواللہ ما علمت علی اہلی الا خیرا وقد ذکروا رجلا ما علمت علیہ الا خیرا"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی پر یقین تھا اور کفار کی تہمت سے شبہہ تک نہیں ہوا اسی واسطے آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے اپنے اہل خیر پر خیر کا یقین ہے اب بھی اگر کوئی انکار کرے اور کہے کہ نہیں حضرت کو علم نہ تھا تو اس منکر متعصب کا دنیا میں تو کیا علاج مگر میدان حشر میں انشاء اللہ حضور اس بے باک کو اس کی بے باکی کی سزا ملے گی کہ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز پر قسم کھا کر فرمایا کہ میں خیر جانتا ہوں یہ دشمن دین اسی کو کہے کہ وہ نہیں جانتے تھے معاذ اللہ مومن کامل کے لئے تو اتنا ہی کافی تھا جب بدگمانی بشر عاجز نہیں تو سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز شبہہ بھی نہ تھا اس لئے کہ آپ معصوم ہیں محال ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یا کسی پر بدگمانی کریں مگر اب تو معاند کے لئے بھی بحمد اللہ تعالیٰ حدیث و تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت کو اس واقعہ سے ناواقفیت نہ تھی یا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت کوئی بدگمانی اور آپ کے پرتو فیض سے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینوں میں جلوے نظر آئے اور انہوں نے بوقت مشاورت بیان فرمائے اس میں گنجائش نہیں کہ مذکور ہوسکیں، اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف ایک مدت تک توجہ نہ فرمانا بھی ان کی بدگمانی کی دلیل نہیں ہوسکتا بلکہ حالت غم کا مشابہ بے التفاتی ہے اور اگر خدا حق بیں آنکھ عطا فرمائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف چند روز توجہ نہ فرمانے میں وہ

بعید نظر آئیں جیسے مومن کی روح کے لئے راحت بے نہایت ہوں انتظار وحی میں محبوبہ کی سوزش نہ ہوتی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صبر پر ثواب زیادہ ہوتا رہا، اور امتحان بھی ہو گیا کہ کیسی صابرہ ہیں ادھر حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتحان سے سینہ بھر دیا، واقعہ سامنے کر دیا، جملہ حالات حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت کے پیش نظر فرما دیئے ادھر کافروں نے جھوٹی تہمت لگائی۔ اب دیکھنا ہے کہ محبوب رب اپنی محبوبہ یعنی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تہمت پر باوجود علم کے صبر کر کے اللہ جل شانہ پر معاملہ تفویض کرتے ہیں جو لائق شان کامل کے ہے یا کفار کے طعن سے بے قرار ہو کر سینہ کا خزانہ کھول ڈالتے ہیں شاید تھوڑی دیر صبر ہونا ممکن ہو اور زیادہ دیر تک صبر نہ کر سکیں اس واسطے عرصہ تک تو وحی ہی نہیں آئی کہ اس میں ایک دوسرا امتحان تھا کہ ان کی محبوبہ پریشان ہیں ان کی تسکین فرماتے ہیں یا وحی کلام محبوب حقیقی میں دیر ہونے سے بے قرار ہوئے جاتے ہیں اگر حضرت کے معاملہ ظاہر فرمانے اور وحی دیر میں آنے کی حکمتوں پر غور کر کے لکھا جائے تو بڑے بڑے دفتر ناکافی ہیں اس لئے اس مختصر میں اسی پر اکتفا کیا گیا اس سے اگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براءت الصدیقہ کا یقین ہونا ثابت ہو اگر اب ان حضرات کا مرتبہ دریافت کیجیے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو بدگمانیاں کیں ایک یہ کہ ان کو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بدگمانی تھی اور ایک یہ کہ ان کو واقعہ کا علم نہ تھا عینی شرح بخاری جلد نہم ص ۳۶۴ میں ہے فی التلویح ظن السوء بالانبیاء کفر یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بدگمانی کرنا کفر ہے جس نے دو بدگمانیاں کیں اس کا کیا حال ہوگا چاہیئے کہ وہ توبہ کرے۔

شبہہ ششم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو کوئی یہ کہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا کسی علم کو چھپایا یا ان پانچ چیزوں کو جانتے تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ تو وہ شخص بڑا جھوٹا ہے چنانچہ وہ حدیث یہ ہے عن مسروق قال قالت عائشۃ من اخبرک ان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای ربہ او کتم شیئا مما امر بہ او یعلم الخمس التی قال اللہ تعالیٰ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث فقد اعظم الفریۃ رواہ الترمذی

جواب

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے تین باتیں بیان فرمائیں یکتو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں یہ صرف رائے تھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف تھی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کوئی حدیث مرفوع ذکر کی بلکہ صحابہ کرام نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف وقوع روایت کا اثبات کیا اور اب تک جمہور علماء اسلام کو اسی کے قائل چلے آئے ہیں جو کہ بحث سے خارج ہے اس لئے اس کی بحث نہیں کی جاتی۔ دوم یہ کہ آپ نے کسی علم کو نہیں چھپایا، اس سے یہ مراد ہے کہ جن کی تبلیغ کا حکم تھا ان میں سے کچھ نہیں چھپایا، اور جن کے چھپانے کا حکم تھا وہ بے شک چھپائے۔

انوار التنزیل میں ہے" قولہ تعالیٰ بلغ ما انزل الیک المراد تبلیغ ما یتعلق بمصالح العباد وقصد بانزالہ اطلاعھم علیہ فان من الاسرار الالٰھیۃ ما یحرم افشائہ"۔ روح البیان میں ہے وفی الحدیث سألنی ربی ای لیلۃ المعراج فلم استطع ان اجیبہ فوضع یدہ لا بیدین

كتفي فوجدت بردها فاورثني علم الاولين والاخرين وعلمني علوما شتى فعلم اخذ عهدا على كتمه اذ هو علم لا يقدر على حمله غيري وعلم خيرني فيه وعلم امرني بتبليغه الى الخاص والعام من امتي وهم الانس والجن والملك كما في انسان العيون۔ **خلاصہ** یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے شب معراج میں کچھ پوچھا میں جواب نہ دے سکا پس اس نے اپنا دست رحمت و قدرت بے تکییف و تحدید میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی سردی پائی پس مجھے علم اولین و آخرین کے دیئے اور کئی قسم کے علوم تعلیم فرمائے۔ ایک علم تو ایسا ہے جس کے چھپانے پر مجھ سے عہد لے لیا کہ میں کسی سے نہ کہوں اور میرے سوا کسی کو اس کے برداشت کی طاقت نہیں ہے اور ایک ایسا علم جس کے چھپانے اور سکھانے کا مجھے اختیار دیا اور ایک ایسا علم بھی ہے جس کو سکھانے کا ہر خاص و عام امتی کی نسبت حکم فرمایا۔ اور انسان اور جن اور فرشتے یہ سب حضرت کے امتی ہیں هذا في مدارج النبوة۔ اب حدیث و تفسیر سے ثابت ہوا کہ اما محققین ... اسرار الٰہی کا جو علم حضرت کو مرحمت ہوا ہے اس کا افشا حرام ہے۔

سوم یہ کہ ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الارحام وما تدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس باي ارض تموت۔ میں جن پانچ چیزوں کا ذکر ہے انہیں حضرت نہیں جانتے اس سے مراد یہ ہے کہ خود بخود نہیں جانتے مگر بتعلیم الٰہی جانتے ہیں چنانچہ اس کا بیان گذر چکا ہے مگر یہاں بھی کچھ ذکر کرتے ہیں۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے وقوله لا يعلمها الا هو اي لا يعلم الاولون والاخرون قبل اظهاره تعالى ذلك لهم ولم يعلم

حقائق اقدارها الا هو لانه تعالی عرف قدرها بالحقیقۃ لاغیر وایضا لا یعرف ظهور
تحدثها والوسیلۃ الیها الا هو بذاتہ تعالی عرف طرقها لا اهلها قال تعالی عالم
الغیب فلا یظهر علٰی غیبہ احدا الا من ارتضٰی من رسول۔ اس سے ظاہر
ہے کہ مفاتیح غیب کو نہ جاننا قبل اظہار اللہ جل شانہ کے ہے پس روشن ہو گیا کہ نفی علم ذات
کی ہے۔ علم قیامت شرح مقاصد صفحہ ۲۵۱ جلد ثانی۔ ان الغیب ههنا لیس علی العموم
بل مطلق او معین هو وقت وقوع القیامۃ بقرینۃ السیاق ولا یبعد ان یطلع علیہ
بعض الرسل من الملٰئکۃ والبشر۔ اس سے ظاہر ہے کہ علم قیامت کی اطلاع محال نہیں
نہ آیت میں اس کی تعلیم کا انکار بلکہ علم ذاتی کا انکار ہے۔ ھٰکذا فی التفسیر الکبیر للامام
الرازی تحت قولہ تعالی عالم الغیب فلا یظهر علی غیبہ احدا الا من ارتضی

من رسول۔ اور مینہ برسنے کا علم کہ کب برسے گا تو اس کا ذکر بالتفصیل ماسبق میں
گذرا۔ اور کتاب الابریز میں اس شبہہ کے جواب میں لکھتے ہیں: وکیف یخفی علیہ
ذلک والاقطاب السبعۃ من امتہ الشریفۃ یعلمونها وهم دون الغوث فکیف با
الغوث فکیف بسید الاولین والآخرین الذی هو سبب کل شیئ ومنہ کل شیئ
انتهی۔ یعنی علم قیامت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں مخفی رہ سکتا ہے جبکہ آپ کی
امت شریفہ کے ساتوں اقطاب اس کے عالم ہیں اور اغواث کا رتبہ اقطاب سے
بھی بالاتر ہے۔ پھر وہ کس طرح اس کے عالم نہ ہوں گے اور سید الاولین والآخرین
محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے تو نیاز مند بھی اس کے عالم ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو کہے یعنی یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر چیز کا سبب ہیں اور عالم کی ہر شئی کا وجود حضور کی بدولت اور حضور ہی سے ہے۔

علم ما فی الارحام۔ اگر یہ معنی ہیں کہ بے تعلیم الٰہی کسی کو معلوم نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے لڑکا یا لڑکی جب تو کچھ کلام ہی نہیں اور واقعی آیت شریفہ کا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مطلب ہے لیکن اگر حسب فہم منکرین علم نبی یہ مراد ہو کہ تعلیم الٰہی بھی کسی کو علم نہیں یا اللہ جل شانہٗ کسی کو اس پر اطلاع نہیں دیتا تو قطعاً غلط۔ کثرت سے احادیث میں آیا ہے کہ ہر شخص کا مادہ پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں بصورت نطفہ جمع ہوتا ہے پھر وہ علقہ یعنی خون بستہ ہو جاتا ہے، پھر مضغہ یعنی پارہ گوشت کی شکل میں رہتا ہے، اور شقی ہے یا سعید چنانچہ الفاظ حدیث کے جو مشکوٰۃ شریف باب الایمان بالقدر میں بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفحہ ۲۰ پر موجود ہیں یہ ہیں ثم یبعث اللہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید۔ اس سے ثابت ہوا کہ فرشتہ کو معلوم ہوتا ہے کہ کب تک زندہ رہے گا اور ہونیوالے کا کل تو درکنار تمام عمر کے احوال سے خبردار ہوتا ہے۔

خود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت انہیں بتا دیا کہ بنت خارجہ حاملہ ہیں ان کے پیٹ میں لڑکی دیکھتا ہوں چنانچہ تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۶۱ میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ واخرج مالک عن عائشۃ ان ابا بکر نحلھا جاد عشرین

وسقا مما له بالغابة فلما حضرة الوفاة قال يا بنية والله ما من الناس احد احب الى غنى منك ولا اعز على فقرا بعدى منك وانى كنت نحلتك جداد عشرين وسقا فلو كنت جددته واحترزته كان لك وانما هو اليوم مال وارث وانما هو اخواك واختاك فاقسموه على كتاب الله فقالت يا ابت والله لو كان كذا وكذا لتركته انما هي اسماء فمن الاخرى قال ذو بطن ابنة خارجة اراها جارية واخرجه ابن سعد وقال فى اخره قال ذات بطن ابنة خارجة قد القى فى روعى انها جارية فاستوصى بها خيرا فولدت ام كلثوم۔ ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک درخت کھجور کا دیدیا تھا جس سے بیس وسق کھجوریں حاصل ہوتی تھیں جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے بیٹی خدا کی قسم مجھے تیرا غنی ہونا بہت پسند ہے اور غریب ہونا ناگوار اس درخت سے اب تک جو کچھ تم نے نفع اٹھایا ہے وہ تمہارا تھا لیکن میرے بعد یہ مال وارثوں کا ہے تمہارے صرف دو تو بھائی اور دو تو بہنیں ہیں اس ترکہ کو موافق حکم شرع کے تقسیم کر لینا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایسا ہو سکتا ہے لیکن میری تو صرف ایک بہن اسماء ہی ہیں آپ نے دوسری کونسی بتادی، فرمایا حضرت صدیق اکبر نے کہ ایک تو اسماء ہیں دوسری بہن اپنی ماں کے پیٹ میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ لڑکی ہے۔ پس ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

علامہ کمال الدین دمیری حیوۃ الحیوان میں بیان فرماتے ہیں دعن ابی الصعبۃ عن

ابی الاسود عن عروۃ قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا من اهل البادیة وهو متوجه الی بدر لقیه بالروحاء فسأله القوم عن الناس فلم یجدوا عنده خبر فقالوا الیه سلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال افیکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا نعم فسلم علیه ثم قال ان کنت رسول اللہ فاخبرنی عما فی بطن ناقتی هذه فقال له سلمة ابن سلامة بن وقش وکان غلاما حدثا لا تسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقبل علی فانا اخبرك عن ذلك نزوت علیها ففی بطنها سخلة منك فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افحشت الرجل ثم اعرض عنه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یکلمه بکلمة واحدة حتی قفلوا واستقبلهم المسلمون بالروحاء یهنئونهم فقال سلمة یا رسول اللہ ما الذی یهنئونك واللہ ان رأینا الا عجائز صلعا کالبدن المعقلة فنحرناها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل قوم فراسة وانما یعرفها الاشراف رواه الحاکم فی المستدرك وقال هذا صحیح مرسل وحکاه ابن هشام فی السیرة۔ خلاصہ یہ کہ

ایک اعرابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے۔ سلمہ نے کہا کہ ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھو میری طرف متوجہ ہو! میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ اس کے پیٹ میں تیری حرکت نالائق کا نتیجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاموش اور وہ اعرابی حیرت میں رہ گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور کے صحابہ کرام میں سے نوعمر صحابی نے پیٹ کا حال بتادیا، اب جو کہے کہ مافی الارحام کا علم کسی کو

علم الٰہی سے بھی نہیں تو وہ بے چارہ ان عبارات مذکورہ کا کیا جواب دے گا۔

علم ما فی غد۔ رسالہ ہذا میں بہت سی ایسی عبارتیں گذر چکی ہیں جن سے اطلاعات فی غد یعنی کل ہونے والی باتیں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کو معلوم ہونا ثابت ہوتا ہے مگر پھر ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف۔ صفحہ ۵۴۳ میں ہے قال (عمر) ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یرینا مصارع اھل بدر بالامس یقول ھذا مصرع فلان غدا ان شاء اللّٰہ وھذا مصرع فلان غدا ان شاء اللّٰہ قال عمر والذی بعثہ بالحق ما اخطؤا الحدود والتی حدھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحدیث۔ خلاصہ یہ کہ بدر میں حضرت نے دست مبارک سے بتا دیا کہ کل یہاں فلاں شخص مرا پڑا ہوگا۔ اور یہاں فلاں شخص اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ حضرت کو معلوم تھا کہ کل کو کیا ہوگا، دوسرے یہ کہ حضور کو یہ بھی معلوم تھا کہ کون کہاں مرے گا، یعنی ما فی غد اور بای ارض تموت کا علم اللہ جل شانہ نے مرحمت فرمایا۔ یہ شبہ کہ ان جواری کو دف بجا کر گانے میں یہ کہتی تھیں کہ ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں حضرت نے منع فرمایا اور کہہ دیا کہ پہلے جو کہتی تھیں کہے جاؤ چنانچہ صاحب تقویۃ الایمان نے اس سے استدلال کیا ہے مگر اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت کو ما فی غد ثابت کرنا شرک ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان جواری سے توبہ بلکہ تجدید اسلام کراتے پس جب حضرت نے تجدید اسلام نہ کرائی تو اس سے خود ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد ہرگز شرک نہیں اور اس کا جواب ماسبق میں بوضاحت گزر چکا ہے۔

زرقانی جلد ۶۔ صفحہ ۲۲۹ میں حضرت حسان کا ارشاد موجود ہے ؎

نبی یری مالا یری الناس حوله ویتلو کتاب الله فی کل مشهد

فان قال فی یوم مقالۃ غائب فتصدیقها فی ضحوۃ الیوم او غد

اس کو حضرت حسان سے سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ فرمانا اور جس طرح لڑکیوں کو منع فرمایا تھا منع فرمانا صحت پر دال ہے۔ علم مافی غد کا تو اس میں بھی اثبات ہے جیسا کہ جواری کے کلام میں تھا کہ صاف فرما رہے ہیں۔ فان قال فی یوم الخ یعنی وہ اگر کوئی غیب کی بات فرمائیں تو اس کی تصدیق کل ہو جائے گی یعنی حضور آج اور کل کے آنے والے واقعات قبل از وقت بتا دیتے ہیں، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے منع نہ فرمایا۔ اگر یہ مضمون صحیح نہ ہوتا یا حسب مرغوب مخالف شرک ہوتا تو حضور کیوں سنتے اور منع نہ فرماتے۔ اس کا علم کہ کہاں مریگا اور کب مرے گا۔ ماثبت بالسنۃ میں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسین میری ہجرت کے ساٹھویں سال قتل کیے جائیں گے۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقتل الحسین علی راس ستین سنۃ من مہاجری رواہ الطبری فی الکبیر۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب سن کر صدیق اکبر نے عرض کیا کہ میں حضور کے بعد ڈھائی برس زندہ رہوں گا۔ واخرج ابن سعد عن ابن شہاب قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رؤیا فقصہا علی ابی بکر فقال رایت کانی استبقت انا وانت درجۃ فسبقتک بمرقاتین ونصف قال یا رسول اللہ یقبضک اللہ الی مغفرۃ ورحمۃ واعیش بعدک سنتین نصفا۔ از تاریخ الخلفا ص ۷۶ حضرت

نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے زمین پر پھر نکاح کریں گے اولاد ہوگی پینتالیس برس ٹھہر کر انتقال کریں گے اور میرے ساتھ قبر میں دفن کئے جائیں گے پس میں اور وہ ایک قبر سے اٹھیں گے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان میں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عیسیٰ بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسیٰ بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ میرے گھر میں تین چاند گرے ہیں یہ خواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، فرمایا کہ آپ کے گھر میں ایسے تین شخص دفن ہوں گے جو تمام زمین والوں سے بہتر ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو کہا کہ اے عائشہ یہ تیرے سب چاندوں میں بہتر ہیں، یہ حدیث تاریخ الخلفاء صفحہ ۶۶ میں ہے۔ اخرج سعید بن منصور ابن سعید ابن المسیب قال رأت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانہ وقع فی بیتہا ثلاثۃ اقمار فقصتہا علی ابی بکر وکان من اعبر الناس فقال ان صدقت رؤیاک لیدفن فی بیتک خیر اھل الارض ثلاثا فلما قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا عائشۃ ھذا خیر اقمارک۔ اب جوابات یقینی بدیہی ہوگئے کہ امور خمسہ مذکورہ آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ الایۃ کا علم بتعلیم الٰہی انبیاء اور صحابہ اور اولیاء کو حاصل ہے۔ تو یہ کہنے والا کہ حضرت کو تعلیم الٰہی بھی امور خمسہ کا علم تھا۔

.....یا کسی کو مخلوقات میں سے ان امور خمسہ کا علم نہیں دیا جاتا۔ جاہل اور مخبوط الحواس اور دین سے بے بہرہ اور بدنصیب ہے کہ اپنی من گھڑت کے آگے خدا اور رسول کے فرمان کو بھول گیا پس اس آیت سے یہ مراد لینے والا کہ امور خمسہ کا علم کسی کو نہیں آتا بواسطہ تعلیم الٰہی آیت کی تفسیر بداہتہ کے خلاف کرتا ہے۔ اور یہ ضلال ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر جلد ۶ مطبوعہ مصریہ (اسیرتہ) صفحہ ۳۸۰ پر ہے واذا کان کذلک مشاهدا محسوسا فالقول بان القران یدل علی خلافه مما یجر الطعن الی القران وذلک باطل۔ پس یہ کہہ دینا کہ خدا کے سوا کوئی غیب کی بات نہیں جانتا نہ خود بخود نہ تعلیم الٰہی سے اور اس کو قرآن سے ثابت کہنا کفر ہے جیسا کہ امام فخر الدین رازی کے کلام سے ثابت ہوا پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے باوجود ٹھیک معنی بنے کہ یہ مراد لینا کہ باطل ہے مگر مولوی رشید احمد گنگوہی نے بیدھڑک لکھ دیا کہ علم غیب خاصہ حق تعالیٰ ہے اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں فقط والسلام۔ مورخہ ۲ ذی الحجہ بروز جمعہ

رشید احمد ۱۳۰۱

از فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۱۲۳۔

اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے "پھر خواہ یوں سمجھے کہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدہ سے

ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

قطع نظر اس سے کہ ان صاحبوں کے اس حکم شرک سے اسلام کا کوئی بزرگ اور امت کا کوئی عالم نہیں بچتا۔ اور علمائے دیابنہ اسمٰعیلی و رشیدی شرک میں مبتلا نظر آتی ہے لطف کی بات یہ ہے کہ اس شرک کے پھندے سے اپنوں کی گردنیں بھی نہ بچ سکیں، مولوی اشرف علی تھانوی اور مرتضیٰ حسن چاندپوری بھی پھنس گئے، کیوں کہ وہ علم غیب کو نبی کے لئے لازم بتاتے ہیں چنانچہ توضیح البیان صفحہ ۲ میں ہے حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب باعطائے الٰہی حاصل ہے چنانچہ اس عبارت سے کہ نبوت کے لئے جو علوم لازم اور ضروری ہیں وہ آپ کو تمام حاصل ہو گئے تھے الخ۔ اب مولوی مرتضیٰ حسن اور مولوی اشرف علی تھانوی دونوں مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اسمٰعیل کے فتوے سے مشرک ثابت ہوئے اور ممکن نہیں کہ وہ اس شرک کو اٹھا سکیں الحاصل اگر ان عیوب خمسہ کے باب میں بسط کیا جاوے تو غالباً دس گیارہ جزو کا ایک اور رسالہ خاص اسی بحث میں مرتب ہو جائے۔ اس لئے تطویل سے احتراز کیا۔ اللہ تعالیٰ اس مختصر کو باعث ہدایت مخالفین فرمادے۔

شبہہ ہفتم

سفر میں حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں ان کا ہار گم گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہار ڈھونڈا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا تو کیوں نہ بتاتے۔؟

جواب مخالفین کے دلائل کا دارو مدار باطل وغلط قیاسوں پر رہ گیا ہے کسی آیت وحدیث سے وہ اپنا دعوے کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے تو مجبوری وناچاری اپنی غلط رایوں کو بجائے دلیل کے پیش کرتے ہیں نہ معلوم انہوں نے اپنی رائے کو دلائل شرعیہ سے کونسی دلیل قرار دے رکھا ہے۔ دینی مسائل اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف زید وعمر اور ہر ماو شما کے منتشر خیالات پر موقوف نہیں جب آیات واحادیث اور کتب معتبرہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم جمیع اشیاء ہونا ثابت ہوا تو مخالفین کا وہم کس شمار و قطار میں ہے اپنے خیالات واہیہ کو آیات وحدیث کے مقابلہ میں ان کا رد کرنے کے لئے پیش کرنا مخالفین ہی کی جرات ہے۔ اس سوال کا دار و مدار صرف اس بات پر ہے کہ حضرت نے بتایا اول تو اس میں کلام ہے مخالف کو اس پر دلیل لانا تھا، کوئی عبارت پیش کرنی تھی مگر وہاں اس کی ضرورت ہی نہیں جو بات منہ میں آئی کہدی۔ حضور کی جس فضیلت کا چاہا محض بزور زبان انکار کر دیا۔ بخاری ومسلم کی حدیث ہے۔ فبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا فوجدھا امام نووی فرماتے ہیں انہ یکون فاعل وجدھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور خود اس کے واجد ہیں وہ ہار خود حضور نے پایا پھر نہ بتایا کے کیا معنی۔ اور فرض کیجئے کہ نہ بتایا تو نہ بتانا کسی عالم کا نہ جاننے کو کب مستلزم۔ یہ کہاں کی منطق ہے۔ اگر یہی قیاس ہے تو خدا خیر کرے، کہیں آپ علم الٰہی کا بھی

قیاس سے انکار نہ کر بیٹھیں کہ کفار نے وقت قیامت کا بہتیرا سوال کیا اور ایان یوم القیٰمۃ کہا کئے مگر اللہ سبحنہ نے نہ بتایا معلوم ہوتا تو کیوں نہ بتاتا معاذ اللہ، نہ بتانا کسی حکمت سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے لئے عدم علم ضروری ہو اس نہ بتانے میں جو حکمتیں ہیں وہ آپ کو تو کیا نظر آئیں گی، آنکھ والوں سے پوچھئے شیخ الشائخ قاضی القضاۃ اوحد الحفاظ والرواۃ شہاب الدین ابو الفضل ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۱۱ میں فرماتے ہیں واستدل بذلک علی جواز الاقامۃ فی المکان الذی لاماء فیھا یعنی اس اقامت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جس جگہ پانی نہ ہو وہاں ٹھہرنے کا جواز معلوم ہوا، اگر حضور فوراً ہی بتا دیتے تو یہ مسائل کیوں کر معلوم ہو سکتے۔ معہذا یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو سفر میں ہو مگر اس کو مسلمانوں کے حفظ حقوق کا لحاظ چاہئے فتح الباری میں ہے وفیہ اعتناء الامام بحفظ حقوق المسلمین وان قلت اس سے علماء نے کتنے مسائل نکالے کہ دفن میت کے لئے اور اس کے مثل رعیت کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے امام کو قیام کرنا چاہئے فتح الباری میں ہے ویلحق بتحصیل الضائع الاقامۃ للحقوق المنقطع ودفن المیت ونحو ذلک من مصالح الرعیۃ اس میں یہ بھی اشارہ فرمایا کہ مال کو ضائع کرنا نہ چاہئے۔ وفیہ اشارۃ الی ترک اضاعۃ المال اور یہ کیا مزے کی بات معلوم ہوئی کہ اس اقامت کی وجہ سے جب پانی نہ ملا اور صحابہ کو نماز کی فکر ہوئی کہ کہاں سے وضو کیا جائے گا کس طرح وضو کیا جائے گا تو وہ بیچین

ہوئے لامحالہ ان کو سوال کرنا پڑا تو حضرت صدیق اکبر سے سوال کیا اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو ایسے ضروری سوال کے لئے بھی بیدار کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی اور کسی نے گوارہ نہ کیا اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو خواب سے بیدار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ انما شکوا الی ابی بکر لکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان نائما وکانوا لا یوقظونہ حضرت صدیق اکبر نے اسی فکر میں کر نماز کس طرح پڑھیں گے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کوکھ (کمر میں) انگلیاں ماریں یہ ضرب ایسی ہے کہ انسان بے اختیار اچھل پڑتا ہے مگر حضور ان کے زانو پر آرام کر رہے تھے اس وجہ سے انہیں جنبش نہ ہونے پائی اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا ادب اس درجہ ہونا چاہئے کہ ایسی طبعی حرکات بھی نہ ہونے پائیں جن سے خواب ناز میں فرق آنے کا اندیشہ ہو۔ فیہ استحباب الصبر لمن نالہ ما یوجب الحرکۃ ویحصل بہ تشویش النائم۔ (فتح الباری) فضیلت حضرت صدیقہ کا اظہار وفیہ دلیل علی فضل عائشۃ وابیہا وتکرار البرکۃ منہا حضرت عائشہ کی فضیلت و برکت ظاہر ہوئی۔ عمرو بن حارث کی روایت میں وارد ہوا لقد بارک اللہ للناس فیکم۔ ابن ابی ملیکہ کی روایت میں خود جناب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماکان اعظم برکۃ قلادتک کہ اے صدیقہ تمہارے ہار کی کیسی عظیم الشان برکت ہے قیامت تک کے مسلمان ان کے صدقہ میں سفر اور بیماری اور مجبوری کی حالتوں میں تیمم سے طہارت حاصل کرتے رہیں گے۔ بخاری میں بروایت عروہ وارد ہے

فواللہ ما انزل بک من امر تکرھینہ الا جعل اللہ ذالک لک وللمسلمین فیہ خیرا۔"

اسید ابن حضیر نے فرمایا کہ اے صدیقہ جب آپ پر کوئی امر پیش آتا ہے اور آپ پر گراں گذرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں آپ کے اور مسلمانوں کے لئے بہتری فرماتا ہے۔ اور عبدالرحمن ابن قاسم والی عبارت میں ہے ماھی باول برکتکم یاآل ابی بکر کہ اے آل ابی بکر یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے حضرت صدیق اکبر نے آیت تیمم نازل ہونے کے بعد تین مرتبہ فرمایا انک لمبارکۃ یعنی اے صدیقہ تم یقینا بیشک بڑی برکت والی ہو اہل ایمان کو تو نظر آتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ہار کی وجہ سے لشکر اسلام کو اقامت کرنا پڑے اور پانی نہ ملے تو ان کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ تیمم کو جائز فرمائے اور مٹی کو مطہر کردے لیکن جہاں آنکھیں بند ہوں اور بصیرت کا نور جاتا رہا ہو وہاں سوائے اس کے کچھ نہ معلوم ہو کہ حضرت کو علم نہ تھا۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد

عیب نماید ہنرش در نظر

خلاصہ یہ کہ مخالفین کا یہ قیاس فاسد باطل محض اور سراپا لغو ہے اور ان کے مدعائے باطل کو کسی طرح کوئی تائید نہیں پہونچ سکتی۔

شبہہ ہشتم

قاضی خان میں ہے رجل تزوج امرأۃ بغیر شہود فقال الرجل والمرأۃ خدائے را و پیغمبر را گواہ

کریم قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت ترجمہ ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا پس مرد اور عورت نے کہا خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم نے گواہ کیا کہتے ہیں کہ یہ کفر ہوگا اس لئے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو جانتے ہیں اور حال یہ کہ وہ زندگی میں بھی غیب کو نہ جانتے تھے پس بعد وفات کے کیونکر جان سکتے ہیں۔

جواب

معترض کا منشا یہ ہے کہ معتقد علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر فقہ سے ثابت کرے۔ مگر ابھی اس کو یہ خبر نہیں کہ اس نے یہ کفر اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ قاضی خاں کی عبارت سے اگر کفر ثابت ہوتا ہے تو معتقد علم غیب نبی بھی (معاذ اللہ) کافر اور تمام مخالفین یعنی وہابی بھی کیونکہ وہ قائل ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت کو بعض غیوب کا علم عطا فرمایا ہے۔ پس اب بموجب عبارت قاضی خاں کے ان کے کفر میں ان کی فہم کے بموجب شبہ نہیں ہے۔ آپ یہ کہیں گے کہ دیوبندیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض غیوب کے علم کا بھی کب اقرار کیا ہے، ملاحظہ ہو اعلاء کلمۃ الحق ص ۱۴۱ "اور بہت چیزیں اور امور غیب کے حق تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمائے کہ ان کی مقدار حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے" اور فیصلہ علم غیب ص ۱۲ میں مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کے یہ لفظ مسطور ہیں۔ "بھلا کوئی مسلمان ہرگز اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو امور غیبیہ

پر اطلاع نہیں ہوتی ہے مسلمان کہلا کر اس بات کے قائل ہونے والے پر خدا اور فرشتوں اور انبیاء اور جنوں بلکہ تمام مخلوق کی لعنت ہو اور منکرین کے اقرار ابتدائے رسالہ میں مذکور ہو چکے ہیں الحاصل ہمارے مخالفین بھی بعض غیوب کا اقرار کر رہے ہیں اور ہم بھی بعض غیوب ہی کا اثبات کر رہے ہیں لہ (کیونکہ جمیع اشیاء بھی بعض مغیبات ہیں) تو اگر معاذ اللہ قاضی خاں کی عبارت سے ہم پر الزام آئے گا تو ہمارے مخالفین ضرور کافر ٹھہریں گے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

اور اگر وہ کافر نہ ٹھہریں تو کیا ہم نے ہی خطا کی ہے اب عبارت قاضی خاں پر غور فرمایئے کہ اس میں لفظ قالوا موجود ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور قاضی خاں وغیرہ فقہاء کی عادت ہے کہ وہ لفظ قالوا اس مسئلہ پر لاتے ہیں جو خود ان کے نزدیک غیر تحسین ہو اور ائمہ سے مروی نہ ہو چنانچہ شامی جلد ۳ صفحہ ۴۳۵ میں ہے لفظة قالوا تذکر فیما فیہ خلاف کما غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے وکلام قاضی خان یشیر الی عدم اختیارہ لہ حیث قال واذا صلی علی النبی علیہ الصلوۃ والسلام فی القنوت قالوا لا یصلی علیہ فی القعدۃ الاخیرۃ ففی قولہ قالوا اشارۃ الی عدم استحسانہ لہ والی انہ غیر مروی عن الائمۃ کما قلناہ فان ذلک من المتعارف

لہ فرق اتنا ہے کہ ہم ان بعض کو اتنا وسیع جانتے ہیں کہ جمیع اشیاء کے علوم ان میں داخل ہیں اور مخالفین گنتی کے دو ایک حتی کہ یہ لکھ دیتے ہیں کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں معاذ اللہ بعض گستاخ تو یہاں تک بک اٹھتے ہیں کہ انہیں اپنے خاتمہ کا حال بھی معلوم نہیں۔ استغفر اللہ۔

فی عبارتھم لیس استقراھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اب معلوم ہوگیا کہ قاضی خاں کے نزدیک غیر مستحسن اور غیر مردی اور ضعیف ومرجوح ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ حکم کرنا سخت ممنوع اور جہل ہے۔ درالمختار میں ہے ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع۔ درالمختار میں بھی یہی قاضی خان والا مسئلہ ہے وہاں بھی لفظ قیل ضعف کی دلیل موجود ہے۔ درالمختار کتاب النکاح میں ہے تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یجز بل قیل یکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب قال فی التاتارخانیۃ وفی الحجۃ ذکر فی الملتقط انہ لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الرسل یعرفون بعض الغیب قال اللہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ خلاصہ یہ کہ جس نے کفر بتایا ہے اس کے نزدیک اعتقاد علم غیب سبب ہے تاتارخانیہ اور حجہ میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ اس اعتقاد سے کوئی کافر نہیں ہوتا اس لئے کہ روح پاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب کو جانتے ہیں فرمایا اللہ جل شانہٗ نے عالم الغیب فلا یظھر الخ۔ عمدۃ الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزانۃ الروایات میں ہے وفی المضمرات والصحیح انہ لا یکفر لان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام یعلمون الغیب ویعرض علیھم الاشیاء فلا یکون کفرا یعنی مضمرات میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب کے عالم ہیں اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں پس کفر نہ ہوگا۔ شامی باب المرتد میں مسئلہ بزازیہ ذکر کرکے فرماتے ہیں حاصلہ ان دعوی الغیب معارضۃ للنص القرآن یکفر بھا

الا اذا اسند ذٰلک صریحا او دلالۃ الی سبب من اللہ کوحی والھام یعنی غیب کا دعویٰ نص قرآن کے معارض ہے پس اس کا مدعی کافر ہو جائے گا لیکن اگر اس نے صریحاً یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کر لی ہے جو اللہ کی جانب سے ہو مثل وحی والہام وغیرہ کے تو کافر نہیں۔ درالمختار میں ہے وفیھا کل انسان غیر الانبیاء لا یعلم ما اراد اللہ تعالیٰ لہ وبہ لان ارادتہ تعالیٰ غیب الا الفقھاء فانھم علموا ارادتہ تعالیٰ بھم لحدیث الصادق المصدوق من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین۔ **غایۃ الاوطار** میں اس عبارت کے تحت مسطور ہے اور اشباہ میں ہے کہ ہر آدمی سوائے انبیاء علیہم السلام کے جانتا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے اس کے ساتھ دارین میں اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ غیب ہے مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں اس واسطے کہ وہ جان گئے ہیں حق تعالیٰ کے ارادے کو جو ان کے ساتھ رسول صادق مصدوق کی اس حدیث کی دلیل سے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقیہ کرتا ہے یعنی امر دین پر فہم سلیم عطا کرتا ہے۔ اب خوب ظاہر ہو گیا کہ فقہ میں بھی جہاں انکار ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ بے تعلیم الٰہی کے علم غیب بتانا کفر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہے۔

شبہہ نہم

جمیع اشیاء غیر متناہی ہیں پھر حضرت کو غیر متناہی کا علم کیونکر ہو سکتا ہے؟

جواب۹۔ یہ اعتراض سخت جہالت سے ناشی ہے اس لئے کہ جمیع اشیاء کو غیر متناہی نہ کہے گا مگر دیہاتی۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیتہ

واحاط بما لدیہم واحصی کل شیٔ عددا کے فرماتے ہیں قلنا لاشک ان احصاء العدد انما یکون فی المتناھی فاما لفظۃ کل شیٔ فانہا لاتدل علی کونہ غیر متناہ لان الشیٔ عندنا ھو الموجودات والموجودات متناھیۃ فی العدد۔ اس عبارت سے موجودات کا متناہی ہونا روشن ہے۔ پھر خواہ مخواہ اپنی طرف سے بے وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کے لیے موجودات کو غیر متناہی کہنا کونسی عقل کی ہے اب بعض شبہات عقلیہ کا رد کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کی تقریظ ہی نقل کی جائے۔

مولوی اشرف علی تھانوی کی تقریظ کا رد

قولہ بعد الحمد والصلوٰۃ احقر الوری اشرف علی عفی عنہ بتائید مضمون رسالہ اعلاء کلمۃ الحق عرض کرتا ہے کہ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں جو آیات واحادیث وارد ہیں وہ تین قسم کی ہیں ایک وہ جو یقیناً ایجاب جزئی کو مفید ہیں دوسری وہ جو یقیناً سلب جزئی کو مفید ہیں اور ان دونوں قسموں میں کسی کو کلام نہیں۔ **اقول** سبحان اللہ یہ فقرہ کہ ان دونوں قسموں میں کسی کو کلام نہیں کیسی جرأت ہے۔ مثبتین کا دعویٰ کل شیٔ معلوم لنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور یہ موجبہ کلیہ ہے اس کی نقیض سالبہ

جزئیہ ہے (مثال بعض الاشیاء لیس بمعلوم لنبینا) جو شخص ایجاب کلی کا مدعی ہے اس کو کس طرح سلب جزئی میں کوئی کلام نہ ہوگا۔ کیا مولوی صاحب کے نزدیک مدعی کو اپنے دعوے کی نقیض مسلم ہوتی ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ یہ بھی خوش فہمی ہے۔ ایک دوسرا خصیم کو خود کہتا ہے کہ بھلا کوئی ایک آیت یا حدیث تو ایسی سناؤ کہ جس کا یہ مضمون ہو کہ فلاں چیز کا علم سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہی نہ گیا۔ چنانچہ زبدۃ المحققین امام المناظرین جناب الحاج حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب دام فیضہم نے انباء المصطفٰے کے صفوہ پر فرمایا ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی گنگوہی جنگلی کوہی سب کو دعوت عام ہے اجمعوا شرکاءکم چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو کہ تمامی نزول قرآن عظیم کے بعد بھی اشیاء مذکورہ ماکان و مایکون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی رہا جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا۔ فان لم تفعلوا فاعلموا ان اللہ لا یھدی کید الخائنین۔ اب یہ کہدینا کہ ان دونوں قسموں میں کسی کو کلام نہیں۔ کس درجہ کی دیانت اور کیسا سچ ہے۔ **قولہ** تیسری وہ جو محتمل ایجاب کلی اور ایجاب جزئی دونوں کو ہے **اقول** مناسب تھا کہ ان اقسام کی مثالیں لکھی جاتیں۔ نہ معلوم کس مصلحت سے لکھی نہ گئیں۔ یہ حصر جو تھانوی صاحب نے تین قسموں میں کیا ہے غلط ہے اس لئے کہ جو مفید ایجاب کلی کو ہے (مثالہ فتجلی لی کل شیئ) الحدیث وہ ایک چوتھی قسم ہے تو ان آیات واحادیث کا حصر تین قسموں پر

باطل ٹھہرا **قولہ** اور اسی قسم میں کلام ہے۔ **اقول** چہ خوش جو مدعی ایجاب کلی کا ہے وہ چوتھی قسم سے کیوں نہ استدلال کرے۔ **قولہ** جو لوگ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع منیبات غیر متناہیہ کے علم کا اثبات کرتے ہیں۔ **اقول** ہمارا یہ عذر درہ بتایئے کہ وہ کون لوگ ہیں جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع منیبات غیر متناہیہ کے علم کا اثبات کرتے ہیں^ا یہ زبردستی آپ نے ان پر چپکائی وہ تو جمیع اشیاء کے علم کا دعوی کرتے ہیں اور جمیع اشیاء متناہی ہیں جیسا کہ جواب شبہ نہم میں مذکور ہوا تو لا کہ وہ اس قسم ثالث کو ایجاب کلی پر محمول کرتے ہیں اور اسی ایجاب کلی کو اپنا متمسک ٹھہراتے ہیں۔ **اقول** غلط انہیں ضرورت ہی کیا ہے کہ قسم ثالث کو اپنا متمسک ٹھہرائیں جبکہ قسم رابع موجود ہو، موید اور چیز ہے۔ **قولہ** اور جو باوجود تسلیم آپ کے اعلم الخلق ہونے کے اس علم محیط کی نفی کرتے ہیں وہ ایجاب جزئی پر محمول کرتے ہیں۔ **اقول** برا کرتے ہیں اگر بے قرینہ ایجاب جزئی پر محمول کرتے ہیں اور باوجود تسلیم آپ کے اعلم الخلق ہونے کے ایسا کرتے ہیں تو ہمارا کرتے ہیں **قولہ** اب بتوفیقہ تعالیٰ یہ احقر لولا سا ملانہ کہتا ہے کہ جب ایجاب کلی بوجہ احد المحتملین ہونے کے قطعی الدلالۃ نہیں ہے تو مقام اثبات عقائد میں جو کہ دلیل قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ پر موقوف ہے اس سے کب استدلال صحیح ہوگا۔ **اقول** کیا خوب! بنافاسد علی الفاسد

ا؎ یہ مقام عقائد مدت یا سمت فضائل تھانوی صاحب کو ابھی تک اتنا بھی معلوم نہیں جو وہ دلیل قطعی پر موقوف کرتے ہیں۔

حضرت آپ کی قسم ثالث سے مثبتین کو احتجاج کرنے کی کیا ضرورت جو ایجاب کلی احد المتعلین ٹھہرے مثبتین قسم رابع سے استدلال کرتے ہیں جس میں مجال احتمال مخالف اصلا نہیں۔ اب آپ کے یہ سب تار پود نسیج العنکبوت ٹوٹ گئی لہٰذا اس قسم ثالث کو تھانوی صاحب ایجاب کلی پر حمل کریں یا ایجاب جزئی پر مبحث سے خارج ہے کہ خصم کا احتجاج اس سے نہیں البتہ اگر بے قرینہ حمل کریں گے تو لیاقت علمی کی داد پائیں گے۔

قولہ: بعض روایات مفیدہ سلب جزئی کہ اس میں احتمال عقلی بھی نہیں ہوسکتا کہ زمانہ حکم ایجاب کلی کو اس سے تاخر ہو۔ مثلاً یہ حدیث صحاح کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو حوض کوثر کی طرف بلائیں گے ملائکہ عرض کریں گے انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ اس میں جملہ لا تدری الخ مفید ہورہا ہے سلب جزئی کو زمانہ ورود روایات محتملہ ایجاب کلی کو اس سلب جزئی سے تاخر ہو۔ اقول۔ تقدم و تاخر کیسا سلب جزئی ہی کہاں ہے جب فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں خود ہی خبر دے رہے ہیں کہ ہم بعض لوگوں کو حوض کوثر کی طرف بلائیں گے اور ملائکہ یہ عرض کریں گے کہ انک تو حضور کو اس کا علم ہونا تو اسی حدیث سے ظاہر ہے واقعہ تو قیامت کو پیش آئے گا۔ اور خبر آج دے دی لیکن تھانوی صاحب کے نزدیک علم ہی نہیں بغیر علم ہی کے اخبار ہوگیا۔ اللہ عقل سلیم عنایت فرمائے تو انسان کو یہ سمجھنا کیا دشوار ہے کہ علم نہ ہوتا تو خبر دینا کیونکر ممکن تھا۔ پھر حضور کو دنیا ہی میں معلوم ہونا اور اس واقعہ کا نظر انور سے گذر جانا۔ بخاری شریف میں ہے۔ بینا انا نائم فاذا زمرۃ حتی اذا عرفتھم خرج رجل

من بینی و بینھم فقال ھلم فقلت این قال الی النار واللہ قلت وما شانھم قال انھم ارتدوا بعدک علی ادبارھم القہقری۔ حضور فرماتے کہ اس اثنا میں کہ میں خواب میں تھا اچانک ایک جماعت گذری حتیٰ کہ جب میں نے ان کو پہچانا تو ایک شخص نے میرے ان کے درمیان سے نکل کر کہا کہاں، اس نے عرض کیا بخدا دوزخ کی طرف میں نے کہا ان کا کیا حال ہے اس نے عرض کیا کہ حضور کے بعد الٹے پاؤں پیچھے پلٹ گئے۔ یہ بخاری شریف کی حدیث ہے مولوی اشرف علی صاحب کو اب تو معلوم ہوا ہو گا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کو دنیا میں پہچانتے اور ان کا مآل جانتے تھے۔ پھر سلب کہاں علاوہ بریں جائز کہ انک لاتدری میں ہمزہ استفہام مقدر ہو جیسا کہ وتلک نعمۃ تمنھا الآیۃ اور ھذا ربی میں مقدر ہے۔ اور تقدیر پر صحیح مسلم شریف کی حدیث جو اسی مضمون میں بایں الفاظ وارد ہے قرینہ قویہ ہے فاقول یارب منی ومن امتی فیقال اما شعرت ما عملوا.... بعدک یعنی میں کہوں گا کہ اے پروردگار یہ میرے ہیں اور میرے امتی پس فرمایا جائے گا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اب تھانوی صاحب فرمائیں کہ وہ سلب کیا ہوا۔ کیا تھانوی صاحب اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ متعدد احادیث سے حضور پر اعمال امت کا پیش ہونا ثابت ہے۔ صحیح مسلم وابن ماجہ میں ہے عرضت علی امتی با عمالھا حسنھا وقبیحھا یعنی مجھ پر میری امت مع اپنے نیک و بد اعمال کے پیش کی گئی۔ دوسری

حدیث ابوداؤد ترمذی میں ہے۔ عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجہا الرجل من المسجد وعرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ القرآن او آیۃ اوتیہا الرجل ثم نسیہا یعنی مجھ پر میری امت کی نیکیاں پیش کی گئیں یہاں تک کہ تنکا جس کو آدمی مسجد سے دور کرے، اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے پس میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہ دیکھا کہ آدمی کو قرآن پاک کی کوئی سورہ یا آیت دی گئی پھر وہ اس کو بھول گیا جب حضور اقدس پر امت کے تمام نیک وبد صغیر وکبیر اعمال پیش کیے گئے اور پیش ہوتے ہیں پھر کس طرح حضور کو ان لوگوں کے اعمال معلوم نہیں۔ تھانوی صاحب نے کس طرح سلب جزئی سمجھا کہیں اس کی رمق بھی ہے۔ ابھی ذرا توقف فرمایئے کس کس چیز سے آنکھیں بند کرکے انکار پر اڑے رہیں گے بخاری ومسلم کی حدیث شریف ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان امتی یدعون یوم القیمۃ غرا محجلین من آثار الوضوء فمن استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت روز قیامت غرومحجل یعنی اس شان سے بلائی جائے گی کہ ان کے سر اور ہاتھ پاؤں آثار وضو سے چمکتے ہوں گے پس تم میں سے جس سے ہو سکے اپنی چمک زیادہ کرے۔ مسلم شریف کی دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ جو امتی ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں، انہیں حضور روز قیامت کس علامت سے پہچانیں گے فرمایا کہ اگر کسی کے

پنج کلیان گھوڑے سیاہ گھوڑوں میں ہوں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو پہچان لے گا عرض کیا بیشک وہ پہچان لے گا فرمایا کہ میرے امتی اسی شان سے محشر میں آئیں گے کہ ان کے پانچوں اعضاء چمکتے جگمگاتے ہوں گے اور میں حوض پر ان کا پیشوا ہوں گا حدیث کے الفاظ یہ ہیں قالوا کیف تعلم من لم یات بعد من امتک یا رسول اللہ فقال ارایت لو ان رجلا له خیل غر محجلۃ بین ظهری خیل دھم بھم الا یعرف خیلہ قالوا بلی یا رسول اللہ قال فانھم یاتون غرا محجلین من الوضوء وانا فرطھم علی الحوض۔ کیا مولوی اشرف علی صاحب کے خیال میں ان مرتدین کے پنج اعضاء بھی چمکیں گے جس سے حضور کو ان کے مومن ہونے کا خیال ہو سکے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کس بنیاد پر تھانوی صاحب سلب ثابت کرنے بیٹھے ہیں۔؟ بالفرض اگر حضور کو پہلے سے علم نہ ہوتا تو بھی اس علامت سے حضور پہچان سکتے تھے چہ جائیکہ پہلے سے معلوم ہو معرفت ہو چکی ہو جیسا کہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہو چکا مگر تھانوی صاحب نے سلب کا لفظ لکھ لیا ہے کتنی ہی حدیثوں کے خلاف ہو انہیں کسی کی پرواہ نہیں ایک حدیث اور سنتے چلئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روز قیامت پہلے مجھی کو سجدہ کی اجازت ملے گی اور پہلے سر اٹھانے کا بھی مجھی کو اذن دیا جائے گا پھر میں اپنے سامنے تمام امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور اسی طرح اپنے پس پشت اور داہنے اور بائیں بھی ایک شخص نے عرض کیا نوح علیہ السلام کی

امت تک بہت امتیں ہوں گی ان سب میں سے حضور اپنی امت کو کس طرح پہچان لیں گے' فرمایا کہ ان کے ہاتھ پاؤں چہرے آثارِ وضو سے چمکتے اور روشن ہوں گے اور کوئی دوسرا اس شان پر نہ ہوگا (کیوں تھانوی صاحب پھر بھی آپ کے نزدیک حضور کو ان مرتدین کو پہچاننا ناممکن ہی رہے گا اب فرمایئے کہ آپکے سلب کا کیا مزاج ہے۔؟) اور میں انہیں یوں پہچانوں گا کہ ان کے نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں ہوں گے' اور ان کی ذریت ان کے سامنے دوڑتی ہوگی۔ (کیوں تھانوی صاحب کیا مرتد کے اعمال نامے بھی ان کے داہنے ہی ہاتھوں میں ہوں گے؟ ذرا اپنے سلب کی نبض تو دکھایئے اس میں کوئی رمق باقی تو نہیں رہی) حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ انا اول من یوذن له بالسجود یوم القیمة و انا اول من یوذن له ان یرفع راسه فانظر الی ما بین یدی فاعرف امتی من بین الامم ومن خلفی مثل ذلک وعن یمینی مثل ذلک وعن شمالی مثل ذلک فقال رجل یا رسول الله کیف تعرف امتک من بین الامم فیما بین نوح الی امتک قال هم غر محجلون من اثر الوضوء لیس احد کذلک غیرهم واعرفهم انهم یوتون کتبهم بایمانهم واعرفهم تسعی بین ایدیهم ذریتهم۔ (رواہ احمد) اب فرمایئے استفہام مقدر ملنے گا یا نہیں۔ اتنی حدیثیں آپ کی تسکین کے لئے کافی ہیں یا وہی کہے جایئے گا۔ کاش ذہول ہی پر حمل کیا ہوتا مگر مجبوری تو یہ تھی کہ آپ کو شوق تھا سلب ثابت کرنے کا۔ بہرحال اب تو آپ کا سلب مسلوب

ہوا، والحمد للہ، فرمایئے تھانوی صاحب اب سالبہ جزئیہ کس کے گھر سے آئے گا۔

قولہ۔ دوسرا احتمل یعنی ایجاب جزئی متعین اور حق ٹھہرا اور یہی مذہب ہے ثقاۃ کا۔

اقول۔ یہ لیاقت علمی سے بیگانگی اور ذہانت کی بانگی ہے کہ ثقاۃ کا مذہب ایجاب جزئی ہے خدا جانے کیا سوچ کر لکھا ہے جس کا مذہب ایجاب ہے وہ کیونکر ثقاۃ میں شمار کیا گیا۔

فتاوی قاضی خاں کی عبارت پر وہابیہ کے شبہات کا ازالہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں فقہائے دین درج ذیل مسئلہ میں کہ قاضی خاں میں ہے

رجل تزوج امراۃ بغیر شہود فقال الرجل والمراۃ خدائے راو پیغمبر را گواہ کر دیم یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الحیاۃ فکیف بعد الموت۔ ترجمہ۔ ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا۔ پس مرد و عورت نے کہا خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم نے گواہ کیا کہتے ہیں یہ کفر ہوگا اس لئے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ اور حال یہ کہ زندگی میں بھی غیب کو نہیں جانتے تھے پس بعد وفات کے کیوں کر جان سکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی۔ عبداللہ چودھری

الجواب
بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

معترض کا منشا یہ ہے کہ معتقد علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر فقہ سے ثابت کرے۔

مگر اس کو ابھی یہ خبر نہیں کہ اس نے یہ کفر اپنے ذمّہ لے لیا ہے کہ قاضی خاں کی عبارت سے اگر کفر ثابت ہوتا ہے تو معتقد علم غیب نبی بھی (معاذ اللہ) کافر اور تمام مخالفین یعنی وہابی بھی، کیونکہ وہ قائل ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت کو بعض غیوب کا علم عطا فرمایا ہے پس بموجب عبارت قاضی خاں کے ان کے کفر میں ان کی فہم کے بموجب شبہ نہیں۔ آپ یہ کہیں گے کہ وہابیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض غیوب کے علم کا بھی کب اقرار کیا ہے تو ملاحظہ ہو اعلاء کلمۃ الحق صہ۱۷ " اور بہت چیزیں امور غیب کے حق تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمائے کہ ان کی مقدار حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔" اور فیصلہ علم غیب" صہ۱۳ میں مولوی ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری کے یہ الفاظ مسطور ہیں کہ " بھلا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو امور غیبیہ پر اطلاع نہیں ہوتی ہے۔" مسلمان کہلا کر اس بات کے قائل ہونے والے پر خدا اور فرشتوں اور انبیاء اور جنوں بلکہ تمام مخلوق کی لعنت ہو۔" اور منکروں کے اقرار ابتدائے رسالہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

الحاصل ہمارے مخالفین بھی بعض غیوب کا اقرار کر رہے ہیں اور ہم بھی بعض غیوب ہی کا اقرار کر رہے ہیں[1] (کیونکہ جمیع اشیا بھی بعض مغیبات ہیں) تو اگر معاذ اللہ قاضی

[1] فرق اتنا ہے کہ ہم بعض کو اتنا وسیع جانتے ہیں کہ جمیع اشیاء کے علوم ان میں داخل ہیں اور مخالفین تنگی سے وہ ایک حرف کو بھی محدود سمجھتے ہیں کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں معاذ اللہ اور بعض گستاخ تو یہاں تک بک اٹھتے ہیں کہ اپنے خاتمہ کا بھی حال معلوم نہیں۔ استغفر اللہ۔

خاں کی عبارت سے ہم پر الزام آئے گا تو ہمارے مخالفین ضرور کافر ٹھہریں گے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

اور اگر وہ کافر ٹھہریں گے تو کیا ہم نے ہی خطا کی ہے۔ اب عبارت قاضی خاں پر غور فرمائیے کہ اس میں لفظ قالوا موجود ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور قاضی خاں وغیرہ فقہاء کی عادت ہے کہ وہ لفظ قالوا اس مسئلہ پر لاتے ہیں جو خود ان کے نزدیک غیر مستحسن ہو اور ائمہ سے مروی نہ ہو چنانچہ شامی جلد ۵ صفحہ ۲۴۴ میں ہے لفظۃ قالوا تذکر فیما فیہ خلاف کما صرحوا بہ۔ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے وکلام قاضی خاں یشیر علی عدم اختیارہ لہ حیث قال واذا صلی علی النبی علیہ الصلوۃ والسلام فی القنوت قالوا لا یصلی علیہ فی القعدۃ الاخیرۃ ففی قولہ قالوا اشارۃ الی عدم استحسانہ لہ والی انہ غیر مروی عن الائمۃ کما قلناہ فان ذالک من المتعارف فی عباداتھم لمن استقرھا واللہ تعالٰی اعلم

اب معلوم ہو گیا کہ قاضی خاں کی عبارت خود قاضی خاں کے نزدیک غیر مستحسن اور غیر مروی اور ضعیف و مرجوح ہے حتی کہ اس کے مطابق حکم کرنا سخت ممنوع اور جہل ہے۔ درمختار میں ہے ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع درالمختار میں بھی لفظ قیل ضعف کی دلیل موجود ہے۔ درالمختار کتاب النکاح میں ہے تزوج بشھادۃ اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب قال فی التاتار خانیۃ وفی الحجۃ ذکر فی الملتقط انہ لا یکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الرسول یعرف بعض الغیب قال اللہ تعالٰی عالم الغیب فلا

يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول خلاصہ یہ کہ جس نے کفر بتایا ہے
اس کے نزدیک اعتقاد علم غیب سبب ہے۔ تاتارخانیہ اور محجۃ میں ملتقط سے
نقل کیا ہے کہ اس اعتقاد سے آدمی کافر نہیں ہوتا اس لیئے کہ روح پاک نبی صلی اللہ
علیہ وسلم پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب کو جانتے ہیں فرمایا اللہ جل
شانہ نے عالم الغیب فلا یظھر الخ معدن الحقائق شرح کنز الدقائق، اور خزانۃ الروایات
میں ہے وفی المضمرات والصحیح انه لا یکفر لان الانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام
یعلمون الغیب ویعرض علیهم الاشیاء فلا یکون کفرا۔ یعنی مضمرات میں ہے کہ صحیح
یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب کے عالم ہیں
اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں پس کفر نہ ہوگا۔ شامی باب المرتد میں ہے مسئلہ
بزازیہ ذکر کرکے فرماتے ہیں حاصلہ ان دعوی الغیب معارضۃ لنص القرآن یکفر
بها الا اذا اسند ذلك صریحا او دلالۃ الی سبب من الله کوحی والهام۔ یعنی غیب
کا دعوی نص قرآن کے معارض ہے پس اس کا مدعی کافر ہو جائے گا لیکن اگر اس نے
صریحاً و دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کی ہے جو اللہ کی جانب سے ہو مثل وحی و
الہام وغیرہ کے تو کافر نہیں۔ در المختار میں ہے وفیها کل انسان غیر الانبیاء لا یعلم
ما اراد الله تعالى له وبه لان ارادته تعالى غيب الا الفقهاء فانهم علموا ارادته تعالى
بهم لحديث الصادق المصدوق من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين۔ غاية الاوطار
میں اس عبارت کے تحت مسطور ہے اور اشباہ میں ہے کہ ہر آدمی سوائے انبیاء
علیہم السلام کے جانتا نہیں ہے کہ اللہ کا کیا ارادہ ہے اس کے ساتھ دارین میں۔

اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ غیب ہے مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں اس واسطے کہ وہ جان گئے ہیں حق تعالیٰ کے ارادہ کو جو ان کے ساتھ ہے، رسول صادق و مصدوق کی اس حدیث کی دلیل سے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کا فقیہ کرتا ہے یعنی امر دین میں فہم سلیم عطا کرتا ہے۔

اب ظاہر ہو گیا کہ فقہ میں بھی جہاں انکار ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ بے تعلیم الٰہی کے کسی کو عالم غیب بتانا کفر ہے اور تعلیم الٰہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے۔

العبد المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسمی بہ نام تاریخی

اسواط العذاب
علی
قوامع القباب
۱۳۴۴

مصنفہ

امام المفسرین سلطان المناظرین صدر الافاضل استاذ العلماء حضرت حافظ الحکیم

سید محمد نعیم الدین قدس سرہ

محقق ومفسر مرادآبادی بانی جامعہ نعیمیہ مرادآباد۔ یوپی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقابر و مقامات و مساجد کا
ڈھا دینا وہابیہ ہند کے نزدیک قابلِ الزام نہیں!

ابن سعود نے سرزمین حرم پر جو مظالم کیے ہیں انہوں نے مسلمانانِ عالم کو تڑپا دیا ہے لیکن تعجب ہے کہ اس کے حامی باوصف دعویٰ علم وفضل اس کی ذلیل ترین حرکات پر پردہ ڈالنے بلکہ اس کے خبیث افعال کو جائز ٹھہرانے کے لیے ہر قسم کی طاقتیں صرف کر رہے ہیں۔ اخباروں میں فتووں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ مولوی محمد رفیع مولوی کفایت اللہ، مولوی عبدالحلیم، مولوی ولایت احمد، مولوی عبدالحی کے فتوے چھاپے گئے، ہیں ان میں یہ زور دیا گیا ہے کہ مزارات پر قبے بنانا شرعاً ناجائز اور قابلِ انہدام ہے بلکہ بعض نے ان کا ڈھا دینا واجب کہا ہے اس سے مدعا یہ ہے کہ ابن سعود نے جو اکابر صحابہ کے مزارات کے ساتھ گستاخیاں کی ہیں ان سب کو جائز قرار دیا ہے لیکن ان کی اس جانکاہی سے بھی مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابن سعود نے قبروں اور مزاروں کے قبے ہی ڈھانے پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس نے مسجدیں بھی شہید کی ہیں بے گناہوں کو قتل بھی

کیا ہے مسجدوں اور مزاروں کے مقام پر نجاستیں بھی ڈالی ہیں اکثر ستبرکہ کو گدھوں کی لیدوں سے بھر دیا ہے۔ قبروں پر پٹرول ڈال کر آگ بھی لگائی ہے۔ مسجدوں کی کڑیاں، بازاروں میں بکوائی ہیں۔ اگر ابن سعود کو بری کرنا منظور ہے تو ان تمام افعال کو بھی جائز کہو اتنے فتوے ترتیب دیئے جاتے ہیں اور اخباروں کے صفحات کے صفحات ان سے لبریز ہوتے ہیں لیکن کہیں یہ فتویٰ نہیں لکھا جاتا کہ مسجد ڈھانے والے کا کیا حکم ہے۔ اس کو سلطان غازی کہنا اس کی فتح و نصرت کے لئے دعا کرنا کیسا ہے باوجود نجدی کے ان افعال کے اور باوجود اس کے کہ مسلمان اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے طائف و مکہ مکرمہ میں لوگوں نے بے روک ٹوک اس کو داخل ہونے دیا اس پر لوٹ مار قتل و غارت خونریزی بے حرمتی کے جو واقعات اس سے ظہور میں آئے یہ وہابی علماء اس سے چشم پوشی کر لیتے ہیں اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اس کے تمام افعال کے حامی ہیں حتیٰ کہ اس کے لشکر کی نصرت کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لشکر کفار کے مقابلے میں کبھی نہیں آئے اس کے ظلم کی تلوار مسلمانان علماء و سادات، باشندگان بیت الحرام کی گردنوں پر چلتی رہی ہے اور اس کے لشکری انہیں پر ظلم و ستم توڑ رہے ہیں پھر اس کی نصرت و تائید کی دعا پتہ دیتی ہے کہ یہ قتل و غارت مفتی صاحبان وہابیہ کے نزدیک عین اسلام کے مطابق ہوا۔ اور ہندوستان کے وہابی مفتی نجدی کی طرح تمام مسلمانان عالم کو کافر و مشرک واجب القتل مباح الدم جانتے ہیں حتیٰ کہ اس دعا میں کلمات بھی ہیں۔ وامحق بسیفه رقاب الطائفة الباغية الكفرة الظلمة۔ یعنی یا رب باغی کافر ظالم گروہ کی گردنیں اس کی تلوار سے مٹا دے، تو اب جو مکہ مکرمہ

اور طایف میں بے گناہ مارے گئے یا مارے جارہے ہیں یا مدینہ طیبہ کے حملے میں مارے جائیں یا تمام دیندار مسٹر محمد علی صاحب کے جامعہ ملیہ کے مفتی صاحب کے نزدیک کافر فاجر ظالم ہیں۔ یہ عجیب ظلم ہے کہ کسی پر چڑھ کر نہیں گئے! اپنی جانوں کی حفاظت تک نہ کر سکے مگر پھر بھی کافر فاجر باغی ظالم ہوئے۔ ف

عجیب واقعہ ہے منہدم جائے الیت انا اصطلاحات قبیلا وقاطے شاکی جمیعۃ العلماء کے مفتی مولوی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں: ف

"اونچی اونچی قبریں بنانا، قبریں پختہ بنانا، قبروں پر گنبد اور قبے اور عمارتیں بنانا غلاف ڈالنا، چادریں چڑھانا، نذریں ماننا، طواف کرنا سجدہ کرنا، یہ تمام امور منکرات شرعیہ میں داخل ہیں شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ان امور سے صراحۃً منع فرمایا ہے احادیث صحیحہ میں اس قسم کے امور کی ممانعت وارد ہے جو شرک مفضی الی الشرک ہے۔" ف

ف حامیان ابن سعود مردود کا کید ہے کہ اس نے اور اخبث افعال سے چشم پوشی کرتے ہیں اور قبول کی بھنسے دوڑتے ہیں۔ ف ہندوستانی وہابی نجدی ندوی بھی تمام مسلمانان عالم کو کافر مشرک جانتے ہیں۔ ف علماء مشائخ و سادات اور عام اہل اسلام کا قتل اور سعودی خباثین ان مفتیان وہابیہ بلکہ ان دونوں کے نزدیک عین اسلام۔

ف جمیعۃ العلماء کے مفتی کفایت اللہ نے تمام امت اسلامیہ صحابہ کرام سے اب تک کے سارے اہل اسلام کو شرک و کفر کا نشانہ بنایا ہے۔

ان مفتی صاحب نے مذکورہ بالا تمام امور کو شرک یا مفضی الی الشرک بتاکر تمام امت
اسلامیہ کو جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بھی ہیں شرک کا نشانہ بنا دیا ہے اور
اس شرک کے احاطے سے کسی قرن کے مسلمان باہر نہیں جا سکتے۔ ان مفتی صاحب نے یہ بھی
تصریح کر دی کہ ابن سعود کے عقائد و اعمال میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو ان کو قابل الزام
قرار دے اس سے ظاہر ہے کہ جمعیۃ العلماء کے یہ مفتی صاحب نجدی عقائد ہونے کے
ساتھ ساتھ اس کے کسی فعل کو قابل الزام بھی نہیں جانتے اب جس قدر بھی مظالم اور مساجد
و مقابر کی توہین اور عورتوں کی بے حرمتی اور بوڑھوں اور بچوں کا قتل وغیرہ جتنے افعال شنیعہ
نجدی نے کیے ہیں ان میں سے کوئی ان مفتی صاحب کے نزدیک قابل الزام نہیں پھر
میں نہیں سمجھ سکتا کہ ابن سعود اور اس کے ہواخواہ یہ وعدہ کس طرح کرتے ہیں کہ مدینہ
طیبہ میں کوئی خلاف شرع امر آزار دینے والا کام نہ کیا جائے گا۔ اور ہندوستان کے
وہابی اور نجدی سے ہندی قافلہ سالار لیڈران ان مسلمانوں کو کس طرح بتاتے ہیں کہ اب
وہ آئندہ کسی مزار کی توہین نہ کرے گا اور اس سے کوئی ظلم و توہین نہ ہوئے گا جب
اس کا ظلم اور توہین قابل الزام بھی نہ ہو۔ تو اس کا یہ وعدہ کہ وہ کوئی کام خلاف شرع نہ کرے
گا اور مدینہ طیبہ کا احترام رکھے گا یا مزارات متبرکہ اور مشاہد مقدسہ اور مساجد کے حفظ
احترام کے معنی میں کس طرح آ سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کی طرف سے مطمئن کرنا یہی معنی
رکھتا ہے کہ آج انہیں مغالطہ میں ڈالا جاتا ہے اور کل اس نے شدید توہین آمیز مظالم
پر وہ اعتراض کریں تو انہیں بے وقوف بنایا جائے کہ یہ تو ہم پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اس
کا کوئی فعل قابل الزام نہیں ہے۔ جو کچھ وہ کر چکا ہے اس کے ماسوا کوئی اور کام اس

نے کیا ہو تو اعتراض کروان میں تو کوئی بات قابلِ گرفت نہیں ہے۔ اس پر نظر کرتے ہوئے ان فتووں کے جواب کی طرف التفات کرنا میں کچھ ضروری نہیں سمجھتا کیونکہ جو لوگ تمام عالم کے مسلمانوں کو مشرک جانتے ہیں اور جن کے مذہب میں مسجدیں ڈھانا جائز اور ناقابل الزام ہے اس گروہ کا فتویٰ مسلمانوں کی نظر میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا۔ علاوہ بریں وہ تعصب کے رنگ میں اس قدر ڈوب کر لکھا گیا ہے کہ عاقل متیقظ اسی تحریر پر نظر ڈال کر اس سے متنفر ہو سکتا ہے یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ نجدی کے افعال کے بعض نجدی کے کمزور حامی یہ قابل مضحکہ توجیہ کر دیا کرتے ہیں کہ یہ مظالم اس کے لشکر نے کئے ہیں ان سادہ لوحوں کے خیال میں کسی بادشاہ کی طرف وہی فعل منسوب ہو سکتے ہیں جو وہ اپنے ہاتھ سے کرے یہ سب کام اس کے خدام لشکری ہی انجام دیتے ہیں مگر یہ عجیب قسم کی محبت ہے کہ ابن سعود کے برے افعال خادموں کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں گو اس کے زیر دست حامی جیسے یہ علماء وہابیہ ہیں وہ اس توجیہ کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ جرأت کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس کے افعال قابل الزام نہیں ان بزرگوں سے میری یہ استدعا ہے کہ جہاں انہوں نے قبوں کی حرمت اور ان کے قابل انہدام ہونے پر فتویٰ دے کر ان الزاموں سے نجدی کو بری کرنا چاہا ہے وہاں وہ خونریزی اور ہدم مساجد کی اباحت بلکہ وجوب پر اپنا زور قلم صرف کر کے نجدی کی پوری اعانت کر دیں۔ چوں کہ میرے محترم کرم فرمانے ان فتووں کے جواب لکھنے کے لئے مجھے ایما فرمایا ہے اس لئے میں ان تمام فتووں کو زیر نظر رکھ کر مسئلہ کی اصلی صورت پیش کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حق بولنے اور حق لکھنے کی توفیق دے۔

اور تعصب اور طرفداری اور سخن پروری کی آفات سے بچائے۔ آمین۔ حسبنا اللہ ونعم المولی ونعم المعین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی الہ الطیبین واصحابہ الطاہرین۔ اما بعد: مذکورہ بالا اصحاب کے تمام فتوے میرے زیر نظر ہیں۔ انہوں نے اپنے مدعا کی تائید میں جس قدر عبارات پیش کی ہیں ان سب کا مدار چند احادیث پر ہے۔ میں پہلے انہیں ذکر کروں۔ اس کے بعد ان کے معانی سے بحث کروں کہ بعون اللہ حق واضح ہو جائے۔ ف

۱۔ حدیث: لعن اللہ الیہود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاء ہم مسٰجد۔ (بخاری ومسلم) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے انبیا کی قبروں کو مسجد بنایا۔

۲ حدیث: عن ابن عباس لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج۔ (ابوداؤد و ترمذی، نسائی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور ان پر مسجد بنانے اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی۔

ف۔ ان تمام احادیث کا ذکر جن کو وہابی اپنی سند بناتے ہیں۔

۳ حدیث: عن ابی هیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثك علی ما بعثنی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته ۔ (مسلم شریف) ابو ہیاج اسدی سے روایت ہے کہ مجھ سے علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کام پر بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تو کسی تصویر کو بے مٹائے نہ چھوڑے اور نہ کسی قبر بلند کو برابر کیئے۔

۴ حدیث: عن جندب قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاء هم وصالحیهم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انهاکم عن ذلك ۔ (مسلم شریف) ترجمہ جندب سے مروی ہے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے خبردار جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے انبیاء وصالحین کی قبروں کو مسجد بناتے تھے خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں

۵ حدیث: عن عائشة ان ام حبیبة وام سلمة ذکرتا کنیسة رأتاها بالحبشة فیها تصاویر فذکرتا ذلك النبی صلی الله علیه وسلم فقال ان اولئك اذا کان فیهم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبره مسجدا وصوروا فیه تلك الصور اولئك شرار الخلق عند الله یوم القیامة ۔ ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اس میں تصویریں ہیں تو حضور سے یہ ذکر کیا، حضور نے فرمایا ان لوگوں کی یہ حالت تھی

کہ جب ان میں کوئی مردِ صالح انتقال فرماتا اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں تصویریں بناتے وہ اللہ کے نزدیک روزِ قیامت بدترین خلق ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۶)

۶۔ حدیث: اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔ (رواہ مالک مرسلا۔ مشکوٰۃ ص ۷۲)

ترجمہ۔ الٰہی میری قبر کو بت نہ بنا کر پوجی جائے۔ اللہ کا غضب اس قوم پر بہت سخت ہے جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا۔

۷۔ حدیث: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یکتب علیھا وان توطاء۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۱۴۹) ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبروں پر گچ کیا جائے، انہیں روندا جائے۔

مسطورۂ بالا احادیث اور ان کے ہم معنی خواہ وہ کتنی ہی ہوں بس یہی سرمایہ ہے جس پر مفتیان جمعیۃ العلماء جامعہ طیبہ وغیرہ کا اعتماد ہے اور جس کے بھروسہ پر وہ اکابر اسلام کے مزارات منہدم کرنے کا فتویٰ دے رہے ہیں باقی تمام عبارات جو انہوں نے نقل کی ہیں ان میں بھی انہیں حدیثوں سے تمسک کیا گیا ہے۔ لہٰذا اب ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ آیا احادیث مذکورہ بالا سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح ہے یا نہیں؛

حدیث نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۶ میں یہود و نصاریٰ پر انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مسجد بنانے کی وجہ سے لعنت فرمائی گئی ہے۔ حدیث نمبر ۳ میں بلند قبر کو برابر کرنے کا ذکر ہے۔ حدیث نمبر ۷ میں قبروں کو پختہ کرنے سے نہی ہے۔

ان احادیث کو بزرگانِ دین اور صلحاء و انبیاء کے قبہائے مزار سے

کیا تعلق ہے۔ اتنا تو ہر اردو جاننے والا محض ترجمے سے سمجھ سکتا ہے یہود و نصاریٰ پر انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مسجد بنا لینے پر جو لعنت فرمائی گئی ہے اس کا سبب کیا ہے احادیث کے شروع کی طرف ہاتھ بڑھانے سے قبل پانچویں اور چھٹی حدیث پر نظر کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ پانچویں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب ان میں کوئی مرد صالح انتقال فرماتا، تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں ان کی تصویر بناتے' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بروز قیامت بدترین خلق ہیں۔ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا قبور انبیاء پر مسجد بنانا ان قبور یا تصور کی عبادت کے لئے تھا اور یہ بیشک مستحق لعنت ہے۔

چھٹی حدیث میں اس سے بھی زیادہ صراحت ہے کہ ارشاد فرمایا "یا رب میری قبر کو بت نہ بنا کہ پوجی جائے اللہ کا سخت غضب ہے اس قوم پر جس نے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔" اس حدیث نے بتا دیا کہ قبروں کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ یا ان کو اپنا قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز پڑھی جائے۔ جیسا کہ ابو مرثد غنوی کی حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا، یعنی قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز ادا کرو۔ اس سے خاص قبر کے اوپر نماز بھی ممنوع ہوئی کہ اس میں جلوس علی القبر ہوگا اور قبر حق مقبور ہے۔ والقبر حق للمقبور۔ اور اسی وجہ سے حضور نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی اور اس سے اپنی امت کو متنبہ فرمایا۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے اور ہر مومن قبر کی عبادت

کو شرک جانتا ہے۔ معاذ اللہ کون مومن ہو گا جو قبر کو معبود بنائے۔ مسلمانوں پر یہ افترا، ملک گیری کے لیے انہیں مشرک ٹھہرا کر ان پر جہاد کرنے اور ان کے ملک و مال کو لوٹنے کا ذریعہ ہے اور بس۔ جن احادیث میں بنا کی ممانعت ہے ان سے بھی یہی بنا مراد ہے۔ یہ حدیث ان کی بہترین شرح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث مذکورہ بالا سے قبہ کی حرمت تو کیا ثابت ہوتی بس کا ذکر تک ان میں نہیں ہے اور مسجد کی حرمت بھی ثابت نہیں ہوتی جو قبر کے نزدیک عبادت الٰہی کے لئے بنائی گئی ہو۔ محدثین نے بھی ان احادیث کا یہی مطلب سمجھا ہے۔

شیخ العصر اوحد الحفاظ قاضی القضاۃ علامہ ابو الفضل شہاب الدین ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں۔

قال بیضاوی لما کانت الیھود والنصاری یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانھم ویجعلونھا قبلۃ یتوجھون فی الصلوۃ نحوھا واتخذوھا اوثانا لعنھم ومنع المسلمین عن مثل ذلک قال من اتخذ مسجدا فی جوار صالح وقصد التبرک بالقرب منہ لا التعظیم لہ والتوجہ نحوہ فلا یدخل فی ذالک الوعید۔ (فتح الباری ص۳۱۵ ج۲) بیضاوی نے کہا جب کہ یہود و نصاریٰ انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو بہ نیت تعظیم سجدہ کرتے تھے اور ان قبور کو قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے تھے۔

اور انہیں بت بنا کر پوجتے تھے تو اللہ و رسول نے ان پر لعنت فرمائی، اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا لیکن جس شخص نے کسی صالح کے مزار کے قریب بقصد تبرک مسجد بنائی اور بہ نیت تعظیم نماز اس کی طرف پڑھی وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

وجه التعليل ان الوعيد على ذٰلك يتناول من اتخذ قبورهم مساجد تعظيما و مغالات كما صنع اهل الجاهلية ثم جرهم ذلك الى عبادتهم و يتناول من اتخذ امكنة قبورهم مساجد بان تنابش و ترمى عظامهم فهذا يختص بالانبياء و يلحق بهم اتباعهم واما الكفرة فانه لا حرج فى نبش قبورهم اذ لا حرج فى اهانتهم (فتح البارى ملخصا ج ۱ ص) ترجمہ

وجہ تعلیل یہ ہے کہ یہ وعید ان لوگوں کو شامل ہے جنہوں نے انبیاء و صالحین کی قبروں کو تعظیماً مسجد بنایا جیسا کہ اہل جاہلیت کا عمل تھا جس میں بڑھتے بڑھتے وہ ان کی عبادت ہی کرنے لگے اور یہ وعید ان کو بھی شامل ہے جو صالحین کی قبریں اکھاڑ کر ان کی جگہ مسجدیں بنائیں یہ ممانعت انبیاء اور ان کے متبعین کے ساتھ خاص ہے کفار کی قبریں کھودنے میں حرج نہیں کیونکہ ان کی اہانت میں حرج نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب تبرک کی نیت سے مسجد بنانا جائز ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت نہیں اس سے قبوں کا جواز مستفاد ہوتا ہے کیونکہ مخالفین کے نزدیک مسجد و قبہ کا ایک حکم ہے چنانچہ انہوں نے مسجد کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے تو ضرور مسجد کا جواز قبوں کے جواز کی دلیل ہوا۔

نیز اسی فتح الباری میں ہے وما یکرہ من الصلوٰۃ فی القبور یتناول ما اذا وقعت الصلوٰۃ علی القبر او الی القبر او بین القبرین وفی ذلک حدیث رواہ مسلم من طریق ابی مرثد الغنوی مرفوعا لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا او علیھا قلت ولیس ھو علی شرط البخاری فاشار الیہ فی الترجمۃ واورد معہ اثر عمر الدال علی ان النھی عن ذالک لا یقتضی فساد الصلوٰۃ۔ ترجمہ: قبروں میں نماز کی کراہت جب کہ نماز قبر کے اوپر یا قبر کی طرف یا قبروں کے درمیان واقع ہو اور اس مسئلہ میں ابو مرثد غنوی کی حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو ان کی طرف یا ان کے اوپر نماز نہ پڑھو۔ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر نہیں، اس لئے ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا اور اس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر وارد کیا جو دلالت کرتا ہے کہ یہ نہی نماز کے فساد کی مقتضی نہیں

ایسا ہی امام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں فرمایا اور ایسا ہی حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں تحریر فرمایا شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ۔

والمتخذین علیہا المساجد والسرج لعنت کردہ است رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسانے راکہ میگرند بر قبور مسجد یعنی سجدہ برندگان بجانب قبر بقصد تعظیم ۔ (اشعۃ اللمعات ص ۲۶۶)
یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کے اوپر مسجد بناتے ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو قبر کی طرف بقصد تعظیم سجدہ کریں۔

مدارج النبوۃ کی عبارت :

" مراد از اتخاذ قبور مساجد سجدہ کردن بجانب قبور ست وایں ہر دو تقدیر متصور است یکے آں کہ سجدہ بقبور رانند و مقصود عبادت آں دارند چنانچہ بت پرستاں مبنی پرستند دو آنکہ مقصود منظور عبادت مولیٰ تعالیٰ دارند ولیکن اعتقاد کنند کہ توجہ بقبور ایشاں در نماز و عبادت موجب قرب و رضائے مولے تعالیٰ ست و موقع عظیم ست نزد حق تعالیٰ از جہت اشتمال وے

عبادت و مبالغہ در تعظیم انبیاء ویں ایں ہر دو طریق نامرضی و نامشروع
است. اول خود شرک جلی و کفر صریح ست و ثانی نیز حرام و ممنوع از
اشتمال بر شرک خفی بر تقدیر لعن متوجہ است و نماز کردن بجانب
قبر نبی یا مرد صالح بقصد تبرک و تعظیم حرام ست و ہیچ کس را از علماء در
آں خلاف نیست اما اگر قریب قبر ایشاں سجدے بنا کنند تا نماز گزار
توجہ بجانب آں تا ببرکت مجاورت بآں موضع کہ مدفن جسد مطہر ایشاں
ست و دوریست بامداد نورانیت روحانیت ایشاں عبادت
کامل و مقبول یابد محظور سے دریں جا لازم نمی آید وبائے ندارد۔"

ترجمہ: قبروں کو مسجد بنانے سے قبروں کی طرف سجدہ کرنا مراد
ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خاص قبروں کو سجدہ کیا
جائے اور ان کی عبادت کی جائے جیسا بت پرست کرتے ہیں
دوسرے یہ کہ مقصود تو عبادت الٰہی ہو لیکن اعتقاد یہ ہو کہ نماز
و عبادت میں ان قبور کی طرف منہ کرنا قرب و رضائے الٰہی
کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ ہے۔
کیونکہ یہ اللہ کی عبادت اور انبیاء کی غایت تعظیم پر مشتمل ہے یہ
دونوں طریقے ناپسندیدہ اور ناجائز ہیں۔ پہلا شرک جلی اور کفر خالص
ہے اور دوسرا شرک خفی پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر تقدیر پر لعن
متوجہ ہے۔ اور انبیاء و صالحین کی قبروں کی طرف تعظیم و تبرک

کے ارادہ سے نماز پڑھنا حرام ہے اور علماء میں سے اس میں کسی کو خلاف نہیں لیکن اگر ان کی قبر کے نزدیک نماز کے لئے کوئی مسجد بنائیں بغیر اس کے کہ نماز میں ان قبروں کی طرف منہ کریں اس لئے کہ وہ جگہ جو ان کے جسد مطہر کا مدفن ہے اس کی برکت سے اور ان کی روحانیت و نورانیت کے امداد سے ہماری عبادت کامل و مقبول ہو۔ اس میں کوئی حرج اور کچھ مضائقہ نہیں۔"

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مفتیان بدعت طراز نے جو مطلب احادیث سے نکالنا چاہا۔ وہ صحیح نہیں اور انہیں ان احادیث سے استدلال نہیں پہنچتا در مختار میں ہے ولا یجصص للنھی عنہ ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لاباس بہ وھو المختار کما فی کراھۃ السراجیہ۔ اور قبر نہ کریں کہ منع ہے چونہ نہ کریں بلند عمارت نہ بنائیں۔ بعض نے فرمایا حرج نہیں اور یہی مختار ہے ایسا طرح سراجیہ میں ہے۔

حدیث نمبر ۳۔ جس میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس روایت کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھے مامور فرمایا کہ میں جو تصویر پاؤں محو کر دوں اور جو قبر بلند پاؤں اس کو برابر کر دوں۔ اس حدیث سے استدلال کرنے سے قبل مفتی صاحبان پر لازم تھا کہ وہ یہ ثابت کرتے کہ وہ قبور مسلمانوں کی تھیں۔

دوم یہ کہ برابر کرنے سے کیا مراد ہے آیا بالکل زمین سے ہموار کر دینا کہ نشان

بھی باقی نہ رہے تو یہ سنت متواترہ سے معارض ہے۔ ف

تیسرے یہ کہ تصاویر کا ذکر قبروں کے ساتھ کیا مناسبت رکھتا ہے۔ ف

جب ان امور کو صاف کر لیتے تب انہیں استدلال کی گنجائش تھی اب میں بالاختصار عرض کروں یہ بات تو ہر مومن کے لیے یقینی ہے کہ زمانۂ اقدس میں مسلمانوں کی جو قبور بنیں وہ حضور کے علم واجازت سے کہ عادت شریف دفن میں شرکت کی بھی اور اپنے نیازمندوں کو اپنی شرکت سے محروم نہیں فرماتے تھے تو جس قدر قبور زمانۂ اقدس میں بنیں صحابہ نے بنائیں، حضور کی موجودگی میں بنائیں اور موجودگی نہ بھی ہوتی تو صحابہ کوئی کام بے دریافت کیے کب کیے تھے وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو ناجائز طور پر اونچی بن گئی تھیں اور ان کے ڈھانے کا حکم دیا۔ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے ف البتہ کفار کی قبریں بہت بہت اونچی بنائی جاتی تھیں جیسا کہ اب بھی نصاریٰ کی قبریں دیکھی جاتی ہیں، حضور نے ان کے ڈھانے کا حکم دیا، کما فی الصحاح، اور کفار کی قبریں ڈھانا جائز بھی ہے مسلمانوں کی قبریں ڈھانا توہین ہے ف

ف سب کا ثبوت ذمہ مخالف ہے کہ جن قبور کے برابر کرنے کا حکم فرمایا وہ مسلمانوں کی تھیں۔

ف مسلمان کی قبر بالکل زمین کے برابر ہونا سنت متواترہ کے معارض ہے۔

ف مخالف کو اس سے استدلال کی گنجائش نہ تھی مسلمانوں کی قبریں صحابہ نے حضور کے سامنے بنائیں تو ناجائز طور پر کس طرح بن سکتی تھیں۔

ف حضور نے کفار کی قبور کو ڈھانے کا حکم فرمایا۔

بخاری شریف میں ہے امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت ۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کے لیے حکم فرمایا وہ اکھاڑ دی گئیں ۔ ف
(فتح الباری جلد ثانی صفحہ ۲۶۱)

یہ کہاں سے کہا جاتا ہے کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مسلمانوں کی قبروں کے لیے حکم دیا گیا تھا یا مشرکین کا حکم مسلمانوں پر چسپاں کیا جاتا ہے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری صفحہ ۲۶۱ جلد ۲ میں فرماتے ہیں :

هل تنبش قبور مشركي الجاهلية اى دون غيرها من قبور الانبياء واتباعهم لما في ذلك من الاهانة لهم بخلاف المشركين فانهم لا حرمة لهم . ترجمہ
کیا مشرکین جاہلیت کی قبور اکھاڑ دی جائیں یہ جاہلیت کے عنوان باب تھا علامہ فرماتے ہیں یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے ۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

وفي الحديث جواز تصرف في المقبرة مملوكة بالهبة والبيع وجواز نبش قبور الدارسة اذا لم يكن محرمة

ف بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ مشرکوں کی قبریں ڈھانے کا حکم فرمایا تھا ۔ وہابی مفتری نجدی کا صریح ظلم کہ مشرکوں کے لیے جو حکم تھا وہ مسلمانوں پر ڈالا ۔ ت مسلمانوں کے مقابر محترم ہیں انہیں ڈھانا یا تصرف کرنا حرام ہے ۔

یعنی حدیث میں دلیل ہے اس پر کہ جو مقبرہ بسبب وسیع سے ملک میں آگیا ہو، اس میں تصرف کیا جائے اور پرانی بوسیدہ قبریں اکھاڑ دی جائیں۔ بشرطیکہ محترم نہ ہوں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی قبریں محترم ہیں۔ ان کو ڈھانا ان میں تصرف کرنا ناجائز اور ان کی اہانت ہے۔ قبریں اکھاڑنے کا حکم مشرکین کی قبروں کے لئے ہے۔ یہ بالاجمال و بالاختصار ان تمام فتووں کی حقیقت ہے جو اخبار "الجمعیۃ" اور "ہمدرد" میں چھپے ہیں۔ ایک تحریر مولوی سلیمان صاحب ندوی کی اخبار "زمیندار" میں چھپی ہے انہوں نے قبوں کے جواز و عدم جواز سے تو بحث نہیں کی مگر وہ اس کے درپے ہیں کہ قبے اکثر منہدم ہیں لیکن ان کی یہ تحریر نجدی کو جرم سے بری نہیں کرتی کیونکہ نجدیوں نے مساجد بھی شہید کی ہیں۔ مولوی صاحب نے یہ بھی بحث اٹھائی ہے کہ مسجد جن میں سورۂ جن نازل نہیں ہوئی تھی اور مسجد انا اعطینا میں سورہ انا اعطینا نازل نہیں ہوئی تھی۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ بحث بے معنی ہے اگر یہی فرض کر لیا جائے تو کیا ان مساجد کا ڈھانا جائز ہو گیا۔ ہندوستان کی کسی مسجد میں کوئی سورۃ نہیں نازل ہوئی تو کیا یہاں کی تمام مساجد شہید کر دی جائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی قبر کا کسی زمانہ میں واقع ہونا ایک مسائل دینیہ اور احکام شرعیہ میں سے کوئی ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے حدیث صحیح الاسناد ضروری ہو اور ایسی حدیث نہ ملے تو وہ قبر بھی ثابت نہ ہو۔ ہندوستان میں لاکھوں اولیاء کے مزارات ہیں حدیث کے قاعدہ سے کسی کی اسناد محفوظ و مکتوب نہیں تو کیا یہ ان بزرگوں کی قبریں نہیں

ہیں اس سے ان کا ڈھانا جائز ہو جائے گا مسلمانوں کا نسلاً بعد نسل ایک چیز کی نسبت
خبر دینا کیا مسلمان کے وثوق و اطمینان کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر مولوی صاحب ایسا
فرمائیں تو صدہا مثالیں ایسی پیش کی جاسکیں گی جہاں مولوی صاحب محض نقل و مخالف موجود
ہو وہاں غور کی حاجت ہوتی ہے اس میں بھی جب تک قبر ہونے کا بطلان یقینی نہ
ہو جائے۔ اس کو ڈھانے کا جواز دعا ہے جس کی کوئی سند مولوی صاحب کے
پاس نہیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مقام ابواء میں بتائی گئی۔ یہ مسلم لیکن اس
حقیقت پر تو نظر رہے جو طبرانی اور ابن شاہین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے
روایت کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نزل بالحجون کئیبا حزینا وفی
روایۃ وھو باك حزین فاقام بہ ماشاء اللہ ثم رجع مسرورا قال یخاطب
عائشۃ رضی اللہ عنہا سالت ربی فاحیالی امی فامنت بی ثم ردھا یعنی
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حجون میں ایک اونچی جگہ ٹھہرے اور اس وقت حضور غمگین
تھے اور گریہ کرتے تھے وہاں کچھ دیر قیام فرمایا اور پھر مسرور واپس تشریف
لائے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خطاب فرمایا کہ میں نے اپنے
پروردگار سے درخواست کی اس نے میرے لئے والدہ کو زندہ فرمایا پھر وہ مجھ
پر ایمان لائیں پھر انہیں واپس کر دیا۔ حجون مکہ مکرمہ کا قبرستان ہے جس کو جنت
المعلی کہتے ہیں اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کی قبر مکہ مکرمہ میں ہے اس میں علماء نے اس طرح تطبیق دی ہے وقیل جمعا
بین الروایتین انہا دفنت اولا بالابواء ثم نبشت ونقلت الی مکۃ

ودفنت بالجعول. کہ پہلے ابواء میں دفن کی گئیں پھر وہاں سے نقل کرکے مکہ کی طرف جعول میں دفن کی گئیں. آثار محمدیہ وسیرۃ نبویہ للعلامہ سید احمد زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ حرمین طیبین کی طرف اموات کو نقل کرنا وہاں کے برکات حاصل کرنا سلف میں ثابت ہوا ہے اب اس قبر کا انکار اور اس پر مضحکہ اپنا ہی مضحکہ ہے. مکان میلاد کی نسبت مولوی صاحب بہت زیادہ تہذیب کے خلاف دل آزار الفاظ استعمال کیے ہیں. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے کہ یہ مقام ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم مادر سے گر کر اس سطح خاک کو مشرف فرمایا تھا، (نقل کفر کفر نباشد) گرنے کا لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کرنا ایمان دار سے کس طرح متصور ہو کیا جرأت ہے کہ یہ کلمہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کیا گیا یہ ایمان ہو تو آثار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مٹانا کچھ تعجب نہیں. مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان بزرگان اسلام اور علماء دین کی زیارت گاہ ہے اور وہ اس سے تبرک حاصل کرتے رہتے ہیں مولوی صاحب کا تمسخر ان کی تہذیب کے لئے نقص نہیں ہو سکتا وہ کہتے ہیں کہ سیرت کی کتابوں میں تذکرہ نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ سیر کی کتابوں کا مطالعہ کریں ان میں خوب تذکرہ ہے نہ ملے تو مجھ سے دریافت کریں میں حوالہ بتاؤں گا. افسوس تعصب میں یہ حال ہے کہ ایسے زبردست واقعات کا انکار کر دیا جاتا ہے. آپ نے ابن سعود کی تائید میں بہت زور کی جو بات لکھی وہ یہ ہے کہ ان کو یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ آگے بڑھ کر ابن سعود کے ہوا خواہوں کا نہیں بلکہ پیکر اسلام مجدد سنت حضرت عمر فاروق کا ہاتھ پکڑیں جنہوں نے شجرۂ

رضوان جس کے نیچے بیٹھ کر آنحضرت نے حدیبیہ میں بیعت رضوان لی تھی کلہاڑی چلائی اور اس کو کاٹ کر پھینک دیا۔

بات آدمی کو تحقیق سے کہنا چاہیئے اور کسی معاملہ میں جتنے پہلو ہوں ان سب کو ظاہر کرنا چاہیئے یہ نہیں کہ اپنے مطلب کے لیئے واقعہ کی شکل مسخ کر دی جائے حدیث شریف میں ہے عن سعید بن المسیب عن ابیہ قال لقد رایت الشجرۃ ثم اتیتہا بعد عام فلم اعرفہا وروی عن عمر بن عبد الملک المقام بعد ان ذہبت الشجرۃ فقال این کانت فجعل بعضہم یقول ھھنا وبعضہم یقول ھھنا فلما کثر اختلا فھم قال سیروا ذہبت الشجرۃ۔ یعنی سعید ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے شجرۂ رضوان کو دیکھا تھا پھر میں ایک سال بعد آیا اس کو نہ پہچانا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس جگہ پر گذرے بعد اس کے کہ وہ شجر جاتا رہا تھا تو فرمایا کہاں تھا بعض کہنے لگے کہ یہاں اور بعض کہنے لگے کہ یہاں جب انہیں زیادہ اختلاف ہوا فرمایا چلو درخت جاتا رہا اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تجسس فرمانا مولوی صاحب سوچیں کیا بتاتا ہے۔ علامہ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں بلغ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ فی زمان خلافتہ ان ناسا یصلون عندھا فتوعدھم وامر بہا فقطعت خوف ظہور البدعۃ۔ انتہی۔ وروی الامام النسفی فی التیسیر انہا عمیت علیہم من قابل فلم یدروا این ذہبت یقول الفقیر یمکن التوفیق بین الروایتین بانہم لما عمیت علیہم ذہبوا یصلون

تحت الشجرة علی ظن انها هی شجرة البیعة فامر عمر رضی اللہ عنہ بقطعها
وفی کشف النور لابن النابلسی اما قول بعض المغرورین باننا نخاف علی
العوام اذا اعتقدوا اولیا وعظموا قبرہ والتمسوا البرکة والمعونة منه
ان یدرکهم اعتقاد ان الاولیاء توثر فی الوجود مع اللہ یکفرون ویشرکون
باللہ تعالی فننهاهم عن ذلك ونهدم قبور الاولیا ونرفع البنایات الموضوعة
علیها ونزیل الستور عنها ونجعل اهانة الاولیاء ظاهرا حتی تعلم العوام
الجاهلون ان هولاء الاولیاء لوکانوا موثرین فی الوجود مع اللہ تعالی
لدفعوا عن انفسهم هذا الاهانة التی نفعلها معهم فاعلم ان هذا
الصنیع کفرا صراح ماخوذ من قول فرعون ذرونی اقتل موسی ولیدع
ربه انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظهر فی الارض الفساد وکیف
یجوز هذا الصنیع من اجل الامر الموهوم وهو الضلال علی العامة۔
یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنے زمانہ خلافت میں خبر پہونچی کہ لوگ شجرة الرضوان
کے پاس نماز پڑھتے ہیں آپ نے انہیں دھمکایا۔ اور آپ کے حکم سے وہ درخت
کاٹا گیا۔ بخوف ظہور بدعت امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے تیسیر میں روایت کیا کہ اگلے سال
وہ درخت گم ہوگیا اور کسی نے نہ جانا کہ وہ کہاں گیا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ دونوں
روایتوں میں موافقت کی یہ صورت ہے کہ جب وہ اصلی درخت ناپید ہوگیا تو
لوگ اس گمان سے اور درخت کے نیچے نماز پڑھنے لگے کہ وہ ہی درخت بیعت
ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا (یعنی

جس کو لوگوں نے غلط طور پر درخت بیعت گمان کیا تھا۔ کہ اصل درخت کو) ابن نابلسی کی کشف النور کی ہے۔ بعض مغروروں کا یہ کہہ دینا کہ ہمیں خوف ہے کہ عام لوگ کسی ولی کے معتقد ہو جائے اور اس کی قبر کی تعظیم کریں اور اس سے برکت و مدد طلب کریں تو وہ اس اعتقاد میں گرفتار ہو جائیں گے کہ وہ اولیاء وجود میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مؤثر ہیں یعنی کسی چیز کے پیدا کرنے میں اس کے ساتھ شریک ہیں تو کافر و مشرک ہو جائیں گے ہم ان کو اس سے منع کرتے ہیں اور اولیاء کی قبریں ڈھاتے ہیں اور جو عمارتیں ان پر بنائی گئی ہیں ان کو دور کرتے ہیں اور چادریں ہٹاتے ہیں اور اولیاء کی ظاہری اہانت کرتے ہیں تاکہ عام جاہل جان لیں کہ اگر یہ اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر وجود میں مؤثر ہوتے تو اپنی ذات سے اس اہانت کو دور کر دیتے۔ جو ہم ان کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو جاننا چاہیے کہ یہ فعل (یعنی اس مقصد سے قبریں ڈھانا اور ان کی اہانت کرنا) کفر خالص ہے جو فرعون کے اس مقولہ سے ماخوذ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قدیم میں نقل فرمایا کہ مجھے چھوڑو کہ موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور انہیں چاہیے کہ وہ اپنے رب کو پکاریں میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دیں یا زمین میں فساد ظاہر کریں۔ اور یہ فعل یعنی قبریں ڈھانا ایک امر موہوم یعنی عوام کی گمراہی کے خوف سے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اب مولوی صاحب اس میں غور فرمائیں تفسیر میں پورا مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے جس کے وہ درپے ہیں اور مولوی صاحب کے قیاس فاسد کا پورا رد آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ راہ راست دکھائے۔ آمین۔

تمت

رسالہ

کشف الحجاب

عن

مسائل ایصال الثواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العلمین
والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۵

میرے محب مخلص جناب منشی شوکت علی خان صاحب الماس رقم رامپوری سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانہ قیام دہلی میں مسائل ایصال ثواب کے متعلق عوام کا تنازع دیکھ کر ایک درد محسوس کیا اور چند سوال لکھ کر فقیر کے پاس بھیجے، ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ ان مسائل کے متعلق قرآن وحدیث اور کتب دینیہ معتبرہ کے احکام تحریر کیے جائیں اور جوابوں میں اختصار کو بہت ملحوظ رکھا جائے۔ ان کی اس استدعا پر یہ جواب قلمبند کیے گئے، جن کو میں کشف الحجاب عن مسائل ایصال الثواب کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ ان جوابوں میں محض اظہار حق اور احکام دین کا صاف بیان مد نظر رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے

حق میں نافع کرے اور انہیں قبول حق کی توفیق دے اور وہ قرآن وحدیث کی روشنی سے منتفع ہوں اور باطل کی کجروی اور حق سے عدول اور منکرین کی معاندانہ باتوں اور ان کی ذاتی رایوں سے محفوظ رہیں۔ علیه توکلت والیه انیب وھو حسبی نعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم الکفیل۔

المعتصم بحبل المتین

العبد محمد نعیم الدین المرادآبادی غفرلہ الہادی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما اھل بہ لغیر اللہ کی حرمت قرآن کریم میں چند جگہ وارد ہوئی

سوال ۱: آج کل لوگ فاتحہ خیرات اور صدقہ کو یہ کہہ کر منع کر دیتے ہیں کہ یہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے اور قرآن شریف میں اس کو حرام کیا گیا ہے اس لئے ما اھل بہ لغیر اللہ کی تشریح کر دیجئے، تاکہ یہ مسئلہ اچھی طرح صاف ہو جائے۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

آیات

آیت ۱: انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ (پ ۲ ع ۵ البقرۃ)

آیت ۲: حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ، (پ ۶ ع ۵ المائدۃ)

آیت ۳: او فسقا اھل لغیر اللہ بہ، (پ ۸ ع ۵، انعام)

آیت ۴: وما اھل لغیر اللہ بہ۔ (پ ۱۴ ع ۲۱، نحل)

ان آیات میں ما اھل بہ لغیر اللہ کو حرام فرمایا گیا۔ تحقیق طلب بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں ما اھل بہ لغیر اللہ سے کیا مراد ہے۔ اس کے لئے ذیل کے حوالے ملاحظہ کیجئے۔

مفردات راغب اصفہانی صفحہ ۵۶۶ مطبع میمنیہ مصر:

قولہ وما اھل بہ لغیر اللہ ای ما ذکر علیہ غیر اسم اللہ وھو ما کان یذبح لاجل الاصنام۔ ترجمہ: ما اھل بہ لغیر اللہ یعنی وہ جس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا، یہ وہ جانور ہے جو بتوں کے لئے ذبح کیا جاتا تھا۔

تفسیر جلالین پ ۲، ع ۵:

وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح علی اسم غیرہ والاھلال رفع الصوت وکانوا یرفعونہ عند الذبح لآلھتھم۔ ترجمہ: وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا اور اھلال کے معنی آواز بلند کرنا ہیں اور مشرکین اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کرتے تھے۔

تفسیر مدارک تحت آیت مذکورہ بالا:

وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللہ و اصل الاھلال رفع الصوت ای رفع بہ الصوت للصنم وذالک قول اھل الجاھلیۃ باسم اللات والعزی، ترجمہ: وما اھل بہ لغیر اللہ، یعنی جو بتوں کے لئے ذبح کیا گیا اس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا اور اصل میں اھلال آواز بلند کرنا ہے یعنی اس کے ساتھ بت کے لئے آواز بلند کی گئی اور اہل جاہلیت کا نام لات وعزیٰ کہنا تھا، لات و

عزیٰ مشرکین کے بتوں کے نام ہیں ان کے لئے جو جانور قربانی کرتے تھے اس کو نام لات وعزیٰ کہہ کر پکارتے تھے۔

تفسیر لباب التاویل جلد ا ص ۱۱۵:

وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی وما ذبح للاصنام والطواغیت واصل الاھلال رفع الصوت وذالک انھم کانوا یرفعون اصواتھم بذکر الھتھم اذا ذبحوالھا۔ ترجمہ: وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی جو بتوں اور باطل معبودوں کے لئے ذبح کیا گیا۔ اہلال اصل میں آواز بلند کرنا ہے اور یہ بات یوں ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کے ذکر کے ساتھ آوازیں بلند کرتے تھے جس وقت کہ ان کے لئے ذبح کرتے تھے

تفسیر علامہ ابی السعود جلد ۲، ص ۱۲۱:

وما اھل بہ لغیر اللہ ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم۔ ترجمہ: وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی وہ جس چیز کو بت کے لئے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کی گئی ہو۔

تفسیر کبیر جلد ۲، ص ۱۴۰:

نعنی قولہ وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی ما ذبح للاصنام وھو قول مجاھد والضحاک وقتادۃ وقال ربیع ابن انس وابن زید یعنی ما ذکر علیہ غیر اسم اللہ وھذا القول اولیٰ لانہ اشد مطابقۃ للفظ، ترجمہ: ما اھل بہ لغیر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ جو بتوں کے لئے ذبح کیا گیا ہو یہ قول مجاہد وضحاک وقتادہ کا ہے۔ ربیع ابن انس اور ابن زید نے کہا یعنی وہ جس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا ہو اور یہ قول اولیٰ ہے۔

کیونکہ اس میں مطابقت لفظی زیادہ ہے۔

ان تمام تفاسیر معتبرہ سے ثابت ہوا کہ وقت ذبح جس جانور پر غیر خدا کا نام ذکر کیا جائے اس کا کھانا حرام ہے جیسا کہ مشرکین عرب بتوں کی قربانی کے جانوروں کو ان کے ناموں پر ذبح کرتے تھے جس جانور پر وقت ذبح غیر خدا کا نام نہ لیا گیا اگرچہ عمر بھر اس کو غیر کے نام سے پکارا ہوا، مثلاً یہ کہا ہو زید کی گائے، عبد الرحمن کا دنبہ، عقیقہ کا بکرا، ولیمہ کی بھیڑ، مگر وقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہا گیا ہو، اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال طیب ہے۔ ما اهل به لغير الله میں داخل نہیں، اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق (پ، ع ۱) اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بے شک حکم عدولی ہے۔

تو جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور وہ نام خدا پر ذبح کیا گیا ہو اس کو کون حرام کرے گا اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ فكلوا مما ذكر اسم الله عليه ان كنتم بآياته مومنين ترجمہ: تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو۔ (پ ۸ ع ۱)

اس کے بعد کی آیت میں فرمایا: وما لكم الا تاكلوا مما ذكر اسم الله عليه، ترجمہ: اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔

تفسیر احمدی، مطبوعہ کلکتہ ص ۴۰، میں ہے کہ:

وما اهل به لغير الله معناه ذبح به اسم غير الله مثل لات و عزى واسماء الانبياء وغير ذالك فان انوذ به اسم غير الله او ذكر معه اسم الله عطفا بان يقول باسم الله ومحمد رسول الله بالجر حرم الذبيحة

وان ذکر معه موصولا لا معطوفا بان یقول باسم الله محمد رسول الله کره ولا یحرم وان ذکر مفصولا بان یقول قبل التسمیۃ وقبل ان یضجع الذبیحۃ او بعدہ لا باس بہ ھکذا فی الھدایۃ ومن ھھنا علم ان البقر المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا ترجمہ: ما اھل بہ لغیر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، مثلاً لات وعزیٰ وغیرہ بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، یا انبیاء علیہم السلام وغیرہم کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، تو اگر تنہا غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا یا اللہ کے نام کے ساتھ عطف کر کے دوسرے کا نام ذکر کیا اس طرح باسم اللہ ومحمد رسول اللہ کہا، اور لفظ محمد کے جر یعنی زیر کے ساتھ عطف کر کے تو ذبیحہ حرام ہے اور اگر نام خدا کے ساتھ ملا کر دوسرے کا نام بغیر عطف کے ذکر کیا مثلاً کہا باسم اللہ محمد رسول اللہ تو مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ اور اگر غیر کا نام جدا ذکر کیا اس طرح کہ باسم اللہ کہنے سے پہلے جانور کو لٹانے سے قبل یا اس کے بعد غیر کا نام لیا، تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اسی طرح ہدایہ میں ہے یہاں سے معلوم ہو اکہ جو گائے اولیائے کرام کے لئے نذر کی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے وہ حلال اور طیب ہے اس لئے کہ اس پر وقت ذبح غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ وہ ان کے لئے نذر کرتے ہوں۔

ان عبارات سے روز روشن کی طرح معلوم ہو گیا کہ ما اھل بہ لغیر اللہ سے اس ذبیحہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے جس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو: اور وقت ذبح غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو، اس کے علاوہ کوئی اور چیز یہ آیت حرام نہیں کرتی نہ فقیر والا آم جس پر چشمہ

فقیر کا نام پکارا جاتا ہے۔ نہ اور کوئی چیز جو کسی کے نام سے مشہور ہو نہ وہ ذبیحہ جس پر ذبح سے قبل یا بعد غیر خدا کا نام ذکر کیا گیا ہو حتیٰ کہ اگر مذبح میں خاص قربانی کے دن یہ کہا جائے کہ پہلے عبدالرب کی گائے ذبح ہوگی، پھر عبدالکریم کی، پھر رسول بخش کی، اور اس کے بعد وہ گائیں صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کی جائیں تو وہ حلال ہیں۔ قربانی مقبول ہے اور ایسے اطلاقات بکثرت احادیث میں ملتے ہیں۔ لہٰذا فاتحہ و نیاز و صدقات و خیرات وغیرہ کو ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل کرنا قرآن کریم کے معنی کی تبدیلی اور تمام تفاسیر معتبرہ کی مخالفت اور غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال ۲: اولیاء کرام کے مزارات پر جانا، پھول، شیرینی، عطر، چادریں چڑھانا اگربتیاں سلگانا، ان سے مدد طلب کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

قبروں کی زیارت کے لئے جانا سنت ہے۔ اس میں احادیث کثیرہ وارد ہیں مسلم شریف کی حدیث ہے:

عن ابی ھریرۃ قال زار النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر امہ (رواہ مسلم از مشکوٰۃ ص۱۵۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت فرمائی۔"

اسی طرح شہدائے اُحد کے مزارات پر اور دوسری قبور پر حضور کا زیارت کے لئے تشریف لے جانا احادیث سے ثابت ہے اور حضور نے زیارت کا حکم بھی دیا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ فزوروا القبور فانھا تذکر الموت، قبروں کی زیارت کرو کہ اس سے موت یاد آتی ہے۔

قبروں پر پھول ڈالنا

پھول قسم نباتات سے تر چیز ہے جب تک ان میں تری ہے زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا: وان من شیئ الا یسبح بحمدہ۔ اور اس کی تسبیح سے صاحب قبر کو انس ہوتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخیں جمائیں بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے۔ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا بنصفین ثم غرز فی کل قبر واحدۃ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تر شاخ لے کر اس کے دو حصے کئے اور ہر قبر میں جمایا۔

علماء نے اسی حدیث سے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے پر استدلال کیا ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: وتمسک کنند ایں جماعت بایں حدیث در انداختن سبزہ وگل وریحان بر قبور۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۱۵۶)

طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۶۴ میں ہے۔

قد افتی بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنۃ لھذا الحدیث: ہمارے متاخرین اصحاب میں سے بعض اماموں نے فتویٰ دیا کہ ہمارے زمانہ میں قبروں پر پھول اور تر شاخیں ڈالنے کا جو دستور ہے یہ سنت اور حدیث مذکورہ سے ثابت ہے۔

اس مسئلہ کی کامل تحقیق وتنقیح فقیر کی کتاب فوائد النور میں ہے۔

شیرینی، عطر، لوبان، عود، اگربتی وغیرہ خوشبوئیں

فقراء مزار کے لئے شیرینی اور زائرین کی راحت اور تلاوت قرآن مجید کی عظمت کے لئے خوشبو کی چیزوں کا قبر کے پاس لے جانا جائز ہے۔ یہ کوئی چیز بھی میت کے لئے نہیں ہوتی بلکہ وہاں کے زائرین وحاضرین وفقراء کے لئے ہوتی ہے۔ اور جس سے کسی کو آرام پہنچے، وہ خدا کے لئے خرچ کر کے صدقہ کرے۔ اور صدقات سے اموات کو ثواب پہنچانا احادیث سے ثابت ہے۔ اور اہلسنت کا مذہب ہے۔

عن انس انه سال رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله صلی الله علیه وسلم انا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعو لهم فهل یصل ذالك الیهم فقال نعم انه لیصل ویفرحون به کما یفرح احدکم بالطبق اذا هدی الیه رواه ابو حفص العکبری فللانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره عند اهل السنة والجماعة صلاة کان او صوما او حجا او صدقة او قراءة القرآن او الاذکار او غیر ذالك من انواع البر ویصل ذالك الی المیت وینفعه قاله الزیلعی فی باب الحج عن الغیر۔ ترجمه حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے واسطے صدقہ دیتے ہیں ان کے لئے حج کرتے ہیں، کیا یہ انہیں پہنچتا ہے فرمایا ہاں ضرور پہنچتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم میں سے کوئی ایک طبق (سینی) پر خوش ہو جبکہ اس کو ہدیہ کیا جائے۔ اس حدیث کو ابو حفص عکبری نے

روایت کیا اس سے ثابت ہوا کہ آدمی کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو دے یہی اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا حج یا صدقہ یا قرآن شریف کی تلاوت یا ذکر یا ان کے علاوہ اور نیکیاں اور یہ میت کو پہنچتا ہے اور اس کو نافع ہوتا ہے زیلعی باب حج عن الغیر میں یہی ہے۔ (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح ص۳۴۳)

قبر پر چادر ڈالنا چادر بزرگوں کے مزار پر اس غرض سے ڈالی جاتی ہے کہ عوام کی نظروں میں ان کی تعظیم ہو اور زائرین ادب سے حاضر ہوں یہ جائز ہے۔ ردالمحتار جلد ۵ ص۲۲۹ میں ہے۔

کرہ بعض الفقہاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والاولیاء قال فی فتاوی الحجۃ وتکرہ الستور علی القبور اھ ولکن نحن نقول الاٰن اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فھو جائز لان الاعمال بالنیات۔ ترجمہ بعض فقہاء نے پردے اور عمامے اور کپڑے صالحین اور اولیاء کی قبروں پر ڈالنے کو مکروہ لکھا فتاوی حجۃ میں کہا کہ پردے قبروں پر مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس وقت تک جب عوام کی نظر میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کو حقیر نہ جانے اور غافل زائرے طلب ادب اخلاص منظور ہو جائز ہے کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

مدد طلب کرنا مقبولان بارگاہ الٰہی سے مدد طلب کرنا اور انہیں بارگاہ حق میں حصول مراد کے لئے ذریعہ بنانا جائز ہے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں:

"بایددانست کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد واو را مظہر عون الٰہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است واو را یکے از مظاہر عون الٰہی دانستہ وبکارخانہ اسباب وحکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود ودر شرع نیز جائز وروا است وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر۔ ترجمہ: سمجھنا چاہیے کہ غیر سے اس طرح مدد چاہنا کہ اسی پر بھروسہ ہو اور اس کو مدد الٰہی کا مظہر بھی نہ جانے حرام ہے۔ اور اگر توجہ صرف حضرت حق کی طرف ہے اور غیر کو مدد الٰہی کا مظہر جان کر اور اللہ تعالیٰ کے کارخانہ حکمت واسباب میں نظر کرکے غیر سے ظاہری مدد طلب کرے تو یہ عرفان سے دور نہیں ہے۔ اور شریعت میں بھی جائز وروا ہے اور انبیاء واولیاء نے بھی غیر سے اس طرح کی مدد طلب کی ہے۔ اور در حقیقت یہ استعانت غیر کے ساتھ نہیں بلکہ حضرت حق ہی کے ساتھ ہے۔

حصن حصین کی حدیث میں وارد ہوا:

وان اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی۔ (ص ۲۰۲) ترجمہ: اور اگر مدد چاہے تو چاہیے کہ کہے اے خدا کے بندو!

میری مدد کرو، اے خدا کے بندو! میری مدد کرو، اے خدا کے بندو! میری مدد کرو۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بستان المحدثین میں حضرت شیخ ابو العباس احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

انا لمریدی جامع لشتاته اذا ما سطا جور الزمان بنکبة

وان کنت فی ضیق وکرب ووحشة فناد بیا زروق ات بسرعة

میں اپنے مرید کا اس کی پراگندگیوں میں دل جمعی کرنے والا ہوں جبکہ جور زمانہ سختیوں سے اس پر حملہ آور ہو۔ اگر تو تنگی اور سختی اور وحشت میں ہو تو یا زروق کہہ کر پکار میں جلد آؤں گا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قبل اہل کتاب کا اپنی حاجات و مشکلات میں آپ کے وسیلہ سے دعائیں مانگنا اور مرادیں پانا خود قرآن کریم میں مذکور ہے وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔

سوال ۱۷: محفل میلاد شریف جس میں ذکر ولادت اور قیام بوقت ذکر ولادت ہو کر آخر میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

محفل میلاد شریف جائز اور موجب برکت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے، حدیث شریف میں وارد ہوا!

روی ابو سعید الخدری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تانی

جبرئیل فقال ان ربی و ربک یقول اتدری کیف رفعت لک ذکرک قلت اللہ و رسولہ اعلم قال اذ ذکرت ذکرت معی قال ابن عطاء جعلت تمام الایمان بذکری معک وقال ایضا جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکرنی۔ ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل نے میری خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ تم جانتے ہو میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول جانے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ کا ذکر میرے ساتھ کیا جاتا ہے ابن عطاء نے اس کے معنی میں کہا میں نے ایمان کی تکمیل یہی قرار دی، کہ میرا ذکر آپ کے ساتھ ہو اور یہی ابن عطا نے کہا کہ میں نے آپ اپنے اذکار میں سے ایک ذکر کیا تو جس نے آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔

اور سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر جا بجا قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ کہیں لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم فرمایا، کہیں قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین فرمایا، کہیں لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم فرمایا، کہیں ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم وارد ہوا۔ غرضیکہ جا بجا مختلف عنوانوں سے مختلف صفتوں سے جدا جدا انداز و مدح و ثنا کے ساتھ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رونق افروزی کا ذکر ہے جس حبیب کی تشریف آوری کا ذکر اس اہتمام کے ساتھ قرآن عظیم میں ہو اور پہلے انبیاء بھی ان کی ولادت مبارکہ کا مژدہ سناتے رہے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت وارد ہوا۔ کہ آپ نے خاتم المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی۔ مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

تو پھر کون مسلمان ہے جو حضور کے ذکر و تشریف آوری کی محفل شریف کے جواز میں تردد کرے یا اس کو بدعت و ناروا کہہ سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان میلاد مبارک تو ابھی آیت میں مذکور ہو چکا تو کیا ایسا ہی عمل بدعت ہو سکتا ہے جو قرآن کریم میں ہوا انبیاء کرتے آئے ہوں بلکہ ہر نبی کا ذکر ولادت موجب برکت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہدایت فرمائی تھی کہ انبیاء کی تشریف آوری کا ذکر کریں۔ اس کا قرآن پاک میں بیان ہوا۔

واذ قال موسیٰ لقومہ یا قوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء۔ ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے قوم! تم اللہ کی نعمت کا ذکر کرو جو تم پر ہے کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا کئے۔

ان آیات باہرات کے ہوتے ہوئے کون مسلمان ہو گا جو ذکر ولادت کی محفل کے جواز میں شبہ کر سکے۔ رہا ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا وہ ظاہر ہے کہ تعظیم ذکر تشریف آوری کے لئے ہے اور کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ تعظیم کے سوا قیام کی کوئی جہت ہو سکتی ہے، اور تعظیم کے لئے قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

وتعزروہ وتوقروہ: یعنی آپ کی تعظیم و توقیر کرو۔

تو جب آپ کی تعظیم و توقیر کا حکم ہے تو قیام تعظیمی عین مطابق حکم الٰہی ہوا۔ علاوہ ازیں کسی سرور دینی کے لئے قیام کرنا سنت صحابہ بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ سننے کے لئے شوق میں

قیام فرمایا۔

قلت تو فی اللہ تعالٰی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان نسئلہ عن نجات ھذا الامر قال ابو بکر قد سئلتہ عن ذالک فقمت الیہ۔

یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اللہ تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دی اور ہم اس امر کی نجات آپ سے دریافت نہ کر سکے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضور سے دریافت کر لیا ہے۔ (اس کے سننے کے شوق میں حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں) کہ میں کھڑا ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی پیارے ذکر اور محبوب بیان کے شوق میں کھڑا ہو جانا اصحاب رسول میں سے ایک خلیفہ برحق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ یعنی تم پر میری سنت بھی لازم ہے اور میرے خلفاء راشدین کی سنت بھی لازم۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا فعل خود ہی ہمارے لئے بحکم حدیث سنت ہے اور آپ ہمارے دین کے مقتدائے اعظم ہیں لیکن یہ اور فزوں تر ہے کہ آپ کا یہ فعل شریف حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں صادر ہوا۔ تو اس فعل پر ان دونوں حضرات کا اتفاق ہے۔ اس حدیث سے سامعین کا قیام بھی ثابت ہوا اور حدیث شریف میں خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر پر قیام فرما کر اپنی پیدائش

کا ذکر فرمانا موجود ہے۔

حدیث: فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول اللہ قال انا محمد بن عبد اللہ ابن عبد المطلب ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم (الی ان قال) فانا خیرھم نفسا و خیرھم بیتا۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص۵۱۳)

تقسیم شیرینی

ظاہر ہے کہ ایک نیکی ہے مسلمانوں کو ہدیہ دینا ان کی مجلس میں کوئی چیز تقسیم کرنا کہیں بھی قابل سوال نہیں ہوتا۔ ختم بخاری میں شیرینی تقسیم ہوتی ہے مدارس اسلامیہ میں معمول ہے علماء کا عموماً اس پر عمل ہے اس کو کوئی نہیں دریافت کرتا مگر مجلس میلاد شریف کی کچھ ایسی خصوصیت ہے جس کے لئے بہت کد و کاوش کی جاتی ہے تو بحمد اللہ کسی ذکر جمیل کے بعد مسلمانوں میں کچھ تقسیم کرنا یہ بھی خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ آپ نے سورہ بقر شریف ختم فرما کر اونٹ ذبح فرمایا اور پکوا کر اصحاب کبار کو کھلایا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

بیہقی در شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ حضرت امیر المومنین عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سورہ بقر را بحقائق آں در مدت دوازدہ سال خواندہ فارغ شدند در روز ختم شترے را کشتہ طعام وافر پختہ یاران حضرت پیغمبر خورانیدند۔ ترجمہ: بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سورہ بقر کو اس کے حقائق و دقائق کے

ساتھ بارہ سال میں پڑھ کر فارغ ہوئے۔ تو آپ نے ختم کے روز ایک اونٹ ذبح فرماکر بہت کثیر کھانا پکوایا اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو کھلایا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ ذکر جمیل کے بعد سرور دینی کے لیے تقسیم و اطعام طعام خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ الحمد للہ مسئلہ میلاد مبارک کے متعلق تمام دریافت کئے ہوئے امور دلائل قویہ معتبرہ سے صراحۃً بیان کر دیئے گئے۔

سوال ۴ گیارہویں، بارہویں، تیرھویں وغیرہ کو بزرگان دین کی فاتحہ شیرینی پر یا کھانے پر اس کو سامنے رکھ کر قرآن اور درود پڑھنا، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اس کا عام مسلمانوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال ۳ کے جواب میں مراقی الفلاح سے حدیث نقل کی گئی ہے اور اہلسنت کا مذہب بیان کیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر عبادت خواہ بدنی ہو یا مالی صدقہ ہو یا تلاوت قرآن کریم یا ذکر سب کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے۔ گیارہویں بارہویں تیرہویں یا سوم دہم بستم و چہلم اور یا کوئی عرس سب میں اطعام طعام و صدقہ و تلاوت و ذکر اللہ ہی ہوتا ہے اور اس کا ثواب بزرگان دین اور اموات کی روحوں کو پہنچایا جاتا ہے۔ عبادت مذکورہ بالا اور اس حدیث سے جو اس عبارت میں منقول ہے ان امور کا جائز اور نافع اور سبب خوشنودی ارواح ہونا ثابت ہے۔ رہا سامنے رکھنا اس کی نسبت سوال بہت عجیب ہے۔ کھانا

سامنے ہی رکھنے کی چیز ہے پس پشت رکھنا اس کا کسی صاحب کو ثابت ہو تو وہ اس کی مخالفت کر سکتے ہیں۔ جو چیز خدا کی راہ میں دینے کے لیے سامنے لائی جائے یہ سامنے لانا تملیک و تمکین کے لیے ہے کہ قبضہ متحقق ہو جائے، جو صدقہ و ہبہ کی صحت کے لئے ضروری ہے درمختار میں ہے۔

"والصدقة كالهبة بجامع التبرع وحينئذ لا تصح غير مقبوضة

اور اسی میں ہے۔ والتمكن من القبض كالقبض"

لہذا سامنے لانا صحت صدقہ کے لئے ہے جو شخص فقہ جانتا ہو اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں کھانے سے قبل ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا خود حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے۔

ثم رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه وهو يقول اللهم اجعل صلوتك ورحمتك على آل سعد ابن عبادة قال ثم اصاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من الطعام۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اٹھا کر دعا فرمائی اس کے بعد کھانا تناول فرمایا، اور یہ کون مسلمان نہیں جانتا کہ کھانا شروع کرنے کے وقت بسم اللہ پہلے پڑھنا چاہئے تو بسم اللہ قرآن نہیں ہے یا بسم اللہ پڑھتے وقت کھانے کو سامنے سے ہٹا دینا شریعت نے لازم کیا ہے معاذ اللہ۔ قرآن پاک کی تلاوت سے برکت حاصل ہوتی ہے صدقہ ایک نیکی ہے۔ تلاوت دوسری نیکی نیکی کے ساتھ نیکی ملانا نیکیوں کی زیادتی ہے۔ اور دعا میں ہاتھ اٹھانا یہ سنت دعا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ یہ ہاتھ طلب سوال کے

لئے اللہ کے حضور پھیلائے جاتے ہیں بندے کی سعادت ہے اور اس کے مانگنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کا بندہ جب اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتا ہے اسے شرم آتی ہے کہ اس کو خالی ہاتھ واپس فرمائے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ ان ربکم حیی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفرا۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والبیہقی مشکوٰۃ ص ۱۹۵)

ایصال ثواب کے لئے جو خرچ کیا جاتا ہے وہ صدقہ نافلہ ہے اور صدقہ نافلہ کا کھانا فقرا اور اغنیا سب کے لئے جائز ہے۔ فتاویٰ عزیزیہ میں ہے۔

"واگر مالیدہ و شیر برنج بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ بخورند مضائقہ نیست۔" یعنی اگر مالیدہ اور شیر برنج کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکا کر کھلائیں مضائقہ نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اسی فتاوے میں فرماتے ہیں۔

واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیا را ہم خوردن ازاں جائز است۔ یعنی اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ کی گئی تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔ غایت یہ ہے کہ صدقہ غنی کے حق میں ہبہ ہو جائے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ ان الصدقۃ علی الغنی ھبۃ۔ تو ہبہ بھی شرعاً جائز اور مستحسن ہے۔ اور مسلمانوں میں ازدیاد محبت کا باعث ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال ۵: تیجہ میں تیسرے دن کا تعین، قرآن اور کلمہ پڑھنا، چنے کی تقسیم اور کھانا کھلانا خواہ وہ عزیزوں یا دوست یا مساکین، جائز ہے یا نہیں؟

الجـــــــــواب

کوئی شے کسی کی رائے سے ناجائز و حرام نہیں ہوسکتی۔ تیجہ کے منع کرنے والے اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل شرعی نہیں رکھتے اور ان کا اپنا قول شرع میں معتبر نہیں۔ ذکر و تلاوت صدقہ امور خیر ہیں۔ اور یہی تیجہ میں ہوتا ہے۔ اور یہی اس کی حقیقت ہے اور اموات کو ثواب پہنچانا اور اس سے ان کا نفع پانا دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ اس کا اوپر بیان ہو چکا۔ اب رہی یہ بات کہ اس سلسلہ میں دو چار غیر محتاج لوگوں کو بھی کھلا دیا تو واقعہ یہ ہے کہ تیجہ میں اغنیا کا کھلانا تو مقصود ہوتا نہیں لیکن اگر وقت پر دو ایک آدمی ایسے موجود ہوئے جو حاجت مند نہیں ہیں اہل بیت کی ہمدردی میں اس انتظام کے لئے آگئے، ہیں ان کو اگر کھلایا تو یہ بھی احسان ہے اس سے صدقہ کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل اوپر کے جواب میں مذکور ہو چکی ہے۔

تیسرے دن کا تعین

تیسرے دن کا تعین محض آسانی کے لئے ہے کہ وہ تعزیت کا سب سے پچھلا دن ہے جس کے بعد پھر مقامی لوگوں کو تعزیت مکروہ ہو جائے گی۔ اس دن سب لوگ تعزیت کے لئے پہنچ جاتے ہیں اور بآسانی بغیر کسی دعوت و طلب کے اجتماع ہو جاتا ہے۔ ایسا تعین شریعت میں ممنوع نہیں ورنہ دین و دنیا کے تمام کام ناجائز ہو جائیں۔ مدارس میں تعطیل کے دن معین ہیں لوگ اپنے

اورادووظائف کے لئے وقت معین کرتے ہیں وعظ اور دستار بندی کے جلسوں اور تمام تقریبات کے لئے دن معین کئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز ناجائز نہ ہو تو تیجہ کیوں ناجائز ہو جائے۔ یہ بھی نہیں ہے کہ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ نیکیوں کا ثواب تیسرے ہی دن پہنچتا ہے ایسا سمجھنے والا کوئی شخص نہیں۔ تیجہ کرنے والے مرنے کے وقت سے ایصال ثواب شروع کرتے ہیں میت کے دفن ہونے سے پہلے قرآن شریف اور کلمہ شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ دفن کرکے صدقہ دیتے ہیں روز فاتحہ کرتے ہیں اور ثواب پہنچاتے ہیں ان کی نسبت یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ تیسرے دن کے سوا اور کسی دن کے ثواب پہنچانے کے قائل نہیں ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی نیکیوں کے لئے اوقات کا تعین کرنا ثابت ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں خود شاہ صاحب کے یہاں بھی تیجہ ہونا مذکور ہے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں ہے۔

"روز سیوم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیرون از حساب است ہشتاد و یک کلام اللہ بشمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر نیست" واللہ تعالیٰ اعلم۔ یعنی تیسرے روز لوگوں کا اس قدر ازدہام ہوا کہ حساب وشمار سے باہر تھا۔ اکیاسی ختم قرآن تلاوت کے شمار ہوئے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کلمہ کے ورد کا تو حساب ہی نہیں۔"

سوال ۶: شب برات کو حلوہ پکانا حرام بتاتے ہیں اس کو قرآن و حدیث سے ثابت کریں کہ حلوہ پکانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کوئی شخص اپنی رائے سے کسی چیز کو حرام کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

شب برات بہت برکت والی رات ہے شریعت میں اس کی بہت فضیلت ہے اکثر مفسرین کا قول ہے کہ آیۃ مبارکہ انا انزلناہ فی لیلۃ المبارکۃ میں شب برات ہی کا بیان ہے۔ احادیث میں اس شب کی بہت فضیلتیں وارد ہیں اور اس شب میں عبادتوں اور نیکیوں اور استغفار کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ حتی کہ ابن ماجہ کی حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ غروب آفتاب سے طلوع فجر تک اپنی شان رحمت سے آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہو کر استغفار کرنے والے اور روزی مانگنے والوں اور مصیبتوں سے رہائی چاہنے والوں کو ندائیں فرماتا ہے وہ اپنی حاجت طلبی کریں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اس شب میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان بقیع میں تشریف لے جاتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ نیکیوں کی کثرت اور مردوں کو ثواب پہنچانا اس شب میں سنت ہے۔ اطعام طعام بھی نیکی ہے۔ اور طعام میں جو لذیذ تر ہو اس کا خرچ کرنا اور بہتر۔ مسلمان حلوے کو بہت نفیس غذا سمجھ کر خرچ کرتے ہیں، وہ اس کا اجر پائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

وعن عمر ابن العزیز انہ کان یشتری اعدال السکر ویتصدق بہا فقیل له لما تتصدق بثمنہا قال لان السکر احب الی فاردت ان انفق مما احب۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہ شکر کی بوریاں خرید کر صدقہ فرمایا کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ اس کی قیمت صدقہ کیوں نہیں کر دیتے؛ فرمایا شکر مجھے پسند ہے تو میں چاہتا ہوں کہ وہی چیز خرچ کروں جو مجھے پسند ہے۔

ثابت ہوا کہ شی مرغوب ومحبوب کا خرچ کرنا اس آیت کی تعمیل ہے۔ حلوہ مسلمانوں کو مرغوب ومحبوب ہے اس کو اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں تو اس آیت کا مصداق ہیں اور اللہ سے اجر پائیں گے۔ جو اس کو حرام کہتا ہے وہ گمراہ ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو محض اپنی رائے سے حرام کہتا ہے اور شریعت میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔ اور احکام الٰہی کو بدلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا ایها الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ ترجمہ: اے ایمان والو حرام نہ کرو ان پاک چیزوں کو جنہیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا اور حد سے نہ بڑھو، اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے ملفوظات میں ہے ؎

باز از ابتدائے کرامت شب برائت فرمود کہ در شب پانزدہم شعبان

بعد عشاء قریب سنہ وصال بخانہ آمدہ بود کہ ناگاہ جبرئیل آمد و گفت

آں روز شب مبارک وتقسیم برائت یکسالہ است برخیز و برائے

مردگان مدفون جنت البقیع در انجا رفتہ دعا کن۔ چنانچہ آنحضرت

ہمچنیں کردند برائے آں رسم فاتحہ دریں شب ست خواہ نان وحلوہ خواہ ہرچہ خواہد مگر در ہند حلوہ می باشد و در بخارا و سمرقند قتلما وغیرہ می کنند۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنہ وصال کے قریب شب برات کو کو عشاء کی نماز کے بعد دولت سرائے اقدس تشریف لائے۔ اچانک جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ مبارک رات ہے آج سال بھر کے حصے تقسیم ہوں گے۔ جنت بقیع تشریف لے جاکر وہاں کے مردوں کے لئے دعا کیجئے۔ حضور نے ایسا ہی کیا اسی وجہ سے اس شب میں فاتحہ کا دستور ہے۔ خواہ حلوہ روٹی ہو خواہ اور کچھ۔ مگر ہندوستان میں حلوہ ہوتا ہے اور بخارا اور سمرقند میں قتلما وغیرہ کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کے کلام سے معلوم ہوا کہ یہ سب حدیث شریف کے مطابق ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال ۵: ہر ایک بات کو وہابیہ بدعت کہتے ہیں یہ بدعت کیا چیز ہے۔

الجواب

بدعت لغت میں ہر نئی بات کو کہتے ہیں اور شرع میں اکثر اطلاق اس کا ایسے امور پر ہوتا ہے جن کو کسی نے ایجاد کرکے دین میں داخل کیا ہو اور اس کی اصل و مثل شرع میں نہ پائی جائے اور اس سے کوئی سنت اٹھ جائے۔ جیسے رفض و خروج و وہابیت و مرزائیت اسی کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالہ کہتے ہیں اسی کی برائی احادیث میں آئی ہے۔ مجمع البحار میں اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے ما کان بخلاف ما امربہ یعنی جو حکم شرع

کے خلاف ہو۔

اور بدعت یعنی لغوی دو قسم پر منقسم ہوتی ہے۔ ایک بدعت ہدیٰ جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں دوسری بدعت ضلالت جس کو بدعت سیئہ کہتے ہیں مجمع البحار میں ہے ھی نوعان بدعة ھدی وبدعة ضلالة۔ اھ۔ ھذا وللتفصیل مقام اٰخر واللہ سبحنہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین غفاعنہ المعین

۲۳ شوال المکرم ۱۳۵۳ھ

وہابیت کا جھگڑا

وہابیت سے جو ہند و پاکستان میں ایک نزاع پھیلا ہے اور اس نے مسلمانوں کو اور ان کے نظم کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے وہ بہت افسوسناک ہے۔ ایک گھر میں دو بھائیوں میں جنگ ہے باپ بیٹوں میں جنگ ہے۔ پڑوسی کی پڑوسی سے لڑائی ہے اہل محلہ کی آپس میں مخالفت ہے۔ غرضیکہ کوئی جگہ نہیں جہاں وہابیت نے فتنہ انگیزی نہ کی ہو اور مسلمانوں کی گودوں میں پہلوؤں میں سروں پر ان کے دشمن نہ بٹھا دیئے ہوں۔ یہ وہابیہ زمین نجد سے اٹھی اور صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صدہا سال پہلے اس کی خبر دی تھی۔ وہ آگ بھڑکی وہ فتنہ پیدا ہوا اور عبدالوہاب نجدی کے گھر سے نکل کر عرب کے بعض مقامات میں پہنچا۔ جہاں پہنچا وہیں سے روکا گیا نجد کے چھوٹے اور خشک اور بے رونق خطے کے چند خشک دماغ درندہ صفت انسانوں کے دماغ میں وہابیت کا تخیل گھومتا رہا۔ مگر افسوس کہ جو چیز دنیا کے ہر خطے نے ٹھکرا دی تھی اس کو ہند و پاکستان میں جگہ ملی اس کا تخم دلی میں لگایا گیا اور جب کچھ پھوٹا تو اس کو دیوبند میں تربیت دیا گیا وہاں وہ اس قدر بڑھا کہ اس کی شاخیں ہند و پاکستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں اور ان سے اس ملک کی فضا مسموم ہو گئی اور اس کے زہریلے اثر نے ملک کے بہت سے نونہالوں کو برباد کر دیا اور فساد کی آگ لگا دی۔ زمانے گذر گئے یہ فتنہ دفع نہ ہوا۔ ستم یہ ہے کہ وہابی فرقہ بعض مسائل میں سنیوں کے قریب قریب بالکل موافق ہیں۔ اہلسنت کی سی نماز، اہل سنت ہی کا سا

روزہ انہیں کا ساحج وزکوٰۃ ،غرض عبادات و معاملات کے تقریباً جملہ مسائل میں اسی روش پر ہیں ،وہی کتابیں ہیں جن پر اہلسنت کو اعتماد ہے اور ان سے وہ تمسک کرتے ہیں ان سب کو وہابی بھی مانتے ہیں۔ حنفیت کے مدعی لیکن بعض عقائد میں اور بعض فرعی مسائل میں ان کو ایسا تشدد ہے جس سے یہ عظیم الشان اختلاف پیدا ہوگیا اور ان عقائد کے ہوتے ہوئے کوئی صورت نہیں کہ وہابیہ کو اہلسنت مسلمان مانیں اور ان کی امامت جائز سمجھیں۔

وجہ افتراق

یہ بات اور زیادہ قابل افسوس ہے کہ جن عقائد کی بنیاد پر وہابی مسلمانوں سے جدا ہوئے اور جنگ کا محاذ قائم کیا وہ عقائد ان کے نقطہ خیال سے ضروری نہیں ہیں مگر باوجود اس کے وہ ان عقائد سے باز نہیں آئے۔ اور انہوں نے ان تمام خانہ جنگیوں کی جو اس فتنہ سے پیدا ہوگئی ہیں کوئی پرواہ نہیں۔ وہ اپنی ضد کے پکے اور ہٹ کے پورے ہیں ،دنیا تباہ ہو جائے سر پھٹ جائیں امن و عافیت برباد ہو جائے خونریزیاں جاری ہو جائیں یہ سب کچھ گوارا ہے مگر ان غیر ضروری امور کا اور ان صریح باطل اعتقادات کا ترک کرنا گوارا نہیں۔

امکان کذب

وہابیوں کے لئے ان کے دین اور اعتقاد کی رو سے کیا یہ ضروری ہے کہ وہ حضرت رب العزت تبارک وتعالیٰ کے لئے کذب جیسے قبیح امر کا امکان ثابت کریں اگر وہابی ایسا نہ کریں اس کے درپے نہ ہوں تو کیا وہ اعتقاد میں کافر ہو جائیں گے ایمان سے خارج ہو جائیں گے۔ اس مسئلہ کے اعتقاد اور اس کے پھیلانے

کی انہیں کیا حاجت ہے۔ وہ کیا مجبور ہیں کیا قرآن پاک نے اس کی تعلیم دی ہے یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے یا ائمۂ دین نے مومن ہونے کے لئے ایسا اعتقاد ضروری بتایا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ایک نئی بات نکال کر دنیا میں فساد پھیلائیں۔ طرح طرح کے الزام اٹھائیں دنیا کی نظر میں ذلیل و رسوا ہوں، مگر اس سے باز نہیں آتے۔

براہین قاطعہ اسی طرح حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ کی شان میں نامناسب الفاظ کہنا جیسا کہ براہین قاطعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نسبت یہ کلمے لکھے کہ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔!

شیطان و ملک الموت کے لئے وسعت علم تسلیم کریں نصوص سے ثابت مانیں۔ اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا انکار، اور اس کا ثابت کرنا شرک میں شمار کریں۔ عجیب بات ہے ایک ہی چیز ہے کہ شیطان کے لئے ثابت ہو تو شرک نہ ہو، اور حضور کے لئے ثابت ہو تو شرک ہو جائے۔ ایسا قول کیا گستاخانہ ہے اور اس پر حکم شرعی عرب و عجم کے فتوؤں میں ظاہر کیا جا چکا اور اس قول کی قباحت بارہا بتادی گئی۔ اور ہر ادنیٰ عقل والا اس کو نہایت ذلیل سمجھتا ہے کہ ایک قوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وسعت علم ثابت کرنے کو شرک بتائے اور اسی کو شیطان کے لئے ثابت مانے تو گویا اس کے نزدیک شیطان خدا کا شریک ہو سکتا ہے کیونکہ جو چیز کسی ایک مخلوق کے لئے ماننا شرک ہو وہ جس کسی مخلوق کے لئے ثابت مانی جائے گی شرک ہی ہوگی یہ نہیں ہو سکتا کہ سجدۂ عبادت بت کے لئے تو شرک ہوگا مگر وہابیوں کے کسی بڑے سے بڑے مولوی کو کر لیا جائے تو شرک نہ ہو۔ پھر

جس چیز کو شرک کہنا اسی کو نص سے ثابت کرنا کیسا صحیح اور باطل ہے۔ یہ بحث ایک جداگانہ ہے ہمیں تو صرف یہ کہنا ہے کہ وہابی کیا اپنے دین اور عقیدے کی رو سے حضور کی شان میں یہ اعتقاد رکھنے اور یہ کلمے کہنے پر مجبور ہیں اگر وہ ایسا نہ کہیں تو کیا اپنے نزدیک ایمان سے خارج ہو جائیں گے۔ اگر ان کلموں کا اعتقاد مومن ہونے کے لئے ضروری تھا تو پھر قرآن پاک میں اس کی تعلیم کیوں نہیں ہوئی حدیث شریف میں یہ سبق کیوں نہیں دیا گیا۔ تمام صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین بزعم وہابیہ اس ضروری اعتقاد سے خالی ہی گئے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ اعتقاد بدعت ہے۔ نیا اختراع ہے۔ سلف صالحین کے یہاں نہ اس کا ذکر ہوا نہ قرآن وحدیث میں اس کا کہیں پتہ۔ پھر اپنی ایک ٹکڑی الگ بنانے کے لئے ایسے اعتقاد پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے اور مسلمانوں سے کیوں جھگڑا مول لیا جاتا ہے اور تمام مسلمانوں کے دلوں کو کیوں دکھایا جاتا ہے۔ کیا وہابی بغیر اس اعتقاد کے اپنے خیال میں مومن نہیں رہ سکتے۔ کیوں یہ نفسانیتیں ہیں۔

حفظ الایمان

اسی طرح سے حفظ الایمان میں مولوی اشرف علی کا حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ لکھنا کہ "آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے بعض غیب مراد ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو ہر زید عمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

یہ ناقص کلمات شان اقدس میں کیسی کھلی توہین ہیں کہ پیشوایان وہابیہ اپنے اور اپنے بزرگوں کے حق میں بھی ان کا کہنا گوارا نہ کریں گے اور گالی سمجھیں گے۔ اور دنیا

کا کوئی عزت دار آدمی بھی کسی اور ملت اور کسی خیال کا بھی ایسے کلموں کا سننا گوارا نہ کرے گا مگر شان اقدس میں یہ لکھے لکھے جائیں اور اس پر اصرار ہو اس کا کیا سبب ہے یہ کوئی تعلیم خداوندی ہے جسے کوئی چھوڑ ہی نہیں سکتا یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے یا صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین اس کی تاکید کر گئے۔ کیا باعث ہے کہ ایسے کلموں سے احتیاط نہیں کی جاتی، احتراز نہیں کیا جاتا دنیائے اسلام کا دل دکھایا جاتا ہے جہان میں فساد برپا کیا جاتا ہے مگر ایک ضد ہے کہ اس سے باز نہیں آتے اس قسم کی اور توہینیں اور بے ادبی کے کلمات زبان پر لانا کتابوں میں لکھنا ان پر اڑنا کتابیں چھاپنا، مناظروں کی مجلسیں کرنا، فساد انگیز بیان کرنا، مقدمہ بازیوں میں روپیہ ضائع کرنا اہل اسلام کی جماعت کو ضعف پہنچانا اور جس حال میں کہ تمام دنیا اپنی ترقی کی فکروں میں ہے مسلمانوں کو خانہ جنگی کی مصیبت میں مبتلا کرنا کس مصلحت سے ہے۔ کس فائدے کے لئے ہے۔ کیا دانائی ہے۔؟

میلاد النبی اسی طرح بعض فرعی مسائل پر جھگڑا کرنا اور اپنا ایک فرقہ اور ٹکڑی الگ بنا کر مسلمانوں سے برسرپیکار ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر کسی شخص نے میلاد مبارک کی محفل کی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ اور مقدس زندگی کے احوال کریمہ اور معجزات باہرہ بیان کرنے کی مجلس شاندار طور پر ترتیب دی اور باوقار طریق پر ذکر کیا بیان ولادت مبارکہ کے وقت شان حبیب کے اظہار عظمت کے لئے تعظیمی قیام کیا تو کیا برا ماننے کی بات ہے۔ شریعت نے اس کو کون سا محرمات سے بتایا ہے۔ کہاں کبائر میں سے شمار کیا جائے جس پر اس شدومد کے ساتھ جنگ ہے۔ ناراضگی ہے۔ کتابیں چھاپی جاتی

رسالے لکھے جاتے ہیں، اس کی توہین میں نظمیں لکھی جاتی ہیں مسلمانوں کو مشرک اور بے ایمان بنایا جاتا ہے جو مخالفت وہابی صاحبان کبھی سینما اور تھیٹر کے لئے نہیں کرتے ہیں حرام کاریوں اور بد افعالیوں کے لئے نہیں کرتے وہ کوشش محفل مبارک کے روکنے کے لئے کی جاتی ہے اس کا کیا باعث ہے۔

التزامی امور آپ مدرسے بنائیں اس میں جماعتیں ترتیب دیں ہر جماعت کے لئے ایک نصاب اور خاص ایک پڑھانے والا مقرر کریں، اسباق کے لئے اوقات کی تعیین ہو، تعطیلوں کے لئے ایام معین ہوں، ان پر التزام ہو، امتحان کے لئے مہینہ مقرر ہو، امتحان کے لئے پرچے بنائے جائیں، نمبر دیئے جائیں بعض کتابوں کا تقریری امتحان لیا جائے، ممتحن بلائے جائیں ان کے لئے تکلفات کئے جائیں، بعد امتحان تعطیل کی جائے سالانہ جلسے تاریخ کی تعیین و دوامی کے ساتھ کئے جائیں ان کے لئے اشتہارات چھاپے جائیں، طالب علموں کی ایک نصاب معینہ ختم کر لینے پر دستار بندیاں کی جائیں، دستاروں کے لئے ایک رنگ خاص مقرر کر لیا جائے، مدرسہ کا نام دستار پر لکھا جائے۔ یہ تمام چیزیں زمانہ اقدس میں کب تھیں زمانہ صحابہ میں ان کا کہاں وجود تھا زمانہ تابعین و تبع تابعین میں کب پائی گئیں، ان سب پر التزام ہے، پابندی ہے، موجب ثواب جانتے ہیں داخل عبادت سمجھتے ہیں، یہ بدعت کیوں نہیں، اس کی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی، مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیے لکھ کر چھاپنا بھی بدعت نہ ہو جو بہت سے ناجائز مبالغوں پر مشتمل ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل و بیان ولادت کی محفل بدعت ہو جائے۔

دعوت انصاف : ساری جماعت میں کوئی اتنا کہنے والا نہیں کہ جو جلسے حوالے میلاد

مبارک اور عرس و فاتحہ تیجہ و چہلم کے بدعت بنانے کے لئے تم پیش کرتے ہو اس سے بدرجہا زیادہ خود آپ کے عمل میں ہیں۔ مگر نہ مدرسہ کو بدعت کہا جاتا ہے نہ دستار بندی کو، نہ جلسہ سالانہ کو، نہ تعیین اسباق سابقہ کو، نہ قوانین مدرسہ کو، تو پھر کیا یہ ناجائز کا حکم غیروں ہی کے لئے ہے، تم اس سے مستثنیٰ ہو، اتنے بڑے فرقے ہیں کوئی تو انصاف کرتا مگر معلوم نہیں قلوب کا کیا حال ہے۔ نور بجھ گئے اور نام کو روشنی باقی نہ رہی کہ دوسروں کے افعال کو جن وجوہ سے بدعت بتائیں جنگ کی بنا ٹھہرائیں اپنے آپ بے دریغ انہیں عمل میں لاتے چلے جائیں ذرا نہ شرمائیں یہ مسائل ایسے نہ تھے کہ لکھے پڑھے آدمی انہیں سمجھ نہ سکتے اور اصحاب عقل و خرد ان کو مورد بحث بناتے یہ ایسی کھلی باتیں تھیں جن کو ہر سمجھدار انسان جان سکتا تھا کہ ان میں کوئی شائبہ عدم جواز کا نہیں ہے۔

میلاد مبارک کی محفل حضور سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے بیان احوال کریمہ کا جاننا اور اس سے باخبر ہونا ایمان دار کے لئے اعلیٰ ترین سعادت ہے، حدیث شریف میں حضور کے ذکر کو ذکر الٰہی بتایا گیا کلمہ میں آپ کا نام نامی وصف رسالت کے ساتھ اس طرح داخل ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی توحید و بے مثالی کا منکر مومن نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سے آپ پر ایمان نہ لانے والا اور آپ کی رسالت کا اقرار نہ کرنے والا بھی ایمان دار نہیں ہو سکتا جس ذات پر ایمان کا مدار ہے اور جس پر ایمان لائے بغیر کفر کی ظلمتوں سے نجات نہیں مل سکتی اس کے احوال پاک کا بیان یقیناً شانِ احترام ہونا چاہئے۔ اور وہ مجلس جو اس مقصد کے لئے منعقد کی گئی ہو۔ اس کو زیب و زینت دینا اور عوام میں با وقعت بنانا تقاضائے ایمان ہے۔

حضور کا ذکر ذکر اللہ حدیث شریف میں وارد ہوا۔ ذکرك ذکری آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد باری ہے۔ من ذکرك ذکرنی جس نے آپ کا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ اور ذکر الٰہی کی محفل کو حدیث میں جنتی چمنستان بتایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة؟

قال حلق الذکر۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا جنتی چمنستانوں پر گذر ہو تو میوہ چینی کیا کرو صحابہ نے عرض کیا جنتی چمنستان کیا ہیں؟ حضور نے فرمایا ذکر کی محفلیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ میلاد مبارک کی محفلیں جن میں ذکر حبیب ہوتا ہے، جس کو حدیث شریف میں ذکر اللہ بتایا گیا وہ جنتی چمنستان ہیں۔ حدیثیں تو جنتی چمن بتائیں مگر معاند متعصب اس کو بدعت کہے ناروا پکارے۔ ہوشمند انسان متحیر ہوتے ہیں، کہ ان پڑھے لکھے جاہلوں نے کس طرح ذکر حبیب کی محافل متبرکہ کو ناجائز کہہ دیا یہ بات عقل میں نہیں آتی دریافت کرتے ہیں کہ ان محافل کے ناجائز ہونے کا سبب کیا ہے، اس وقت ان معاندین و متعصبین کو حیرانی و پریشانی ہوتی ہے۔

قیام

اس سراسیمگی میں کبھی تو یہ کہہ گذرتے ہیں کہ ذکر شریف تو درست ہے مگر قیام وقت ذکر ولادت پر اعتراض ہے۔ مگر اس بات کو کوئی عاقل باور نہیں کر سکتا، کہ قیام ناجائز ہے۔ اور ناجائز بھی ایسا کہ محفل شریف ہی کو ناجائز کر ڈالے اس لئے دریافت کیا جاتا ہے کہ قیام میں کیا مضائقہ ہے اس کی ممانعت کہاں وارد ہوئی اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قیام وقت ذکر ولادت قرون ثلٰثہ میں کیا نہیں گیا۔ اس کی اصل

ثابت نہیں اس لئے یہ بدعت ہے مگر ان کی یہ بات ایک لایعنی حیلہ اور بہانہ ہے۔

خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے لئے قیام فرمانا ثابت ہے۔ اس پر یہ کہنا کہ ایک شخص موجود و حاضر کے لیے جو آنکھوں کے سامنے ہو اور سب کو نظر آتا ہے قیام کرنا درست ہے۔ مگر جو ایسا ہو اور سب اس کو دیکھ نہ دیکھتے ہوں اس کے لئے قیام شرک ہے۔ ایک بالکل بے حقیقت بات ہے کیوں کہ جو چیز شرک ہے وہ حاضر کے لئے غائب کے لیے سب ہی کے لئے شرک ہے اس میں یہ تفریق نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی عظیم خبر کو سن کر جذبات شوق یا خوف کے ساتھ متاثر ہو کر کھڑا ہو جانا طبیعت انسانی کے لئے امر عادی ہے۔ اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے۔ چنانچہ جب آیہ کریمہ اتی امر اللّٰہ نازل ہوئی، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ایک جذبہ پیدا ہوا اور آپ فوراً کھڑے ہوگئے۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر سن کر بالخصوص ایسی مجلس میں جو حضور ہی کے ذکر مبارک کے لیے منعقد کی گئی ہو اور حضور کی نعت مبارک سن کر دلوں میں محبت موجیں مارنے لگی ہو۔ ذکر ولادت سن کر جذبات میں ایک لہر آجانا اور سرود کا اظہار ادب و تعظیم کے لئے مستدعی قیام ہونا کچھ بعید نہیں اور عین اس سنت کے مطابق ہے جو حضور کے قیام میں پائی گئی۔

نیز کسی عظیم الشان دینی ذکر کے سننے کے لیے اور اسکے احترام کے لئے قیام کرنا بھی سنت صحابہ ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک

حدیث سننے کے لئے قیام فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کا اور حضور کے بیان ظہور کا قیام تو خود حضور سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس منبر پر قیام فرما کر اپنی ولادت کریمہ کا ذکر کیا۔ اب قیام میں کیا اشتباہ ہے، کیا اعتراض ہے، کیا عذر ہے، کیا حیلہ ہے، کیا بہانہ ہے کتنے وجوہ سے قیام ثابت ہے۔

اچھا تمہاری آنکھیں بند ہیں تمہیں کچھ نظر نہیں آتا، احادیث تک تمہاری رسائی نہیں، افعال کریمہ پر نظر نہیں، سیرت صحابہ سے واقفیت نہیں، بے خبر انسان ہو تو اگر عقل وخرد کا دعوی ہے تو کچھ ہوش سے بھی کام لو اور اتنا تو سوچو کہ قیام کرنے والا کس نیت سے قیام کرتا ہے، وہابیوں کے مارنے کے لئے اٹھتا ہے یا شیطانوں کے جلانے کے لئے اٹھتا ہے یا مجلس سے چلا جانا اس کا مقصود ہوتا ہے۔ اس کے اٹھنے کا مدعا کیا ہے۔ اگر تمہاری سمجھ اتنا بھی نہ بتا سکے کہ یہ لوگ اس وقت کیوں اٹھے تو اس عقل پر ماتم کرو، کیونکہ اتنی بات تو وہ لوگ بھی سمجھ لیتے ہیں جو لکھے کام فریس اور اسلام کے دعویدار نہیں، تمہاری سمجھ میں اگر یہ بھی نہ آئے تو میلاد خواں سے پوچھ لو، صاحب مجلس سے دریافت کرو، شرکاء مجلس سے سوال کرو۔

ہر شخص تمہیں بتا دے گا کہ یہ قیام بہ نظر تعظیم تھا۔ تو اب تم بتاؤ کہ تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہیں کچھ عداوت ہے اس کو ناجائز سمجھتے ہو۔ کیا قرآن وحدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا حکم نہیں دیا گیا۔ دیا گیا اور ضرور دیا گیا تو بتاؤ

کہ تعظیم و توقیر کے لئے کوئی ادا خاص کر دی گئی اور طریقہ معین کر دیا گیا اور تعیین کے دشمنو! اور تعیین میں کلام کرنے والو! یہاں اپنے دل سے کیوں تعیین کرتے ہو، جو طریقہ تعظیم کا ہو جس ملک میں جو امر تعظیم کے لئے معروف ہو چکا وہ یقیناً تعظیم کا فرد اور توقیر وہ کے حکم میں داخل، دیکھو قرآن سے مخرف نہ ہو، جب تم مانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ضروری ہے تو کونسی وجہ ہے کہ قیام کا انکار کرو۔

اب رہا یہ حیلہ کہ قیام تعظیمی جائز تو ہے لیکن مجلس مبارک میں فقط ذکر ولادت شریف ہی کے وقت قیام کیوں کیا جاتا ہے۔ اول سے آخر تک قیام کیوں نہیں کیا جاتا ایسے لغو حیلے امر جائز کو ناجائز نہیں کر سکتے۔

وہابیوں سے پوچھو کہ کیا کسی امر جائز کا ایک معین وقت میں کرنا اور دوسرے اوقات میں نہ کرنا اس کو ناجائز کر دیتا ہے۔ اگر ہاں کہیں تو دلیل لاؤ، کوئی آیت یا حدیث سناؤ، محض اپنی رائے فاسد و خیال کاسد سے کسی جائز کو ناجائز مت ٹھہراؤ۔ شریعت کسی کے خیال کا نام نہیں ہے وہ بے چارے مجبور ہوں گے اور کوئی دلیل نہ دکھا سکیں گے تو ظاہر ہو جائے گا کہ ان کا دعویٰ جھوٹا تھا اور امر جائز کو کسی وقت معین میں کرنا ناجائز نہیں کر سکتا۔

اس مضمون کو وہابیہ کے ذہن نشین کر دو۔ فقہ و حدیث کا درس مدرسوں میں جو وقت بندی کے ساتھ ہو تمہارا اصول ہے جائز ہے موجب ثواب ہے تو فقط دن ہی میں مدرسے کیوں کھلتے ہیں رات میں درس کیوں نہیں ہوتا۔ اس تعیین پر کوئی آیت یا حدیث ہے! نہیں ہے۔ تو کیا اس تعیین سے وہ امر جائز ناجائز ہو گیا اسی طرح جمعہ کے سوا باقی ایام میں پڑھانا جمعہ کو نہ پڑھانا، ایسے ہی رمضان شریف میں مدرسہ کو بند رکھنا۔ اس تعطیل کے لئے

جمعہ و رمضان کی تخصیص و تعیین کیا اس کو ناجائز کر دیتی ہے؟ کرتی ہے تو تم سب اس کے مجرم ہو۔ نہیں کرتی تو قیام پر تمہارا اعتراض ایسی جاہلانہ ہٹ ہے جس کی خود تمہارے عمل تکذیب کرتے ہیں۔

علاوہ بریں اوپر ذکر کیے ہوئے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام کو ذکر ولادت کے ساتھ ایک قوی مناسبت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کے ساتھ ذکر ولادت شریف فرمانا اسی نہج پر تھا۔ مجلس حاضر تھی حضور تشریف فرما تھے، دین کے مسائل کا ذکر و بیان تھا اسی میں جب ذکر ولادت مبارک فرمایا تو قیام فرمایا، اور جب وہ ذکر مبارک فرما چکے پھر جلوس فرمایا۔ پھر وہی ذکر مسائل تھا تو معلوم ہوا کہ خاص ولادت شریف کے لیے قیام مستحب و مسنون ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مسئلہ کے حصے کے لیے قیام فرمانا باوجودیکہ اس سے قبل بھی مسائل دین ہی کا ذکر ہو رہا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مسئلہ خاص مہتم بالشان کے لیے مجلس میں بیٹھے ہوئے کھڑا ہو جانا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور سنت صحابہ بھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی ہر ایک حدیث لکھنے کے لیے غسل فرماتے دو رکعت نماز پڑھتے تب لکھتے۔ مولود و قیام سے چڑنے والے وہابی بتائیں تو کہ ان کا یہ فعل بدعت تھا یا نہیں، کبھی صحابہ یا تابعی یا تبع تابعین نے بھی ایسا کیا تھا؟ قرون ثلثہ میں یہ عمل پایا گیا تھا؟ جب ایسا نہیں ہے۔ تو بقول تمہارے بدعت کیوں نہیں ہوا۔ اس سے بھی قطع نظر کرکے وہی قیام والا سوال کرو کہ اگر حدیث لکھنے کے لیے نیا غسل اور دو رکعت نفل پر جائز ہو تو پھر بخاری ہی لکھتے وقت ایسا کرنے کی کیا تخصیص تھی جب حدیث رسول اللہ

لکھتے تھے ہمیشہ ہی ایسا کیوں نہیں کیا کرتے تھے۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان فرماتے تھے تو مجلس آراستہ کی جاتی، بہترین فرش بچھائے جاتے، نفیس مسند لگائی جاتی خود امام صاحب عمدہ پوشاک پہنتے، عطر لگاتے، خوشبوئیں مہکائی جاتیں، یہ اہتمام ان کی مجلس حدیث کے لئے ہوتا۔ تمہاری بدعت کہاں تک چلے گی! اگر بات یہ ہے، یہ آنکھ والے تھے، قدر رفیع اور منزلت علیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں معلوم تھی آداب سے واقف تھے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث کے لئے یہ اہتمام کرتے تھے تم بھی اگر کچھ باخبر ہوتے اور حبیب رب العالمین کے مرتبہ کو کچھ پہچانتے تو ذکر میلاد مبارک کی محفل اور تعظیمی قیام میں پس و پیش نہ ہوتی۔

نعت خوانی

ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر ولادت و قیام تو سب درست ہے لیکن یہ نظمیں پڑھی جاتی ہیں، یہ حیلہ بھی بیکار ہے۔ نظم کوئی ناجائز چیز نہیں اور بالخصوص نعت شریف کی نظم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نعت شریف کی نظمیں پڑھتے تھے اور ان کے لئے دعا فرماتے تھے، اور فرماتے تھے۔ اللھم ایدہ بروح القدس تو اب نظموں پر کیا اعتراض رہا، حضور کی مجلس شریف میں پڑھی گئیں، حضور کے اذن و اجازت سے پڑھی گئیں حضور اس پر راضی اور خوشنود ہوئے، حضور نے پڑھنے والے کے حق میں دعائیں فرمائیں، کیا ایسا امر بھی ناجائز اور بدعت ہو سکتا؟ آوازیں ملانا، اس کی کہیں شریعت میں ممانعت وارد ہے؟ یا دین کے مسائل میں تمہیں کوئی ایسا اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ جس امر کو

چاہو محض اپنی رائے سے ممنوع و ناجائز قرار دے لو۔ ایسے حکم دینا ایسا ناجائز بتانا یہی احداث فی الدین اور یہی بدعت بتاتے ہو۔ یہ تمہیں کیا خبر ہو گی کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خندق کھودتے جاتے تھے اور آوازیں ملا کر ایک ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف اور اپنی جان نثاری کی نظمیں پڑھتے جاتے تھے اسی آواز ملانے کو بے دلیل ممنوع کہتے ہو فعل صحابہ پر اعتراض ہے اور خاص اس فعل پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا۔

شیرینی

اب آپ کا صرف یہ اعتراض باقی رہ گیا کہ بعد ختم شیرینی تقسیم کی جاتی ہے تو تقسیم شیرینی کوئی حرام ہے ممنوع ہے۔ شریعت میں کہیں اس کی ممانعت وارد ہوئی! وہ کوئی ناجائز چیز ہے۔ ہدایا اور ضیافات کا زمانۂ اقدس میں معمول تھا حضور نے اس کا حکم فرمایا موجب ازدیاد محبت فرمایا۔ سرور کے وقت ضیافتیں اور احباب و اقارب میں تقسیم طعام یا شیرینی سنت صحابہ ہے۔ جا بجا اس کے تذکرے ہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ختم قرآن کے بعد اونٹ ذبح فرما کر ہدیۂ احباب کیا۔ ایک دو کیا صد ہا شالیں عہد کرامت عہد میں ملتی ہیں اور آپ کے یہاں جو بخاری شریف کا ختم اور اس میں تقسیم شیرینی کا معمول ہے وہ کبھی آپ کو نہ کھٹکا۔ اس پر کبھی بدعت ہونے کا حکم نہ لگایا۔ زمانہ اقدس میں کبھی اس طرح ختم کیا گیا تھا۔ اس میں شیرینی تقسیم ہوئی تھی! بہر حال کوئی ادنیٰ سی وجہ بھی ایسی نہیں ہے جس سے کوئی عاقل منصف مجلس مبارک میلاد کو ناجائز تو کیا غیر مستحب بھی کہہ سکے ایسی حالت میں اس کو مورد بحث بنانا اور ذریعہ جدال قرار دینا اور اس حیلہ سے مسلمانوں کو برا کہنا اور جماعت میں تفرقہ ڈال دینا شیطانی فعل نہیں تو کیا ہے۔

ہندو نوازی آپ ہی تو وہ ہیں جو ہندوؤں کی محبت میں وارفتہ ہو کر جلسوں میں پھرا کرتے ہیں، اٹھ تالیں کیا کرتے ہیں مشرکین کے ساتھ آوازیں ملا کر ہے ہے پکارا کرتے ہیں، یہ کوئی چیز آپ کو بدعت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر ذکر حبیب اور میلاد مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بدعت نظر آتا ہے اس کے نام سے سودا اٹھتا ہے۔ خفقان ہوتا ہے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس تفرقہ انگیزی سے باز آؤ اور سوچو کر مجلس مبارک میلاد شریف پر بے جا ضد اور ہٹ کیا فائدہ دے سکتی ہے اور اس سے مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی سے باز آؤ۔ اور سوچو کر مجلس مبارک میلاد شریف پر بے جا ضد اور ہٹ کیا فائدہ دے سکتی ہے اور اس سے مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی کر کے فتنہ پیدا کرنا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

گیارھویں شریف اسی طرح گیارھویں تاریخ کسی خوش عقیدت مسلمان نے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی فاتحہ کر دی تو وہابی صاحب جل بھن گئے مرچیں لگ گئیں، آپ کا کیا نقصان ہوا؟ آپ کو کیا ایذا پہنچی؟ آپ کے دل میں کیوں درد اٹھا او میاں! نامحرموں سے زیادہ جھنے والو! سنیماؤں سے دل بہلانے والو، کانگریسی جلسوں اور جلوسوں میں بے پردہ عورتوں کے ساتھ اختلاط رکھنے والو۔ ان کی تقریریں سننے والو ایسے مجامع میں جہاں بے پردہ عورتیں بے حجابانہ تقریریں کرتی ہوں شرکت کرنے والو گیارھویں شریف سے کیوں کھسیاتے ہو؟ اس میں تمہیں آزردہ کرنے والی کیا چیز ہے؟

قرآن کریم کی تلاوت مومن کے گھبرانے کی بات نہیں، بے ایمان ضرور اس سے چڑتے ہیں۔ "اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یومنون بالآخرۃ۔" جب خدائے وحدہ لاشریک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل پریشان ہوتے ہیں جو آخرت

پر ایمان نہیں رکھتے۔ وقال اللہ تعالیٰ وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھٰذا القرآن و الغوا فیہ لعلکم تغلبون۔ کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں بیہودہ شور مچاؤ تاکہ تم غالب ہو۔ قرآن پاک کے سننے سے گھبرانا، اس سے چڑنا اور برا ماننا یہ تو قرآن پاک نے کفار کا کام بتایا ہے۔ گیارہویں کی فاتحہ میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے آپ اس سے کیوں گھبراتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے۔ کچھ طعام یا شیرینی ہدیہ ناظرین کر دی جاتی ہے اس میں کیا مضائقہ ہے۔ حسن سلوک اور احسان شریعت میں محمود ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی علامتوں میں شمار فرمایا ہے۔ اطعام الطعام کو بھی بہت ہی بڑا سخت دل کنجوس ہوتا وہ بھی دوسرے کے خرچ کرنے پر برا نہ مانتا۔ آپ میں کیا صفت ہے جو آپ انفاق علی المسلمین سے بگڑ کر مناع للخیر بنے جاتے ہیں۔ اس میں آپ کو کونسی سی چیز ناجائز نظر آئی۔

ہاں ایک بات شاید آپ کہیں کہ تلاوت و طعام کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے حضور غوث پاک کو تو آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ایصال ثواب عبادات بدنیہ و مالیہ کا شریعت نے جائز رکھا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لئے کنواں بنوایا۔ حدیث شریف میں موجود ہے اس مسئلہ پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔ شرح عقائد اور تمام دینی کتابوں میں مصرح ہے پھر وہ کیا چیز ہے جو آپ کو بدعت لگتی ہے۔ صرف گیارہویں تاریخ کا تعین، تو کیا اس کی ممانعت میں کوئی حدیث وارد ہو گئی ہے۔ عمل خیر کے لئے تعین اور خاص اموات کے ایصال ثواب کے لئے حدیث شریف سے ثابت ہے۔ خود حضور انور، نور مجسم جان ایمان

صلی اللہ علیہ وسلم سالانہ شہدائے احد کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے اس سے تعیین کا پتہ چلا۔ اور تعیین کا پتہ چلانا ہو تو احادیث کی کتابیں مالا مال ہیں، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے روز فتح کی خوشی کے لئے اسی تاریخ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کے لئے فرمایا۔ اپنی ولادت شریف کے روز یعنی دوشنبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے، فیہ ولدت اس دن میری پیدائش ہوئی ہے یہ تعیین ہوئی یا نہیں؟

دعوتِ انصاف

غرض کوئی عذر و حیلہ ان کے بنائے نہیں بنتا لیکن مسلمانوں میں نزاع پیدا کرنا اور اختلاف ڈالنے کے لئے ضد ہے۔ اصرار ہے، گیارھویں شریف سے عداوت ہے، اس کے نام سے چڑتے ہیں کوئی ادنیٰ سی وجہ بھی ہوتی، کوئی شرعی دلیل اس امر کی ممانعت پر قائم ہوتی تو موقع تھا، کہ انکار کرتے مگر نفس و ہوا کے لئے انکار اور جماعت اہل اسلام میں تفرقہ اندازی نہایت افسوس ناک جرم ہے اسی طرح اور مسائل میں نزاع ہوتا ہے کہ جو امور ایسے دقیق و غامض اور ایسے مشکل و لاینحل تو ہیں نہیں جہاں تک صاحبِ عقل و ہوش رسائی نہ کر سکے۔ سمجھ میں آتا ہے اور صاف سمجھ میں آتا ہے اور ہر منصف مزاج جب نظر ڈالتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان وہابیوں کا اعتراض بے جا ہے۔ صرف نفسانیت کا کرشمہ ہے۔ شرعی دلائل اور قوی براہین ان امور کے جواز پر موجود ہیں۔ ایسے ہی اصول مسائل جن میں وہابیہ نے طوفان برپا کر دیا ہے۔ اس قدر مشکل نہیں ہیں کہ کسی وہابی کی فہم ان تک رسائی نہ کر سکے۔

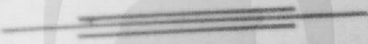
تعظیم رسالت

یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت اور تعظیم و توقیر اہم فرائض میں سے ہے۔ حضور کی جناب میں ادنیٰ اگستاخی بے شبہ کفر ہے۔ پھر مولوی رشید و خلیل محمد قاسم و اشرف علی وغیرہ کی طرفداری میں اس قدر وارفتہ ہو جانا کہ حضور کی شان میں ان کے ناقص کلمات اور گستاخانہ الفاظ کو برداشت کیے جائیں اتنا ہی نہیں بلکہ شد و مد سے ان کی طرفداری کی جائے ایسی کتابیں جن میں یہ کفری مضامین ہوں ان کو بکرات و مرات چھاپ کر شائع کیا جائے۔ تمام عرب و عجم کے مسلمان آزردہ و رنجیدہ ہوں۔ حرمین طیبین تک سے ان ناقص کلمات پر کفر کے فتوے آچکیں مگر ضد اور ہٹ میں کمی نہ آئے۔ بارگاہ الٰہی میں سر نہ جھکے، توبہ کے لئے زبان نہ ہلے۔ حضور کی گستاخی کرنے کے باوجود ان مولویوں کو نہ چھوڑا جائے نہ انہیں توبہ پر مجبور کیا جائے یہ کتنی بڑی بے حمیتی ہے۔ ہندو پاکستان میں ایک عظیم فتنہ برپا ہے۔ گھر گھر میں جنگ ہے ہر جگہ شور ہے غوغا ہے۔ کچھ تو سنجیدہ طبیعت انسان اس درد کا احساس کریں اور مسلمانوں کو اس کمزور کر دینے والے نزاع سے نجات دلائیں۔ اگر وہابی صاحبان ذرا سی ضد چھوڑ دیں اور شریعت میں اپنی طرف سے ضد کرنے کی عادت چھوڑ دیں تو یہ تمام جھگڑا ایک دم ختم ہو جائے اور ہندو پاکستان کے گوشہ گوشہ میں جنگِ تعصب کے بھڑکنے والے شعلے بجھ جائیں اور یہ آگ سرد ہو جائے۔ اگر چند کلمات ناشائستہ تمہاری زبان سے نکلے، تمہارے قلم سے لکھے گئے، تمام ملک ان سے آزردہ خاطر ہے تمام مسلمان ان سے رنجیدہ ہیں ہر مسلمان کا دل ان سے دکھا ہوا ہے تو تمہیں ان کلموں پر کیا اصرار ہے؟ تم اس بات کی پچ کرنے پر کیا مجبور ہو؟ توبہ کے دو کلموں سے اس نزاع کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیتے اگر کوئی باہمت

وہابی اپنے اکابر کو توبہ کی ہمت دلائے اور ان پر زور دے تو تمام ہند و پاکستان کی یہ محاذ جنگ منٹوں میں طے ہو سکتی ہے۔

کیا ہے کوئی ایسا مصلح جو یہ کیا ہے کوئی ایسا امن پسند کیا ہے کوئی ایسا دردمند جو اس کوشش کے لئے کمربستہ اور تیار ہو! جاہل سے جاہل انسان اور سرکش سے سرکش شخص بھی خدا کے حضور توبہ کرنے اور جبین نیاز خاک پر رکھنے میں نہیں جھجکتا۔

کیا دعویداران علم و ہمہ دانی عملی طور پر ثابت کریں گے کہ ان میں بھی اتنی حمیت باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



رسالہ

موالات

تصنیف لطیف: حضور صدر الافاضل محقق ومفسر مرادآبادی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد: موالات اور ولا، اور تولّی سب کا مادہ وَلْیٌ ہے۔ جو لغت میں قرب واتصال کے معنی میں آتا ہے چونکہ یار، مددگار، دوست، محرم اسرار اور رفیق مختار کار کو بھی قرب و اتصال حاصل ہوتا ہے اس لئے ان کو بھی ولی کہتے ہیں اور کسی کو ایسا دوست بنانا موالات کہلاتا ہے کہ اس کو ناصر و مددگار یا مصاحب وواقف اسرار یا اپنے امور میں متصرف ومختار بنایا جائے۔

قرآن پاک میں یہ لفظ ان معانی میں وارد ہے موالات کا مفہوم بتانے کے لئے دوستی ایک جامع اور اچھا لفظ ہے۔

موالات بکفار کفار کے ساتھ دوستی وموالات کی چند صورتیں ہیں۔ کافر میں دو حیثیتیں ہیں (۱) مذہبی (۲) شخصی۔ مذہبی حیثیت سے کفار کے ساتھ محبت و وداد، ربط واتحاد، دوستی ویکدلی تو مومن سے ممکن ہی نہیں بالفرض کسی شخص کو کافر کے ساتھ اس کے دین کی وجہ سے محبت یا ادنیٰ میل ورغبت ہو یعنی اس وجہ سے کہ یہ اس کے دین کو محبوب رکھتا ہے یا پسند کرتا ہے تو وہ مومن نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

آیت ۱۔ لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم (سورہ مجادلہ۔ رکوع ۳) ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

المعنی انہ لا یجتمع الایمان مع وداد اعداء اللہ وذلک لان من احب احدا امتنع ان یحب مع ذلک عدوہ۔

معنی یہ ہیں کہ ایمان دشمنان خدا کے ساتھ جمع نہیں ہوتا اور یہ اس لئے کہ جو کسی کو محبوب رکھے نہیں ہو سکتا کہ باوجود اس محبوب کے دشمن سے محبت بھی کرے۔

آیت ۲۔ ولو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء (سورہ مائدہ ع ۱۱) ترجمہ: اور اگر وہ اللہ اور قرآن پر ایمان رکھتے تو کفار کو دوست نہ بناتے۔

تفسیر مدارک میں ہے۔ یعنی ان موالات المشرکین تدل علی نفاقھم۔ (تفسیر مدارک ط ۹۰) یعنی مشرکین سے

ان کا دوستی کرنا اس پر دلیل ہے کہ وہ منافق ہیں۔

آیت ۳۔ یایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصرٰی اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم (مائدہ ع ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ ان میں سے بعض بعض کے دوست ہیں اور جو تم میں سے انہیں دوست بنائے وہ انہیں میں سے ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔ ای یتخذھم اولیاء فانہ منھم ای ھو علی دینھم ومعھم فی النار یعنی جو انہیں دوست بنائے وہ انہیں میں یعنی ان کے دین پر ہے اور ان کے ساتھ ہے دوزخ میں اور یہ اس صورت میں جبکہ انہیں ان کے دین کی وجہ سے دوست بنایا ہو۔

امام فخر الدین رازی انہ منھم کے تحت فرماتے ہیں۔

قال اھل العلم ھذا یدل علی ان من رضی بالکفر فھو کافر۔ اہل علم نے فرمایا کہ اس پر دلالت کرتا ہے جو کفر کے ساتھ راضی ہوا وہ کافر ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ (۴۸۹) مفتی ابو السعود نے آیۃ کریمہ اتریدون ان تجعلوا اللہ علیکم سلطانا مبینا کی تفسیر میں فرمایا۔

اتریدون بذلک ان تجعلوا اللہ علیکم حجۃ بینۃ

علیکم سلطانا مبینا ... علی انکم منافقون فان موالاتهم اوضح ادلة النفاق۔ ترجمہ: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے لیے اپنے منافق ہونے کی ظاہر حجت قائم کرو کیوں کہ کافروں سے موالات کرنا منافق ہونے کی واضح تر دلیل ہے۔ (تفسیر ابو السعود جلد ۳ ص ۳۴۸)

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ کسی کافر سے اس کے دین کی وجہ سے دوستی کرنا یا اس کے دین کو پسند کرنا یا اس کے ساتھ راضی ہونا کفر ہے اور کسی مومن سے بحالت ایمان ممکن نہیں کہ ایسی دوستی کر سکے اور اگر بالفرض کسی نے ایسا کیا تو وہ مومن نہ رہا۔

۲۔ حیثیت شخصی و ذاتی ہے یعنی کافر کے ساتھ اس کے دین و ملت کی وجہ سے تو دوستی نہیں ہے مگر اس کی ذات کے ساتھ انس و محبت ہے یہ محبت بھی اگر اس درجہ پر پہونچ جائے کہ کافر دوست کے دین اور شعار دین کی نفرت قلب سے نکل جائے یا کم ہو جائے یا وہ دین اسلام کی مخالفت اور اس کے ساتھ استہزاء کرے اور یہ اپنی محبت کی وجہ سے اس پر راضی رہے یا صبر کرے تو یہ محبت بھی منافی ایمان ہے۔ اور آیت مذکورہ بالا کے عموم میں داخل ہے۔

آیت ۵۔ وقد نزل علیکم فی الکتاب اذا سمعتم ایات اللہ یکفر بها ویستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتی یخوضوا

فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم ان اللہ جامع المنافقین والکٰفرین فی جھنم جمیعا۔ (سورہ نساء ع ۱۹) اور بیشک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا اور ان ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک وہ اور بات میں مشغول ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو بیشک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں کرے گا۔

خازن میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یعنی انکم ایھا الجالسون مع المستھزئین بآیات اللہ اذا رضیتم بذلک فانتم وھم فی الکفر سواء قال العلماء وھذا یدل علی ان من رضی بالکفر فھو کافر۔ یعنی اے آیات الٰہیہ کے ساتھ ہنسی کرنے والوں کے ہمنشینوں جب تم ان کے ساتھ راضی ہوئے تو تم اور وہ کفر میں برابر ہو علماء نے فرمایا اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص کفر کے ساتھ راضی ہو وہ کافر ہے۔ (تفسیر خازن ج ۱، ص ۴۱۲)

تفسیر ابو السعود میں ہے۔

ای لا تقعد معھم فی ذالک الوقت انکم ان فعلتموہ کنتم مثلھم فی الکفر۔ ترجمہ: پس اس وقت تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو بیشک اگر تم یہ کروگے تو کفر و عذاب میں ان کے مثل ہو

جاؤ گے۔ هكذا في البيضاوي وروح البيان (تفسیر ابو السعود جلد ۳ ص ۴۹)

آیت ۶۔ یایها الذین امنوا لاتتخذوا اباءکم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولهم منکم فاولئک هم الظلمون (سورۂ توبہ۔ رکوع ۳) ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بناؤ تم اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست اگر کفر کو ایمان پر محبوب رکھیں اور جو تم میں سے انہیں دوست بنائیں بیشک وہی ظالم ہیں

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

ومن یتولهم منکم فاولئک هم الظلمون قال ابن عباس یرید مشرکا مثلهم لانه رضی بشرکهم والرضا بالکفر کفر۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۹) اور تم میں سے انہیں دوست بنائیں وہ ظالم ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ان سے دوستی کرنے والا وہ ان کی طرح مشرک ہے اس لئے کہ وہ راضی ہوا ان کے شرک کے ساتھ اور کفر کے ساتھ راضی ہونا کفر ہے۔

امام رازی نے آیۂ کریمہ لاتجد قوما (الآیہ) کی تفسیر میں عدم اجتماع مع وداد کفار کی دو وجہیں ذکر کیں ان میں سے اول یہ ہے۔

احدهما انهما لاتجتمعان فی قلب فاذا حصل فی القلب وداد اعداء الله لم یحصل فیه الایمان فیکون صاحبه منافقا۔

ایک وجہ یہ ہے کہ ایمان اور کفار کی محبت قلب میں جمع نہیں ہوتی پس جب دل میں دشمنان خدا کی محبت حاصل ہوئی اس میں ایمان حاصل نہیں ہوتا تو وہ شخص منافق ہوا۔

اور اگر محبت اس درجہ پر نہیں پہونچی تو اس کے دو حال ہیں یا وہ محبت طبعی ہوگی جیسے اولاد کو والدین کے ساتھ یا ماں باپ کو اولاد کے ساتھ یا بھائی کو بھائی کے ساتھ طبعاً بے اختیار ہوتی ہے تو یہ مرتبہ محبت جس پر اختیار نہیں زیر حکم نہیں اور امر و نہی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ کیوں کہ مدار تکلیف وسعت و اختیار ہے۔ جو چیز اختیار سے باہر ہے بندہ اس پر مکلف بھی نہیں۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

لان التکلیف لا یرد الا بفعل یقدر علیہ المکلف۔ یعنی کیوں کہ تکلیف اسی پر وارد ہوتی ہے جس پر مکلف قدرت رکھے۔ کذا فی شرح التاویلات۔

مفتی ابو السعود فرماتے ہیں۔

احب الیکم من اللہ ورسولہ بالحب الاختیاری المستتبع لاثرہ الذی ھو الملازمۃ وعدم المفارقۃ لا الحب الجبلی الذی لا یخلوا عنہ البشر فانہ غیر داخل تحت التکلیف الدائر علی الطاقۃ۔ ترجمہ (اگر باپ اولاد وغیرہ) تمہیں اللہ و

رسول سے زیادہ محبوب ہوں محبت اختیاری جو اپنا اثر ملازمت و عدم مفارقت اپنے ساتھ رکھتی نہ جبلی محبت جس سے بشر خالی ہوتا کیونکہ تکلیف جو طاقت پر دائر ہے یہ اس کے تحت داخل ہی نہیں۔ (تفسیر ابو السعود جلد ۴۔ صفحہ ۱۶۱)

تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

المراد الحب الاختیاری دون الطبعی فانہ لا یدخل تحت التکلیف التحفظ عنہ۔ (تفسیر بیضاوی صفحہ ۳۳۰) مراد محبت اختیاری ہے نہ طبعی۔ کیونکہ محبت طبعی سے بچنا تحت تکلیف داخل نہیں۔"

اور جو محبت طبعی و جبلی نہیں اور اس درجہ بھی نہیں کہ کفر و شعار کفر کی نفرت قلب سے کم کر دے یا دین میں مداہن بنے یعنی امور خلاف شرع پر انکار و اعراض اور کراہت و نفرت برقرار رکھے اور اس سے اسلام یا مسلمانوں کو بھی ضرر نہ ہو جب بھی شان مومن کے خلاف اور ممنوع ہے اور مطلقاً مودۃ کفار کی ممانعت میں اس قدر آیات وارد ہیں کہ مختصر میں ان کا جمع کرنا دشوار ہے۔

آیت (۸) یایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق۔ (الآیۃ) (سورہ ممتحنہ رکوع ۱۔) اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالاں کہ

وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا۔

آیت ۸۔ الم تر الی الذین تولوا قوما غضب اللہ علیہم ما ھم منکم ولا منھم۔ (الایہ سورہ مجادلہ رکوع ۳)

جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے وہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے تم۔

آیت ۹۔ یایھا الذین امنوا لا تتولوا قوما غضب اللہ علیہم (ممتحنہ ۳)

اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے۔

آیت ۱۰۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون۔

(سورہ مائدہ ع ۸) ترجمہ۔ تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسولوں اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو اللہ ہی کا گروہ غالب ہے اور اگر وہ ایمان لائے اللہ اور اس کے نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں تو بہتیرے فاسق ہیں۔

علامہ اسمٰعیل حقی آیت، کے تحت لکھتے ہیں۔

فان قلت کیف قال لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء والعداوۃ والمحبۃ لکونھما متنافیین لا یجتمعان فی محل واحد والنھی عن الجمع بینھما فرع امکان اجتماعھما قلت انما کان الکفار اعداء للمومنین بالنسبۃ الی معاداتھم اللہ ورسولہ ومع ذالک یجوز ان یتحقق بینھم الموالاۃ والصداقۃ بالنسبۃ الی الامور الدنیویۃ والاغراض النفسانیۃ فنھی اللہ عن ذالک یعنی فلم یتحقق وحدۃ النسبۃ من الوحداۃ الثمان وحیث لم یکتف بقولہ عدوی بل زاد قولہ وعدوکم دل علی عدم وقتھم وفوتھم فانہ یلقی فی عداوتھم لھم وترک موالاتھم کونھم اعداء اللہ ورسولہ کانوا اعداء لھم ام لا۔ (روح البیان جلد ۹ ص۳۶۵)

ترجمہ: اگر تو یہ کہے کہ اللہ تعالٰی نے یہ کیسے فرمایا کہ تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ حالانکہ عداوت اور محبت منافاۃ کی وجہ سے ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتیں اور ان کو جمع کرنے سے ممانعت کرنا ان کا اجتماع ممکن ہونے کی فرع ہے یعنی محبت وعداوت ایک محل میں جمع ہونا ممکن ہو تب تو اس کی ممانعت کی جائے اور جب ممکن ہی نہیں تو ممانعت کے کیا معنی، میں اسکے جواب میں

لکھتا ہوں بیشک کفار اللہ اور رسول کے دشمن ہونے کی وجہ سے
ہی مومنوں کے دشمن ہیں اور باوجود اس کے ممکن ہے کہ دنیوی امور اور
نفسانی اغراض کی وجہ سے کافر اور مومن میں موالات دوستی ہو سکے
تو اللہ نے اس سے منع فرمایا۔ منطق کے پیرایہ بیان میں حاصل جواب
یہ ہے کہ آٹھ وحدتوں میں سے جو تناقض میں شرط ہیں وحدت
نسبت نہ پائی گئی تو تناقض نہ رہا اجتماع ممکن ہوا۔ اور نہی درست اور
چونکہ اللہ تعالیٰ نے عدوی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ عدو کر زیادہ کیا یہ کفار سے
دوستی کرنے والوں کی عدم مروت وفتوت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ
ان کی عداوت ترک موالات کے لئے کفار کا دشمن خدا ہی ہونا کافی
ہے خواہ وہ ان کے دشمن ہوں یا نہ ہوں۔

آیت ۱۳۔ یایھا الذین امنوا لاتتخذوا اباءکم واخوانکم اولیاء
ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئک
ھم الظلمون۔ (سورہ توبہ) یعنی اے ایمان والو اپنے باپ
بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں
جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔

امام علامہ علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی علیہ الرحمہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں
لما امر المومنین بالتبری من المشرکین قالوا کیف یمکن
ان یقاطع الرجل اباہ واخاہ وابنہ فذکر اللہ ان مقاطعۃ

الرجل اهله واقاربه فی الدین واجبة فالمومن لایوالی الکافر وان کان اباءه واخاه وابنه۔ (خازن جلد ۲ ص ۲۱۲) یعنی جب مسلمانوں کو مشرکین سے بیزاری کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا، یہ کیونکر ممکن ہے کہ آدمی اپنے باپ بھائی اور اپنے بیٹے سے مقاطعہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ دین کے معاملہ میں آدمی کا اپنے اہل و اقارب سے مقاطعہ کرنا واجب ہے پس مومن کافر کو دوست نہیں بناتا خواہ اس کا باپ ہی ہو یا بھائی یا بیٹا۔

انہیں علامہ نے لاتتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینھم میثاق کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

ھذا الاستثناء یرجع الی القتل لا الی الموالات لان موالاۃ الکفار والمنافقین لاتجوز بحال۔ یعنی یہ استثنا جو آیت میں مذکور ہے قتل کی طرف راجع ہے نہ موالات کی طرف کیوں کہ کفار و منافقین کی دوستی کسی حال میں جائز نہیں۔ (تفسیر خازن جلد اص ۴۲۶)

امام فخر الدین رازی آیۃ لا تجد قوما یومنون باللہ الخ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

والثانی انھما تجتمعان لکنہ معصیة وکبیرۃ وعلی الوجه لایکون صاحب ھذا الوداد کافرا بسبب ھذا الوداد بل کان عاصیا فی اللہ۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۱۱۸) دوم یہ کہ وہ دونوں یعنی موالات کفار اور ایمان جمع ہو جائیں لیکن کفار کی دوستی

گناہ کبیرہ ہے اور اس درجہ پر دوستی کرنے والا اس دوستی کی وجہ سے کافر نہ ہوگا بلکہ گنہگار ہوگا۔

صورت اخیرہ کے سوا محبت کفار کی باقی صورتوں کے احکام سابق میں مذکور ہو چکے کہ وہ منافی ایمان ہیں اس صورت کا حکم امام رازی علیہ الرحمہ نے بتایا کہ وہ معصیت و کبیرہ ہے پھر اس صورت کی ممانعت میں مبالغہ فرمانے کے وجوہ میں پہلی وجہ تو وہی ذکر فرماتے ہیں کہ یہ مودت ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اس کا بیان پہلی صورتوں میں ذکر ہو چکا ہے دوسری وجہ میں فرماتے ہیں۔ آیۂ کریمہ ولو کانوا اٰباءھم الخ میں مراد یہ ہے۔

قولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم فالمراد ان المیل الی ھولاء اعظم انواع المیل ومع ھذا یجب ان یکون ھذا المیل مغلوبا مطروحا بسبب الدین۔ یعنی باپ بیٹوں بھائیوں عزیزوں کی طرف میل و رغبت کے اقسام میں بہت بڑی چیز ہے اور باوجود اس کے واجب ہے کہ دین کی وجہ سے یہ میل و رغبت مغلوب و مطروح ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۶۱)

اس سے چند سطر کے بعد فرماتے ہیں۔

المعنی ان من انعم اللہ علیہ بھذہٖ النعمۃ العظیمۃ کیف یمکن ان یحصل فی قلبہ مودۃ اعداء اللہ۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۶۰)

امام علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

من الممتنع ان تجد قوما مومنین یوالون المشرکین

والمراد انه لاینبغی ان یکون ذلک وحقه ان یمتنع ولایوجد بحال مبالغة فی التوحید بالتصلب فی مجانبة اعداء الله مباعدتھم والاحتراز عن مخالطتھم و معاشرتھم۔ (تفسیر مدارک جلد۴۔ ص۲۲۳) یعنی یہ ناممکنات سے ہے آپ ایماندار والے کو مشرکین سے دوستی کرتے پائیں مراد یہ ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیے اور دوستی کا حق بھی یہ ہے کہ ناممکن ہو اور کسی حال میں نہ پائی جائے یہ دشمنان خدا کی مخالطت و معاشرت سے پرہیز دوری وعلٰحدگی پر سختی سے قائم رہنے کے لیے زور دیا جاتا ہے۔

اس مضمون پر اس کثرت سے آیات وعبارات ملتی ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو مذکورہ بالا آیات وعبارات سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ کافر کے ساتھ اس کے دین کی وجہ سے محبت کرنا تو ممکن ومتصور ہی نہیں اگر بالفرض کسی کو ایسی محبت ہو تو وہ مومن نہیں کافر ہے اور کافر کی ذات سے اس درجہ کی محبت ہونا کہ اسلام کی مخالفت واستہزاء پر یہ شخص اس محبت کی وجہ سے راضی ہو جائے یا کافر دوست کی رضا جوئی کی وجہ سے صبر کرے کافر کی محبت کے باعث کفر وشعار کفر سا تھ اس کے قلب کو نفرت تازہ رہے تو بھی دولت ایمان سے محروم اور زمرہ کفار میں داخل اور اگر محبت اس درجہ کی نہیں کہ اپنے دین کی پرواہ نہ کرے یا کافر کے دین کی نفرت دل سے کم ہو بلکہ باوجود اس کے دل میں کفر وشعار کفر ومراسم کفر کی پوری

نفرت ہو اور اپنے دین کی اہانت و مخالفت گوارہ نہ کر سکے تو بھی کافر کی طرف قلب کا میلان اس کے ساتھ محبت کرنا (بشرطیکہ یہ محبت جبلی و طبعی نہ ہو) معصیت و کبیرہ اور ممنوع و ناجائز ہے اور مسلمان کی شان کے خلاف ہے، مؤمن جو اللہ سبحانہٗ پر ایمان رکھتا ہے اس کی شان نہیں کہ دشمنان خدا کی محبت اس کے قلب میں رہے اور اس کے دل کو ان کے ساتھ ربط و وابستگی ہو، امکان اس کا روادار نہیں کہ انسان حلاوت ایمان کی لذت سے پورے طور پر بہرہ مند ہونے کے بعد بلکہ یوں کہیے کہ محبوب حقیقی کی محبت کے ذوق سے آشنا ہو کر دشمنان خدا کی مودت و دوستی کی تمنی برداشت کر سکے اور اس کا دل جو محبوب حقیقی کے عشق و محبت کی جلوہ گاہ بن چکا ہے مبغوضان الٰہی کی الفت و وداد کی تاثیر کو قبول کر سکے جو زبان شیرینی کی عادی اور خوگر ہو وہ تلخی سے استلذاذ کرے یہ متصور نہیں مجازی و معمولی محبتوں میں محبوب کے دشمنوں کے ساتھ قلب کو نفرت ہو جاتی ہے اور دوست کا ادنیٰ مخالف دشمن سے بدتر معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ قرابتوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عشق الٰہی کی دولت سے مالا مال ہو کر کوئی دل کفار کی طرف مائل ہو سکے اور باوجود ایمان کے دل میں محبت کفار کی گنجائش رہے۔

یہ آیات و عبارات مذکورۃ الصدر کا حاصل و مفاد ہے اور اس سے محبت و مودت کفار کا حال معلوم ہوا۔

کفار کے ساتھ مخالطت و معاملت

یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ مخالطت و معاملت مطلقاً داخل موالات اور ممنوع نہیں کیونکہ موالات اور دوستی کا اطلاق جیسا کہ محبت و ربط قلب پر ہوتا ہے ایسا ہی رفیقانہ اختلاط اور دوستانہ میل جول پر بھی ہوتا ہے کفار کے ساتھ ایسی مجالست و مصاحبت مواکلت و مشاربت تناصر و تعاون بھی ممنوع ہے۔ انہیں رازدار بنانا اپنے امور ان کے ہاتھ میں دینا بھی ناجائز ہے اس کی قدرے تفصیل گذارش کروں کفار کے ساتھ ایسا طرز عمل ایسا میل جول ایسا معاملہ جو دوستی اور محبت کی صورت رکھتا ہو اور علامات موالات ہو سکے گو محبت و مودت کے ساتھ نہ ہو وہ بھی داخل موالات و ناجائز ہے۔

علامہ شیخ حقی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ لا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای جانبو ھم مجانبۃ کلیۃ ولا تقبلوا منھم ولایۃ ولا نصرۃ ابدا۔ ترجمہ۔ ان سے بالکل علٰحدہ رہو اور ان کی نصرت وولایت ہرگز قبول نہ کرو۔ (کذا فی تفسیر ابی السعود و روح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۲۳)

علامہ مفتی ابو السعود آیۃ ولا تتخذوا الیھود والنصاریٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای لا یتخذ احد منکم احدا منھم ولیا بمعنی لا

کوئی ضرر رہتا ہو وہ بھی اسی کے ساتھ ملحق اور ناجائز ہے۔ جیسے مسلمانوں سے لڑائی کے وقت بطمع زر لشکر کفار میں داخل ہونا یا انہیں رسد سے مدد پہنچانا وغیرہ اس کی امثال۔

تفسیر خازن میں ومن یتولھم منکم فانہ منھم کے تحت فرماتے ہیں یعنی ومن یتولی الیھود والنصرٰی دون المومنین فینصرھم علی المومنین نھو من اھل دینھم وملتھم (خازن جلد ۱، ص ۴۷۷) جو مومنین کو چھوڑ کر یہود اور نصاریٰ کو دوست بنائے اور مومنین کے مقابلہ میں ان کی مدد کرے وہ انہیں دین وملت والوں میں سے ہے۔ تفسیر مدارک میں فتری الذین فی قلوبھم مرض یسارعون فیھم کے تحت فرماتے ہیں۔

فی معاونتھم علی المومنین وموالاتھم۔ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ کفار کے ساتھ موالات اور مومنین کے مقابلہ میں ان کی مدد کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ موالات کی مسطورہ بالا صورتیں ممنوع ہیں جن کے احکام مع دلائل مفصلاً مذکور ہو چکے اور جن کا لب ولباب یہ ہے کہ کفار کو دوست بنانا یا ان کو رازدار ٹھہرانا، ان کو مددگار سمجھنا ان کو اپنے امور کا والی اور دخیل کار قرار دینا انہیں قوت پہنچانا ان سے بے ضرورت دوستانہ میل جول اختلاط وارتباط کی رسمیں برتنا مسلمانوں کے مقابلہ میں امداد کرنا یہ سب باتیں ممنوع اور داخل موالات ہیں۔ اور قرآن پاک میں ان کی ممانعت فرمائی گئی ہے لیکن شریعت مطہرہ کے جملہ احکام سراسر حکمت ہیں اور مسلمانوں کی مصلحتیں ان میں ملحوظ جہاں کفار کا غلبہ زیادہ حاکم

تصافوهم ولا تعاشروهم مصافات الاحباب و معاشرتهم لا بمعنی لا تجعلوهم اولیاء لکم حقیقۃ فانہ امر ممتنع فی نفسہ لا یتعلق بہ النھی۔ (تفسیر ابوالسعود جلد ۳ ص ۹۵) ترجمہ

تم میں سے کوئی ان میں سے کسی کو ولی نہ بناؤ یعنی تم ان سے یاری نہ کرو اور ان کے ساتھ دوستوں کا سا معاملہ اور ان کی سی معاشرت نہ کرو یہ معنی نہیں کہ انہیں حقیقتاً اپنا دوست نہ بناؤ کیوں کہ یہ تو ممکن ہی نہیں اس کے ساتھ نہی کیونکر متعلق ہو۔

۲. جو تعلق اور میل جول کہ حقیقتاً محبت و مودت کے ساتھ نہیں ہے۔ اور نہ دوستی و موالات کی علامت ہو سکتا ہے مگر اس سے مسلمان کا مقصد صحیح اور حاجت معتبرہ بھی نہیں اور کفار کا اس میں نفع ہے۔ وہ بھی موالات کے ساتھ ملحق و ناجائز ہے کیونکہ یہ اگر علامت موالات نہیں تو کم از کم صورت موالات تو ہے ہی۔

تفسیر ابوالسعود ص ۹۵ میں ہے۔

وفیہ زجر شدید للمومنین عن اظھار صورۃ الموالات لھم وان لم تکن موالات فی الحقیقۃ۔ کذا فی روح البیان

ترجمہ: اس میں مومنین کو کفار کے ساتھ صورت و معاملہ ظاہر کرنے پر زجر شدید فرمایا ہے۔ گو حقیقتاً موالات نہ ہو۔

۳۔ جس تعلق میں ربط قلب و مودت بھی نہ ہو اور علامت دوستی بھی نہ ہو اور مسلمان کا اس میں کوئی مقصد بھی نہ ہو مگر اسلام یا مسلمانوں کے حق میں اس سے

ظاہرین او یکون المؤمن فی قوم کفار فیداھنھم بلسانہ وقلبہ مطمئن بالایمان دافعا عن نفسہ من غیران یستحل دما حراما او مالا حراما او غیر ذالک من المحرمات ولا یظہر الکفار علی عورات المسلمین۔

معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار کی موالات اور ان کے ساتھ مداہنت اور رازداری کی ممانعت فرمائی مگر جب کہ کافر غالب ہوں یا مومن قوم کفار میں ہو تو اپنی جان دفع ضرر کے لئے زبانی مداہنت کر سکتا ہے بشرطیکہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور کسی خون حرام یا مال حرام کا استحلال یا اور کوئی حرام کام کر نا پڑے نہ کفار کو مسلمانوں کے راز پر آگاہی دے۔

۴۔ جو تعلق مذکورہ بالا باتوں سے خالی ہو یعنی وہ حقیقت میں محبت کی بنا پر ہو نہ اس کی علامت و دلیل نہ اس سے اسلام یا مسلمانوں کو ضرر و نقصان مقصود ہو نہ کفار کا فائدہ و نفع مقصود اور اس میں مسلمانوں کی کوئی حاجت و ضرورت یا مقصد صحیح ہو تو جائز ہے اور وہ موالات محرمہ میں داخل نہیں۔

روح البیان میں من یتولھم منکم فانہ منھم کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای ھو علی دینھم ومعھم فی النار وھذا اذا تولاھم لدینھم واما الصحبۃ لمعاملۃ شراء شیئ منھم او

دوالی ہوں اور مجانبت کلیہ و انقطاع تام سے مسلمانوں کے ضرر کا اندیشہ ہو وہاں ان کے ساتھ ایسے امور میں شرکت جو ممنوع نہیں ہیں اور جس سے اسلام اور اہل اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہونچتا ہے جائز ہے قلب کفر و کفار کی محبت سے فارغ ہونا چاہیئے

آیت۔ ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیئ الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔ ط ترجمہ۔ اور جو ایسا کرے گا کافروں سے دوستی کا برتاؤ کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا مگر یہ کہ تم ان سے کچھ ڈرو۔

تفسیر ابو السعود میں ہے۔

الا ان تخافوا منھم امرا یجب اتقاؤہ ای الا ان یکون الکافر علیک سلطان فتخافہ علی نفسک و مالک فحینئذ یجوز لک اظہار الموالات وابطان المعادات۔ مگر یہ کہ تمہیں ان کی طرف سے کسی ایسی بات کا خوف ہو جس سے ڈرنا ضروری ہے یعنی جبکہ کافروں کا تم پر غلبہ ہو اور تم کو اس سے اپنی جان و مال کا خوف ہو اس وقت تمہیں اظہار موالات اور ابطان معادات جائز ہے۔

تفسیر خازن میں فرماتے ہیں۔

معنی الآیۃ ان اللہ نھی المومنین عن موالاۃ الکفار و مداھنتھم ومباطنتھم الا ان یکون الکفار غالبین

طلب عمل منهم مع مخالفة فی الاعتقاد والامور
الدینیة فلیس فیه هذا الوعید. ترجمہ: (جوان سے
دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہے) یعنی ان کے دین
پر اور ان کے ساتھ دوزخ میں یہ جب ہے کہ ان سے
ان کے دین کی وجہ سے دوستی کی ہو لیکن صحبت کسی معاملہ خرید
وفروخت کے لئے یا ان سے کوئی کام خدمت لینے کے
لئے باوجود مخالفت اعتقاد اور مخالفت امور دینی کے یہ اس
وعید میں داخل نہیں۔

یہی علامہ آیۃ لا تجد قوما الآیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔
واما المعاملة للمبایعة او للمجاورة او للمرافقة بحیث
لا تضر بالدین فلیست بحرمة۔ (تفسیر روح البیان جلد چہارم ۳۸۵)
لیکن معاملہ کرنا خرید وفروخت کے لئے یا پڑوس کی وجہ سے یا
ہمراہی کے سبب سے اس طور پر کہ اس سے دین میں ضرر
نہ ہو حرام نہیں۔

اس قسم کے معاملات میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ محل وموقع پر حسب
حاجت مکارم اخلاق کا برتاؤ بھی جائز ہے تاکہ وہ بھی اہل اسلام کے ساتھ ویسا ہی
برتاؤ کریں۔ ہدایہ میں ہے:
وان علم انهم یاخذون منا ربع عشر او نصف عشر

یاخذ ہ بقدرہ وان کانوا یاخذون الکل لا یاخذ الکل لانہ غدر وان کانوا لا یاخذون اصلا یاخذ لیترکوا الاخذ من تجارنا ولانا احق بمکارم الاخلاق ۔ ترجمہ
اگر یہ معلوم ہو کہ وہ (اہل حرب) ہم مسلمانوں سے چہارم عشر یا نصف عشر لیتے ہیں تو اتنا ہی لے اور اگر مسلمانوں کا کل مال لیتے ہوں تو یہ کل نہ لے اس لئے کہ غدر ہے اور اگر وہ بالکل نہ لیتے ہوں تو یہ بھی بالکل نہ لے تاکہ وہ ہمارے تجار سے لینا ہی چھوڑ دیں اس لئے کہ ہم اخلاق کریمہ کے سزاوار ہیں۔

ہنود و نصاریٰ اور محارب وغیرہ

محارب کا فرق: کفار خواہ کوئی بھی ہوں مجوس یا ہنود نصاریٰ یا یہود موالات سب سے ممنوع اور منہی عنہ ہے۔ اس باب میں محارب اور غیر محارب میں کوئی فرق نہیں، بات یہ ہے کہ کفار سب ہی اسلام و اہل اسلام کے دشمن ہیں۔ الکفر ملة واحدة اپنے موقع پر کوئی بھی مسلمانوں سے درگذر کرنے والا نہیں۔ جس کو موقع ملا اس نے جنگ کی جس کو موقع نہیں ملا وہ ہر دم موقع کی تلاش میں ہے اور اس کے سینے میں بھی عداوت بھرا ہوا ہے۔ وہی جوش و غضب ہے جو محارب کے دل میں ہے، یہ اس سے کسی طرح کم نہیں، لڑائی

بھی قسم قسم کی ہے۔ کوئی تلوار لے کر مقابلہ میں آتا ہے۔ کوئی دوست بن کر خفیہ تدابیر سے کام کر جاتا ہے اور صیاد کی طرح گرفتار مصیبت کرنے کے لئے دانہ سامنے رکھتا ہے اور جال خاک میں چھپاتا ہے اور اپنی عیاری و مکاری سے ضرر عظیم پہنچاتا ہے۔ مسلمانوں کا دوست ان میں ایک بھی نہیں۔

آیت یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قد بینا لکم الایات ان کنتم تعقلون ھا انتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم وتؤمنون بالکتاب کلہ واذا لقوکم قالوا امنا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور ان تمسسکم حسنۃ تسؤھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا ان اللہ بما یعملون محیط۔

ترجمہ: اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں درگذر نہ کریں گے ان کی آرزو ہے جتنی تمہیں ایذا پہنچے دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہو چکی اور جو ان کے سینے میں پوشیدہ ہیں اور بھی بڑا ہے۔ ہم نے تمہیں کھول کر نشانیاں سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو سنتے ہو یہ جو تم ہو تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے

حالانکہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے تم فرما دو کہ مر جاؤ اپنی غیظ میں، اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤ تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا بیشک ان کے سب کام اللہ کے احاطہ میں ہیں۔"

کفار کی عداوت قرآن پاک نے اس صراحت کے ساتھ بیان فرمائی اور ان کے آتش غضب و عناد کے تیز شراروں سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہر صاحب عقل سلیم اور ذی ہوش جانتا ہے کہ جن کے قلوب عداوت سے لبریز اور جن کے باطن میں دشمنی و عناد کے دریائے طوفان خیز ہیں ان سے غافل و مطمئن ہونا اور ان کو خیر خواہ اور دوست سمجھنا خودکشی کا مترادف ہے۔

عداوت جس کی طبیعت بن گئی وہ موقع نہ پانے سے دوست سمجھ لینے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سانپ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو مجھ پر حملہ کر چکا وہ تو بیشک احتراز کے قابل ہے لیکن دوسرا وہ جس نے مجھ پر حملہ نہیں کیا ہے اس سے احتراز کرنا کم ہمتی اور بدخلقی ہے۔ حملہ آور اور غیر حملہ آور کے ساتھ ایک سلوک نہایت بے جا ہے۔ بایں دلیل کالے زہریلے سانپ سے احتراز نہ کرے اس کو گود میں پرورش کرے تو اس کو لایعقل و نادان کہا جائے گا اور ہلاکت اس کا مآل کار ہوگا۔

قرآن پاک نے اس پر جا بجا تنبیہ فرمائی ہے اور مسلمانوں کو باخبر اور ہوشیار کیا ہے۔

آیت ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء وودوا لو تکفرون. کفار اگر تم پر موقع پائیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اپنی زبانیں بدی کے ساتھ دراز کریں گے اور ان کی تمنا ہے کہ کسی طرح تم کافر ہو جاؤ۔

تفسیر خازن میں ہے۔

(ان یثقفوکم) ای یظفروا بکم ویروکم یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء ای بالضرب والقتل والشتم والسب (ودوا) ای تمنوا (لو تکفرون) ای ترجعون الی دینھم کما کفروا والمعنی ان اعداء اللہ لا یخلصون المودۃ لاولیاء اللہ ولا ینا صحونھم لما بینھم من الخلاف فلا تنا صحوھم انتم تتوادوھم۔

(تفسیر خازن جلد ۴ ص ۲۵۶) ترجمہ: کفار اگر تم کو پائیں یعنی اگر تم پر دسترس پائیں اور تمہیں دیکھ لیں (تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے) اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں بدی کے ساتھ دراز کریں گے یعنی ضرب وقتل اور سب وشتم کے ساتھ، اور آرزو کریں گے کہ تم کافر ہو جاؤ یعنی ان کے دین کی طرف پلٹو جیسا کہ وہ کافر ہو گئے، اور معنی یہ ہیں کہ دشمنان خدا اللہ والوں کے ساتھ اخلاص ومحبت

نہیں کرتے کیوں کہ ان کے درمیان مخالفت ہے پس تم بھی ان سے دوستی و محبت نہ کرو۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

ان یثقفوکم ای ان یظفروابکم ویتمکنوا منکم یکونوا لکم اعداء خالصی العداوۃ ولا یکونوا لکم اولیاء کما انتم ویبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء بالقتل والشتم وودوا لو تکفرون تمنوا لو ترتدون عن دینکم فاذا موادۃ امثالھم خطأ عظیم منکم والماضی وان کان یجری فی باب الشرط مجری المضارع ففیہ نکتۃ کانہ قیل وودوا قبل کل شیی کفرکم وارتدادکم یعنی انھم یریدون ان یلحقوا بکم مضار الدنیا والدین من قتل الانفس وتمزیق الاعراض ورد کم کفارا اسبق المضار عندھم واولھا لعلمھم ان الدین اعز علیکم من ارواحکم لانکم بدالون لھا دونہ والعدو اھم شیی عندہ صاحبہ۔ ترجمہ یعنی اگر تم پر موقع پائیں اور قادر ہوں تو تمہارے دشمن خالص العداوت بن جائیں اور وہ تمہاری طرح وہ تمہارے دوست بن جائیں اور وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور زبان بدی کے ساتھ دراز کریں قتل و شتم کے

ساتھ اور تمنا کرتے ہیں کہ تم اپنے دین سے مرتد ہو جاؤ ایسی حالت میں ایسوں سے دوستی کرنا خطائے عظیم ہے اور ماضی اگرچہ باب شرط میں مضارع کے قائم مقام ہوتی ہے پس اس میں نکتہ ہے گویا کہ کہا گیا کہ انہیں ہر چیز سے پہلے تمہارے کافر و مرتد ہو جانے کی آرزو ہے یعنی وہ چاہتے کہ تمہیں دینی دنیوی ضرر پہنچائیں۔ جانوں کا قتل آبرو ریزی اور تمہیں کافر بنانا سب سے پہلا ضرر ہے ان کے نزدیک کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ دین تمہیں جانوں سے زیادہ پیارا ہے کیونکہ اس کے لئے انہیں خرچ کرنے والے ہو۔ اور دشمن کے نزدیک وہی چیز اہم ہوتی ہے جو اس کے حریف کے نزدیک سب سے اہم ہو۔

قرآن پاک نے صاف بتایا کہ مسلمانوں کی عداوت کفار کے قلوب میں راسخ ہے وہ ان کی مصیبت پر خوش اور راحت سے ناخوش ہوتے ہیں ان کی زبانوں سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے دلوں میں اس سے سخت تر عناد ہے وہ اگر موقع پائیں تو ہاتھ اور زبان سے تکلیف پہنچائیں قتل کریں ماریں گالیاں دیں برا کہیں کوئی تکلیف ایسی ہے کہ ان کے اختیار میں ہو اور وہ درگذر کر جائیں۔ اب ثابت ہو گیا کہ ترک موالات کا حکم تمام کفار سے ہے محارب و غیر محارب اور ہنود و نصاریٰ کا فرق باطل ہے موالات تمام کفار سے ممنوع ہے۔ اور ہنود تو بدتر ین کفار میں سے ہیں بعض صاحبوں کا یہ خیال کہ ہنود ہم سے برسر جنگ نہیں ہیں انہوں نے ہمیں گھروں سے نہیں نکالا وہ ہمارے اخراج پر مظاہرہ

نہیں کرتے اس لیے ان کے ساتھ موالات جائز اور نصاریٰ کے ساتھ اس درجے ناجائز ہے کہ وہ برسر جنگ ہیں قطع نظر اس سے یہ بیان واقع کے خلاف ہے رات دن کے حالات ظاہر ومخفی عداوتیں حریفانہ چالیں قسم قسم کی ایذائیں جو ہندو پہنچاتے رہتے ہیں. آرہ اور کٹار پور کے واقعات مسلمانوں کو قتل کرنا عورتوں اور بچوں کو جلانا گھروں کو پھونکنا قرآن شریف اور مسجدوں کی بے حرمتی کرنا اور طرح طرح کی ایذائیں سب اسکے مکذب ہیں. ان سب سے قطع نظر کیجیے تو یہ تفرقہ قرآن پاک کی کثیر آیتوں کے خلاف ہے جو اوپر مذکور ہو چکیں. اور اس سے زیادہ ہیں کہ مختصر میں جمع کی جائیں.

آیت: لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین. ترجمہ: اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرو. بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں.

اس موقع پر استدلال میں پیش کرنا مستدل کی فاحش غلطی ہے اس لئے کہ اول تو یہ آیت جس معنی پر مستدل کو نفع دے سکے منسوخ ہے.

تفسیر جلالین میں ہے. وھذا قبل الامر بالجھاد (تفسیر جلالین ۴۵۵) یہ حکم جہاد سے قبل تھا.

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد دمشقی رسالہ ناسخ ومنسوخ میں لکھتے ہیں:

سورۃ الممتحنہ فیہا من المنسوخ ثلثۃ احکام الحکم الاول

قولہ تعالیٰ لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الی

قولہ تعالیٰ ان اللہ یحب المقسطین نسخ بقولہ تعالیٰ اقتلوا

المشرکین ۔ یعنی سورۂ ممتحنہ میں تین حکم منسوخ ہیں حکم

اول از لا ینہاکم تا مقسطین۔ آیۂ اقتلوا المشرکین سے

منسوخ ہوا۔

تفسیر کبیر میں ہے

وقال قتادۃ نسخھا اٰیۃ القتال۔ قتادہ نے کہا اس آیت کو آیت قتال

نے منسوخ کیا۔ (تفسیر کبیر جلد ۹ ، صفحہ ۱۹۰)

اور بالفرض اگر آیت منسوخ نہ ہو تو بھی اس سے یہ استدلال کسی طرح درست

نہیں کیونکہ الذین لم یقاتلوکم سے کفار ہی مراد ہیں اس پر کوئی دلیل قاطع نہیں ہے۔

۱۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے وہ مراد ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام سے ترک قتال و مظاہرہ پر عہد کیا تھا اور وہ قوم خزاعہ تھی اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کیا گیا کہ اس معاہدہ کی مدت تک وفا فرمائیں یہ قول ابن عباس اور مقاتلین اور کلبی کا ہے۔

۲۔ مجاہد کا قول ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو مکہ مکرمہ میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی۔

۳۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

کان الظاھر من امر المقابلة فی الأیتین ان یقال فی الاولی ان تولوھم کما فی الثانیة او بعکس ویقال فی الثانیة ان تبروھم کما فی الاولی او یذکر کل منھما کل من الاٰیتین لکن الدلائل العقلیة والشواھد النقلیة دلت علی ان الموالات بالکافر غیر جائزة مقاتلا کان او غیرہ بخلاف المبرة فانھا جائزة لغیر المقاتل غیر جائزة للمقاتل کالموالات۔

ترجمہ: دونوں آیتوں میں جو مقابلہ ہے اس کے لحاظ سے ظاہر تھا کہ پہلی آیت میں ان تولوھم فرمایا جاتا اور دوسری میں پہلی کی طرح تبروھم فرمایا جاتا یا ہر ایک کو دونوں آیتوں میں ذکر کیا جاتا۔ لیکن دلائل عقلیہ وشواہد نقلیہ اس پر دال ہیں کہ کافر کی موالات ناجائز ہے خواہ وہ مقاتل ہو یا غیر مقاتل بخلاف تبرع کے کیونکہ غیر مقاتل کے لئے یہ بھی موالات کی طرح ناجائز ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کافر سے مطلقاً موالات ممنوع ہے عام ازیں کہ وہ محارب ہو یا غیر محارب اور یہ مضمون آیات کثیرہ سے ثابت ہے۔

آیت یایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یألونکم خبالا۔ ترجمہ: اے ایمان والو غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں درگذر نہ کریں گے۔

تفسیر خازن میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وقیل المراد بھذہ جمیع اصناف الکفار ویدل علی صحۃ ھذا القول معنی الایۃ لان اللہ تعالیٰ قال لاتتخذوا بطانۃ من دونکم فمنع المومنین ان یتخذوا بطانۃ من دون المومنین فیکون ذالک نھیا عن جمیع الکفار۔ (خازن جلد ۱ ص ۲۹۵)

کہا گیا ہے کہ اس سے کفار کے جمیع اصناف مراد ہیں اور اس قول کی صحت پر آیت کا معنی دلالت کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاتتخذوا بطانۃ من دونکم تو مومنین کو غیروں کے رازدار بنانے سے منع فرمایا یہ تمام کفار کے لئے ممانعت ہوئی۔

آیت: یاایھا الذین امنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی اعقابکم فتنقلبوا خسرین۔ (ترجمہ) اے ایمان والو اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پلٹا دیں گے پھر تم خسارے میں آ کر پلٹو گے۔

قیل ھو عام فی جمیع الکفار وعلی المومنین ان یجانبوھم ولا یطیعوھم فی شیئ حتی لا یتجبروا وھم الی موافقتھم (مدارک جلد ۱ ص ۲۹۱) ترجمہ: کہا گیا کہ یہ تمام کفار کے حق میں عام ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان سے علاحدہ رہیں کسی بات میں ان کا کہا نہ مانیں تاکہ وہ انہیں اپنی موافقت پر مجبور نہ کریں۔

تفسیر کبیر میں ہے یاایھا الذین امنوا لاتتخذوا دینکم ھزوا الخ کے تحت فرماتے ہیں۔

۴. حضرت عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ یہ آیت اسماء بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی جن کے پاس ان کی والدہ بحالت شرک ہدیہ کے طور پر چند چیزیں لے کر آئیں اور انہوں نے ان کا ہدیہ قبول نہ کیا اور نہ ہی گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی حضور نے ان کو فرمایا کہ یہ ہدیہ قبول کریں اور انہیں گھر میں داخل ہونے دیں اور ان کے ساتھ احسان واکرام کریں۔

۵. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی ہاشم کی ایک قوم مراد ہے

۶. حسن سے مروی ہے کہ مسلمانوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ صلہ واحسان کی اجازت چاہی۔ بہر حال اقوال بہت ہیں۔ والکل فی تفسیر کبیر۔

اس پر جزم کرنا کہ آیت من الذین سے کفار ہی مراد ہیں کس طرح ممکن ہے۔ جائز ہے کہ مسلمان مراد ہوں جائز ہے کہ وہ کافر مراد ہوں جو لڑنے کے لئے قابل نہیں جیسے عورتیں بچے بوڑھے۔ چنانچہ مفسرین کے یہ تمام اقوال ملتے ہیں اور فرض کرو کہ کافر ہی مراد ہیں تب بھی استدلال صحیح نہیں کہ مراد کفار و معاندین ہیں کیونکہ آیت سے ان کے ساتھ بر و اقساط ثابت ہوگا اور وہ ان سے ترک موالات کے منافی نہیں اور نہ اس سے موالات کا جواز لازم آتا ہے۔ موالات ممنوع ہونے پر بھی ان کے ساتھ بر و اقساط ممکن ہے۔ الحاصل آیت سے ثابت کرنا کہ ہنود سے غیر محارب ہونے کی وجہ سے موالات جائز ہے کسی طرح صحیح نہیں۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔

اعلم انه تعالیٰ نهیٰ فی الآیات المتقدمة عن اتخاذ اليهود والنصاریٰ اولیاء وساق الكلام فی تقریرہ ثم ذکر ھٰھنا النهی عن موالات جمیع الکفار وھو ھٰذہ الآیة ۔ ترجمہ: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہود ونصاریٰ کو دوست بنانے سے ممانعت فرمائی اور اس کی تقریر میں کلام جاری فرمایا۔ پھر یہاں تمام کفار سے موالات کی عام ممانعت فرمائی۔

ان آیات و عبارات سے معلوم ہوا کہ کفار حربی ہوں خواہ غیر حربی جنگ جو ہوں یا نہ ہوں سب سے موالات ممنوع اور انقطاع واجب ہے حتیٰ کہ اگر وہ اعوان وانصار اور ظہیر ومددگار ان کرائیں تو بھی ان کے ساتھ موالات ناجائز اور مجانبت واجب ہے۔ اور ان کی نصرت وامداد نامقبول۔

آیت لا یتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین۔ مومن ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

نھوا ان یوالوا الکٰفرین لقرابة بینھم او الصداقة قبل الاسلام او غیر ذٰلك ۔ (تفسیر مدارک جلد ۱۔ ص ۲۲۶) کفار کی موالات اور دوستی سے مسلمانوں کو ممانعت کی گئی خواہ دوستی کسی قرابت کی وجہ سے ہو یا اسلام سے پہلی رسم وراہ کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔

تفسیر خازن میں ہے۔

قیل ان عبادۃ بن الصامت کان لہ حلفاء من الیہود فقال یوم الاحزاب یارسول اللہ ان معی خمسمائۃ من الیہود قد رأیت ان استظہر بہم علی العدو فنزلت ہذہ الآیۃ وقولہ لا یتخذ المؤمنین الکافرین اولیاء یعنی نصاری او اعوانا من دون المؤمنین والمعنی لا یجعل المؤمنین ولایۃ لمن ہو غیر مومن نہوا غیر مومن نہی اللہ المؤمنین ان یوالوا الکفار ویلاطفوہم لقرابۃ بینہم او محبۃ او معاشرۃ والمحبۃ فی اللہ والبغض فی اللہ باب عظیم واصل من اصول الایمان۔ یعنی کہا گیا ہے کہ عبادہ بن صامت کے یہود میں حلفاء تھے عبادہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احزاب کے روز حضور سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ پانچ سو یہود ہیں اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ دشمن کے مقابلہ میں ان سے مدد لوں پس یہ آیت نازل ہوئی لایتخذ المؤمنین الکافرین اولیاء کے معنی یہ ہیں کہ مومن کفار کو اعوان و انصار نہ بنائیں اور مسلمانوں کے سوا کسی کو یار و مددگار نہ ٹھہرائیں، مطلب یہ کہ مومن کے ولا دوستی غیر مومن کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ مومنین کو کفار کی موالات اور ان کے ساتھ ملاطفت سے منع فرمایا

خواہ یہ کسی قرابت و رشتہ داری کی وجہ سے اور اللہ کے لئے دوستی اور اسی کے لئے دشمنی ایمان کے اصول میں بڑی اصل ہے

(تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)

تفسیر خازن ہی میں آیۃ لا تتخذوا منہم ولیا ولا نصیرا کے تحت میں ہے یعنی ینصرکم علی اعدائکم لانہم اعداء لو۔ یعنی کفار کو ایسا مددگار نہ بناؤ کہ وہ تمہارے دشمنوں پر تمہاری مدد کریں کیونکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ (تفسیر خازن جلد اول ص ۳۸۶)

مدارک شریف میں اسی آیت کے تحت میں فرمایا۔

وان بذلوا لکم الولایۃ والنصرۃ فلا تقبلوا منہم۔ یعنی اگر وہ تمہارے لئے ولایت و نصرت صرف کریں تو تم اسے قبول نہ کرو۔ (تفسیر مدارک جلد ۱ ص ۳۸۶)

تفسیر میں انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الخ کی تفسیر میں ہے

لا شک ان الولایۃ المنھی عنہا ھی الولایۃ بمعنی النصرۃ۔

اس میں شک نہیں کہ ولایت ممنوعہ ولایت بمعنی نصرت ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۴۲۰)

کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

انما ذکر اللہ ھذا الکلام طیبا لقلوب المومنین وتعریفا لھم بانہ لا حاجۃ بھم الی اتخاذ الاحباب والانصار من الکفار

وذالك من كان الله ورسوله ناصرا له معينا له فای حاجة به الی طلب النصرة والمحبة من الیهود والنصری ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کلام اس لئے ذکر فرمایا کہ مومنین کے قلوب کو سُرشت حاصل ہو اور ان کو معرفت کرائی جائے کہ انہیں کفار کو یار و مددگار بنانے کی ضرورت و حاجت نہیں ہے کیونکہ اللہ و رسول جس کے ناصر و مددگار ہوں اس کو یہود و نصاریٰ سے مدد چاہنے اور محبت کرنے کی کیا حاجت۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ صـ ۶۲)

تفسیر کبیر جلد اول میں ہے:

والمراد ان الله تعالیٰ امر المسلمين لا يتخذ الحبيب والناصر الامن المسلمين. مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ دوست و مددگار نہ بنائے گا مگر مسلمان کو۔

اور آگے چل کر فرماتے ہیں:

فلا تتخذ وهم اولياء وانصارا واحبابا فان ذالك الامر الخارج عن العقل المرؤة (تفسیر کبیر جلد ۳ صـ ۶۳۳) تم انہیں اولیاء اور یار و مددگار نہ بناؤ کیوں کہ یہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی بات عقل و مروت سے خارج ہے۔

کفار غیر محارب کفار تو ہیں دوستی و موالات تو اہل بدعت اور فساق و فجار سے بھی ممنوع ہے۔

تفسیر خازن میں آیۃ فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ ، کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

قال ابن عباس دخل فی ھذہ الایۃ کل محدث فی الدین وکل مبتدع الی یوم القیمۃ . ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں قیامت تک کے بدعتی داخل ہیں۔

(تفسیر خازن جلد ۱ ص۴۲۸)

تفسیر کبیر میں آیۃ لا تجد قوما کی تفسیر میں فرماتے ہیں

فالایۃ زجر عن التوادد الی الکفار والفساق عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول اللھم لا تجعل لفاجر ولا لفاسق عندی نعمۃ فانی وجدت فیما اوحیت لا تجد قوما اخرہ . (تفسیر کبیر جلد ۸ ص۲۷۹) آیت میں کفار و فساق کی دوستی و محبت سے زجر منع کیا گیا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور یوں دعا فرماتے تھے یارب مجھ پر کسی فاجر و فاسق کا احسان مت رکھ کیونکہ میں نے قرآن پاک میں یہ آیت پائی ہے لا تجد وا الخ۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ

وینبغی ان یعلم ان المومن کما یلزمہ ان یقطع الموالات عن الکفار کذالک عن الاقرباء الفجار . جاننا چاہیے

جیسا کہ مومن پر کفار سے قطع موالات لازم ہے ایسا ہی بدکار فاجر رشتہ داروں سے بھی مقاطعہ ضروری ہے۔

اسی روح البیان میں ہے۔

عن سهل بن عبد الله التستري قدس سره من صحح ايمانه فانه لا يانس الى مبتدع ولا يجالسه ولا يواكله ولا يشاربه ولا يصاحبه ويظهر من نفسه العداوة والبغضاء (جلد ۲ ص۴)

سہل بن عبداللہ تستری قدس سرہ سے منقول ہے کہ جس نے اپنا ایمان درست کیا اس کو اہل بدعت سے انس نہ ہوگا اور نہ وہ اس کے ساتھ ہمنشینی کرے گا نہ اس کا ہم نوا و ہم پیالہ ہوگا اور نہ اس سے یارانہ کرے گا اور ان سے نفرت و عداوت ظاہر کرے گا

اسی تفسیر میں ہے۔

ينبغي للمؤمن الكامل ان ينقطع عن صحبة الكفار والفجار واهل البدع والاهواء وارباب الغفلة والانكار۔

مومن کامل کو چاہیے کہ کفار و فجار اور اہل بدع و ہوا و ارباب غفلت و انکار کی صحبت سے انقطاع کرے۔ (تفسیر روح البیان جلد ۱ ص۵۵)

تفسیر احمدی میں ہے۔

ان قوم الظلمين يعم المبتدع والفاسق والكافر والقعود مع كلهم ممتنع۔ تفسیر احمدی ص۳۸۹) قوم ظالم مبتدع اور کافر و فاسق

سب کو عام ہے اور سب کے ساتھ بیٹھنا ممنوع ہے۔

جبکہ مبتدع وفاسق وفاجر کے ساتھ بھی موالات ممنوع ہے تو کافر کے ساتھ ممنوع ہونے میں کیا تامل کافر غیر محارب تو کافر ہے۔ اس سے ترک موالات کوئی تعجب کی بات نہیں شریعت طہرہ فاسق مومن سے بھی ترک موالات کا حکم فرماتی ہے اور ہنود تو شرک وبت پرست ہونے کی وجہ سے بدترین کفار میں سے ہیں۔

تفسیر خازن میں آیۂ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینھم ھزوا کے تحت فرمایا۔

انما فصل بین اھل الکتاب والکفار وان کان اھل الکتاب من الکفار لان کفر المشرکین من عبدۃ الاصنام اغلظ وافحش من کفر اھل الکتاب۔

اب ظاہر وباہر ہو گیا کہ ہنود سے بھی ترک موالات فرض ہے اور آیت لا ینھٰکم اللہ الخ سے کفار غیر محاربین کے ساتھ جواز موالات ثابت ماننا محض باطل ہے ہنود نہ تو غیر محارب ہیں اور نہ ذمی بلکہ وہ اہل کتاب سے بدرجہا بدتر ہیں۔

ان سے موالات درکنار بر واحسان بھی جائز نہیں کیوں کہ آیت ممتحنہ سے اگر بر واحسان کا جواز ثابت ہوتا ہے تو ذمی کے لئے نہ کہ حربی کے لئے۔

تفسیر احمدی میں ہے الاولی فی جواز الاحسان ای الذمی والثانیۃ فی عدمہ الی الحربی۔ پہلی آیت ذمی کیساتھ جواز احسان کے بیان میں ہے اور دوسری اسکے عدم جواز میں حربی

کیساتھ اور موالات تو کسی کافر کے ساتھ جائز نہیں۔

حربی ہو یا غیر حربی اس معاہرپر آیات کثیرہ پیش ہو چکی ہیں آیت ممتحنہ میں جواز موالات پر کوئی دلالت نہیں تفاسیر کی عبارتیں گذر چکی ہیں موالات تو کجا کفار سے خواہ وہ غیر محارب بلکہ ذمی سے بے ضرورت سلام تک جائز نہیں رکھا۔ ہدایہ صفحہ ۲۰ پر ہے ولابد من اعتبار الاسلام فی انکحۃ المسلمین لانہ لا شہادۃ الکافر علی المسلم۔ مسلمانوں کے نکاحوں میں اسلام کا اعتبار ضروری ہے کیونکہ مسلمان پر کافر کی گواہی جائز نہیں۔

نیز ہدایہ میں ہے لا ولایۃ لکافر علی مسلم لقولہ تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا ولھذا لا تقبل شہادتہ علیہ۔ کافر مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہرگز اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر کوئی راہ نہیں کریگا اسی لئے مسلمان پر کافر کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی۔

اگر اس مسئلہ پر عبارت فقہیہ کا التزام کیا جائے تو بہت زیادہ ہوں لہٰذا میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بنی نوع کو قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین۔

رسالہ

فرائد النور فی جرائد القبور

تالیف لطیف

امام المتکلمین سلطان المناظرین مفسر اعظم سید محمد نعیم الدین محقق و محدث مراد آبادی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبحانک یا من یسبح بحمدہ اغصان النخل واوراق الاشجار ویستلذ بذکرہ السنۃ البقول الرطبین والازھار ولن من شیئ الا یسبح بحمدہ کل لیل و نھار وھو الرحیم الکریم الغفار والصلوۃ والسلام علیٰ من غرس جرید الارشاد وقضیب الھدایۃ فی اراضی القلوب لازالۃ الغوایۃ لیخفف بہ عذاب النار وھو سیدنا وسید الابرار مولانا ومولی الاخیار النبی الامی الامین المختار محمد شفیع المذنبین عند الجلیل الجبار وعلیٰ الہ واصحابہ البررۃ الاخیار الاطہار

امابعد۔ فقیر محمد نعیم الدین خصہ اللہ تعالیٰ بمزید الصدق والیقین مرادآبادی ارباب انصاف کی عالی خدمات میں التماس کرتا ہے کہ اس فقیر نے ایک عزیز کے سوال کے جواب میں قبروں پر پھول اور تر شاخیں ڈالنے کے استحباب میں ایک فتویٰ لکھا تھا۔ مولوی حکیم ہدایت علی صاحب (جو فریق مخالف کے ایک زبردست عالم سمجھے جاتے ہیں اور مدرسہ مسجد شاہی مرادآباد کے مہتمم اور بعض مدرسین مدرسۂ مذکورہ کے استاذ بھی ہیں) نے اس کا جواب تحریر فرمایا تھا۔ اب میں پہلے اپنا فتویٰ اس کے بعد حکیم صاحب کی تحریر نقل کرکے جواب الجواب پیش کرتا ہوں اور حضرات اہل اسلام سے عرض کرتا ہوں کہ بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں اور جب میری تحریر میں حق صریح دیکھیں اور صدق و راستی پائیں تو مجھے دعائے خیر سے نہ بھولیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس دینی خدمت کو میرا کفارۂ ذنوب بنائے۔ آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

قبروں پر تر شاخیں اور پھول ڈالنے کا بیان

استفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر پر تر شاخ سبز کسی درخت کی ڈالنا اور اس سے تخفیف عذاب کی امید رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور پھول ڈالنا بھی جائز ہے یا نہیں۔؟

المستفتی

محمد سراج الدین۔ محلہ بھٹی مرادآباد

الحبل الوا
بعون الكريم الوهاب

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وبعد فاقول بتوفیقہ تعالیٰ۔ قبر پر شاخ کا ڈالنا یا گاڑنا حدیث صحیح متفق علیہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

حدیث ۱: عن ابن عباس قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انہما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدہما فکان لایستتر من البول وفی روایۃ المسلم لا یستنزہ من البول واما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقہا بنصفین ثم غرز فی کل قبر واحدۃ قالوا یا رسول اللہ لم صنعت ھذا فقال لعلہ ان یخفف عنہما مالم ییبسا متفق علیہ۔ ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گذرے پس فرمایا کہ یہ دونوں عذاب کیے جاتے ہیں اور کسی بڑے امر میں عذاب نہیں کیے جاتے (یعنی ان کے خیال میں ان کے عذاب کا سبب کوئی بڑا گناہ نہ تھا) لیکن ان میں سے ایک پیشاب سے چھپتا نہ تھا یعنی پیشاب کرتے وقت پردہ کا لحاظ نہ کرتا تھا۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے بچتا نہ تھا اور لیکن دوسرا، وہ چغل خوری کرتا تھا۔ پھر جناب سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرما کی ایک تر شاخ لے کر اس کے دو حصے کیے پھر

ہر قبر میں ایک حصہ کو جما دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ نے کس لئے کیا۔ فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ دونوں حصے شاخ خرما کے تر رہیں۔

حدیث ۲۔ عن ابی ہریرۃ قال مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی قبرین فقال ائتونی بجریدتین فاتوہ بھما فجعل احداھما عند رجلیہ والاخری عند راسہ فقال ان ھذا فقال بعضھم ینفعہ ھذا یا نبی اللہ کان یعذب فی قبرہ فقال یخفف عذابہ مادام فیھما ندوۃ۔ (ابن جریر)

حدیث ۳۔ عن ابی الحسناء عن ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ مر بقبرین فاخذ سعفۃ او جریدۃ فشقھا فجعل احداھا علی احد القبرین والشقۃ الاخری علی القبر الاخر فسئل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل کان لا یتقی من البول والمرأۃ کانت تمشی بین الناس بالنمیمۃ فاستنظر بھما العذاب الی یوم القیمۃ۔ (ت ن کتب عذاب القبر)

حدیث ۴۔ عن ابی حازم عن ابی ہریرۃ قال مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی قبر فقال ایتونی بجریدتین فجعل احداھما عند راسہ والاخری عند رجلیہ فقلنا لہ یا رسول اللہ! ینفعہ بذالک قال لن یزال یخفف عنہ بعض عذاب القبر مادام فیھما ندوۃ۔ (ت ن کتاب عذاب القبر)

ماحصل: دوسری اور چوتھی عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گذرے اور وہاں ٹھہر کر فرمایا کہ میرے پاس دو شاخیں لاؤ۔ جب لوگ

دو شاخیں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ایک قبر کے سرہانے اور ایک پاؤں کی جانب لگا دی صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس سے صاحبِ قبر کو نفع ہوگا فرمایا کہ اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی جب تک ان میں تری رہے گی۔ اور تیسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گذرنا اور شاخ تر کے دو حصے کر کے ایک ایک حصہ ایک ایک قبر پر لگانا اور صحابہ کرام کا اسی طرح سوال کرنا اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا مذکور ہے۔

اب ان چاروں حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز شاخیں قبروں پر لگائیں اور ان سے تخفیف عذاب کی امید دلائی تو بیشک تر شاخوں کا قبروں پر لگانا کم از کم مستحب ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا۔

حدیث ۵ واخرج ابن عساکر من طریق حماد بن سلمة عن قتادة ان ابا برزة الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ کان یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی قبر وصاحبہ یعذب فاخذ جریدة فغرسها فی القبر وقال عسی ان یرفعه عنه ما دامت رطبة فکان ابو برزة یوصی اذا مت فضعوا فی قبری جریدتین قال فمات فی مفازة بین کرمان وقومس فقالوا کان یوصینا ان نضع فی قبره جریدتین وهذا موضع لانصیبهما فیه فبیناهم کذالک اذا طلع علیهم رکب من قبل سجستان

فاصابوا معهم سعفا فاخذوا منه جریدتین فوضعوا هما معه فی قبرہ۔ ترجمہ: قتادہ سے مروی ہے کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گذرے اور صاحب قبر اس وقت عذاب میں گرفتار تھا۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ خرما کی لیکر قبر میں گاڑدی اور فرمایا کہ اس سے تخفیف عذاب کی امید ہے جب تک کہ یہ تر رہے۔ پھر ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصیت کرتے تھے کہ میرے ساتھ میری قبر میں دو شاخیں رکھ دینا راوی نے بیان کیا کہ ان کی وفات کرمان و تومس کے درمیان ایک جنگل میں ہوئی، لوگوں نے کہا کہ ابو برزہ ہم کو وصیت کر گئے ہیں کہ ہم ان کی قبر میں دو شاخیں رکھ دیں اور یہ ایسا مقام ہے کہ یہاں شاخیں نصیب نہیں یہی گفتگو جاری تھی کہ سیستان کی جانب سے چند سوار ظاہر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک شاخ پائی جس کی دو ٹہنیاں بنا کر ان کے ساتھ ان کی قبر میں رکھ دیں۔

حدیث ۲: واخرج ابن السعد عن مورق قال اوصی بریدۃ ان یجعل فی قبرہ جریدتان۔ اور مورق سے روایت ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں رکھ دی جائیں۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث مبارکہ سے اب یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ قبر میں تر شاخوں کا ڈالنا یا گاڑنا جس طرح سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اسی طرح سنت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ہے۔

ردالمحتار شرح الدرالمختار میں ہے۔ ومن الحدیث ندب وضع ذلك للاتباع ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاس ونحوہ وصرح بذلك ایضا جماعة من الشافعیه وھذا اولی مما قاله بعض المالكیه من ان التخفیف عن القبرین انما حصل ببركة ید الشریفة صلی الله علیه وسلم اودعائه لهما فلا یقاس علیه غیرہ وقد ذكر البخاری فی صحیحه ان بریدة ابن الحصیب رضی الله عنه اوصی بان یجعل فی قابرہ جریدتان والله تعالی اعلم۔ ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ تر شاخیں قبر پر رکھنے یا ڈالنے کا استحباب حدیث سے ثابت ہے اور اسی پر قیاس کیا جائے جو ہمارے زمانہ میں آس وغیرہ کی شاخ ڈالنے کی عادت ہوگئی ہے۔ شافعیوں کی ایک جماعت نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور یہ مالکیوں کے اس قول سے اولی ہے کہ تخفیف دونوں قبروں میں بسبب برکت دست مبارک حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہوئی تھی یا آپ کی دعا سے ان دونوں کے لئے پس اس پر قیاس نہ کیا جائے گا اور بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھ دی جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب بحمدہ تعالیٰ چھ حدیثوں سے اور فقہ کی کتاب کی صریح عبارت سے قبر پر تر شاخیں ڈالنے گاڑنے کا استحباب ثابت ہوگیا۔ رہا پھول قبروں پر ڈالنا یہ بھی مستحسن ہے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے "وضع الورود والریاحین علی القبور حسن" واللہ اعلم۔

ک۔ العبد المعتصم بحبل المتین حسہ

العبد المسکین محمد نعیم الدین خصہ اللہ بمزید الصدق والیقین المرادآبادی عفر لہ الہادی۔

اس فتویٰ پر

حکیم ابدایت علی، صاحب نے یہ جواب لکھا۔

الجواب

اقول بتوفیقہ: مجیب صاحب کی تحریر دیکھنے میں آئی کہ جس سے گل افشانی قبروں پر شاخ اندازی مقابر پر مجیب صاحب نے حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وصیت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے جو استدلال کیا ہے وہ خلاف احادیث معتبرہ واقوال مستندہ فقہاء کے ہے چنانچہ جو حدیث بہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ وارد ہے اس کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اور

مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی مائۃ مسائل میں لکھا ہے کہ اس سے گل وریاحین کا قبروں پر ڈالنا اور شاخہائے تر کا نصب کرنا قبروں پر ہر شخص کے لئے جائز نہیں بلکہ یہ خصوصیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور خطابی جو کہ ائمہ اہل حدیث اور سر آمد علمائے سلف سے ہیں لکھتے ہیں کہ:

سبزہ و گل وریحان کا قبور پر ڈالنا اس حدیث سے عموماً ثابت نہیں اور صدر اول میں اس کا چرچا سلف صالحین کے تک نہیں ملتا اور وصیت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی بابت جو اقوال سلف صالحین کے آئے ہیں ان کو ہم آگے بیان کریں گے تاکہ مجیب صاحب کو یہ امر واضح ہو جاوے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال سے عام طور پر استدلال کرنا کس درجہ پر وقعت رکھتا ہے۔ محدثین کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخہائے تر کو قبروں پر نصب فرمایا تو ان دونوں کے واسطے تخفیف عذاب کے لئے دعا فرمائی اس وقت تک کہ وہ دونوں شاخیں خشک ہوں اور یہ دعا آپ کی ان کے واسطے قبول ہوئی۔

کرمانی کا قول ہے کہ ان دونوں شاخوں میں کوئی تاثیر تخفیف عذاب کی نہیں تھی مگر صرف برکت دست مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تخفیف عذاب کی اہل قبور سے فرمائی۔

ملا علی قاری نے امام نووی سے نقل کیا ہے۔

واما وضعها علی القبر فقیل انه صلی اللہ علیه وسلم سال الشفاعة لهما فاجیب بالتخفیف الی ان ییبسا۔

اور ابن حجر مکی نے لکھا ہے لعل وجه کلام الخطابی ان هذا الحدیث واقعة حال خاص لا یفید العموم ولهذا توجه له توجیهات سابقة متدبر فانه محل نظر انتھی۔ اور ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث طویل بیان کی جس کا جملہ آخر یہ ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی مررت بقبرین یعذبان فاحببت بشفاعتی ان یرفع ذلك عنهما مادام الغصنان رطبین۔ ترجمہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو قبروں پر گذرا کہ جن کے صاحب پر عذاب ہو رہا تھا پس میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے شفاعت کی، چنانچہ میری درخواست جناب باری عز اسمہ میں قبول ہوئی اور ان دونوں سے عذاب تا خشک ہونے شاخوں کے موقوف کیا گیا۔

اور امام ابو ذکریا محی الدین یحییٰ نووی نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تحت میں لکھا ہے۔

اما وضعه صلی الله علیه وسلم علی القبر فقال العلماء هو محمول علی انه (صلی الله علیه وسلم) سال الشفاعة لهما فاجیبت شفاعته بالتخفیف عنهما الی ان ییبسا۔ اور دوسری جگہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آخر کتاب میں لکھا ہے۔ واما حدیث جابر رضی الله عنه فی صاحبی القبرین فاجیبت بشفاعتی ان یرفع ذلك عنهما مادام الغصنان رطبین انتھیٰ۔

دوسرے نقادانِ فن شریف و ماہرانِ علم حدیث نے قول متمسکین حدیث

ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ایں طور رد فرمایا ہے کہ شاخہائے تروگل و ریاحین کا قبروں پر ڈالنا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا چنانچہ توربشتی شارح مصابیح نے شرح قول صلی اللہ علیہ وسلم لعلہ ان یخفف مالم ییبسا میں لکھا ہے وجہ ھذا التحدید ان ان یقال انہ سال با التخفیف مدۃ بقاء رطوبتھا وقول من قال وجہ ذلک ان الغصن الرطب یسبح اللہ تعالیٰ مادام فیہ الرطوبۃ فیکون مجیرا عن عذاب القبر لا طائل تحتہ ولا عبرۃ بہ عند اھل العلم انتھی

اور ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ شرح مصابیح میں لکھتے ہیں قولہ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ الجریدۃ عن النخل یعنی اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جریدۃ رطبۃ فشقھا بنصفین فغرز کل نصف علی قبرہ وقال لعلہ ان یخفف ویزال عنھما العذاب مادام ھذان الغصنان رطبین و سبب تخفیف العذاب عنھما مالم ییبسا انہ صلی اللہ علیہ وسلم سأل اللہ ان عنھما ھذا القدر لوصول البرکۃ الیھا لانہ رحمۃ لایمر بموضع الاصابۃ برکتہ ولیس تخفیف العذاب بخاصیۃ الجریدۃ تفضیل الرطب علی الیابس۔ انتھی

ابن امیر حاج نے مدخل میں بعد رد کرنے قول متمسکین کے کہا ہے۔ ان الراحۃ انما حصلت عن المیتین ببرکۃ ید النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ انتھی

اور ابن طاہر نے مجمع البحار میں لکھا ہے ولیس فی الجریدۃ معنی یخصہ وانما ذالک ببرکۃ ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ واما ما ورد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من وضع الجریدۃ فھو خاص بہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان تمام روایات احادیث واقوال ائمہ حدیث ونیز ائمہ فقہاء سے ثابت ہے کہ شاخہائے ترمیں کوئی خاصیت تخفیف عذاب نہیں ہے اور جو وقوع میں آئی وہ صرف دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور برکت دست مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھی سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلف صالحین وائمہ مجتہدین سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ ان کا بھی یہ معمول تھا۔ اگر مجیب صاحب کو یہ ثابت ہو گیا ہو کہ یہ حکم عائد مومنین کے لیے ہے تو خیر القرون سے ثابت فرمادیں اور جو حضرت بریدہ کی وصیت اور روایت سے استدلال کیا ہے کہ شاخہائے ترکا قبور پر ڈالنا عموماً جائز ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے کہ حضرت بریدہ نے اپنے اجتہاد پر کوئی نص صریح نہیں بیان کی بلکہ ان کی رائے تھی۔ چنانچہ علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے۔

واما ما مر من ایصاء بریدۃ فاجاب عنہ القسطلانی کان بریدۃ حمل الحدیث علی عمومہ ولم یرہ خاصا ولکن الظاھر من تصرف المؤلف ان ذلک خاص المنفعۃ بما فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ببرکۃ الخاصۃ بہ وان الذی ینفع اصحاب القبور انما ھو الاعمال الصالحۃ فلذالک عقبہ بقولہ ورای ابن عمر فسطاطا انتھی۔ ترجمہ: یعنی وصیت حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو گذری اس کا جواب قسطلانی نے یوں دیا ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو محمول عموم پر کیا ہے اور اس بات کا لحاظ نہیں کیا کہ یہ حدیث خاص ہے لیکن ظاہر تصرف مؤلف سے یہ بات ہے کہ یہ منفعت خاصہ آپ کے فعل اور برکت مختصہ سے تھی اور اصحاب قبور جو نفع یاب ہوتے ہیں وہ عمل صالح سے ہوتے ہیں۔ اسی واسطے علامہ قسطلانی نے تعاقب فرمایا ہے اور کہا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو خر گاہ جانا ہے۔ غرض یہ کہ اس حدیث سے گل و ریاحین کا ڈالنا ہرگز ثابت نہیں جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے۔ چنانچہ محمود بن احمد عینی کہ شراح محدثین سے و نیز فقہائے متقدمین سے ہیں۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔

وما یفعله اکثر الناس من وضع ما فیه الرطوبة من الریاحین والبقول علی القبر لیس بشیء۔ جو اکثر لوگ گل و ریحان اور تر چیزیں قبر و لحد پر رکھتے ہیں یہ کوئی شے نہیں ہے اور گل و ریحان کا قبروں پر ڈالنا بطور تنزہ ہے تو یہ امر بھی مجوزین کے مفید مطلب نہیں جیسا کہ اس کی تردید شاہ محمد اسحاق نے مائۃ مسائل میں فرمائی ہے۔

اور نیز فتاویٰ قرطبیہ میں ہے لا یوضع الورد والریاحین علی القبور لانه من باب الزینة۔ انتہی۔ اور مفید المومنین میں ہے وضع الورد والریاحین علی القبور بدعة۔ یعنی گل و ریاحین کا قبور پر ڈالنا بدعت ہے۔ اور منہاج العارفین میں ہے یکرہ وضع الورد علی القبور۔ انتہی۔ یعنی گلاب کے پھول کا قبر ول پر رکھنا مکروہ ہے۔

اور جو جواب مجیب صاحب نے اثبات مدعٰی کے لیے عبارت عالمگیری نقل کیا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اول تو اس کا ماخذ فتاوٰی غرائب ہے اور جو اگر کہ مجوز اس نقل کے ہیں وہ بھی فتاوٰی غرائب سے ہی لیتے ہیں تو یہ امر ہر ذی عقل و فہم پر ہویدا ہے کہ روایت فتاوٰی غرائب بمقابلہ احادیث کثیرہ و آثار صحابہ و روایات کتب معتبرہ فقہیہ کیا وقعت رکھتی ہے سوائے اس کے یہ چالاکی مجیب صاحب کی قابل دید ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو!! مفید مطلب عبارت جو فتاوٰی عالمگیری تھی اس کو تو خوشی خوشی لکھ دیا اور غیر مفید عبارت جو اس کے ہی آگے ہے نظر انداز کی۔ اصل عبارت فتاوٰی عالمگیری کی یہ ہے۔ وضع الورد والریاحین علی القبور حسن وان تصدق قیمته کان احسن۔ اول تو مجیب صاحب نے اس بد دیانتی سے کام لیا کہ پورے مسئلہ فتاوٰی کو بیان نہ فرمایا دوسرے یہ کہ حسن اور احسن میں بھی مجیب صاحب نے امتیاز نہ کیا کہ قول مفتٰی بہ کو کس لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب پورے طور سے ناظرین باانصاف کو ظاہر ہو گیا کہ شاخہائے تر میں کوئی کیفیت خاصہ باعث تخفیف عذاب کے عام طور پر ایسی نہیں رکھی گئی ہے کہ ہر کس و ناکس شاخوں کو قبروں پر لگا دے اور صاحب قبر کو اس لگانے سے تخفیف عذاب ہو جیسا کہ مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام خطابی، امام نووی و تورپشتی شارح مصابیح و ملا علی قاری و ابن الملک و ابن الحاج و ابن طاہر صاحب مجمع البحار و عینی شارح بخاری و مولف فتاوٰی قرطبیہ، اور

صاحب مفید المومنین وصاحب منہاج العارفین اور صاحب قسطلانی عمدۃ القاری شارح بخاری وکرمانی اور ابن حجر مکی رحمہم اللہ کے اقوال سے متحقق اور ثابت ہوگیا کہ گل وریاحین وشاخہائے تر کا قبور پر ڈالنا ہرگز ہرگز ثابت نہیں بلکہ مکروہ و بدعت ہے اور ایک امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برائے تخفیف عذاب ان شاخہائے تر کو نصب فرمایا تھا جب عام طور سے یہی نعل مسنون قرار دیا جائے گا تو یہ بھی اس کے ساتھ ضرور ماننا پڑے گا کہ ہر صاحب قبر معذب بعذاب الٰہی ہے اس میں تمام علماء وصالحین واولیاء کاملین وائمہ مجتہدین واکابر متدین داخل ہوگئے اس بنا پر بعقیدہ مجیب صاحب یہ لازم آئے گا کہ کوئی شخص ناجی ہے ہی نہیں جس قدر ہیں وہ سب ناری ومعذب نعوذ باللہ تھا بخوائے حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظنوا بالمومنین خیرا کا حکم مجیب صاحب کا یہ گمان ایسے ہی ظنون فاسدہ وخیالات واہیہ کے باب میں ان بعض الظن اثم ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ

کتبہ

محمد ہدایت علی لکھنوی تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی۔

منقولہ عبارات کی تصحیح کے لئے فریقین کی تحریریں

حکیم صاحب سے تصحیح نقل کے لئے جو کتب منقولہ عنہا کی طلب میں تحریر

کی گئی اور حکیم صاحب نے ان کے جواب لکھے وہ یہ ہیں۔

نحمدہ ونصلی علی نبیہ الکریم

جناب حکیم مولوی ہدایت علی صاحب آپ نے جو عبارتیں مسئلہ وضع الجرید علی القبر کے جواب الجواب میں تحریر کی ہیں ان کی تصحیح نقل کے لیے کتب منقول عنہا کی ضرورت ہے لہٰذا معروض ہے کہ براہ کرم ایک ایک کتاب بھیج دیا کریں، جب اس کو پہنچا دیا جائے تو دوسری مرحمت فرمادیا کریں تاکہ عبارت منقولہ کی مطابقت کتب منقول عنہا سے کی جائے۔ اگر اس سے بظاہر کچھ حرج معلوم ہوتا ہو تو فقیر کو ایسا وقت بتادیں کہ جناب کے دولت خانہ پر حاضر ہونے میں بحمدہ تعالیٰ کسی قسم کا تکلف نہیں امید کہ جواب سے ممتاز فرمائیں۔ وہ کتابیں جو تصحیح نقل کے لئے درکار ہیں یہ ہیں۔ توریشتی شرح مصابیح، شرح مصابیح ابن ملک، مدخل ابن الحاج، عینی شرح بخاری فتاویٰ قرطبیہ، مفید المومنین، منہاج العارفین۔

حکیم صاحب نے اس کے جواب میں یہ تحریر بھیجی

جناب مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ چونکہ میں نے جابجا سے کتابیں منگوائی تھیں بعد تحریر عبارات واپس کیں، ان کے مقامات میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کتب خانہ ریاست رام پور، مقام پٹنہ مولوی شمس الحق صاحب

محمدی دہلی، مولوی شریف حسین صاحب مرحوم، مولوی عبد السلام صاحب کے پاس سے اگر آپ کو خدمت دینی کا تہہ دل سے شوق ہے تو مقامات مذکورہ میں تشریف لیجاکر ملاحظہ کتب فرمالیجئے یا اس کا خرچ مجھے مرحمت فرمائیے کہ میں آپ کو برائے چندہ منگوا دوں مگر کتابوں کا بحفاظت رکھنا اور ان کی آمد ورفت کا خرچ مجھے مرحمت فرمائیے۔ اور اگر کتب مطبوعہ کے ہونے میں آپ کو اگر شک ہے تو علمائے دیندار سے ان کی تصحیح فرمالیجئے اس کو یقین جانیے کہ عبارت ہر ایک کتاب بعینہٖ نقل کی گئی ہے کیونکہ عبارت کی نقل میں ایک نوع کی ذمہ داری ہوتی ہے اور یہ تو لیچوروں کا کام ہے کہ خود مطلب کے موافق تو نقل عبارت کر دے اور جو مخالف ہے اس کو نظر انداز کر دے آپ اس کا خیال نہ فرمائیے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعینہٖ عبارات جیسی نقل کی گئی ہیں سر مو اس میں فرق نہ ہوگا۔

فقط

راقم محمد ہدایت علی عفی عنہ

پھر میں نے حکیم صاحب کی خدمت میں یہ لکھا ۵

جناب مولوی حکیم ہدایت علی صاحب۔ عنایت فرماکر پراپتہ ان حضرات کا تحریر فرما دیجئے جن سے آپ نے کتابیں منگوائی تھیں اور نیز یہ بھی تحریر فرمائیے کہ کس کس مقام سے کون کون سی کتابیں منگائی تھیں؛ کتابوں کی آمد ورفت کا خرچہ بھی تحریر فرمائیے۔ راقم۔ محمد نعیم الدین ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ

حکیم صاحب نے یہ جواب تحریر فرمایا

السلام علیکم. مجھے یاد نہیں کہ کس کس مقام سے کون کون سی کتابیں منگائی تھیں بہر حال مقامات مذکورہ سے اکثر کتابیں آئی ہیں۔

محمد ہدایت علی عفی عنہ

اس کے بعد حکیم صاحب کے پاس یہ رقعہ لکھا:

جناب مولوی صاحب عنایت فرمائے من !

بار ہا لکھ کر ایک ہی امر کے لئے تکلیف دیتے ہوئے شرم آتی ہے مگر بہ مجبوری لکھنا پڑتا ہے اس لئے کہ جناب لکھتے وقت پوری تو جہ نہیں کرتے جو دوبارہ لکھنے کی حاجت نہ رہے۔ میں نے تین باتیں دریافت کی تھیں ایک تو یہ کہ پورا پتہ ان حضرات کا تحریر فرمایئے کہ جن سے آپ نے کتابیں منگائی تھیں دوسرے یہ کہ کس کس مقام سے کون کون سی کتاب منگائی تھی، تیسرے یہ کہ کتابوں کی آمدورفت کا خرچ کیا ہے ؟ ان باتیں لکھنے پر صرف اس کا جواب دیا گیا کہ کون کونسی کتاب کہاں سے منگائی تھی باقی دونوں باتوں کا کچھ جواب نہ لکھا گیا اس لئے پھر مکلف ہوں کہ مہربانی فرما کر پورا پتہ ان حضرات کا جن سے کتابیں منگائی تھیں اور مقدار خرچ آمد و رفت کتب تحریر فرمادیں۔ فقط

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین، ۴ شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ

بروز جمعہ مبارکہ

اس کے جواب میں حکیم صاحب نے تحریر مسطورہ ذیل بھیجی۔

جناب مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میرے ایک عزیز دہلی میں مدرسہ مولوی عبدالسلام میں پڑھاتے ہیں اور مولوی عبدالسلام سے اور مولوی شمس الحق صاحب سے مقام پٹنہ سے از حد ملاقات ہے ان کے یہاں کی کتابیں بوقت ضرورت ان کے ہاں جاتی ہیں ایسے ہی انکے ہاں آتی ہیں چنانچہ میں نے ان کو لکھا تھا، وہ اس درمیان میرے پاس آئے تھے ان کی معرفت کتب مذکورہ مجھے وصول ہوئیں میں نے خود براہ راست نہیں منگوائی تھیں۔ اگر آپ کو کتب مذکورہ دیکھنے کا شوق ہے تو دہلی یا پٹنہ عظیم آباد تشریف لے جایئے وہ مشہور آدمی ہیں غالباً آپ کو کتب دکھلانے میں ان کو دریغ نہ ہوگا۔ میں ایک صلاح آپ کو دیتا ہوں کہ آپ خود مقامات مذکورہ میں تشریف لے جایئے اور کتب مذکورہ کو ملاحظہ کر لیجئے بھجوانے کے اخراجات تو آپ گوارا نہیں کر سکتے پہلے لوگ دین کی طلب میں مہینوں کے سفر کو آسان جانتے تھے اب تو ریل ہے کچھ سفر کرنا مشکل نہیں دو ایک روز کا سفر ہے۔

دوسرا طریقہ جو اس سے بھی آسان ہے وہ یہ ہے کہ آپ مختلف علماء کو تحریر فرما دیجئے کہ یہ کتابیں آپ کے ہاں اگر موجود ہوں تو ازراہ عنایت مسئلہ معلومہ ان کو تحریر فرمایئے اس میں چند ٹکٹ آپ کے البتہ خرچ ہوں گے مگر ہاں ان کی بھی تحقیق آپ کو ہو جائے گی۔ فقط

زیادہ والسلام محمد ہدایت علی عفی عنہ۔

(یہ عبارت حکیم صاحب نے دستخط کرنے کے بعد لکھی ہے۔)

خلاصۂ بحث

۱۔ قبروں پر تر شاخیں جانے کے باب میں اپنے پہلے فتوی میں چھ حدیثیں پیش کر چکا ہوں اور اس مسئلہ کو صاف طور پر لکھ چکا ہوں۔

۲۔ حکیم مولوی ہدایت علی صاحب نے جو جواب لکھا ہے اسے اگر کسی وقت نظر انصاف سے خود ملاحظہ فرمائیں گے تو یقیناً شرما جائیں گے۔

حاصل کلام

اب میں یہ دکھاتا ہوں کہ حکیم صاحب نے میرے استدلالوں کا کیا جواب دیا ہے۔

۱۔ میں نے مشکوٰۃ شریف و کنز العمال سے چار حدیثیں اس مضمون کی نقل کی تھیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر تر شاخیں لگائیں اور یہ فرمایا کہ جب تک یہ تر رہیں گی ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

۲۔ حکیم صاحب نے اس کے جواب میں چار عذر کئے۔

پہلا عذر: یہ کہ یہ مضمون احادیث و اقوال مستندہ فقہاء کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب نے میرے مدعا کے خلاف ایک حدیث بھی پیش نہ فرمائی۔ اگر جناب کی نظر سے احادیث معتبرہ اس حدیث کے خلاف گزری

توضرور پیش فرماتے، مگر نہ پیش کیں، اور نہ پیش کر سکتے تھے ولہٰذا زبانی ادعائے باطل پر ٹال گئے۔

میں اب عرض کئے دیتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس مضمون کے خلاف جناب کو ایک حدیث نہ ملے گی۔ ھاتوا برھانکم، یہی حال اقوال فقہاء کا ہے میں نے فقہ حنفی کے معتبر کتابوں فتاوی عالمگیری اور ردالمحتار سے اس کا جواز و استحباب ظاہر کر دیا تھا۔ حکیم صاحب ان کے مخالف کوئی عبارت کتب فقہ احناف سے نہ لا سکے یہ عجب حکمت ہے کہ دعویٰ فرمانے میں گاؤزبان اور ثبوت دینے میں اریشۂ غلطی۔

حکیم صاحب کا **دوسرا عذر** یہ ہے کہ یہاں ترشاخیں جانے سے عذاب میں تخفیف ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب کا یہ فرمادینا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے کوئی مخصص پیش فرمایا ہے اور اصول فقہ کی طرف توجہ کیجئے جہاں یہ مصرح ہے کہ نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے افعال شریفہ کا ادنی مرتبہ اباحت ہے کہ جب تک ادلہ شرعیہ میں سے کوئی دلیل ممانعت پر قائم نہ ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کی امت کے لئے ناجائز قرار دینا بیجا نہیں

حکیم صاحب کا **تیسرا عذر** یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبر والوں کے لئے دعا فرمائی تھی۔ تخفیف دعا سے حاصل ہوئی۔ اور چوتھا عذر یہ کہ تخفیف عذاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے

ہوئی، ان دونوں عذروں کا جواب فقیر کی پہلی تحریر میں رد المحتار سے نقل ہو چکا، غالبا حکیم صاحب نے اس پر غور نہ فرمایا، ورنہ بمقتضائے انصاف ہرگز یہ عذر پیش نہ فرماتے۔

۳۔ میں نے شرح الصدور (مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ) سے یہی نقل کیا تھا کہ ابو برزہ اسلمی صحابی اور حضرت بریدہ صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ وصیتیں فرمائی تھیں کہ ہماری قبر میں ترشاخیں رکھ دی جائیں چنانچہ رکھی گئیں۔

۴۔ میں نے تسلیم کیا کہ حکیم صاحب کے ذہن رسا کو اس طرف توجہ نہیں ہوئی جب یہ حضرات دفن کئے گئے ہوں گے اس وقت صحابہ اور تابعین میں سے کتنے حضرات موجود ہوں گے جنہوں نے دفن میں شرکت کی ہوگی اور اس وصیت کے بموجب ترشاخیں قبروں میں رکھیں اور رکھتے ہوئے دیکھا۔

یہاں سے صحابہ اور تابعین کی جماعت سے بھی اس عمل کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ ۵۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ حکیم صاحب نے وصیتوں کے ان ظاہر ترجمے کیے ہوئے لفظوں پر بھی غور نہ فرمایا، حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی وصیت سے تو سکوت کیا اور اس کا کچھ جواب نہ دیا اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی وصیت جس سے صاحب رد المحتار (حاشیہ در المختار، مصنفہ علامہ ابن عابدین شامی) نے استدلال لیا ہے اور جو میں اپنی پہلی تحریر میں نقل کر چکا ہوں حکیم صاحب نے اس کو یہ کہہ دیا کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے ہائے!۔

اگر اسلام ہمی است کہ ایناں دارند
وائے گر از پس امروز بود فردائے

استغفر اللہ العظیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ القوی الکریم۔ بحمد اللہ تعالیٰ انہیں چند لفظوں میں حکیم صاحب کے جملہ اوہام کا ازالہ ہوگیا جن کی فہم درست اور رائے صائب ہے وہ تو سمجھ ہی لیں گے۔

زیر بحث مسئلہ کی مزید تحقیق

مسئلہ جب زیر تحریر آیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر اور بھی کچھ توضیح کی جائے اور حکیم صاحب کی تحریر کا لفظ بہ لفظ جواب دیا جائے۔ مخالفین کی لیاقت دیانت استعداد و امانت کا بھی اندازہ ہو اور مسئلہ کی تحقیق بھی اپنا جلوہ دکھائے۔ فہا انا اشرع بتوفیقہ تعالیٰ اقول وبحولہ اصول۔

(حکیم برکات علی صاحب کی عبارت پر لفظ حکیم صاحب اور رد پر لفظ جواب لکھا ہے۔)

اعتراض ۱: حکیم صاحب اقول بتوفیقہ مجیب صاحب کی تحریر دیکھنے میں آئی کہ جس سے گل افشانی قبروں پر، شاخ اندازی مقابر پر، مجیب صاحب نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اور وصیت حضرت بریدہ سے جو استدلال کیا ہے وہ خلاف احادیث معتبرہ واقوال مستندہ فقہاء کی ہے۔ انتہیٰ بلفظہ۔

جواب ۱: حکیم صاحب نے میرے استدلال کو خلاف احادیث

معتبرہ اور اقوال مستندہ فقہاء فرمایا مگر کوئی حدیث اس کے خلاف پیش نہ کی بلکہ حکیم صاحب کی تمام تحریروں میں صرف مسلم شریف کی حدیث طویل کا ایک جزو ہے وہ بھی میرے استدلال کے خلاف نہیں اس صورت میں حکیم صاحب کا میرے استدلال کو ایسے وجہ خلاف احادیث معتبرہ فرمانا اور میری نقل کی ہوئی چھ حدیثوں پر نظر نہ کرنا تعجب خیز ہے۔ اب حکیم صاحب سے ان احادیث معتبرہ کا مطالبہ ہے جن کے خلاف میں نے ان کے عقیدہ میں استدلال کیا تھا۔ حکیم صاحب جب تک وہ احادیث معتبرہ پیش نہ فرمائیں گے بار جواب سے سبکدوش نہ ہوں گے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "مجیب صاحب نے حدیث ابن عباسؓ اور وصیت حضرت بریدہ سے جو استدلال کیا" کیا خوب! حکیم صاحب کو فقط حدیث ابن عباس اور وصیت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ہی یاد ہیں اور حدیث ابو ہریرہ اور وصیت ابو ہریرہ کو فراموش کر گئے (رضی اللہ عنہما) میں نے تو ان سب سے استدلال کیا تھا۔

اب گذارش ہے کہ حکیم صاحب نے احادیث کہا ہے کہ صیغہ جمع ہے جس کا اقل تین ہیں، حکیم تین جانے دیں ایک ہی حدیث دکھائیں جو میری پیش کردہ حدیث کے خلاف ہو۔ میں اپنی پہلی تحریر میں اپنے اثبات مدعا میں کئی حدیثیں پیش کر چکا ہوں اور اس مضمون کی حدیثیں جابجا ملتی ہیں۔ اگر سب نقل کی جائیں تو طوالت ہوگی۔ اس لئے میں صرف اتنی ہی حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں جن کو پہلے نقل کر چکا ہوں حکیم صاحب نے میرے استدلال کو اقوال مستندہ فقہاء کے بھی خلاف بتایا۔ میں فقہ حنفی سے ثبوت دے چکا۔ اب حکیم صاحب فقہ حنفی کی کتابوں سے اقوال

پیش کریں۔

ہم بھی دیکھیں کہ تری گود میں کیا رکھا ہے
وہ بھی دیکھیں جسے پہلو میں چھپا رکھا ہے

اعتراض ۲۰ حکیم صاحب:

"جو حدیث بروایت ابن عباس وارد ہے اس کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی نے مائۃ مسائل میں لکھا ہے کہ اس سے گل وریاحین کا قبر والا پر ڈالنا اور شاخہائے تر کا نصب کرنا قبروں پر ہر شخص کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ یہ خصوصیات آنحضرت سے تھا۔ انتہی بلفظہ"

جواب:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو کہیں یہ نہیں فرمایا حکیم صاحب کو شبہ ہو گیا بلکہ شیخ علیہ الرحمہ نے جہاں اور اقوال نقل کئے خطابی کا بھی قول نقل کر دیا۔ رہے مولوی شاہ اسحاق صاحب ان کا کہنا ہی کیا ہے انہوں نے سماع اموات ہی کا جو انکار کر دیا اور بہت سے مسائل میں غلطیاں کیں۔ عبارتوں میں ایسی قطع و برید کی کہ اصل کتابوں میں کچھ ہے آپ نے کچھ کا کچھ نقل کیا ہے۔ اگر آپ کو مولوی اسحاق صاحب کی لیاقت دیانت کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت مولانا شاہ فضل رسول صاحب قدس سرہ کی تصحیح المسائل جو مائۃ مسائل کے رد میں ہے ملاحظہ فرمائیے۔ اور عبارت میں قطع و برید کا طریقہ تو مولوی اسحاق صاحب کے متبعین میں بھی جاری ہے۔ اکثر ان حضرات کو دیکھا کہ دلیل سے عاجز ہوئے مدعا ہاتھ سے جاتا دیکھا،

کتاب کی عبارت کی عبارت بدل ڈالی۔ اگر مخالف نے کوئی عبارت پیش کی تو اسکا یہ جواب کہ کتاب ہی معتبر نہیں خود عاجز ہوئے کہیں موافق مدعا عبارت نہ ملی تو کسی کتاب کی عبارت بنا ڈالا اور بعضے حضرات تو ایسے جری ہیں کہ خود ایک عبارت بنالیں اور اگر پوچھے تو کتاب کا نام بھی گڑھ دیں۔ بہر حال مولوی اسحاق صاحب کیسے ہی بزرگ ہوں جب آپ کا خصم انہیں مانتا ہی نہیں پھر ان کا یا ان کی کتاب کا حوالہ دینا فضول ہے۔

اعتراض ۳۳ حکیم صاحب:

ملا علی قاری نے امام نووی سے نقل کیا ہے واما وضعها على القبر فقيل انه صلى الله عليه وسلم سال الشفاعة لهما فاجيبت بالتخفيف الى ان ييبسا انتهى بلفظه۔

جواب: باوجودیکہ میں نے اپنی تحریر میں ہر عبارت کا حوالہ صفحہ وار دیا تھا اس کے جواب میں حکیم صاحب نے یہ عنایت فرمائی کہ کتاب کا صفحہ کیا معنے نام تک نہ لکھا۔

ذرا تو اور بھی کرے جفا کہ او دلبر
ہنوز میری وفا سے تری جفا کم ہے

اس حالت میں یہ کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا کہ علامہ علی قاری رحمہ الباری نے امام نووی سے کس کتاب میں یہ عبارت نقل کی۔ عبارت کا لکھنا اور اس کا نام بھول جانا بتاتا ہے کہ جواب لکھتے وقت حکیم صاحب بہت گھبرا گئے تھے اب

میں عرض کرتا ہوں کہ وہ عبارت مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔ حکیم صاحب نے دانائی کی جو کتاب کا نام نہ لکھا۔ کیوں کہ اگر کتاب کا نام لکھتے تو ضرور بکف چراغ وارد کا مصداق بنتے اس لیے کہ حکیم صاحب نے اس پہلی ہی عبارت میں قطع و برید کرکے دیانت کی گردن ماری ہے یعنی مطلب کی ایک سطر تو لکھ دی باقی عبارت مدعا کے خلاف پائی صاف اڑا گئے کیا انصاف و دیانت کا یہ مقتضا نہیں کہ عبارت مثبت مدعائے خصم ہو تو تسلیم کریں کیا یہ انصافی نہیں کہ قبل والی عبارت مفید مطلب سمجھ کر لکھ جائیں اور جس عبارت میں مذہب منصور مذکور ہو تو اس کے پاس تک نہ جائیں کیا یہ تصرف بے جا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ حکیم صاحب کے مفید مدعا عبارتیں ان کے ہاتھ نہ آئیں، ورنہ وہ کیوں ایسی جرأت کرتے۔

اب میں وہ عبارت پیش کرتا ہوں جس کے خوف سے حکیم صاحب نے کتاب کا نام تک نہ لکھا تھا کہ کہیں اس عبارت پر خصم کی نظر نہ پڑ جائے اور اپنے مدعا باطل پر قیامت آئے۔ علامہ فاضل نہایہ کامل علی بن سلطان محمد القاری رحمہ الباری حدیث ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی شرح میں حکیم صاحب والی عبارت اور اس کے بعد دعا کا احتمال نا قلاعن النووی ذکر فرماتے ہیں وقیل لانهما یسبحان مادام رطبین مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حضرت نے ان تر شاخوں کو اس لیے جمایا تھا کہ وہ جب تک تر رہیں گی تسبیح کریں گی۔ پھر یہی علامہ ملا علی قاری رحمۃ الباری اسی کتاب کے اسی صفحہ میں اس سے پہلے کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں ے واستحب العلماء قراۃ القرآن عند القبر لهذا الحدیث اذ تلاوۃ القرآن اولی بالتخفیف من تسبیح

الجريد وقد ذكر البخاري ان بريدة بن الحصيب الصحابي اوصى ان يجعل في قبره جريدتان فكان تبرك بفعل مثل فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم

خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ علماء کرام نے قبر کے پاس قرآن شریف کا پڑھنا اس حدیث سے مستحب ثابت کیا ہے کیوں کہ قرآن پاک کی تلاوت جریدکی تسبیح سے اولی ہے۔ امام بخاری رحمۃ الباری نے ذکر کیا کہ بریدہ بن حصیب صحابی رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میری قبر میں ترشاخیں رکھ دی جاویں تو گویا انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی مثل فعل سے برکت چاہی۔

اور اسی کتاب کے اسی صفحہ میں اس عبارت کے علاوہ اور بھی مثبتین کے مفید ہے جو عنقریب پیش کی جائے گی۔

مسلمانو! لِلّٰہ انصاف

ایسی صریح عبارت چھوڑ کر ایک ٹکڑا مفید مطلب خیال کر کے لکھ دینا کونسی دیانت ہے اور اس حرکت کو کیا کہتے ہیں میں تو کچھ نہیں کہتا، مگر حکیم صاحب اپنے رقعہ کے یہ الفاظ جو خود ان کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں ملاحظہ فرمالیں تو میں نادم ہو جاؤں گا۔

حکیم صاحب کے رقعہ کی عبارت:

"اس کو یقین جانئے کہ یہ عبارت ہر ایک کتاب کی بعینہٖ نقل کی گئی ہے

سر مو فرق نہ ہوگا۔ ——————— (راقم محمد ہدایت اللہ عفی عنہ)

اب جو حکیم صاحب سمجھ لیں کہ انہوں نے مطلب کے موافق عبارت نقل کر کے خلاف مدعا عبارت چھوڑی ہے یا نہیں۔

اعتراض ۲۸ حکیم صاحب:

اور ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ لعل وجہ کلام الخطابی ان ھذا واقعۃ حال خاص لا یفید العموم ولھذا اوجہ لہ توجیہات سابقۃ فتدبر فانہ محل النظر انتھی۔

جواب:

وہی خوبی جو اس عبارت میں تھی اس میں بھی ہے کتاب کا نام ندارد، نہ معلوم ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کس کتاب میں لکھا ہے یہاں بھی حکیم صاحب نے کتاب کا نام نہیں بتایا۔ ط

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے"

حکیم صاحب کی اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ شاید خطابی کے کلام کی یہ وجہ ہو کہ ان کے نزدیک یہ حدیث ایک حال خاص کا واقعہ ہے مفید عموم نہیں اسی لئے اس کی توجیہیں کی گئیں۔ سوچ لو کہ یہاں اعتراض کا محل ہے یہ بات ہر ادنیٰ طالب علم پر بھی مخفی نہیں کہ فتدبر اور اس کی مثل دوسرے کلمے ایسے موقعہ پر استعمال کئے جاتے ہیں جہاں وہ بات مخدوش ہو یا اس میں کوئی مسامحہ ہو۔ پھر جب فتدبر کے ساتھ ہی فانہ محل النظر بھی کہہ دیا جائے تو صراحت ہوگئی کہ یہ قول ضعیف ہے

ایسی عبارت سے استدلال کرنا اور اس کے ضعف کو نہ سمجھنا حکیم صاحب جیسے ذی شعور داناؤں سے حیرت انگیز ہے۔ قطع نظر اس تمام سے کہ وہی قطع و برید عبارت کی حکیم صاحب نے یہاں بھی کی ہے یعنی پوری عبارت علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ علیہ کی نقل نہیں کی

اس عبارت سے قبل انہیں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا رد کیا ہے اور ترشاخیں بھانے کو سنت بتایا ہے۔ اس عبارت کو چھوڑنا اور موافق مدعا بھر کر رد کیے ہوئے ایک دو فقرے لکھ دینا کیا دیانت ہے۔ حکیم صاحب کے رتنوں کی جو عبارت نقل ہو چکی ہے اور پھر دوبارہ ملاحظہ فرما کر معلوم کر لیجیے کہ یہ کس کا کام ہے۔ طرفہ تر یہ جرأت کہ جو فقرے لکھے ہیں وہ خود ضعف پر دلالت کر رہے ہیں جن میں صاف یہ مذکور کہ فتدبر فانه محل النظر انتهى ولكن القائل الذليل لاريب العجيب السكران لايعرف ماجرى على لسانه الشقيلة اللحمية. ہائے ہائے دینی مسائل میں اس درجہ کی احتیاط افسوس مسلمانان..... خیر اب میں وہ عبارت جس میں حکیم صاحب نے قطع و برید کی ہے نقل کرتا ہوں۔

نعم رأيت ابن حجر صرح به وقال قوله لا اصل له ممنوع بل هذا الحديث اصل اصيل له ومن ثم افتى بعض الائمة من متاخري اصحابنا بان ما اعتيد من وضع الريحان والجريد سنة لهذا الحديث ولعل وجه كلام الخطابي ان هذا واقعة حال خاص لايفيد العموم ولهذا وجه له توجهات سابقة فتدبر فانه محل النظر۔ حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر پر ترشاخیں بھانے کے استحباب کی تصریح کی ہے

کہا ہے کہ خطابی کا لا اصل لہ کہنا ممنوع ہے بلکہ یہ حدیث ترشاخیں جانے کے اصل اصیل ہے اور اسی وجہ سے ہمارے بعض ائمہ متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ قبروں پر ترشاخیں اور پھول ڈالنا جس کی لوگوں کی عادت ہے یہ سنت ہے[1] اور اسی حدیث سے ثابت ہے۔

رہا سوال یہ کہ خطابی نے باوجود محدث ہونے کے ایسے امر کو کیوں لا اصل لہ کہہ دیا جو حدیث شریف سے بصراحت ثابت ہے اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے انہوں نے اس کو حال خاص کا واقعہ سمجھا ہو اور یہ خیال کیا ہو کہ یہ مفید عموم نہ ہوگا اور اسی لئے پہلے توجیہیں کی گئیں اس میں غور کرو کہ یہ محل اعتراض ہے۔ یہ پچھلا فقرہ فقد بر فانہ محل للنظر بتا رہا ہے۔ کہ فی الواقع خطابی کا خیال قابل اعتماد نہیں جیسا کہ اوپر عبارت میں تصریح ہو چکی۔

حکیم صاحب کا علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت چھوڑ جانا جس میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ ائمہ نے قبر پر پھول اور ترشاخیں جانے کا فتویٰ دیا اور سنت بتایا ہے اور اس احتمال ضعیف مرجوح کا لکھ دینا کہاں تک علم کی شان کے قریب ہے۔

اعتراض (۵)

اور ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری نے اپنی صحیح میں جابرؓ سے حدیث طویل بیان کی جس کا جملہ آخر یہ ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی

---

[1] امام ابن حجر علیہ الرحمہ کے اس کلام سے کہ ہمارے زمانہ میں پھول اور ترشاخیں قبروں پر ڈالنے کی جو لوگوں کی عادت ہے یہ سنت ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں بھی جاری تھی اور بحمدہ تعالیٰ اب تک جاری ہے۔

مر بہت بقبرین یعذبان فاجبیت بشفاعتی ان یرفعہ ذلك عنهما مادام الغصنان رطبین ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو قبروں پر گذرا جن کے صاحب پر عذاب ہو رہا تھا پس میں نے ان کے لئے شفاعت کی چنانچہ درخواست جناب باری عزاسمہ میں قبول ہوئی۔ اور دونوں سے عذاب تا خشک ہونے شاخوں کے موقوف کیا گیا۔ انتہی ملتقطہ۔

جواب

اس حدیث کے پیش کرنے سے حکیم صاحب کا منشاء معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تر شاخیں جمائی تھیں تو شفاعت بھی فرمائی تھی پھر تخفیف عذاب ہوئی از شفاعت نہ کہ تر شاخوں سے ۔ میں گذارش کرتا ہوں جناب کا کہاں خیال گیا میں نے جس واقعہ سے استدلال کیا ہے اس میں صرف تر شاخوں کا جمانا ہے اس کے ساتھ شفاعت کا جداگانہ ذکر نہیں ۔ رہی حدیث جابر رضی اللہ عنہ وہ واقعہ ہی دوسرا ہے اور میں نے اس سے استدلال نہیں کیا ہے ۔ اور یہ خارج از بحث ہے نہ مجھے مضر اور نہ حج کو مفید مگر جناب کی حدیث دانی کی خوبی ہے کہ اتنا بھی نہ معلوم ہو سکا کہ خصم نے جس سے استدلال کیا ہے وہ واقعہ ہی اور ہے اور ہم جو پیش کرتے ہیں یہ قصہ ہی دوسرا ہے ۔ حکیم صاحب کا یہ طرز تقریر ظریف الطبع لوگوں کو یاد رکھنے کے قابل ہے ۔

آں یکے می گفت کہ بدر منیر
از فروغ مہر گشتہ مستنیر

دیگرے گفتش تو دانا نیستی
می بگیرد مہر از مہ روشنی

اب تک حکیم صاحب کو یہ دکھلاؤں کہ ان واقعات میں تغایر ہے اتحاد نہیں۔ ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح بخاری جس میں شیخ الاسلام حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد علی بن محمد بن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ قرطبی سے نقل فرماتے ہیں۔

وقیل انہ مشفع لھما ھذہ المدۃ کما صرح بہ فی حدیث جابر لان الظاھر ان القصۃ واحدۃ وکذا رجح النووی کون القصۃ واحدۃ وفیہ نظر لما اوضحنا من المغایرۃ بینھما۔ یعنی کہا گیا ہے کہ سردار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اتنی مدت کے لئے ان دونوں قبر والوں کی شفاعت فرمائی تھی اور وہ قبول ہوئی جیسا کہ حدیث جابر میں مصرح ہے اس لئے کہ ظاہر ہے کہ قصہ واحد ہے اور نووی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے لیکن اس میں نظر ہے یعنی یہ بات قابل تسلیم نہیں کیوں کہ ہم ان دونوں قصوں میں مغائرت ثابت کر چکے ہیں۔

اب ذرا عمدۃ القاری شرح بخاری ملاحظہ ہو کہ اس میں علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن نصر عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ومنھا ان فی متن ھذا الحدیث ثم دعا بجریدۃ فکسرھا کسرتین یعنی اتی بھما فکسرھا وفی حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رواہ مسلم انہ الذی قطع الغصنین فھل ھذہ قضیۃ واحدۃ ام قضیتان الجواب انما قضیتان

والمغايرة بينهما من اوجه الاول ان هذا كانت فى المدينة وكان مع النبى صلى الله عليه وسلم جماعة وقضية جابر كانت فى السفر وكان خرج لحاجة فتبعه جابر وحده الثانى ان فى هذه القضية انه عليه السلام غرس الجريدة بعد ان شقها نصفين كما فى رواية الاعمش الآتية فى الباب الذى بعده وفى حديث جابر امر عليه الصلوٰة والسلام جابرا فقطع غصنين من شجرتين كان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم استتر بهما عند قضاء حاجة ثم امر جابرا فالقى غصنين عن يمينه وعن يساره حيث كان النبى صلى الله عليه وسلم جالسا وان جابرا ساله عن ذالك فقال انى مررت بقبرين يعذبان فاجبت بشفاعتى ان يرفع عنهما ما دام الغصنان رطبين الثالث لم يذكر فى قصة جابر ما كان السبب فى عذابهما الرابع لم يذكر فيه كلمة الترجى فدل ذالك كلها على انهما قضيتان بل روى ابن حبان فى صحيحه عن ابى هريرة انه صلى الله عليه وسلم مر بقبر فقال ائتونى بجريدتين فجعل احدهما عند

راسه والاخری عند رجلیه فهذا ظاهر یدل علی ان
هذه قضیة ثالثة فسقط بهذا کلام من ادعی ان
القضیة واحدة کما مال الیه النووی والقرطبی ۹

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ جس حدیث شریف کا متن یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ منگائی، جب وہ لائی گئی ایک کے دو ٹکڑے کئے گئے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا جس میں دو شاخوں کے لگانے کا ذکر ہے آیا دونوں حدیثوں میں ایک ہی واقعہ مذکور ہے یا ہر ایک میں جدا جدا قصوں کا بیان ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں ایک ہی قصہ مذکور نہیں بلکہ یہ دو قصے ہیں ہر ایک حدیث میں ایک دوسرے قصے کا بیان ہے اور ان دونوں میں کئی وجہ سے مغایرت ہے اول یہ کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت تھی اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں جو مذکور ہے وہ واقعہ سفر کا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس کے ساتھ تھے تو اس قصہ میں حضور کے ساتھ جماعت ثابت ہوئی اور یہاں تنہا حضرت

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو معلوم ہو گیا کہ قصہ ایک نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ میں سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخ کے دو حصے کرنے کے بعد جلایا ہے جیسا کہ اعمش کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جو اگلے باب میں آئی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بیان ہے کہ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دو شاخیں ان دو درختوں سے کاٹیں جن کے ساتھ حضور نے قضائے حاجت کے وقت ستر فرمایا تھا۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے شفیع عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے وہ دونوں شاخیں دائیں بائیں ڈال دیں۔ جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کی حکمت دریافت کی ارشاد ہوا کہ میں دو قبروں پر گذرا جن کے صاحبوں پر عذاب ہو رہا تھا پس میری شفاعت سے ان کے لئے عذاب اس وقت تک کے لئے منظور فرمایا گیا جب تک کہ شاخیں تر رہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں ان دونوں پر عذاب کا سبب نہیں ذکر کیا گیا ہے چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کلمہ ترجی مذکور نہیں پس ان وجوہ سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں مختلف واقعات ہیں بلکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ایک قبر پر گذرے اور

فرمایا کہ میرے پاس دو شاخیں لاؤ۔ پس ایک قبر کے سرہانے،
اور ایک پائیں لگائی گئی۔ یہ حدیث بظاہر اس پر دلالت کرتی
ہے کہ یہ واقعہ تیسرا ہے۔ اب اس شخص کا کلام ساقط ہو گیا جس
نے یہ دعویٰ کیا کہ واقعہ ایک ہی ہے جیسا کہ نووی اور قرطبی نے
اس کی طرف میل کیا ہے۔" ۱۲

علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد الساری شرح
صحیح البخاری میں لکھا ہے۔

وفیہ نظر لما فی حدیث ابی بکرۃ عند الامام احمد
والطبرانی انہ الذی قطع الغصنین فدل ذالک علی
المغایرۃ ویؤیدہ ذالک ان قصۃ الباب کانت با
لمدینۃ وکان معہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعۃ
وقصۃ جابر کانت فی السفر وکان خرج لحاجۃ
فتبعہ جابر وحدہ فظھر التغایر بین حدیث ابن
عباس وحدیث جابر بل فی حدیث ابی ہریرۃ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ المروی فی صحیح ابن حبان مایدل
علی الثالثۃ ۔ لہ

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نووی و قرطبی کا واقعہ کو ایک بتانا
مسلم نہیں دونوں واقعوں میں تغایر ہے بلکہ حدیث ابو ہریرہ، جو صحیح ابن حبان میں

مردی ہے تیسرے واقعہ پر دلالت کرتی ہے۔ اب معلوم ہوگیا کہ حکیم صاحب نے جو شفاعت والی حدیث پیش کی ہے وہ واقعہ ہی دوسرا ہے جسے اس واقعہ سے بالکل مغائرت ہے جس سے میں نے استدلال کیا ہے مگر حکیم صاحب کو کیا خبر کہ ہم کیا کہتا ہے اور ہم کیا۔ دونوں حدیثوں کے لفظ جو بعضے قریب قریب دیکھے تو خوش ہوکر وہ حدیث اپنی اثبات مدعا میں لکھ ڈالی مگر ؎

فرق را کہ بین آں انتہی تیرہ جو

سبحان اللہ آفریں اس علم ولیاقت پر کہاں کا جوڑ کہاں لگایا ہے۔ ؎

لوگو مرے مجنوں کو کوئی چرخ پہ ڈھونڈو

لیلیٰ کی یہ فریاد تھی کلکتہ میں سب سے

اگر اسی مبلغ علم اور اسی خوش لیاقتی اور عالی فہمی پر فتوے نویسی کی ہمت ہے تو دیکھئے کیا کیا گل کھلتے ہیں۔

نام اقدس کے ساتھ صلعم لکھنے کی ممانعت

فائدہ: حکیم صاحب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اسم مبارک کے ساتھ (رض) اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ (صلعم) لکھ دیا ہے یہ دونوں صلوٰۃ و ترضی کی رمزیں ہیں حکیم صاحب نے اتنی طویل تحریر تو لکھ ڈالی کیا انہیں دو چار لفظوں میں ہی اختصار کی ضرورت تھی حقیقت میں جناب کو معلوم نہیں کہ یہ حرکت

مذموم ہے ملاحظہ ہو کہ امام نووی قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔

یستحب لکاتب الحدیث اذا مر بذکر اللہ عز و
جل ان یکتب عز وجل وتعالیٰ او سبحانہ وتعالیٰ
او تبارک وتعالیٰ او جل ذکرہ او تبارک اسمہٗ او
جلت عظمتہ او ما اشبہ ذلک وکذالک یکتب
عند ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکمالہما لا رامزا
الیہا ولا مقتصرا علی احدہما وکذالک یقول فی الصحابی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ فان کان صحابیا ابن صحابی قال
رضی اللہ عنہما وکذالک لیترضی ویترحم علی
سائر العلماء والاخیار ویکتب کل ھذہ وان لم
یکن مکتوبا فی الاصل الذی ینقل منہ فان
ھذا لیس روایۃ وانما ھو دعاء وینبغی للقاری
ان یقرا کل ما ذکرناہ وان لم یکن مذکورا
فی الاصل الذی یقرا منہ ولا یسام من تکرر ذالک و
من غفل ھذا حرم خیرا عظیما وفوت فضلا جسیما۔

یعنی کاتب حدیث کے لیے مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک لکھے تو اس کے ساتھ عز وجل وتبارک وتعالیٰ یا جل ذکرہٗ یا تبارک اسمہٗ یا جلت عظمتہٗ یا اس کے مثل اور کلمے لکھے اور ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ پورا

صلی اللہ علیہ وسلم لکھے، اور دونوں کی رمزیں یعنی تم صلعم، م، ۃ نہ لکھے اور صلوٰۃ والسلام میں سے ایک ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ دونوں کو لائے۔ اور اگر صحابی کا ذکر کرے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھے۔ اور پورا پورا لکھے اگرچہ اصل منقول عنہا میں نہ لکھا ہو کیوں کہ یہ روایت نہیں بلکہ دعا ہے اور پڑھنے والے کو مناسب ہے کہ اس تمام کو پڑھے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اگرچہ اس اصل میں مذکور نہ ہو جس کو پڑھتا ہے اور اس کی تکرار سے ملال نہ کرے اور جو اس سے غافل رہے وہ خیر عظیم اور بڑے فضل سے محروم رہا۔

اب ذرا طحطاوی شرح در مختار بھی ملاحظہ ہو کہ اس میں ہے۔

ویکرہ الرمز بالصلوٰۃ والترضی بالکتابۃ بل یکتب ذلک کلہ بکمالہ وفی بعض المواضع من التاتارخانیۃ من کتب علیہ السلام بھمزۃ ومیم یکفر لانہ تخفیف و تخفیف الانبیاء کفر بلاشک

اس عبارت سے بھی معلوم ہو گیا کہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رمز لکھنا مکروہ ہے ان میں سے ہر ایک کو بکمالہ پورا پورا لکھنا چاہیے۔ اور تاتارخانیہ کے بعض مواضع میں ہے کہ جس کسی نے علیہ السلام ہمزہ اور میم کے ساتھ لکھا کافر ہو جائے گا اس لیے کہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ استخفاف بے شک کفر ہے۔

اعتراض ۶: اور امام ابو زکریا محی الدین نووی نے حدیث ابن عباس رض کے تحت میں لکھا ہے اما وضعہ صلعم علی القبر فقال العلما ھو محمول علی انہ

سال الشفاعة لهما فاجيبت شفاعته بالتخفيف عنهما الى ان ييبسا۔ انتہیٰ

جواب : مجھے نہایت افسوس ہے کہ حکیم صاحب کا ہر قول نقل کرنے کے بعد یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ بات دیانت کے خلاف ہے۔ تعجب ہے کہ حکیم صاحب نے پیش خویش محدث اور عالم ہوکر ذرا لحاظ اور پاس دیانت کا نہ فرمایا اس عبارت پر آنجناب نے ۲۷ کا ہندسہ لگایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چوتھی عبارت ہے اور حال یہ ہے کہ اسی عبارت کو اول ایک کا ہندسہ لگا کر بحوالہ ملا علی قاری رحمہ الباری تحریر فرما چکے ہیں صرف عبارتوں کے عدد بڑھانے کے لیے حکیم صاحب نے کئی عبارتیں پیش کی ہیں۔ (اللہ رے دیانت) اب ذرا اس عبارت کو اصل کتاب منقول عنہا سے تو ملا کر دیکھیں کہ حکیم صاحب نے عبارت کتاب کی بلا کم وکاست تحریر فرمائی ہے یا حسب عادت کچھ تصرف کیا ہے۔ ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم شریف۔

واما وضعه صلى الله عليه وسلم الجريدتين على القبر فقال العلماء هو محمول على انه صلى الله عليه وسلم سال الشفاعة لهما فاجيبت شفاعته صلى الله عليه وسلم بالتخفيف الى ان ييبسا؛

یہ عبارت شرح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہے اگر آپ چاہیں ملاحظہ فرمالیں میں اصل کتاب کے صفحہ کا نشان دے چکا ہوں اس اصل عبارت میں اور حکیم صاحب کی پیش کردہ عبارت میں اتنا فرق ہے کہ:

ؑ نووی میں تو وضعہ کے بعد پورا (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہے اور حکیم صاحب نے وہی اپنا الم غلم مہمل لفظ صلعم لکھا۔

ؑ امام نووی نے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد الجریدتین بھی لکھا ہے حکیم صاحب نے یہ لفظ ہی چھوڑ دیا اور معنی کی طرف التفات نہ فرمایا۔

ؑ نووی میں محمول علی انہ کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم بھی لکھا ہے حکیم صاحب نے یہ بھی چھوڑ دیا۔

نووی کی عبارت نمبر ۲ جو اوپر نقل ہوئی اور اس میں امام نووی محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر منقول عنہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ درود یعنی لفظ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ لکھا ہو تو بھی لکھ دینا چاہیے۔ ہمارے محدث جناب حکیم صاحب کا عمل برعکس ہے۔ یعنی درود لکھا ہو جب بھی چھوڑ دیجیے۔ سبحان اللہ شانہٗ کے بعد بھی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لکھا وہ بھی حکیم صاحب نے نہ لکھا۔ غرضیکہ اتنی عبارت میں حکیم صاحب چار تصرف کیے ایک جگہ تو صلی اللہ علیہ وسلم کی رمز لکھی دوسری جگہ درود ہی اڑا گئے۔ اور ایک جگہ جریدتین کا لفظ نیست و نابود کر دیا حکیم صاحب جریدتین سے تو گھبراتے ہی ہیں نامعلوم کہ درود شریف لکھتے ہوئے کیوں ہاتھ دکھتے ہیں۔

اب یہ ملاحظہ فرمائیے کہ حکیم صاحب نے نووی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول تو نقل کر دیا مگر کہیں کوئی عبارت اپنے خلاف مدعا چھوڑ تو نہیں گئے۔ تو چھوڑ کیوں نہ جاتے خلاف عادت کیسے کرتے۔ اگر لکھ دیتے تو کیا مخالف کا مدعا ثابت کرتے؟

اسی صفحہ میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ فرما رہے ہیں۔ وقیل لکونهما یسبحان
مادامر رطبین ولیس للیابس تسبیح وھذا مذھب کثیرین او الاکثرین
من المفسرین فی قولہ تعالیٰ وان من شئ الا یسبح بحمدہٖ۔ یعنی اور
بھی کہا گیا ہے کہ قبروں پر تر شاخیں جمانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جب تک تر رہتی ہیں تسبیح
کرتی ہیں اور خشک کے لئے تسبیح ثابت نہیں اور یہی کثیر یا اکثر مفسرین کا مذہب ہے
آیۃ وان من شیء الا یسبح بحمدہ کی تفسیر میں۔ ۱۲

اور اسی صفحہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ واستحب العلماء قراۃ القرآن عند
القبر لھذا الحدیث لانہ اذا کان یرجی التخفیف لتسبیح الجرید فتلاوۃ القرآن
اولٰی۔ یعنی علماء نے قبر کے نزدیک قرآن شریف کا پڑھنا اسی حدیث کی وجہ سے
مستحب کہا ہے کیونکہ جب تر شاخوں کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو
قرآن پاک کی تلاوت سے بطریق اولیٰ ہوگی۔ اس کے بعد امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے
خطابی کے قول کی تردید کی ہے کہ جس سے حکیم صاحب نے استدلال کیا ہے چنانچہ
وہ عنقریب نقل کیا جائے گا۔ رہا وہ شفاعت والا احتمال جس کی تائید حکیم صاحب
امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے کرنا چاہتے ہیں اس کا ابطال فتح الباری
وغیرہ سے اوپر بوضاحت کیا گیا ہے۔ حاجت اعادہ نہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ اور دوسری جگہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آخر کتاب میں
لکھا ہے واما حدیث جابر فی صاحبی القبرین فاجیبت بشفاعتی ان یرفع
ذالک عنھما ما دام الغصنان رطبین۔

جواب:

اول تو حکیم صاحب مسلم شریف میں یہ عبارت نکال دیں۔ انشاء اللہ العزیز تا قیامت یہ عبارت حکیم صاحب کو مسلم شریف میں نہ ملے گی۔ حکیم صاحب بتاتے ہیں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آخر کتاب میں لکھا ہے میں عرض کرتا ہوں کہ حکیم صاحب تمام کتاب میں تو کہیں یہ عبارت دکھا دیں۔ نہایت ہی شرم کی بات ہے کہ کوئی عالموں میں دم بھرے اور ایسے غلط حوالے دے۔ ایک عبارت لکھ جائے اور جس کتاب میں بتلائے اس میں موجود نہ ہو۔ پھر قطع اس کے بالفرض اگر یہ عبارت کہیں کسی کتاب میں ہوتی بھی تو حکیم صاحب کو کیا مفید تھی۔ اور خصم پر اس سے کیا حجت ہو سکتی تھی۔ البتہ آپ کا مبلغ علم معلوم ہو گیا۔

وہابی صاحبو! اپنے علماء کے علم و لیاقت صدق و دیانت کو تو دیکھو کہ یہ عبارت صرف عدد بڑھانے کے لئے لکھ دی۔ تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ عبارت تو بہت لکھی ہے مگر یہ خبر نہ تھی کہ خصم کب چھوڑنے [illegible] نہاں کب چھپنے والا ہے آخر یہ فقرہ کھلنے کا کہ یہ عبارت جو حکیم صاحب نے امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بتائی ہے فی الحقیقت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے اور کہاں کی اسی عبارت کے بعد کی جس پر حکیم صاحب نے چار کا ہندسہ لگا کر امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے، اور پہلے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اسی امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت کو ایک کا ہندسہ لگا کر نقل کر گئے چنانچہ صحیح مسلم کی شرح نووی کا صفحہ ۱۴۱ ملاحظہ ہو کہ یہ عبارت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت کے متصل موجود ہے۔

ایک سطر کا بھی فصل نہیں۔

"آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو"

اگر حکیم صاحب اس عبارت کو امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بتلاتے اور سچ بول دیتے تو اسے دوسری عبارت کون لکھتا اور عبارتوں کے عدد کیسے بڑھتے۔ پھر اس عبارت میں بھی کچھ نہ کچھ ایجاد بندہ ظاہر ہے وہ یہ کہ نووی کی عبارت میں لفظ اما نہیں آپ نے اپنی طرف سے ایجاد کیا۔ نووی کی عبارت میں مادام القضبان ہے آپ نے مادام الغصنان لکھا پھر کمال یہ کہ نمبر ۳ کے ہندسہ کے نیچے مسلم شریف سے اسی حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی جملہ خود نقل بھی کرچکے ہیں اور پھر دوبارہ لکھ دیا کہ مسلم شریف میں ہے، اور لفظ ایسے اپنی طرف سے ایجاد کیے جن کا مسلم شریف میں پتہ اور نشان تک نہیں۔

اعتراض ۶

حکیم صاحب نے اس کے بعد توریشتی اور ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما شارحان مصابیح اور ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مدخل کی عبارتیں پیش کی ہیں چونکہ شروح توریشتی اور ابن ملک سر دست میرے پاس موجود نہیں اور حکیم صاحب نے کتابیں نہیں دیں باوجودیکہ وہ تصحیح نقل کے ذمہ دار تھے اس واسطے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اصل کتابوں میں بھی عبارتیں ایسی ہی ہیں جیسی حکیم صاحب نے نقل کی ہیں یا حکیم صاحب نے کوئی تغیر و تبدل کیا ہے۔ گذشتہ عبارتیں دیکھ کر حکیم صاحب کی دیانت کا تو اندازہ ہو ہی گیا ہے کہ ایک عبارت بھی دیانتداری کیساتھ نقل نہیں کی قطع نظر اس سے

حکیم صاحب کی عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ تخفیف عذاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت یا دعاسے ہوئی جریدۃ کو اس میں دخل نہیں۔

جواب: یہ ہے کہ آپ یہ عبارتیں پیش ہی نہیں کر سکتے تھے جبکہ میں شامی کی عبارت نقل کر چکا تھا جس کو اب پھر لکھتا ہوں، رد المحتار شرح الدر المختار میں ہے

تتمہ یکرہ ایضا قطع النبات والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعلله فی الامداد بانه مادام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت به وتنزل بذکرہ الرحمۃ ونحوہ فی الخانیۃ اقول دلیله ماورد فی الحدیث من وضعه علیه الصلوۃ والسلام الجریدۃ الخضراء بعد شقها نصفین علی القبرین الذین یعذبان وتعلیله بالتخفیف عنهما مالم ییبسا ای یخفف عنهما ببرکۃ تسبیحهما اذا هو اکمل من تسبیح الیابس لما فی الاخضر من نوع حیاۃ وعلیه فکراهۃ قطع ذلك وان نبت بنفسه ولم یملك لان فیه تفویت حق المیت ویوخذ من ذالك ومن الحدیث ندب وضع ذلك الاتباع ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاس ونحوہ وصرح بذالك ایضا جماعۃ

من الشافعية وهذا اولى مما قاله بعض المالكية من ان التخفيف عن القبرين انما حصل ببركة يده الشريفة صلى الله تعالى عليه وسلم او دعائه لهما فلا يقاس عليه غيره وقد ذكر البخاري ان بريدة بن الحصيب رضي الله عنه اوصى ان يجعل في قبره جريدتان والله تعالى اعلم

اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت دست مبارک اور دعا پر محمول کرنے سے تسبیح جریدہ پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔ شافعیوں کی ایک جماعت بھی اسی طرف ہے۔ جب کتب کی تصریح یہ ہے علی الخصوص خانیہ جس کے مصنف امام فقیہ النفس فخر الدین اوزجندی ہیں جن کی نسبت ائمہ و علماء نے تصریح فرمائی کہ ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے کہ افضل اجتہادی رکھتے ہیں تو ان کے مقابل بعض مالکیہ یا متاخرین حنفیہ کی شرح حدیث پیش کرنا فقاہت سے بالکل بعید ہے۔ علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ کتب فقہ کتب حدیث پر مقدم ہیں کما فی رد المحتار وغیرہ مدخل ابن الحاج کا جواب بھی اس میں آگیا اس کا حاصل بھی یہی ہے۔ علاوہ بریں امام ابن الحاج مالکی المذہب ہیں انہوں نے اپنے اصول پر عمل کیا ہے کہ قول و فعل صحابہ حجت نہیں بحکم صاحب حنفی ہیں اور حنفیہ کے اصول میں قول و فعل صحابہ بھی حجت شرعیہ ہیں۔ یہ اس سے کیوں کر عدول کرتے ہیں اور جا بجا مالکیہ شافعیہ کا دامن پکڑتے ہیں پھر مدخل میں فعل بریدہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب کہ اور صحابہ نے نہ کیا اگر وہ عموم سمجھتے تو سب کرتے بغایت عجیب

ہے مستحب کے لیے کس نے لازم کیا کہ سب بالاجماع اس پر عامل رہے ہوں بعض کا قول اور باقی کا عدم انکار بلاشبہ کافی ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ارشاد ہوا ہے کہ میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو راہ پاؤ گے۔ یہ فرمایا کہ جب تک سب صحابہ بالاتفاق کسی فعل کے عامل نہ ہوں اتباع نہ کرو۔ اس فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سب کو اطلاع کہاں سے ثابت اور جن بعض کو اطلاع ہے ان میں دو کا فعل ثابت ہے اور بعض سے منقول نہیں تو عدم نقل، نقل عدم نہیں۔ نہ ترک مستحب مفید عدم استحباب یا پھر ابن حاج کی سند بھی وہاں یہی عبارت خطابی ہے جس کا جواب بارہا گذر چکا۔ طرفہ یہ کہ اسی مدخل میں خود عبارت خطابی سے منقول ہے کہ " والعامۃ فی کثیر من البلدان تغرس الخواص فی قبور موتاھم " یعنی کثرت شہروں میں عام اہل اسلام اپنے اموات کی قبروں میں برگ خرما گاڑتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ سنت مسلمانوں میں قرنا فقرنا جاری رہی خطابی کی وفات ۳۸۸ھ میں ہے۔

اعتراض ۹: حکیم صاحب! ابن طاہر نے مجمع البحار میں لکھا ہے۔ ولیس فی الجریدۃ معنی یخصہ وانما ذاک ببرکۃ یدہ۔ انتہیٰ

جواب:

ما جناب حکیم صاحب یہ عبارت تو مجمع البحار میں ہے مگر بقول شخصے کہ:

لاتقربوا الصلوٰۃ زینت بخاطرست
وا ز امر یاد کلوا واشربوا ترا

سبحان اللہ خوب عبارت نقل کی، آدھی تو لکھ گئے اور مخالف مدعا باقی چھوڑ گئے۔ اب ذرا مجمع البحار ملاحظہ ہو۔

لیس فی الجرید ۃ معنی یخصہ وانما ذالک ببرکۃ یدہ و لذا انکر الخطابی وضع الناس الجریدۃ ونحوہ علی القبر وقیل الرطب یسبح فتخفیف ببرکۃ تسبیحہ فی کل الریاحین والبقول لقولہ وان من شیئ ای حی وحیوۃ کل شی بحسبہ۔[۱۳]

مطلب یہ کہ جریدہ میں کوئی معنی ایسے نہیں جو اس کو خاص کریں اور یہ تخفیف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے ہوئی اور اسی واسطے خطابی نے لوگوں کے جریدہ وغیرہ کے قبر پر ڈالنے کا انکار کیا اور کہا گیا ہے کہ تر یعنی شاخ سبز تسبیح کرتی ہے اور اس کی تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے پس یہ حکم تمام پھولوں اور سبزوں میں عام ہو جائے گا۔ چونکہ قرآن پاک میں آچکا ہے کہ ہر چیز تسبیح کرتی ہے اور ہر زندہ چیز مراد ہے اور ہر شے کی زندگی اسی کے لائق ہوتی ہے۔ نباتات کی زندگی اس وقت تک کہ خشک نہ ہو جائیں۔

حکیم صاحب نے عبارت کا یہ اخیر حصہ تو چھوڑ دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تخفیف عذاب کا باعث تسبیح جریدہ ہے۔ بعبارت میں قبروں پر پھول ڈالنا وغیرہ کا جواز مذکور ہے۔ اور پہلا حصہ خطابی کا مذہب لکھ ڈالا جس کا انکار علماء نے رد کیا ہے۔ ہاں حکیم صاحب فرمائیں گے کہ اس میں یہ قول بلفظ قیل ہے۔ جی تو یہ عبارت

یہ رمزے کرمانی یا قسطلانی شافعی کی ہے مگر اس سے پہلے کی عبارت مجمع البحار میں تھی جس قیل کو مذہب محققین سے موید کیا تھا حکیم صاحب اسے بھی اڑا گئے مجمع البحار میں بعد ذکر استمال شفاعت کے لکھتے ہیں۔

"وقیل لکونهما یسبحان ما داما رطبین لقوله تعالی وان من شیٔ الا یسبح ای شیٔ حی وحیوة الخشب مالم ییبس والحجر مالم یقطع والمحققون علی تعمیم الشیٔ وتسبیحه دلالة علی الصانع واستحبوا قراءة القرآن عند القبر لانه اذا خفف به بتسبیحه فتلاوة القرآن اولی۔ یعنی کہا گیا ہے کہ تخفیف عذاب کا باعث یہ ہے کہ وہ شاخیں جب تک تر رہیں گی تسبیح کریں گی چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ کوئی شے نہیں مگر وہ تسبیح کرتی ہے اور لکڑی کی زندگی جب تک ہے خشک نہ ہو اور پتھر کی جب تک قطع نہ کیا جائے اور محققین کے نزدیک شے عام ہے اور اس کی تسبیح صانع پر دلالت کرنا ہے اور قبر کے پاس قرآن شریف کا پڑھنا علماء نے مستحب کہا ہے کیونکہ جب تسبیح جرید سے تخفیف حاصل ہوتی ہے تو قرآن پاک کی تلاوت اور بھی اولی ہے" حکیم صاحب نے اول وآخر چھوڑ کر صرف بیچ کا جملہ پکڑ لیا۔

ہر چند کہ خطابی کے قول کا نا مقبول ہونا بیان ہو چکا، مگر مزید اطمینان کے لئے اور بھی ملاحظہ فرمایئے علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو اپنے زمانہ کے فرد ہیں جیسا کہ علامہ علی قاری رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وشیخ مشائخنا السیوطی ھو الذی احیا علم التفسیر المأثور فی الدر المنثور وجمع جمیع الاحادیث المتفرقۃ فی جامعہ المشھور وما ترک فنا الا ولہ فیہ متن او شرح مسطور بل لہ زیادات ومخترعات یستحق ان یکون ھو المجدد فی القرن المذکور کما ادعاہ وھو فی دعواہ مقبول ومشکور ھذا ھو الاظھر عندی واللہ اعلم۔

یعنی ہمارے شیخ المشائخ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ ہیں جنہوں نے علم تفسیر کو در منثور میں زندہ کیا اور جمیع احادیث متفرقہ کو اپنی مشہور جامع میں جمع فرمایا۔ کوئی فن نہیں چھوڑا جس میں کوئی متن یا شرح نہ لکھی ہو بلکہ ان کی زیادات و مخترعات بھی ہیں وہ اپنے زمانہ کے مجدد ہونے کے مستحق ہیں جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے اور وہ اپنے دعویٰ میں مقبول و مشکور ہیں۔

یہ مجدد سیوطی رحمۃ اللہ علیہ زہر الربی علی المجتبیٰ یعنی شرح نسائی شریف میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وقد استنکر الخطابی ومن تبعہ وضع الناس الجرید

ونحوہ فی القبر عملا بھذا الحدیث قال الطرطوسی لان
ذلك خاص ببرکۃ یدہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال
الحافظ ابن حجر لیس فی السیاق ما یقطع بانہ باشر
الوضع بیدہ الکریمۃ بل یحتمل ان یکون امر بہ
وقد تاسی بریدۃ ابن الحصیب الصحابی بذلك
فاوصی ان یوضع علی قبرہ جریدتان وھو اولی بان
یتبع من غیرہ انتھی۔ قلت واثر بریدۃ یخرج فی طبقات
ابن سعد وقد اوردتہ فی کتاب شرح الصدور
مع اثر اخر عن ابی برزۃ الاسلمی مخرج فی تاریخ ابن
عساکر وقد رد النووی استنکار الخطابی وقال
لا وجہ لہ۔ خلاصہ یہ کہ خطابی اور ان کے متبعین نے
لوگوں کی قبروں پر تر شاخیں وغیرہ رکھنے کا انکار کیا ہے طرطوسی
نے کہا کہ اس لئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک
کی برکت کے ساتھ مختص ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ حدیث
کا سیاق بھی یقین نہیں دلاتا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے اپنے دست مبارک ہی سے شاخیں جمائیں ہوں بلکہ یہ
احتمال ہے کہ کسی کو یہ حکم فرما دیا ہو اسی لحاظ سے حضرت بریدہ
صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو شاخیں

رکھی جائیں اور غیروں کا اتباع کرنے سے ان کا اتباع مناسب تر ہے (مجدد سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ بریدہ کا اثر طبقات ابن سعد میں تخریج کیا گیا ہے اور میں نے کتاب شرح الصدور میں مع ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کا رد کیا ہے اور کہا کہ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں پھر نووی شرح مسلم کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وقد انکر الخطابی ما یفعله الناس علی القبور من الخواص ونحوها متعلقین بهذا الحدیث وقال لا اصل له فلا وجه له. یعنی خطابی نے لوگوں کو قبروں پر تر شاخیں وغیرہ ڈالنے کا انکار کیا اور لا اصل لہ کہا، واقع میں اس کا لا اصل لہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

سبحان اللہ خطابی کے انکار کی تو حقیقت کھل گئی اور یہی خطابی منکرین کے اور بالخصوص ہمارے حکیم صاحب کے بڑے مستند تھے۔ لیکن یہاں چند باتیں اور بھی قابل لحاظ ہیں۔

اوّلاً امام عینی نے شرح صحیح بخاری میں انہیں خطابی سے نقل کیا ہے کہ ان کو سوکھی شاخ رکھنے سے انکار ہے یا شاخ خرما کی خصوصیت سے کہ یہاں تر چیز ہونی چاہیئے کچھ ہو عبارت یہ ہے۔

ومنها قیل هل فی جریده معنی یخصه فی الغرز علی القبر

لتخفیف العذاب الجواب انه لا لمعنی یخصه بل المقصود ان یکون فیه رطوبة من ای شجر کان ولهذا انکر الخطابی ومن تبعه وضع یابس الجرید۔ یعنی کھجور کی شاخ میں کیا خصوصیت ہے جو قبروں پر ہی گاڑی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ کھجور کی شاخ میں کوئی خصوصیت نہیں مقصود تو تر ہے خواہ کسی درخت کی ہو اور اسی وجہ سے خطابی اور ان کے متبعین نے قبر پر کھجور کی خشک شاخ ڈالنے کا انکار کیا ہے۔

ثانیاً یہی خطابی تسلیم کرتے ہیں کہ درخت کی تسبیح سے میت کے لئے تخفیف کی امید ہے اور عینی شرح بخاری میں ہے

قال الخطابی فیه دلیل علی استحباب تلاوة الکتاب العزیز علی القبور لانه اذا کان یرجی عن المیت التخفیف بتسبیح الشجر فتلاوة القرآن العظیم اعظم رجاء وبرکة ۔ یعنی خطابی نے کہا اس حدیث میں دلیل ہے کہ قبروں پر قرآن مجید کی تلاوت مستحب ہے اس لئے کہ جب درخت کی تسبیح میں میت سے تخفیف عذاب کی امید ہوئی ہے تو قرآن عظیم کی تلاوت میں تو امید و برکت عظیم تر ہے۔ امام خطابی کا یہ قول بعینہٖ ہمارے مذہب کی تسلیم ہے۔

ثالثاً: لطیفہ تر یہ ہے کہ امام خطابی صراحۃً اسی قول کو علماء کرام کا قول بتاتے ہیں۔ علامہ حافظ مجدد جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح الصدور بشرح احوال الموتیٰ فی القبور ملاحظہ [illegible] ہے۔

"قال الخطابی ھذا عند اھل العلم محمول علی ان الاشیاء ما دامت علی خلقتہا او خضرتہا وطراوتہا فانہا تسبح حتی تجف رطوبتہا او تحول خضرتہا او تقطع عن اصلہا" یعنی خطابی نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک یہ اس پر محمول ہے کہ جب تک اشیاء اپنی خلقی حالت یا تازگی و شادابی پر رہیں تسبیح کرتی رہتی ہیں یہاں تک کہ ان کی رطوبت خشک ہو جائے اور سرسبزی جاتی رہے یا وہ اپنی اصل سے قطع کی جائیں۔

اب کہاں تک کہا جائے کہ خطابی کا قول خود مضطرب ہے اور مضطرب قول قابل استناد نہیں ہو سکتا حکیم صاحب کے بڑے ماوی و ملجا یہی خطابی تھے ان کا حال معلوم ہو گیا کہ یہ خود ہمارے موافق تصریح کرتے اور اسی کو علمائے کرام سے نقل فرماتے ہیں اور بالفرض اگر خطابی شافعی منکر ہوتے تو بھی حکیم صاحب کو ان کے قول کے مقابلہ میں حدیث شریف و تصریحات فقہ حنفی چھوڑتے شرم آنی چاہیئے۔ بالخصوص جبکہ علماء اس کو رد کر چکے ہوں۔ جب حدیث شریف سے صراحۃً ثابت ہے کہ خود سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تر شاخیں قبروں پر جمائیں

اور صحابہ کرام نے ان کا اتباع کیا۔ قرناً فقرناً عام مسلمانوں میں رائج رہا۔ علمائے حنفیہ نے اسے مستحب کیا۔ پھر اس امر میں گفتگو کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں شافعی یا مالکی نے انکار کیا ہے، کیا معنی؟ آپ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فعل شریف کا اتباع کیجئے۔ اپنی فقہ حنفی کی پیروی کیجئے۔ ہاں جب فقہ درکنار دل میں فعل اقدس کی قدر نہ ہو تو آدمی مجبور ہے۔

رہا آپ کا یہ عذر کہ یہ فعل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، قابل تسلیم نہیں۔ اگر حکیم صاحب کو علم اصول سے کچھ بھی تعلق ہوتا تو یہ نہ فرماتے کیونکہ زید عمرو بکر کا کسی فعل کو اس سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص کہہ دینا دلیل خصوصیت نہیں جب تک کہ اس کی تخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دلائل شرعیہ سے ثابت نہ ہو۔ ہنوز جناب کو اتنی خبر نہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال شریفہ کا ادنیٰ مرتبہ اباحت ہے۔ جب ہی تو بے دھڑک شاغل جانے کو مکروہ تحریمی بتا دیا۔ ملاحظہ ہو حسامی اس میں ہے۔

وما لم يعلم على اى جهة فعله قلنا فعله على ادنى[۲۴] منازل افعاله وهو الاباحة لان الاتباع اصل موجب التمسك به حتى يقوم دليل الخصوصية.

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جب یہ معلوم نہ ہو سکے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل کس جہت پر کیا تو سمجھ لینا چاہئے کہ حضور کا فعل کم از کم حضور کے افعال شریفہ کے ادنیٰ منازل پر ہوگا اور کم سے کم مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال شریفہ کا اباحت ہے تو جب تک دلیل خصوصیت قائم نہ ہو حضور کے افعال شریفہ کے ساتھ

تمسک واجب ہوگا کیونکہ حضور کا اتباع لازم ہے۔

ہم تو حضور ہی کو مقتدا جانتے ہیں اور حضور ہی کے افعال شریفہ کا اتباع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی التجا کرتے ہیں کہ ہمیں تادم اخیر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب فرمائے اور انہیں کے متبعین میں ہمارا حشر کرے آمین۔ مگر حکیم صاحب حدیث دیکھتے ہوئے زید عمر بکر کے افعال تلاش کرتے پھرتے ہیں کبھی مفید المومنین اٹھا لاتے ہیں کبھی مولوی اسحاق دہلوی کی مائۃ مسائل کا سبق سناتے ہیں اے حکیم صاحب! یہ کچھ کام نہ آئے گا۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا اتباع کیجئے۔

حکیم صاحب نے مجمع البحار کی عبارت کے بعد عینی کی عبارت نقل کی ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ عینی کی عبارت کے اتنے بڑے ٹکڑے کا مضمون تو وہی ہے جو مجمع البحار کی عبارت کا تھا مگر میں علامہ عینی کی عبارت نقل کر چکا ہوں جس کو حکیم صاحب علماء کرام کے کلام میں کس قدر اور دانستہ پر عمل کرتے ہیں اور عوام کو یوں دھوکہ دیں کہ ہم تو ان کے کلام سے سند لاتے ہیں۔

واهل التحقيق على انه يسبح اذ كان العقل لا يحيل جعل التمييز فيها وجاء النص وجب المصير اليه واستحب العلماء قراءة القران عند القبر بهذا الحديث لانه اذا كان يرجى التخفيف بتسبيح الجريد فتلاوة القران اولى فان قلت ما الحكمة فى كونهما مادا ما رطبين يمنعان العذاب بعد دعوى العموم فى تسبيح

كل شى قلت يمكن ان يكون معرفة هذا

كمعرفة عدد الزبانية فى انه تعالى هو المختص بعلمه

اعتراض ۱۰: سوائے[1] آنحضرت صلعم کے سلف صالحین و ائمہ مجتہدین سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ ان کا بھی یہ معمول تھا۔

جواب: سبحان اللہ! حکیم صاحب کے لئے آنحضرت سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا کافی نہیں۔ اگر اور لوگوں سے ثابت ہوتا تو مان لیتے۔ شرم۔

---

[1] حکیم صاحب اپنے اس قول کی بنا پر مولوی اسمٰعیل صاحب تقویۃ الایمان کے نزدیک مشرک ٹھہرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا سلف صالحین و ائمہ مجتہدین کے سند چاہتے ہیں اور صاحب تقویۃ الایمان کے نزدیک یہ شرک ہے چنانچہ تقویۃ الایمان صفحہ ۴۴ میں لکھتے ہیں جو کوئی کسی امام یا مجتہد کی یا غوث و قطب یا مولوی یا باپ دادوں یا کسی بادشاہ وزیر کی یا پادری یا پنڈت کی بات کو اور ان کی راہ و رسم کو رسول کی بات سے مقدم سمجھے اور آیت و حدیث کے مقابل میں اپنے پیر استاذ کے قول سے سند پکڑے (جیسے حکیم صاحب نے حدیث کے مقابل مولوی اسحاق کے قول کی سند پکڑی) تم یا خود پیغمبر ہی کیوں نہ سمجھے کہ شرع انہی کا حکم ہے ان کا بھی جی چاہتا تھا اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے اور یہی بات ان کی امت پر لازم ہو جاتی تھی سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ ۱۲

اعتراض ۱۱ اور جو کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی وصیت اور روایت سے استدلال کیا ہے کہ شاخہائے تر کا قبور پر ڈالنا عموماً جائز ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

جواب: ہاں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا آپ نے کافی نہ سمجھا تو بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کیوں ماننے لگے ہو وہ تو صحابی ہیں مگر یہ بھی تو فرما چکے ہیں کہ سلف صالحین سے ثابت ہو گا تو تسلیم کریں گے کیا آپ نے حضرت بریدہ صحابی رضی اللہ عنہ کو سلف صالحین میں بھی شمار نہ کیا آپ کے نزدیک ان کا پایہ مولوی اسحاق دہلوی سے بھی کچھ کم ہے جو ان کا قول تو تسلیم کر لیا اور ان کی روایت تسلیم نہیں کرتے۔ ماے ایمان حیا

اعتراض ۱۲ علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے۔

واما ما موصی الصحابی بریدۃ فاجاب منہ القسطلانی کان بریدۃ حمل الحدیث علی العموم ولم یرہ خاصا ولکن الظاھر من تصرف المؤلف ان ذلک خاص لمنفعۃ بما نعلمہ صلی اللہ علیہ وسلم البرکۃ الخاصۃ بہ وان الذی ینفع اصحاب القبور انما ھو الاعمال الصالحۃ فلذلک عقبہ بقولہ ورای ابن عمر فسطاطا۔ انتھی یعنی وصیت حضرت بریدہ کی جو گذری اس کا جواب قسطلانی نے یوں دیا ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو محمول عموم پر کیا ہے اور اس بات کا لحاظ نہیں کیا کہ یہ حدیث خاص ہے لیکن ظاہر تصرف مؤلف سے یہ بات ہے کہ یہ منفعت خاصہ

آپ کے فضل اور برکت مختصہ سے تھی اور اصحاب قبور جو نفع یاب ہوتے ہیں وہ عمل صالح سے ہوتے ہیں اسی واسطے علامہ قسطلانی نے تعاقب فرمایا ہے اور کہا ہے کہ ابن عمر نے اس کو نزگاہ جانا ہے۔ انتہی بلفظہ۔

جواب: اولاً علاوہ کشف و کرامات در فن تاریخ ہم کمالے دارند کہاں امام عینی اور کہاں قسطلانی سے نقل، یہ عبارت بے علم صاحب عینی میں قسطلانی سے منقول بتلاتے ہیں یعنی کان بریدۃ حمل علی عموم الامر ور قسطلانی کی عبارت ہے مگر حکیم جی کو خبر نہیں کہ امام عینی امام قسطلانی کے استاذ الاساتذہ کے رتبہ میں ہیں۔ قسطلانی سخاوی کے شاگرد ہیں اور سخاوی عسقلانی کے اور عسقلانی و عینی دونوں ہم عصر اور ہم شہر ہیں۔ قسطلانی میں صدہا جگہ عینی سے منقول ہیں نہ کہ عینی بیشک قسطلانی سے نقل کرنے بیٹھیں امام عینی کی وفات ۸۵۵ھ میں ہے اور قسطلانی کی وفات ۶۸ سال بعد ۹۲۳ھ میں خود قسطلانی اپنی شرح کے شروع میں بخاری کے نمبر شمار میں لکھتے ہیں۔

شرحه العلامة بدر الدين العيني الحنفي في عشرة اجزاء وازيد وسماه عمدة القاري شرع في تاليفه في اواخر رجب ۸۲۱ھ وفرغ منه خامس جمادي الاولى ۸۴۷ھ

حکیم صاحب اگر اپنی منقولہ عبارت عینی میں دکھلا دیں تو ہم تین پائی کا ایک ڈبل ان کے عطار کو عطا کریں گے اور حکیم جی کو ایک چہارم الگ تماشا اہل علم قسطلانی کی عبارت اور حکیم صاحب کے ترجمہ کو ملاحظہ فرما کر حکیم صاحب کو ان کی لیاقت کی داد دیں۔

اعتراض ۱۳۰ فذلك عقبه ورد ابن عمر فسطاطا کا ترجمہ کرتے ہیں

اس واسطے علامہ قسطلانی نے تعاقب فرمایا ہے۔ (کیا خوب) اور کہا ہے ابن عمر نے اس کو (کسی کی قبر پر شامیں ڈالنے کو یا اور کسی چیز کو یا حکیم صاحب کو) خرگاہ جانا ہے سبحان اللہ کیا مطلب

حکیم صاحب کیا فرما رہے ہیں کیا آپ کے وہم میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبر پر شامیں ڈالنے کو خرگاہ سمجھ گئے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اللہ اللہ حکیم صاحب کی علمی لیاقت اگر کسی شرح جامی پڑھنے والے طالب علم کو یہ عبارت دیدیجئے تو وہ بھی اس سے مطلب نکال دے گا اور حکیم صاحب ہیں کہ چکرا رہے ہیں۔ پھر کوئی بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی تو خاموش ہی ہو رہے ترجمہ ہی نہ کرتے مگر نہیں بلکہ اکچہ خواہی گوئے فرنے ضرور جلنے ہیں درست ہو یا نادرست۔ غرض لایعرف ملحرف علی لسانہ ولا یبین ما یخرج من راسہ۔ سبحان اللہ حکیم صاحب کی لیاقت علمی بھی بڑے پایہ کی ہے اب حکیم صاحب اپنے اس فقرے کا مطلب بیان فرمائیں۔

ابن عمر نے اس کو خرگاہ جانا ہے۔ افسوس صد افسوس

آدمیاں گم شدند ملک گرفت

آج کل وہ لوگ اہل علم کے شمار میں ہیں جنہیں آسان سی عبارت کے ترجمہ تک کی لیاقت نہیں۔ پھر اس کی کیا شکایت کہ لم یرہ خاصا کا یہ ترجمہ کیا کہ یہ حدیث خاص ہے اس کا یہ مفاد کہ یہ حدیث تو واقع میں خاص ہے مگر معاذ اللہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے غوری میں اسے عام جان لیا۔ حکیم صاحب! ولم یرد انہ خاص کا مفاد ہوتا لم یرہ خاصا کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے

خاص نہ مانا۔

جناب حکیم صاحب! قسطلانی کا جواب جو آپ نے عینی سے نقل کیا ہے جس کا مطلب جناب نہیں سمجھے ہیں اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تو حدیث اپنے عموم پر ہے تو یقینی مگر بخاری کا اثر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے بعد اثر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو لانا اس کا موہم ہے کہ شاید انہوں نے اس منفعت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت کے ساتھ مختص خیال کیا ہو۔

تو جناب من! اول تو یہ ہی کب یقینی کہ امام بخاری نے خاص سمجھا اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیتے تو ان کی رائے صحابی کی رائے کے مقابل کیا وقعت رکھتی ہے۔ لا سیما وقد خالفہ عامۃ المحدثین والفقہاء۔ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے زہر الربیٰ شرح نسائی شریف میں بعد ذکر وصیت حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمایا: وهو اولیٰ بان یتبع من غیرہ کہ غیروں کا اتباع کرنے سے ان کا اتباع زیادہ مناسب ہے۔

خصوصاً اصول حنفیہ میں مقرر ہو چکا ہے کہ تاویل صحابی تمام تاویلات پر مرجح ہے مگر حکیم صاحب کو حنفیہ سے کچھ تعلق ہی نہیں۔

اعتراض ۱۴: تیسرے یہ کہ اس حدیث سے گل وریاحین کا ڈالنا ہرگز ثابت نہیں جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے۔ انتہی بلفظہ۔

جواب: حکیم صاحب نے اس مدعا پر چار عبارتیں بحوالہ عمدۃ القاری و

فتاوی قرطبیہ ومفید المومنین ومنہاج العارفین پیش کیں مگر نہ معلوم کہ فتاوی قرطبیہ دنیا کی کس اقلیم کے کس شہر کے کس مطبع میں کس کے اہتمام سے چھپ کر عنقا ہوگیا، حکیم صاحب سے تصحیح نقل کے لئے ہر چند طلب کیا مگر پیش نہ کر سکے اور یہی فرماتے رہے کہ اطمینان رکھئے کہ عبارتوں کی نقل میں کوئی خیانت نہیں کی گئی ہے یہ بیچاروں کا کام ہے مگر جن عبارتوں کی تصحیح نقل کی گئی انہیں ناظرین ملاحظہ کر چکے ہیں کہ کس درجہ کی احتیاط کے ساتھ حکیم صاحب نے عبارتیں نقل کی ہیں۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ جو عبارت نقل کی ہے اس میں بھی حسب عادت قطع برید فرمائی ہے۔ اگلا ضم پچھلا ضم بیچ کے جملہ پر استناد کرم ہے۔

وما يفعله اكثر الناس من وضع ما فيه رطوبته

من الرياحين والبقول ونحوها على القبور ليس بشي

تو لکھ ڈالا مگر بے سر و پا رہے یعنی ان سے اول وہ عبارت جو میں ابھی اس کے صفحہ نمبر ۵۰۵ سے نقل کر چکا جس میں حکیم صاحب کے اس مرض وہم کا شافی علاج اور صاف مصرح تھا کہ کچھ شاخ خرما کی اس لئے نہیں کہ تر شاخ میں ترکی ہو۔ ولہذا خطابی وغیرہ نے خشک شاخ بے برگ سے انکار کیا اور اس کے آخر وہ جملہ تھا جو اس کے عبارت منقولہ حکیم صاحب کا بھی مطلب کھوتا اور ان کے اصل مقصود کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکتا ہے اسے بھی کیوں نہ اڑا دیتے۔ وہ کیا تھا یہ کہ قبروں پر جو پھول وغیرہ تر چیزیں ڈال دیتے ہیں یہ کچھ نہیں بلکہ سنت ہے۔ وانما السنة الغرز یعنی سنت گاڑنا اور جانا ہی ہے۔

اس فقرہ نے حکیم صاحب کے مدعا کی بیخ کنی ہی کر دی۔ یعنی جس کو حکیم صاحب

نے مکروہ تحریمی بتایا تھا اسی کو امام عینی نے سنت فرمایا۔ اسی وجہ سے تو حکیم صاحب نے غنزہ کو نقل نہ کیا اب اسے چاہے حکیم صاحب دیانت فرمائیں چاہے احتیاط نام رکھیں۔
حکیم جی اس عبارت کے پھول اوپر رکھ دینے کی نسبت لیس بشئی یعنی کچھ نہیں کا لفظ دیکھ کر خوش ہوئے ہوں گے اور یہ خبر نہیں کہ یہ لفظ کہیں بایں معنی آتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں تو صرف نفی وجوب کرے گا کبھی بایں معنی آتا ہے کہ طریقہ مسلوکہ فی الدین نہیں تو فقط نفی سنت کرے گا منافی استحباب نہ ہوگا۔ کبھی بایں معنی کہ کوئی عبادت نہیں تو نفی ندب کرے گا منافی اباحت نہ ہوگا۔ کبھی بمعنی کراہت بھی مستعمل نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے۔

وقوف الناس یوم عرفۃ فی غیرھا تشبھا بالواقفین لیس بشیئ ھو نکرۃ فی موضع النفی فتعم انواع العبادۃ من فرض وواجب ومستحب فیفید الاباحۃ وقیل یستحب ذلک کذا فی مسکین

ردالمحتار میں ہے۔

فی الذخیرۃ عن محمد عنہ ای عن الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ کان لایراھا شیاء وتکلم المتقدمون فی معناھا فقیل لایراھا سنہ وقیل شکرا نا ما وقیل اراد نفی الوجوب وقیل نفی المشروعیۃ و ان فعلھا مکروہ لایثاب علیہ بل ترکہ

اولی وعزاہ فی المصطفی الی الاکثرین فان کان
مستند الاکثرین ثبوت الروایۃ عن الامام
بہ فذلک والا فکل من عبارتیہ السابقین
محتمل والاظہر انہا مستحبۃ لما نص علیہ محمد۔

ایسی محتمل عبارت سے استناد محض خبط القتاد بلکہ اس کے مقابل ان کا فرمانا کہ دانما السنتہ المعروفتہ یعنی دوم کا اشعار کرتا ہے یعنی ڈالنا سنت نہیں، تو اس میں بھی حکم منقول شامی وعالمگیری کا کیا خلاف ہوا۔

ان کے سوا جو اور عبارتیں ہیں ان سے نہ زینت پھول ڈالنے کی کراہت ثابت ہوتی ہے اور یہ مبحوث عنہ نہیں تو یہ ہے کہ بغرض نفع میت قبروں پر پھول ڈالنا جائز ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں میں پہلے عالمگیری اور شامی کی عبارتیں پیش کر چکا ہوں اور اب پھر فتاوی برہنہ کی عبارت پیش کرتا ہوں۔

دور خراست کہ کسے زیارت کند وگوید اللہم انی
اسئلک بحمد وال محمد ان لا تعذب المیت حق تعالی عذاب
ازاں گور بردارد وتا نفخ صور وگل ریحان برگور نہادن اولی است
کہ تا تر ست تسبیح می گوید۔

دو میت ازاں انس می گیرد ازیں جا گفتہ اند کہ گیاتر از گور نشاید،
دور کردن ہر چیز گیاہ تر بود اثر رحمت بیشتر بود، کما فی الترغیب
والتصدیق بقیمت اولی تر۔

ایسا ہی فقہ اکبر کی اکثر کتابوں میں مسطور ہے۔ بنظر اختصار چھوڑا جاتا ہے۔ مگر مولوی شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی ایک عبارت اور پیش کی جاتی ہے کیونکہ حکیم صاحب خاندان کے ضرور معتقد ہوں گے۔

فتاویٰ عزیزی میں ہے۔

"و نہادن گل و خوشبو ماخوذ از ان است کہ کفن میت را خوشبو دکا فور و دیگر چیز ہا ازیں جنس مثل حنوط یعنی ارگجہ آمدہ است و حالانکہ میت در قبر است ازیں چیز ہا بر قبر می نہند تا شایت میت تازہ ہم رسد احتمال است کہ ازیں نہادن خوشبو سرور بمیت می رسد زیرا کہ دریں حالت روح بسیار متلذز با ستعمال خوشبو می شود روح باقی است ہر چند ادراک وصول خوشبو در حالت زندگی کہ قوت شامہ است مفقود است اما فیما بعد کہ میت را می رسد بعد موت از روئے شرع شریف ثابت یعنی لذت اسے عالم کہ در احادیث صحیح آمدہ است کہ فبانیة من روحها وطیبها و در حق شہدا در قرآن مجید وارد است یرزقون فرحین اثبات می تواند نمود"۔

اعتراض ۱۵: یہ امر ہر ذی عقل و فہم پر ہویدا ہے کہ روایت فتاویٰ غرائب بمقابلہ احادیث کثیرہ و آثار صحابہ و روایات کتب معتبرہ فقہیہ کیا وقعت رکھتی ہیں۔ انتہی بلفظہ۔

جواب: حکیم صاحب میری پیش کی ہوئی عبارت کو فرماتے ہیں کہ بمقابلہ احادیث کثیرہ کیا وقعت رکھتی ہے۔ یہ فرمانا حکیم صاحب کا تو جب درست تھا کہ جب کوئی حدیث اپنے مدعا کی تائید میں پیش کرتے مگر ایک حدیث بھی پیش نہ کر سکے اور احادیث کثیرہ کا نام لے دیا۔

ایسے ہی حکیم صاحب نے آثار صحابہ کا ذکر فرمایا اور باوجودیکہ انہوں نے میرے جواب میں ایک بھی اثر کسی صحابی کا پیش نہیں کیا۔ جرأت ہے۔

البتہ جو حدیثیں اور اکثر میں نے پیش کی تھیں ان کے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

اسی طرح سے حکیم صاحب نے روایات کتب فقہیہ معتبرہ کا ذکر فرمایا ہے سو آپ کے جو معتبرات ہیں سبحان اللہ عجیب ہیں ایک تو ان میں سے فتاوی قرطبیہ ہے جس کو حکیم صاحب تصحیح نقل کے وقت پیش نہ کر سکے نہ کہیں جہان میں اس کا کوئی پتہ نشان۔ ایک مولوی اسحاق صاحب دہلوی کی مائۃ مسائل ہے جس میں اکثر مسئلے غلط لکھے ہیں اور جن کی عبارات منقولہ کتب منقول عنہا کے خلاف ایسی ہی حکیم صاحب کی ایک آدھ اور بھی کوئی معتبر کتاب ہوگی جس کے سامنے وہ میری پیش کردہ شامی اور عالمگیری جیسی معتبر کتابوں کی عبارتوں کو بے وقعت بتاتے ہیں۔ اہل علم انصاف کریں۔

اعتراض ۲۸ سوائے اس کے یہ چالاکی عجیب کی قابل دید ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو۔ مفید مطلب جو عبارت فتاوی عالمگیری کی

تھی اس کو تو خوشی خوشی لکھ دیا اور جو غیر مفید مطلب عبارت کہ اس کے ہی آگے تھی نظر انداز کی اصل عبارت فتاویٰ عالمگیری کی یہ ہے۔ وضع الورد والریاحین علی القبور حسن وان تصدق قیمتہ کان حسن، اول تو مجیب صاحب نے اس بددیانتی سے کام لیا کہ پورے مسئلہ فتاوی کو بیان نہ فرمایا اور دوسرے یہ کہ لفظ حسن اور احسن میں بھی مجیب صاحب نے امتیاز نہ کیا کہ قول مفتیٰ بہ کو کس کس لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ انتہی بلفظہ

جواب: حکیم صاحب نے میری نسبت بددیانتی کا لفظ تحریر فرمایا یہ ان کی عنایت ہے اور بھی جو چاہیں فرمالیں۔ مگر الحمد للہ کہ میں بہ عنایت الٰہی اس خصلت سے دور ہوں۔ حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ غیر مفید عبارت چھوڑ دی۔ میں عرض کرتا ہوں کہ غیر مفید عبارت کا چھوڑ دینا بددیانتی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا لکھنا ہی سراسر عبث اور فضول ہے۔ میں نے جو عبارت چھوڑی ہے نہ مجھے مفید نہ حکیم صاحب کو، پھر حکیم صاحب کا مجھ پر الزام لگانا اور میری طرف بددیانتی کی نسبت کرنا ان کا ہی کرم ہے میں نے جو عبارت چھوڑی ہے اسے مسئلہ زیر بحث سے واسطہ ہی نہیں۔ مسئلہ زیر بحث تو یہ ہے کہ قبروں پر پھول ڈالنا کیسا ہے۔ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اچھا ہے خوب ہے چنانچہ اس مضمون کی عبارت میں پیش کر چکا ہوں۔ جو عبارت میں نے چھوڑی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پھولوں کی قیمت کا صدقہ کر دینا بہتر ہے نہ اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث نہ اس سے مسئلہ زیر بحث کو کچھ نفع و نقصان۔ پھر حکیم صاحب کا خواہ مخواہ میری طرف بددیانتی کی نسبت کرنا ان کی عنایت ہے میں یہ بھی نہیں کہتا کہ حکیم صاحب نے یہ ہوشمندی کی تھی چونکہ وہ اپنی تحریر میں بہت سی عبارتوں کی خبر لے چکے تھے

اس لئے اس خیال سے کہ ہمیں ضرور ہماری حرکتوں پر بد دیانت کہا جائے گا۔ ہم بھی تو ایک مرتبہ اپنے دل کی ہوس نکال لیں۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ لفظ حسن اور احسن تک مجیب صاحب نے امتیاز نہ کیا کہ قول مفتی ہے کس لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ عرض کرتا ہوں کہ پھر جناب نے کیوں نہ امتیاز کر دکھایا اور اب پھر مزاج نگی ہے تو اب امتیاز کر کے اپنا مدعا ثابت کر دکھایئے میرے نزدیک تو جناب ابھی لفظوں کا ترجمہ کرنا بھی آسان نہیں ہے جو اس موقع پر یہ فرما دیا کہ قول مفتی ہے کس لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ سنئے صاحب حسن کا ترجمہ اچھا اور احسن کا ترجمہ بہت اچھا۔ پھر اس عبارت کا ٹھیٹھ اردو میں یہ ترجمہ ہوا کہ قبروں پر پھول ڈالنا اچھا ہے اور قیمت کا صدقہ کر دینا بہت اچھا۔ حکیم صاحب ذرا سمجھئے، یہاں دو مسئلے مذکور ہیں۔ ایک قبر پر پھول ڈالنے کا اور دوسرا اس کی قیمت کے صدقہ کر دینے کا۔

پہلا مسئلہ جو زیر بحث ہے اس میں اختلاف ہی کہاں نقل ہوا اور کئی اقوال ہی کس نے بیان کئے ہیں جو یہ احتمال ہو سکے کہ ایک قول مفتی بہا اور باقی قول غیر مفتی بہا ہیں دوسرے یہ کہ میں نے فتاویٰ عالمگیری کے تمام مسائل لکھ ڈالنے کا ذمہ نہیں لیا تھا مجھے صرف مسئلہ زیر بحث لکھنا تھا۔ ایسی صورت میں جناب کا مجھ پر بد دیانتی کا الزام لگانا اور مجھ سے قول مفتی بہ و غیر مفتی بہ میں امتیاز کرانا آپ کی دیانت اور امتیاز کی خوبی ہے۔

لطیفہ: حکیم صاحب نے اپنی تحریر کے آخر میں یہ بھی گنایا ہے کہ

ہم نے اتنے صاحبوں کے اقوال نقل کئے۔ اس میں بھی یہ دیانت کی ایک ایک صاحب کو دو دو دفعہ گن گئے۔ چنانچہ عینی شارح بخاری عمدۃ القاری شارح بخاری لکھ ڈالا علامہ بدرالدین ابو محمد احمد عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک جگہ عینی شارح بخاری دوسری جگہ صاحب عمدۃ القاری شارح بخاری لکھ کر گنا دیا۔ یعنی ایک شخص کو دو بنا دیا باوجود ان تمام حرکات کے ان کے نزدیک بددیانت نہ ٹھہرا۔ سبحان اللہ۔

اعتراض ۱۲۱: اور ایک امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برائے تخفیف عذاب ان شاخہائے تر کو نصب فرمایا تھا جب تو عام طور سے یہ فعل مسنون قرار دیا جائے گا تو اس کے ساتھ ضرور ماننا پڑے گا کہ ہر صاحب قبر معذب بعذاب الٰہی ہے اس میں تمام علماء صالحین و اولیاء و کاملین و آئمہ مجتہدین و اکابر دین داخل ہو گئے اس بناء پر عقیدہ مجیب صاحب یہ لازم آئے گا کہ کوئی شخص ناجی ہی نہیں جس قدر ہیں سب ناری ہیں معذب ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ انتہی بلفظہ۔

جواب: حکیم صاحب کی کم علمی ہے جو انہوں نے یہ شبہ پیش کیا کیونکہ اس خبط کا رد علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں پہلے ہی فرما چکے ہیں۔

ومنها انه قيل ان النبي صلى الله عليه وسلم علل غرزهما بامر مغيب من العذاب ونحن لا نعلم ذلك مطلقا
الجواب انه لا يلزم من كوننا لا نعلم يعذب ام لا ان نترك ذلك الا ترى انا ندعوا للميت بالرحمة ولا نعلم انه

یرحم امرلا مّا

اسی طرح شیخ الاسلام قاضی القضاۃ حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔

حاصل یہ کہ شبہ کیا گیا کہ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے شاخیں جانے کی نسبت ایک امر غیب یعنی ان کا معذب ہونا بیان فرمایا اور ہمیں اس کا علم نہیں بعینہٖ یہی شبہ حکیم صاحب کا ہے اللہ مذکورین فرماتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے یہ جاننے سے کہ اس صاحب قبر پر عذاب کیا جاتا ہے یا نہیں یہ لازم نہیں آتا کہ ہم شاخیں جمانا ہی چھوڑ دیں کیا نہیں دیکھتے کہ ہم میت کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ اس پر رحم کیا جائے گا اب حکیم صاحب انصاف پر آئیں اور تسلیم کریں بحمدہ تعالیٰ ان کے تمام خدشات و شبہات کا کافی علاج کر دیا گیا ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

کتبہ۔ العبد المعتصم بحبل المتین

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی احسانہ کہ کتاب جواز و استحباب تعظیم و زیارت آثار سید المرسلین
صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ و دیگر بزرگان دین مسمّٰی بہ

اداب الاخیار فی تعظیم الاثار

تصنیف لطیف

فخر الاماثل صدر الافاضل استاذ العلماء جامع الفضلاء مفسر اعظم حضرت علامہ الحاج المولوی الحافظ
الحکیم سید محمد نعیم الدین صاحب

قدس سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد. آثار مبارکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس فقیر کے پاس غلام دستگیر خاں صاحب (سکریٹری جمعیت اہل السنت جنوبی ہند) کا ایک [illegible] کیا اس میں دو فریقوں کے خیالات اور دلائل زید و عمرو کے عنوانوں سے تحریر ہیں آخر میں زید کے دلائل کا رد کیا گیا ہے اور مستفتی نے دریافت کیا ہے کہ ان آثار کا شرعاً کیا حکم ہے. اور فریقین کے دلائل کا کیا حال ہے. اس کے ساتھ ہی میرے پاس چند رسالے اور فتوے پہنچے جن میں مسئلہ مذکورہ کے متعلق بحث ہے ان میں مولوی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علماء دہلی اور سید سلیمان ندوی اور نائب مفتی دیوبند اور مولوی محمد مہتمم مدرسہ عربیہ دہلی اور اہل بیت کے اصحاب کی تحریریں ہیں.

ان تحریروں میں باہم بہت زیادہ شدید اختلاف ہے. کوئی صاحب تو آثار کی تعظیم کے ہی خلاف ہیں اور ان آثار پر سعی کرنے والوں کو مشرکین میں داخل کرتے ہیں ان کے نزدیک تو وہ کروروں مسلمان جو آثار مبارکہ کی تعظیم و توقیر اور عزت و حرمت کرتے ہیں دائرہ اسلام سے ہی خارج اور مشرکین میں داخل ہیں.

اور بعض آثار کی تعظیم تو جائز کہتے ہیں مگر جو طریقے تعظیم کے مسلمانوں میں رائج ہیں ان کو غلو کہہ کر ناجائز بتاتے ہیں اور بدعت ٹھہراتے ہیں.

اور بعض زمانہ موجودہ میں جو تبرکات پائے جاتے ہیں ان کو نقلی جعلی

جھوٹے ہیں کہہ کر مسلمانوں کو ان سے روکتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی اختلاف ہیں اور وہ اس حد پر ہیں کہ مفتی صاحبان آپس میں بھی نہیں سلجھ سکتے۔

اس فقیر سے چونکہ اس معاملہ میں حکم شرع بیان کرنے کی درخواست کی گئی ہے اس لئے بعونہٖ تعالیٰ و بحرمہٖ جو تحقیق ہے وہ گذارش کرتا ہوں۔

پہلے استفتاء نقل کیا جائے گا اس کے بعد جواب ہوگا اس کے ضمن میں مفتی صاحبان کی اغلاط کو بھی واضح کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ اور کجروی سے بچائے۔ اور اصحاب ضلال کے دام تزویر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

ماہ صفر المظفر [illegible]ھ

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں بنگلور میں چند مساجد اور کئی گھروں میں آثار شریف کی عام نمائش کی جاتی ہے۔ اور ان آثار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب سمجھ کر ان کی بیحد عزت وتکریم اور احترام کیا جاتا ہے جس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ آثار عموماً جو ایک بال ہوتا ہے چاندی وغیرہ کی نلکی میں رکھ کر اس پر غلاف در غلاف چڑھا کر ایک صندوق میں رکھا جاتا ہے یہ آثار چند مساجد اور کئی گھروں میں رکھے ہوئے ہیں۔ ربیع الاول میں ان مساجد اور گھروں کو خوب آراستہ کیا جاتا ہے اور پھر ان آثار کو نعت اور قصائد وغیرہ پڑھتے ہوئے بصد احترام کھولا جاتا ہے مساجد میں عموماً مردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور گھروں میں عموماً بوقت شب مستورات کا اجتماع ہوتا ہے اور ساری رات مستورات قصائد وغیرہ پڑھتی ہیں نیز مستورات آثار کے نذرانے بھی لے جاتی ہیں اس کے بعد دیگرے زائرین کمر بستہ بڑے ادب واحترام کے ساتھ آکر اس کو بوسہ دیتے ہیں۔ اور اس کو آنکھوں سے لگاتے ہیں اور بعض لوگ آثار کی طرف دست بستہ کھڑے ہوکر یا ہاتھ باندھ کر دعا بھی مانگتے ہیں۔

پس آنجناب سے التماس ہے کہ زید وعمر کے مندرجہ دلائل پر تنقید وتبصرہ فرماتے ہوئے واضح دلائل شرعیہ سے جواب تحریر فرمائیں، کہ ان آثار کی زیارت دعوت

کرنا جائز ہے یا ناجائز؛ کیوں کہ یہاں مسلمانوں میں دو متضاد خیالات کے لوگ موجود ہیں ایک زید کے ہم خیال جو ان آثار کے حامی ہیں اور ان آثار کے مخالفوں پر توہین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں محبت رسول ہی نہیں دوسری طرف عمرو کے ہم خیال ہیں جو آثار پرستوں کو بدعتی اور گمراہ تصور کرتے ہیں اور ان آثار کی زیارت اور نمائش کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔

زید کے خیالات اور دلائل

زید کہتا ہے آثار مبارک کی زیارت و عزت کرنا نہ صرف جائز بلکہ موجب ثواب عظیم ہے۔ اور جو شخص ان آثار کی عزت اور زیارت نہیں کرتا وہ دائرہ محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہے جس کے دلائل یہ ہیں۔

دلیل اول: یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار ہیں آپ کی نسبت حدیث شریف میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ جس نے میری یا میرے جزء کی زیارت کی تو مجھ پر اس کی شفاعت واجب ہو گئی۔

دلیل دوم: تاریخ اور سیر سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک وغیرہ تھے جن کو وہ بصد احترام اپنے پاس رکھتے تھے پس جس کام کو صحابہ کرام نے کیا ہو اس سے ہمیں کیوں روکا جائے۔

دلیل سوم: قرآن شریف اور تفاسیر میں ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت ہوتا تھا جس میں انبیاء سابقین علیہم وعلی نبینا التحیۃ والتسلیم کے آثار ہوتے تھے۔ اس تابوت سے بنی اسرائیل کی تسکین و تسلی ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جنگوں

میں بھی ساتھ رکھتے تھے۔ اور اس کی برکت سے کامیاب ہوتے تھے اس لیے ہم بھی اپنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مقدس اپنے پاس رکھتے ہیں اور ان کی زیارت وتکریم کرتے ہیں اور شرعاً اس کی کوئی ممانعت بھی نہیں۔

عمرو کے خیالات اور دلائل

عمرو کہتا ہے کہ ان آثار کی زیارت کرنا اور عزت وتعظیم بجالانا شرعاً ناجائز اور بدعت ہے کیونکہ باقاعدہ ثبوت ہی نہیں تو ایسے آثار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے کہ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا پس اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا۔ اب بغیر تحقیق کے کسی آثار کی عزت اس لیے عزت کرنا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام منسوب ہے یہ بھی اس حدیث شریف کے وعید کا مستحق بنتا ہے بلکہ اگر اس قاعدہ کو مان لیا جاوے تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا کہ حضور علیہ السلام کے نام سے کئی ناجائز احکام کی اتباع اور غلط چیزوں کی تعظیم کرائی جائے۔ حضور علیہ السلام کی ذات پر اس سے بڑھ کر اور کیا بہتان عظیم ہوگا۔ خدا معلوم کس کے بال ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی کی طرف منسوب کر کے ان کی عزت وتکریم کی جاتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ محض بشارتوں کی بنا پر کسی کو دیوار میں یا شربت میں بال مل جاتا ہے تو اس بال کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے اس کی نمائش اور عزت وتکریم کی جاتی ہے۔ نعوذ باللہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے اس کی نمائش اور عزت وتکریم کی جاتی ہے

نعوذ باللہ! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک صحابہ کرام بطور آثار رکھتے تو وہ موئے مبارک آج مکہ اور مدینہ میں موجود ہوتے حالانکہ وہاں ان موئے مبارک کا نام ونشان تک نہیں اور نہ ممالک اسلامیہ میں یہ آثار اس کثرت سے ہیں جیسا کہ بنگلور میں ہیں پنجاب اور سندھ کے پورے دو صوبوں میں صرف روہڑی (سندھ) میں ایک موئے مبارک بتایا جاتا ہے۔ اور یو پی، سی پی، دہلی وغیرہ میں صرف ایک مقام یعنی کہ دہلی کی جامع مسجد میں کچھ آثار موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ شاہان اسلام نے بصرف زر کثیر اور بے انتہا کوششوں سے ان کو حاصل کیا۔ پھر بھی محققین علمائے اہلسنت والجماعت کو شبہ ہے کہ آیا واقعی وہ آثار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا نہیں۔ بنگلور میں ان بالوں کی بہتات اور کثرت ہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ بال جھوٹے اور جعلی ہیں اور صرف گھرانے کی شہرت اور پیٹ پالنے کے بہانے ہیں۔

زید کے دلائل کی تردید

(۱) دلیل اول کی تردید: [illegible] نے جو حدیث پیش کی ہے کہ جس نے [illegible] کی زیارت کی تو اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی اس مضمون کی تمام حدیثیں ضعیف بلکہ من گھڑت ہیں صحیح حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔

۲۔ دلیل دوم کی تردید: بیشک بعض روایات اور تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اور موئے مبارک وغیرہ ہوتے تھے مگر انہیں روایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان آثاروں کو انہی صحابہ کرام کی وصیت کے مطابق ان کے کفنوں سے باندھ کر ان کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کا ہرگز ہرگز ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ کرام ان آثار کی نمائش کیا کرتے تھے۔ یا ان آثار کی زیارت کے لئے مسلمانوں کا کوئی اجتماع ہوتا تھا پس نمائش اور اجتماع کا موجودہ طریقہ نہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا نہ صحابہ کرام کے زمانہ میں حالانکہ صحابہ کرام کے پاک دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک محبت اس حد تک تھی کہ صحابہ کرام اپنی جان و مال تک آپ پر قربان کر دیتے تھے پس جس طریقہ کو صحابہ کرام نے نہ کیا ہو اس کو کرنا بدعت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے خصوصاً جعلی اور جھوٹے بالوں کی نمائش اور عزت خدا مسلمانوں کو اس سے بچائے کون مسلمان برداشت کر سکتا ہے کہ کسی اور کے بالوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی کی طرف منسوب کیا جائے۔

۲۔ دلیل سوم اور تردید: قرآن مجید اور تفاسیر میں بیشک ایک تابوت کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کے پاس تھا اور ورثائے انبیاء بنی اسرائیل اور سرداران بنی اسرائیل کو دیا جاتا تھا اور بیشک بنی اسرائیل میں آثار پرستی تھی اور اسی آثار پرستی کا نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیاء اور اپنے سرداروں کی تصویریں اور بت بنوا دیئے ہیں اس لئے ان پر خدا کی لعنت اور غضب بھی ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو اس قسم کا انبیاء سابقین سے کوئی تابوت دیا گیا ہے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آثار کا کوئی تابوت اپنے مقدس جانشینوں یعنی صحابہ کرام کے حوالہ کیا البتہ بوقت وصال الی اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید ہی کو مضبوط پکڑنے کی وصیت فرمائی ہے اور بس۔ خدائے تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کے لئے قرآن مجید ہی کو شفا و رحمت قرار دیا

ہے غرض کوئی مسلمان اگر تسکین اور شفا و برکت اور راحت حاصل کر سکتے ہیں تو وہ صرف قرآن مجید ہی سے حاصل کر سکتے ہیں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید ہی ایک سچا اور واقعی تبرک مبارک ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچا ہے اسی اصلی اور سچے آثار سے ہی مسلمان یہودی و نصاریٰ پر غالب بھی آئے ہیں پس مسلمان اس قرآن کی عزت و تکریم جتنی کریں اتنی کم ہے اس کے سوا مشکوک اور جعلی آثار کی عزت و توقیر کرنا یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے تشبہ ہوگا نہ کہ صحابہ کرام کے ساتھ۔

نیز براہ نوازش تحریر فرمائیں کہ ان آثار کی اصلیت اور واقعیت کی تحقیق اس زمانہ میں کس طرح کی جائے۔ فقط

المستفتی

غلام دستگیر خاں

سکریٹری جمعیت اہل سنت و جماعت

صدر مقام نمبر ۲۰ آرسنال روڈ صدر بنگلور

مورخہ یکم صفر المظفر ۱۳۵۹ھ

مطابق ۱۱ مارچ ۱۹۴۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بعون الملک الوہاب

الجواب

اما بعد۔ زید کا قول بالکل حق اور صحیح اور بجا اور درست ہے کہ آثار مبارکہ کی زیارت و عزت جائز و موجب ثواب عظیم ہے۔ اور جو ان آثار کی عزت نہ کرے وہ حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت سے محروم ہے۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ اس پر دلیل پیش کرنے کی بھی حاجت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی تو ذریعہ ایمان اور اصل دین ہے اسی کی بدولت نعمت اسلام اور دولت خداشناسی میسر ہوئی۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی جامع صحیح میں حب الرسول من الایمان کے عنوان سے ایک باب منعقد کیا اس میں دو حدیثیں ذکر کیں ایک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ اور دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والد واولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارا نہ ہوں۔ یعنی دولت ایمان سے وہی سرفراز ہوتا ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام خلق سے زیادہ محبت رکھے۔

وجدان سلیم حاکم ہے کہ محبوب کے تمام افعال واقوال رفتار و گفتار اوضاع

وخصائل ہر ادا اور اس سے علاقہ رکھنے والی شے اور جو چیزیں اس کی طرف منسوب ہوں
سب کو پیاری اور محبوب ہوتی ہیں اور اس کا جذبۂ محبت ان سب کی قدر و عزت اور احترام
کا مستدعی ہوتا ہے اور یہ محبت کی نشانی ہے۔ ایسا نہ ہو تو محبت کا دعویٰ لاف زنی ہے
یہی وجہ ہے کہ احد شریف کے حق میں جو مدینہ طیبہ کے قریب ایک پہاڑ ہے حضور
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحبہ ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اہل محبت و اصحاب
ایمان کے احوال بھی جن میں سے بعض عنقریب ذکر کئے جائیں گے اس کے شاہد ہیں۔

آثار کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ قال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ ان
یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم و بقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ و
اٰل ھٰرون تحملہ الملٰئکۃ ان فی ذالک لاٰیۃ لکم ان کنتم مومنین یعنی
بنی اسرائیل سے ان کے نبی (حضرت شمویل علیہ السلام) نے فرمایا کہ طالوت کی سلطنت کی
نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے
اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بقیہ تبرکات ہیں اس کو فرشتے اٹھا لائیں گے
اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔

یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے انبیاء علیہم السلام میں نسلاً بعد
نسل چلا آرہا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد انبیاء بنی اسرائیل میں ایک صاحب
سے دوسرے کو پہنچتا رہا پھر بنی اسرائیل میں رہا، بنی اسرائیل کو جب کوئی جنگ پیش آتی
اور دشمن قوی سے مقابلہ ہوتا۔ وہ تابوت کو آگے رکھتے اور اس کی برکت سے دشمن کے
مقابلہ میں فتح طلب کرتے اور ان کی فتح ہوتی وہ مظفر و منصور ہوتے تفسیر خازن میں ہے۔

وكانوا اذا حضروا القتال قدموه بين ايديهم ويستفتحون به على عدوهم وينصرون.

اس تابوت میں کیا تھا ایک چیز تو وہ تھی جس کو قرآن پاک میں سکینہ فرمایا ہے مفسرین کے اس کی تفسیر میں بہت سے اقوال ہیں حضرت قتادہ جلالت و وقار سے اس کی تفسیر فرماتے ہیں، ربیع رحمت سے عطا اطمینان قلب سے اور بھی بہت اقوال ہیں تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ قيل معناه فيه وقار وجلالة قال عبد الرزاق عن معمر عن قتادة فيه سكينة اى وقار وقال الربيع رحمة وكذا روى عن العوفى عن ابن عباس وقال ابن جريج سألت عطاء عن قوله فيه سكينة من ربكم قال ما تعرفون من آيات الله فتسكنون اليه وكذا قال الحسن البصرى.

تفسیر لباب التاویل میں ہے وقال قتادة والكلبى هى فعيلة من السكون اى طمانينة من ربكم ففى اى مكان التابوت اطمانوا وسكنوا اليه وهذا القول اولى بالصحة۔ بہرحال اطمینان قلب ان تمام صورتوں میں حاصل ہے جو مفسرین کے اقوال میں مذکور ہیں۔

دوسری چیز جو اس تابوت میں قرآن کریم نے فرمائی وہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بقیہ متروکات ہیں مفسرین فرماتے ہیں کہ ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا، اور دونوں حضرات کے ملبوسات متبرکہ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمامہ شریف اور حضرت کی نعلین شریف بھی تھیں تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ قال عطية ابن سعد عصا موسىٰ وعصا هارون

وثیاب موسیٰ وثیاب ھارون۔ تفسیر لباب التاویل میں ہے وقیل کان فیہ عصا موسیٰ ونعلاہ وعصا ھارون وعمامۃ۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کے تبرکات و آثار شریفہ تھے اور اس تابوت کے آنے کو قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے لیے سلطنت طالوت کی نشانی بتایا گیا۔

تفاسیر میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب بنی اسرائیل میں فساد آیا اور ظلم معاصی کی کثرت ہوئی تھی تو وہ اس تابوت سے محروم کر دیئے گئے تھے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں پھر یہ نعمت انہیں ملی اس سے مومن کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے تبرکات شرع میں نہایت معظم و محترم ہیں اور ان کو سامنے رکھ کر دعا مقبول ہوتی اور مراد حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر فضل فرماتا ہے اس کو یہ تبرکات میسر آتے ہیں یعنی لیں اور برکت حاصل کرنے کے موقعوں پر ان تبرکات کو لایا جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت خالد بن ولید صحابی رضی اللہ عنہ کی کلاہ مبارک جب جنگ یمامہ میں گر گئی تو آپ نے نہایت تیزی کے ساتھ لوٹ کر اس کو حملہ کر کے حاصل کیا۔ اور اس بات کی پرواہ نہ کی کہ ایسا کرنے سے بہت سے لوگ کام آجائیں گے کیونکہ اس کلاہ مبارک میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں وکانت فی قلنسوۃ خالد بن الولید شعرات من شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم فسقطت قلنسوتہ فی بعض حروبہ فشد علیہا شدۃ انکر علیہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لکثرة من قتل فیہا فقال لم افعلها بسبب القلنسوة بل لما تضمنته من شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم لئلا اسلب برکتہا وتقع فی ایدی المشرکین یعنی حضرت خالد بن ولید صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کلاہ مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے ایک معرکہ میں وہ ٹوپی گر گئی (قیل ھو فی غزوۃ الیمامۃ فی خلافۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نسیم الریاض جلد ۳ ص ۴۳۲) آپ نے نہایت تیزی کے ساتھ ٹوٹ کر حملہ کرکے اس کو حاصل کیا صحابہ کرام نے اس واقعہ سے زیادہ آدمیوں کے قتل ہوجانے کے باعث اعتراض کیا آپ نے فرمایا یہ کام میں نے ٹوپی کی وجہ سے نہ کیا بلکہ اس کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے اس لئے میں ایسا کیا تاکہ میں ان موئے مبارک کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور وہ کفار کے ہاتھ نہ آجائیں۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح شفا میں فرماتے ہیں وذالک امر عظیم یخاطر بالارواح لاجلہ (نسیم الریاض جلد ۳ ص ۴۳۲) یعنی اسکی برکت سے محروم ہونے کا اندیشہ ایسی بڑی بات ہے جس کے لیے جانیں خطرہ میں ڈالی جاسکتی ہیں۔

سیرۃ نبویہ میں ہے عن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اعتمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولعلہا عمرۃ الجعرانۃ فحلق راسہ فابتدر الناس شعرہ فسبقتہم الی ناصیۃ فجعلتہا فی ھذہ القلنسوۃ فلم اشہد قتالا وھی معی الا تبین لی النصر رواہ ابو یعلی بلفظ فما وجھت فی وجہ الا فتح

یعنی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرہ فرمانے کے بعد اور غالباً وہ جعرانہ تھا سر مبارک کا حلق کرایا صحابہ کرام نے موئے مبارک حاصل کرنے میں بڑی کوشش اور جلدی کی میں نے ان سے سبقت کی اور پیشانی کے موئے مبارک حاصل کرلئے اور انہیں اپنی ٹوپی میں رکھ لیا اس کی برکت ہوئی کہ جب میں کسی جنگ میں شامل ہوا اور یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوئی ضرور مجھے فتح مبین حاصل ہوئی ابو یعلی کی روایت میں یوں ہے کہ جب میں کسی طرف متوجہ ہوا ضرور میری فتح ہوئی۔

اس سے صاف صاف ثابت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ کے ساتھ انتہا درجہ کا عشق تھا انہیں جان کی طرح ساتھ رکھتے تھے۔ سر پر رکھتے تھے ان کی حفاظت کے لئے جائے خطر میں مگر اندیشے ان سے برکت حاصل کرنے نفع پانے اعداء پر کامیاب ہونے کا اعتقاد رکھتے اور ہمیشہ اس اعتقاد کے مطابق کامیاب ہوتے اور واقعی حقیقت میں یہی اقتضائے محبت ہے اور یہی مقتضائے ایمان۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد جب سر مبارک کے بال جدا کرائے تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی رغبت و شوق کے ساتھ انہیں حاصل کرنے کی کوشش کی اور حاصل کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ سر مبارک کے موئے مبارک کی تعداد دو چار دس بیس سو دو سو تو نہیں ہزاروں بلکہ لاکھوں ہوں گے اور وہ اس طرح محفوظ اور جانوں سے

زیادہ عزیز رکھے گئے۔ تو اب کثیر مقامات پر ایک ایک دو دو موئے مبارک کا پایا جانا اور دنیا میں موجود ہونا کچھ بھی قابل تعجب نہیں۔

عمرو کا یہ قول کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک صحابۂ کرام بطور آثار رکھتے تو آج وہ موئے مبارک مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں موجود ہوتے حالانکہ وہاں ان موئے مبارک کا نام ونشان تک نہیں نہ ممالک اسلامیہ میں یہ آثار اس کثرت سے ہیں جیسا کہ بنگلور میں۔ پنجاب و سندھ کے پورے دو صوبوں میں صرف روڑھی (سندھ) میں ایک موئے مبارک پایا جاتا ہے۔ اور یوپی، سی پی دہلی وغیرہ میں صرف ایک مقام یعنی دہلی کی جامع مسجد میں کچھ آثار موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ شاہانِ اسلام نے بصرف زرکثیر ان کو حاصل کیا تھا پھر بھی محققین علمائے اہل سنت وجماعت کو شبہ ہے۔ بنگلور میں ان آثار کی بہتات ہے اور کثرت ہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ بال جھوٹے اور جعلی ہیں۔

یہ ہے وہابی صاحبوں کا علم و کمال اور یہ ہیں ان کے دلائل و براہین نہیں قرآن کریم سے اور احادیث سے کیا واسطہ جو بات ہے بے سر و پا واقع کے خلاف یہ کہہ دینا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہوتے تو صحابۂ کرام بطور آثار رکھتے اس شرطیہ میں ملازمہ کیا ہے۔ اگر بطور آثار رکھنا موئے مبارک ہونے کو لازم ہے اور یہ لزوم شرعی ہے۔ تو موئے مبارک کو بطور آثار رکھنا اور ان کی تعظیم و تکبر اور ان کی زیارت اور ان سے حصول برکت سب تسلیم ہوگئی جس کو اس عمرو کے ہم خیال مفتی آثار پرستی اور شرک تک بتا رہے ہیں۔

پھر رفع تالی کہاں کہ رفع مقام نتیجہ نکلے ابھی ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کر چکے ہیں انہوں نے موئے مبارک کی کس قدر عظمت کی اور اس کا احترام کیا کیسی وارفتگی و شیفتگی انہیں ان موئے اقدس کے ساتھ تھی کہ انکے حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی خطرے میں ڈال دی اور دوسروں کی جانوں کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا یہ اعتقاد کہ فتوحات انہیں کی بدولت ہوتی ہے اس کو وہابیہ گستاخ آثار پرستی کہیں گے۔ ایسے بے دینوں سے کوئی گستاخی بعید نہیں ہے مگر مومنین کے لئے صحابہ کے فعل حجت ہیں۔ عمرو جو کہتا ہے کہ صحابہ بطور آثار رکھتے اس کی آنکھ میں بینائی ہو تو دیکھے کہ کیسے جلیل القدر صحابی ہیں کس عظمت و احترام کے ساتھ رکھا وہ تو ایک ایک موئے مبارک پر جانیں فدا کرتے تھے وہابی کو تو اتنا بھی گوارا نہیں کہ مسلمان مجتمع ہو کر زیارت بھی کرلیں درود شریف بھی پڑھ لیں۔

دہلی کا غیر مقلد : لکھتا ہے کہ حضرت خالد کے کامیاب ہونے کو آپ دلیل نہ بنائیں۔ یہی حضرت خالد تھے جو فرمایا کرتے تھے کہ میرے جسم کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہیں۔

یہ گستاخ غیر مقلد حضرت خالد کی تکذیب کرتا ہے اور ان کے ارشاد کو جھٹلاتا ہے موئے مبارک کو فتح کا ذریعہ زید اپنی طرف سے نہیں بتلاتا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ سیاہ باطن ان کی مخالفت کرتا ہے۔ اور انہیں جھٹلاتا ہے۔ اور جو کہتا ہے باطل کہتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب یہ موئے

شریف میرے ساتھ ہوتے فتح ضرور ہوتی۔ غیر مقلد بتائے اس کے خلاف کب ہوا اور اس کے پاس کونسی روایت پہنچی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب موئے مبارک ساتھ ہوتے ہوں جبھی زخم بھی لگتے ہوں ایسی روایت کوئی نہیں اور اگر ہوتی بھی تو اس سے برکت وتاثیر موئے مبارک کے انکار پر کوئی سند نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا ایمان ان کی محبت رسول ان کی عقیدت صادق ہے کہ وہ موئے اقدس کو سبب فتح جانتے تھے اور تمام عمر ان سے کامیابی حاصل کرتے رہے اور یہ غیر مقلد کی بے دینی ہے کہ وہ موئے مبارک کی برکت کا منکر ہے اب اس نے مزید گستاخیوں پر کمر باندھی ہے بہت دریدہ دہن ہے مسلمانوں کو ہندؤں سے بدتر مشرک بتاتا ہے۔ آثار کی تعظیم کو کفر کہتا ہے۔ بہت سی روایتیں جھوٹی دل سے گڑھ کر لکھ دی ہے اصحاب رسول پر بہتان اٹھائے ہے لکھتا ہے جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی اس درخت کو کٹوا دیئے تھے جب آپ کو معلوم ہوا کہ لوگ برکات حاصل کرنے کی غرض سے جانے لگے ہیں۔

یہ غیر مقلد کا افترا اور تلبیس ہے عامل بالحدیث ہونے کا دعوی اور خلیفہ رسول پر بہتان۔ غیر مقلد اس کی سند تو پیش کرے ثابت تو کرے کہ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کٹوا دیا تھا۔

اور یہ کہ کٹوانے کا سبب لوگوں کا بقصدِ تبرک اس کی طرف جانا ہے جھوٹے پر خدا کی لعنت جھوٹ بھی ایسا جھوٹ جو خلیفہ ثانی پر اٹھایا گیا۔ یہ ہے ان کا علم یہ ہے ان کی حدیث دانی۔ یہ ہے ان کا عمل بالحدیث رسول سے تو کوئی واسطہ

نہیں شیطانی افترا کو سند بناتے ہیں اس کا اتباع کرتے ہیں اور اسلام میں رخنے ڈالنے کے لئے آئے دن ابلیسی فتنے پیدا کیا کرتے ہیں ساری دنیا کے وہابی اور تمام جہاں کے غیر مقلد اس جھوٹی روایت کا ثبوت تو دیں عمرو پر مکر کا ایک جھوٹ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں موئے مبارک کا نام ونشان تک نہیں۔

کیا عمرو نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں اس کی جستجو کی تھی کس تحقیق کی بنا پر یہ دعویٰ کرتا ہے اور کیا سند ہے کہ اس کی بات مان لی جائے اور اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں نہ بھی ہو تو یہ اس کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے کہ کہیں بھی نہیں ہے۔

سادات کرام کی تعداد حرمین طیبین میں بہت کم ہے اور تمام دنیا ان سے بھری ہوئی ہے تو کیا عمرو تمام جہاں کے سیدوں کے نسب کا اپنے اس جاہلانہ استدلال سے انکار کر دے گا۔

جب اسلام جہاں میں پھیلا اور اندلس مصر، ترکی، ایران، افغانستان، ہندوستان وغیرہ ممالک میں اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں علماء سادات نے انہوں نے قدر کی یہ حضرات ان ممالک میں بار ہا آئے اسی طرح تبرکات تو یہ اسلامی سلطنتیں تمنائیں کرتی تھیں۔ کیا اتنا سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سلطنتوں کی خواہشوں اور کوششوں اور قدر دانیوں سے تبرکات ان ممالک میں بکثرت پہونچ سکتے ہیں۔

عمرو کا یہ جھوٹ ہے کہ وہ ممالک اسلامیہ میں آثار کے بکثرت موجود ہونے کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ پنجاب اور سندھ کے پورے دو صوبوں میں صرف روہڑی (سندھ) میں ایک موئے مبارک پایا جاتا ہے۔

ممالک اسلامیہ تو دور ہیں عمرو کا علم پنجاب اور سندھ کے متعلق یہ ہے کہ پورے دو صوبوں میں صرف ایک موئے مبارک بتایا جاتا ہے جس نادان کو اپنے ملک کی بھی خبر نہ ہو وہ دوسرے ممالک کا علم رکھتا ہے ذرا پنجاب کا دورہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس صوبہ میں کتنے تبرکات اور آثار شریف ہیں۔

شاہی مسجد لاہور میں جو مشہور عالم تبرکات ہیں جن کی زیارت ہمیشہ ہوا کرتی ہے اور دور دور کے مسلمان ان سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ بیچارے عمرو کو خبر نہیں وہ اپنے عدم علم کو تبرکات نہ ہونے کی دلیل بناتا ہے یہ سادہ لوحی بھی عجیب ہے عمرو نے دہلی کی جامع مسجد کے تبرکات کا اقرار کیا اور کہا کہ کہا جاتا ہے کہ شاہان اسلام نے بصرف زر کثیر ان کو حاصل کیا تھا اتنا کہنے کے بعد عمرو کی رگ بیدینی پھڑکی اور آخر میں اس نے لکھ دیا کہ محققین علمائے اہلسنت و جماعت کو ان میں بھی شبہ ہے اب عمرو بتائے وہ محققین علماء کون سے ہیں اور ان کا شبہ کس کس بنا پر ہے اور کہاں منقول ہے عمرو کی آخری دلیل یہ ہے کہ بنگلور میں ان بالوں کی بہتات اور کثرت ہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ بال جھوٹے اور جعلی ہیں۔ عمرو کی یہ دلیل ادلہ شرعیہ میں سے کونسی دلیل ہے اور کثرت جعلی ہونے کی دلیل کس طرح ہوئی۔ اوپر ہم سیرۃ النبویہ سے نقل کرچکے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ فرمانے کے بعد سر مبارک کا حلق کرایا اصحاب کرام نے بڑی کوششوں سے موئے مبارک حاصل کئے۔ سر مبارک کے تمام موئے مبارک کس قدر کثیر ہوں گے۔ لہٰذا کثرت کو جعلی ہونے کی دلیل بنانا

بڑی جعلسازی ہے یہ قابل لحاظ ہے کہ آثار متبرکہ کی عظمت وحرمت اور ان سے استفاضہ وتبرک تو قرآن شریف واحادیث کریمہ وافعال واقوال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے اور عمرو اور اس کے ہمنوا شیطانی قیاسوں اور جھوٹی باتوں سے اس کا رد کر رہے ہیں نہ کوئی آیت ان کی تائید میں ہے نہ حدیث نہ صحابہ کے اقوال وافعال نہ ائمہ دین کے ارشاد دین تو اپنی رائے فاسد کو دخل دے کر جو چیز شرع میں ثابت اور قرآن وحدیث میں موجود اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول ہے اس کو بدعت وناجائز بلکہ آثار پرستی کہہ رہے ہیں اور شرک ٹھہرا رہے ہیں اور حقیقت میں خود گرفتار بدعت ہیں ان کا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا اور اس کو دین قرار دینا اور قرآن وحدیث وعمل صحابہ کی مخالفت کرنا بدعت سیئہ اور بے دینی ہے۔ پھر لطف یہ کہ وہابی آثار پرستی تو کہہ دیتا ہے لیکن پرستش کے معنی سے بالکل ناواقف اور ناآشنا ہے یہ کسی خاص وہابی کے لئے نہیں کہا جاتا دنیا کا کوئی وہابی ہو کیا مجال کہ وہ شرک وبدعت اور پرستش وعبادت کے معنی بیان کر سکے ہو کسی کی مجال تو عبادت وپرستش کے معنی بتائے اور تعظیم آثار پر اس کے صادق آنے کی دلیل بیان کرے۔ اگر مطلق تعظیم کو آثار پرستی کہے تو پھر مخلوق میں وہ کسی کی تعظیم نہیں کر سکتا نہ باپ کی نہ استاذ نہ حاکم کی نہ آقا کی نہ کسی دینی پیشوا کی اگر کسی کی بھی تعظیم کی تو شرک ہو جائے گا اور اگر پرستش وعبادت کے معنی اس کے سوا اور کچھ ہیں تو وہ تعظیم آثار پر کس طرح صادق آتے ہیں۔ تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہم ابتدائے کلام میں اس کا بیان کر چکے ہیں اس کی نسبت عمرو بے باک کہتا ہے کہ بیشک بنی

اسرائیل میں آثار پرستی تھی اور اسی آثار پرستی کا نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیاء اور اپنے سرداروں کی تصویریں اور بت تک بنوالئے۔ اس لئے ان پر خدا کی لعنت اور غضب بھی ہے بے لگامی اور بے دینی کی انتہا ہوگئی ہے بے نصیبوں کے یہ اعتقاد ہیں وہ تابوت سکینہ کو بت پرستی اور بت پرستی کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں یہ تابوت سکینہ انبیاء میں رہا خداوند عالم نے اس کو ملک طالوت اور حضرت شمویل نبی علیہ السلام کے صدق کی نشانی بنا کر بھیجا تو کیا بے دین وہابی آثار پرستی اور بت پرستی کرانے کا الزام واتہام خدا پر اور اس کے انبیاء پر رکھتا ہے یہ ہے وہابیت کی گمراہی۔

عمرو کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ ان آثار کو انہیں صحابہ کرام کی وصیت کے مطابق ان کے کفنوں سے باندھ کر ان کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔ یعنی ہمیشہ یہی معمول تھا یہ کذب محض اور افتراء خالص ہے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گذر چکی ان کے پاس موئے مبارک تھے ان کے کفن میں باندھنے کی روایت کس نے نقل کی اس سے بنیاد تمہاری وہابیت کے عقیدہ کا ہوا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک اور تراشہ ہائے ناخن تھے جنہیں انہوں نے بڑے اہتمام سے حاصل کیا تھا اور جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور بعد موت کے بھی ان کا فراق گوارا نہ تھا۔ قبر میں بھی ان سے برکت حاصل کرنے کی تمنا تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان تبرکات میں سے کچھ تو ان کے دہن مبارک میں اور کچھ آنکھوں پر رکھ دیئے جائیں اور اس کو وہ رحمت الٰہی سے فیضیاب ہونے کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ (ذکرہ السیوطی فی

تاریخ الخلفاء) کہاں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام آثار مبارکہ و تبرکات عالیہ سے حیات بعد حیات اس عالم اور اُس عالم دونوں جہان میں فیض حاصل کرنے کا کمال شوق رکھتے تھے۔ اور کہاں وہابیہ کا یہ بہتان کہ وہ اپنے کفن میں باندھ کر اپنے ساتھ دفن کرنے کی وصیت کرتے تھے جس سے وہابی کی یہ مراد ظاہر ہے کہ وہ ان آثار کو دفن کرا دیتے تھے تاکہ کوئی ان سے تبرک حاصل کرنے کا خیال نہ کرے۔ معاذ اللہ۔ پھر وہابی نے اس بہتان کو تمام اصحاب تبرک کی طرف منسوب کیا یہ بہتان پر بہتان ہے اور مدعا عمرو کا اس سے یہ ظاہر ہے کہ آثار مبارکہ سے تبرک حاصل نہیں کرتے تھے۔ یہ مدعا باطل اور احادیث کے خلاف ہے۔ سیرۃ نبویہ کی عبارت میں گذر چکا فابتدر الناس شعرہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کو آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرنے کا کمال شوق تھا اور موئے مبارک حاصل کرنے کے لیے انہوں نے [illegible] کی پرواہ نہ کی۔ شفا شریف کی عبارات میں مثلاً اسلب برکتھا کے الفاظ صراحۃً بتا رہے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ برکت حاصل کرنے کا اعتقاد رکھتے تھے اور اپنی جان کو اس کے لیے جان خطرہ میں ڈال دی۔ یہ تو حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں جو کونین سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ جن مبارک بالوں پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ایک مرتبہ پھر گیا ہو صحابہ کرام عمر بھر ان کا ادب کرتے ہیں۔ شفا شریف میں ہے۔ روی عن صفیۃ بنت نجدۃ قالت کان لابی محذورۃ قصۃ فی مقدم راسہ اذا قعد وارسلہا اصابت الارض فقیل لہ الا تحلقہا فقال لم اکن بالذی احلقہا وقد مسہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ یعنی مروی ہے صفیہ بنت نجدہ سے جو حضرت ابو محذورہ قرشی صحابی موذن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے اگلی جانب جو پیشانی سے متصل تھی اس کے بال اس قدر لمبے تھے کہ جب حضرت ابو محذورہ بیٹھ کر انہیں کھولتے تو وہ زمین تک پہونچ جاتے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ان بالوں کو جدا نہیں کراتے فرمایا کہ میں ان بالوں کو جدا کرنے والا نہیں کہ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مس فرمایا ہے اس سے ثابت ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے چھو جانے کا صحابہ ایسا احترام کرتے تھے اور اس برکت کو حاصل کرنے کے لئے یہ احترام فرماتے تھے اور ان بالوں کا اس قدر بڑھالینا اس تبرک کے باعث مکروہ بھی نہیں رہتا اگرچہ دوسرے کے حق میں بعض کے نزدیک یہ مکروہ بھی ہو۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمہ نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں اس کے تحت فرماتے ہیں فابقاہا تبرکا بما مسہ بیدہ و بھذا ازالت الکراھۃ وان قیل بھا فی غیرہ تو یہ ہیں آثار شریفہ کے آداب جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا۔ رزقنا اللہ اتباعھم بخاری شریف میں ایک حدیث حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں خرج علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالھاجرۃ فاتی بوضوء فتوضا فجعل الناس یاخذون من فضل وضوئہ فیتمسحون بہ (بخاری شریف جلد اول باب استعمال فضل وضوء الناس ص ۳۱) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم نیازمندوں کی جماعت میں جلوہ آرا ہوئے۔ دوپہر کا وقت وضو کے لئے پانی حاضر کیا گیا حضور نے وضو فرمایا تو اصحاب

کرام آپ کے وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے امام بخاری علیہ الرحمہ کا عنوان باب اس کا مقتضی ہے کہ اس آبِ وضو سے وہ پانی مراد ہو جو اعضائے شریفہ پر گذر کر آیا چنانچہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی قدس سرہ فرماتے ہیں هذا الحديث يطابق الترجمة اذا كان المراد من قوله يأخذون من فضل وضوئه ماسئل من اعضاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (عینی جلد اول ص۷۸۴) اور اگر ترجمہ باب بخاری کا لحاظ نہ کیا جائے اور بعد وضو برتن میں باقی بچا ہوا پانی مراد لیا جائے تو مدعا اور بھی اتم طریق پر ثابت ہے کہ جو پانی اعضائے مبارک سے مس بھی نہ ہوا صرف اتنی نسبت رکھتا ہے کہ وقت وضو اس برتن میں تھا جس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اس کی صحابہ کرام نے اتنی عظمت کی تو ثابت ہوا کہ جو چیز آں سرور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ادنیٰ نسبت بھی رکھے اس کا احترام اور اس سے برکت حاصل کرنا معمول صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وصحبہ وسلم کا معمول ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ادا کیا گیا۔ اور حضور نے منع نہ فرمایا حضرت علامہ بدر الدین ابو محمد محمود عینی قدس سرہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں فيه الدلالة على جواز التبرك بآثار الصالحين یعنی اس حدیث میں دلالت ہے آثارِ صالحین کے ساتھ تبرک کے جواز پر نیز اسی سلسلہ میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک حدیث شریف روایت کی ہے کہ وقال ابو موسیٰ دعا النبی صلی اللہ علیه وسلم بقدح فيه ماء فغسل يديه ووجهه فيه ومج فيه ثم قال لهما اشربا منه وافرغا على وجوهكما ونحوركما۔ (بخاری شریف جلد اول ص۳۱) یعنی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قدح (لکڑی

فرمایا جس میں پانی ہو پھر اس میں دست مبارک اور چہرہ اقدس دھویا اور اس میں کلی فرمائی پھر حضرت ابو موسیٰ اور حضرت بلال سے فرمایا کہ اس میں سے پی لو اور اپنے چہروں اور سینوں کو اس سے تر کرو اس سے ثابت ہوا کہ آثار مبارکہ سے تبرک حاصل کرنے کا خاص طور پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اسی کے بعد بخاری شریف میں ایک اور حدیث ہے اس کے آخر میں ہے واذا توضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کادوا یقتتلون علی وضوئہ (بخاری شریف جلد اول ص) یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو غسالہ شریفہ حاصل کرنے کے لئے صحابہ کے ازدہام و شوق کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ گویا باہم کٹ مریں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا غسالہ شریفہ صحابہ کرام کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز و محبوب تھا یہ ہے شان ایمان اور یہ ہے محبت کاملہ کی نشانی اس ذوق سے صاحب ایمان ہی خبردار ہیں اسی بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے فواللہ ما تنخم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منھم فدلک بھا وجہہ و جلدہ واذا امرھم ابتدروا امرہ واذا توضأ کادوا یقتتلون علی وضوئہ۔ (بخاری جلد اول ص ۳۷۹) یعنی اللہ عزوجل کی قسم جبکہ پاک کی رطوبت جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جدا فرمائی تو ضرور صحابہ میں سے کسی صاحب کے ہاتھ آئی۔ اور انہوں نے برکت کے لئے اس کو اپنے چہرہ پر مل لیا اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کوئی حکم فرمایا تو بسرعت تمام اس کی تعمیل کی اور جب حضور نے وضو فرمایا تو قریب تھا کہ وہ آپ کے آب وضو پر لڑ پڑتے یہ حال ہے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ایسی عظمت و محبت آثار مبارکہ کی ان کے دلوں میں ہے اور یہ ہیں آثار ایمان کامل اصحاب کبار کے ان کے

جذبہ محبت وعقیدت کی تو یہ کیفیت ہے کہ وہ حضرات اپنے مکان میں نماز کے لئے کوئی جگہ معین کرنا چاہتے تو یہ بھی تمنا ہوتی ہے کہ اس جگہ پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے اور اس مقام کو حضور کی تشریف فرمائی سے عزت و برکت حاصل ہوتی تو ہمیشہ کے لئے یہ مقام محترم ہو جاتا چنانچہ بخاری شریف میں محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عتبان بن مالک صحابی انصاری بدری نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں التجا کی اور یہ تمنا پیش کی وددت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذہ مصلی فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سافعل انشاء اللہ تعالیٰ قال عتبان فغدا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر حین ارتفع النہار فاستاذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم فاذنت لہ فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال این تحب ان اصلی من بیتک قال فاشرت لہ الی ناحیۃ من البیت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر فقمنا فصففنا فصلی رکعتین ثم سلم (بخاری جلد اول باب المساجد فی البیوت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری آرزو ہے کہ حضور نیاز مند خانہ پر جلوہ فرما ہوتے اور میرے مکان میں نماز ادا فرماتے تو میں اس مقام کو مقام نماز مقرر کرتا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس التجا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کیا جائے گا۔ عتبان کہتے ہیں پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ نوازی فرمائی، اور نیاز مند خانہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رکاب سعادت میں تھے آفتاب بلند ہو چکا تھا حضور نے مکان میں تشریف فرما ہو

کا استیذان فرمایا میں نے عرض کیا حضور نے مکان میں داخل ہوتے ہی فرمایا تم اپنے مکان میں کس جگہ کو پسند کرتے ہو کہ ہم وہاں نماز ادا فرمائیں میں نے ایک گوشہ مکان کا معین کیا۔ حضور نے قیام فرمایا تکبیر فرمائی ہم نے صف باندھی اور حضور نے دو رکعت نماز ادا فرما کر سلام پھیرا۔ حضرت علامہ امام شہاب الدین ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں وفیہ التبرک بالمواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم او وطئھا۔ اس حدیث سے اس کی سند ملتی ہے کہ جن مواضع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو یا قدم اقدس سے جس زمین کو شرف پابوسی بخشا ہو وہ اس قابل ہے کہ اس سے برکت حاصل کی جائے۔ اور اسی میں ہے وفیہ اجتماع اھل المحلۃ علی الامام والعالم اذا ورد منزل بعضھم لیستفیدوا منہ ویتبرکوا بہ (فتح الباری جلد اول ص) یعنی اس حدیث میں اس کی بھی سند موجود ہے کہ امام و عالم اگر کسی کے مکان میں تشریف فرما ہوں تو اہل محلے کے ان سے استفادہ و طلب برکت کے لئے مجتمع ہو جانے کی۔ اسی اجتماع سے وہابی چڑتے ہیں اور اس کو نمائش کہتے ہیں اور ان تمام اغلاط کی بنیاد ان کی بے علمی ہے حدیث کے علم سے تو بے بہرہ ہیں ورنہ جو امر اس قدر کثیر احادیث سے ثابت ہے صاحب علم ان کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکر انھا اخرجت جبۃ طیالسیۃ کسروانیۃ لھا لبنۃ دیباج وفرجیھا مکفوفین بالدیباج وقالت ھذہ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت عند عائشۃ

فلما قبضت قبضتها وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسها فنحن نغسلها للمرضیٰ نستشفی بها۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۴) حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک طیالسیہ کسروانیہ جبہ شریف نکالا جس میں گریبان کی جگہ ایک قطعہ دیبا لگا ہوا تھا اور دیبا ہی سے اس کے چاک بند کئے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے فرمایا کہ یہ حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میں نے لے لیا۔ حضور انور اس کو پہنتے تھے ہم اس کو بیماروں کے لئے دھوتے ہیں اور اس کی برکت سے شفا طلب کرتے ہیں۔

اس حدیث سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ کے ساتھ برکت حاصل کرنے کا استحباب ثابت ہوا چنانچہ امام نووی شارح مسلم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ وفی ھذا الحدیث دلیل علی استحباب التبرک باثار الصالحین وثیابھم۔ (نووی شرح مسلم شریف جلد ثانی ص ۱۹۱) یعنی اس حدیث میں صالحین کے آثار اور ان کے ملبوس کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔ امام نووی علیہ الرحمۃ نے تبرک کا استحباب عام قرار دیا ہے اب وہابیہ کا یہ حیلہ بھی باطل ہوا کہ حضور کے سوا اور کسی کے آثار کے ساتھ تبرک جائز نہیں نیز یہ ثابت ہوا کہ اصحاب کرام آثار مبارکہ کو نہایت شوق کے ساتھ حاصل کرتے اور نہایت عظمت کے ساتھ رکھتے اور ان کی زیارت کراتے اور ان سے برکت و حصول شفا کا اعتقاد رکھتے تھے اسی کو عمرو گستاخ آثار پرستی کہتا ہے خدا سے ڈرے اور جہل کی بے قیدیوں میں اس قدر بے باک نہ ہو اس حدیث کی شرح میں حضرت

سند المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "غرض اسماء از آوردن
ایں جامہ نمودن آں بردن اظہار نعمت و برکت وجود ایں جامہ شریف بود نزد وی"۔

(اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۲۱۲)

اس سے وہابیہ کے اس حیلہ کا بھی قلع قمع ہو گیا کہ آثار کی زیارت کرانا جائز نہیں
جس کو ان شوخ چشموں نے نمائش اور میلوں اور ٹھیلوں کے کریہ الفاظ سے تعبیر
کرکے اپنی گستاخی و بے ادبی کا اظہار کیا ہے حضرت شیخ قدس سرہ نے صاف فرمایا
کہ حضرت اسماء ملبوس شریف کو لوگوں کے دکھانے اور زیارت کرانے کے لئے
برآمد کرتی تھیں۔ یہی حضرت شیخ اسی حدیث کے تحت میں ایک محل پر ارشاد فرماتے
ہیں "گویند نمودن وی جبہ را محض از برائے اظہار تبرک و تیمن بود۔"

(اشعۃ اللمعات جلد دوم ص ۲۲)

حضرت علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں امام بخاری و مسلم کی حدیث نقل
فرماتے ہیں۔ "عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ خاتما من ورق وکان
فی یدہ ثم فی ید ابی بکر ثم فی ید عمر ثم کان فی ید عثمان حتی وقع فی بیر اریس"
یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگشتری بنوائی وہ حضور کے دست
مبارک میں رہی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پھر وہ چاہ اریس میں گرگئی۔

حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں رہنے کے معنی یا تو یہ
ہیں کہ ان حضرات نے بہ نیت تبرک باثر شریف اس کو پہنا جیسا کہ علامہ محمد بن عبدالباقی

زرقانی نے اس کی شرح میں فرمایا ومعنی کونه فی یدهم انهم کانوا یلبسونه ففیه کما قال النووی التبرک بآثار الصالحین ان کے ہاتھ میں ہونے کے معنی یا تو یہ ہیں کہ وہ حضرات اس کو پہنتے تھے تو بقول نووی اس سے آثار صالحین کے ساتھ تبرک کا ثبوت ملتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ حضرات اس کو اپنے پاس رکھتے تھے کیونکہ کسی چیز کو اپنے قبضہ میں رکھنا بھی ہاتھ میں رکھنے سے تعبیر کیا جاتا ہے زرقانی میں ہے وقیل معنی فی ید تصرف فلایلزم منه لبسه جب یہ انگشتری کنوئیں میں گر گئی تو صحابہ کرام نے مع حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین روز تلاش کرے اور کنوئیں کا پانی کھینچ ڈالا اس کا یہی سبب تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ میں سے تھی زرقانی میں ہے۔ انما بالغ فی التفتیش علیه لکونه اثر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد لبسه واستعمله وختم به یعنی اس انگشتری کی تلاش میں اس قدر مبالغہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ میں سے تھی حضور نے اس کو پہنا تھا استعمال فرمایا تھا اس سے مہر فرمائی تھی اب معلوم ہوا کہ اصحاب رسول صلی اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اور خلفائے راشدین کے نزدیک آثار مبارکہ کی کیا قدر ہے۔ اور وہ کس قدر اہتمام فرماتے ہیں اب یہ بھی دیکھئے کہ بزرگان دین کے اعتقاد کیا ہیں اور کس حد تک آثار شریفہ کی عظمت ان کے دلوں میں ہے زرقانی میں ہے۔

قال الحافظ وغیرہ کان ذلك فی السنة السابعة من خلافته ومن یومئذ انتقض امر عثمان وخرج علیه الخوارج وکان ذلك مبدا الفتنة التی افضت الی قتله واتصلت الی اخر الزمان قال بعض العلماء فکان هذا الخاتم النبوی

من السر شی مما کان فی خاتم سلیمان لانہ لما فقد خاتمہ ذھب ملکہ۔

(زرقانی۔ جلد پنجم ص۳)

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ساتویں سال پیش آیا اور اسی روز سے امر خلافت خلل پزیر ہوا اور خوارج نے آپ پر خروج کیا اور یہی اس فتنہ کی ابتدا تھی جس کا نتیجہ آپ کی شہادت ہوئی۔ اور وہ فتنہ آخر تک قائم رہا بعض علماء نے فرمایا کہ اس انگشتری میں کوئی ایسا راز تھا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری میں تھا کہ جب وہ گم ہوئی تو ملک جاتا رہا۔

آثار مبارکہ کے متعلق اس قدر روایات ہیں کہ ان سب کا اس مختصر کتاب میں جمع کرنا ممکن نہیں۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ جس قدر روایات تحریر کی گئی ہیں وہ مخالفین کے شبہات کو نیست و نابود کرنے کے لئے کافی و وافی ہیں یہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ کا بیان تھا حضور کی بارگاہ میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے چشم بینا و دل دانا سے سرفراز فرمایا ہے حضور کے شہر پاک کا ایسا ادب کرتے ہیں کہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور تمام عمر یہ احتیاط رکھی کہ حدود حرم مدینہ پاک میں قضائے حاجت کے لئے نہ بیٹھے ہمیشہ حرم سے باہر جاتے تھے سوائے حالت ضرورت و مرض کے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بستان المحدثین شریف میں تحریر فرماتے ہیں "وایشاں دریں امر نہایت احتیاط بود گویند کہ در تمام عمر در حد حرم مدینہ منورہ قضائے حاجت نہ کرد بیرون حرم می رفت مگر حالت مرض وضرورت"۔

وہابی بے دین تو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے اس ادب کو بدعت سیئہ

کہہ سکتا ہے اور اپنی بے باکی سے ان کی جناب میں یہ کلمے زبان پر لا سکتا ہے کہ ایسا کرنا صحابہ سے ثابت نہیں یہ بدعت ہے یہ مدینہ پرستی ہے یہ شہر پرستی ہے مگر مومنین صلوٰۃ الایمان جانتے ہیں کہ یہ مقتضائے ایمان ہے اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ تعظیمی افعال کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کی ہیئات وخصوصیات منقول ہوں بلکہ صاحب ادب کے دل میں جو بات اپنے جذبہ نیازمندی سے ادب کی معلوم ہوں وہ ادب ہے اور ان کی رعایت سبب سعادت اسی لئے تو حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ احترام کیا اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حضرت کے محاسن وکمالات میں ذکر کیا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب اس سے بھی زیادہ ہیں ان کا جذبہ اخلاص ونیازمندی اس کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ مدینہ پاک میں کسی جانور پر سوار بھی ہوں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی بستان المحدثین کے صفحہ پر فرماتے ہیں وگاہے در مدینہ سوار نمی شود فرمود: انا استحیی من اللہ ان اطاء تربۃ فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحافر دابۃ: جب اہل ایمان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک مدینہ طیبہ کا اور اس شہر مبارک کی خاک پاک کا اتنا ادب کرتے ہیں تو حضور کے ان آثار کا جو حضور کے جسم پاک سے علاقہ رکھنے والے ہیں کتنا ادب ہوگا۔ مخالفین نے مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی کے فتوے سے بھی استناد کیا ہے ان کو مولوی عبدالحئی لکھنوی کے والد ماجد کی تحریر دکھا دوں جو نور الایمان صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقد کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما یتحری الصلوٰۃ والنزول والمرور حیث صلی صلی اللہ علیہ

اس سے دریں مبارک حضرت سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مس فرمایا تھا اسی میں ہے وردی عن البخاری عن ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اھل انس فقال ان تکون عندی شعرۃ منہ احب الی من الدنیا وما فیھا یعنی بخاری نے حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں جو ہم کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان کے متعلقین سے پہنچے ہیں حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس حضور کا ایک موئے مبارک ہو تو مجھے تمام دنیا اور اس کے تمام سامان سے زیادہ پیارا ہے۔ دیکھئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آثار شریفہ کے ساتھ کیسے جذبے رکھتے ہیں ایک موئے مبارک ان کو تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا و محبوب ہے اسی نور الایمان میں ہے۔ وکان لام عمارۃ شعرات من شعرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کان تغسلھا ویشرب غسالتھا المرضی فیحصل لھم الشفا یعنی حضرت ام عمارہ کے پاس حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے اور ام عمارہ ان کو دھو کر غسالہ شریف بیماروں کو پلاتی تھیں اس سے وہ تندرست ہو جاتے تھے۔ دیکھو موئے مبارک اور آثار شریفہ کے ساتھ صحابہ کے یہ اعتقاد ہیں آثار پرستی بتانے والے وہابی آنکھیں کھول کر دیکھیں کتنے صحابہ کرام کس قدر تبرک بہم پہنچاتے کس عقیدت سے رکھتے ان سے کیسی برکتیں حاصل کرتے تھے اسی نور الایمان میں ہے وکان عند عمر بن عبد العزیز اشیاء من متروکاتہ صلی اللہ علیہ وسلم

منها الخفان و القطيفة و الكنانة و غيرها كان هو يحافظها و يهتم بها و كان يزورها كل يوم مرة و اذا جاء عنده واحد من الاشراف اذهب هناك و يقول هذه ميراث من اكرمكم الله و عزكم به كذا اورد الشيخ الدهلوی. یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی تبرکات تھے ان میں دو موزہ شریف ایک چادر مبارک ایک ترکش شریف تھا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی محافظت فرماتے اور ان کے لئے اہتمام کرتے اور ہر روز ان تبرکات عالیہ کی زیارت سے سعادت اندوز ہوتے اور جب ان کے پاس سادات میں سے کوئی صاحب تشریف لاتے انہیں وہاں لے جاتے اور کہتے کہ یہ اس جناب پاک کی میراث ہے جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمہیں معزز و مشرف فرمایا۔ اس سے تبرکات کا لحاظ رکھنا ان کی زیارت کرنا اور دوسروں کو زیارت کرانا ثابت ہوا اسی کو بدعقیدہ وہابی شرک کہتا ہے اسی نور الایمان میں ہے۔ و من ذالك لمس الحجر الذی فی مكة فی زقاق الحجر فی طريق بيت ام المومنين خديجة و هو مركب فی جدار يزوره الناس و يتبركون بمسح هذا الحجر و قال ابن الحجر المكی الهيتمی انه نقل تواترا من اهل مكة ان هذا الحجر هو الحجر الذی كان يسلم علی رسول الله صلی الله عليه وسلم قبل النبوة اول و مكتوب فوق هذا الحجر هذا البيتان ؎

انا الحجر المسلم كل حين ۔۔۔ علی خير الوری فلی البشارة و ثلث

فضلت من ذی المعالی ۔۔۔ خصصت بها و انی من حجارة

و فی ذالك الزقاق فی مقابلة اثر المرفق الشريف و يروی انه صلی الله عليه وسلم

جاء زار سیدنا ابی بکر یوما واتکأ علی ھذا الجدار ونادی یا ابا بکر مرتین کذا فی العقد الثمین فی فضائل البلد الامین ۔ یعنی اس قبیل سے ہے اس سنگ مبارک کومس کرنا جو مکہ مکرمہ کے کوچہ زقاق الحجر میں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے دولت خانہ کے راستے میں ایک دیوار نصب ہے خلق اس کی زیارت کرتی ہے اور لوگ اس حجر شریف پر ہاتھ پھیر کر برکت حاصل کرتے ہیں امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ وہی پتھر ہے جو قبل نبوت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کیا کرتا تھا مولانا فرماتے ہیں کہ اس حجر شریف پر یہ دو شعر مکتوب ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ میں وہی ہوں جو ہمیشہ حضرت خیر الوریٰ پر سلام عرض کیا کرتا تھا تو میرے لئے بشارت ہے میں نے صاحب معالی سے فضیلت پائی اور میں باوجود پتھر ہونے کے اس فضیلت سے ممتاز ہوا اور اسی کوچہ میں اسی حجر شریف کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہنی شریف کا نشان ہے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے ۔ اور اس دیوار سے تکیہ لگا کر دو مرتبہ یا ابابکر فرما کر پکارا اس سے معلوم ہوا کہ حجاز مقدس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ موجود ہیں اور وہابی کا یہ قول باطل ہے کہ وہاں آثار مبارکہ کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ خلق ان آثار کی زیارت کرتی ہے اور ان سے برکت حاصل کرتی ہے اور علمائے دین اس کو سند بناتے ہیں اس سے وہابی کے اس قول کا بطلان ظاہر ہے کہ آثار کی نمائش ناجائز ہے ۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ کسی اثر کے ثبوت کے لئے اس قدر کافی ہے کہ مسلمانوں میں اس کی زیارت

کا رواج رہا ہو۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو دلیل قرار دیا ہے اسی نور الایمان میں ہے وجاء عن فاطمة الزهرا رضی الله تعالیٰ عنها انه صلی الله علیه وسلم لما اقبر اخذت قبضة من تراب قبره الشریف وجعلته علی عینها وبکت کذا فی الجوهر المنظم۔ یعنی منقول ہے کہ حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر انور میں جلوہ فرمانے کے بعد قبر مبارک سے ایک مشت خاک لے کر اپنی آنکھوں سے ملی اور گریہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبر شریف کی خاک سے تبرک حاصل کرنا بھی اہلبیت کرام کی سنت ہے ان نادانوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے جو اس قدر کثیر روایات کے باوجود تعظیم و زیارت و تبرک باآثار بزرگان دین خصوصاً آثار سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو آثار پرستی اور بدعت و شرک کہتے ہیں کس گمراہی میں ہیں اتنی سندیں ایسے صاف و صریح واضح کثیر موجود ہوتے ہوئے آثار مبارکہ کی تعظیم و توقیر و زیارت تو بدعت ہو جائے اور مبتدعین وہابیہ کے مدارس جلسہ ہائے امتحان و دستار بندی اور تعمیر دار الحدیث اور مدرسین کو نوکر رکھنا۔ نصاب مقرر کرنا تعطیل کرنا ایام کی تعین جلسوں کے لیے اشتہار سے دعوت جلسوں کی زیب و زینت کثیر روشنی اور اس میں اسراف اور ہجوم عوام اور نمود و نمائش کاغذی جھنڈیوں اور مجلس گاہ کو تماشہ گاہ بنانا جیسا کہ تمام وہابیہ کے مدارس میں ہو رہا ہے یہ کچھ بدعت نہ ہوا دہلی کے غیر مقلد نے کہا کہ مدرسہ تو بدعت نہیں صفہ شریف مدرسہ ہی تھا وہ بتائے کس حدیث میں ہے کہ وہ مدرسہ ہی تھا اور وہاں کس کس کتاب کا درس ہوتا تھا کتنے مدرس ملازم تھے کیا کیا تنخواہیں مقرر تھیں تعطیل کیلئے کون کون سے

ایام متعین تھے یہ نہیں تو تمہارے مدرسے قاعدے سے بدعت سئیہ ہیں دستار وسند کے طریقے بھی بدعت ہیں جس دستار بندی وسند سے تم مفتی اور عالم بننے کے مدعی ہو وہ دستار بدعت وہ سند بدعت ہے۔ پھر ایسا مولوی ہر چیز کو بدعت کہے تو کیا تعجب ہے بدعت کے مدرسہ میں پڑھا بدعت کی سند پائی بدعت کی دستار بندھی اب ہر چیز اس کو بدعت نہ معلوم ہو تو کیا معلوم۔ عوام کو فریب دینے کے لئے وہابیہ نے یہ دھوکہ دیا ہے کہ آثار شریفہ کی سند نہیں لہٰذا وہ جھوٹے ہیں جعلی ہیں اور اس پر حدیث "من کذب علی متعمدا" لکھ کر مسلمانوں پر تبرا بکا ہے، اول تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان آثار کی سند نہیں، جا بجا سندیں موجود ہیں اور غیر مقلد کے پاس تو کسی چیز کی بھی سند نہیں اس سے اگر طلب کی جائے تو اس کی عقل حیران رہ جائے وہ سند مانگنے کا کیا منہ رکھتا ہے جس کو یہ معلوم نہیں کہ ہر شے کے ثبوت کے طریقہ جدا جدا ہیں کہیں شہرت معتبر ہوتی ہے کہیں محض تسامع فقط رواج کہیں خبر واحد کہیں شہادت عدلین کہیں چار عدل شہود کہیں تواتر آثار کا ثبوت ان میں سے کسی طریقہ سے ہوتا ہے اور اس کے لئے ضروری ہے قرآن کریم نے جا بجا پچھلی قوموں کے آثار سے درس عبرت فرمایا ہے اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم وغیر ذالك من الأيات کیا ان آثار کے ایسے ثبوت وہابیہ کے پاس موجود ہیں جیسے کہ وہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار کے لئے طلب کرتے ہیں یا محض شہرت عوامی کافی ہے اور قرآن کریم نے اسی کو معتبر رکھا ہے۔ تو پھر آثار بزرگان دین کے لئے اپنی طرف

قیود بڑھانا کیونکر بدعت نہیں اگر وہابی پر ہر چیز کے ثبوت کے لئے ایسی ہی پابندی عائد کردی جائے تو وہ بہت پریشانی میں مبتلا ہو حیرت کی بات یہ ہے کہ آثار کے ثبوت کے لئے تو اس کو حدیث کی جیسی سند چاہیے لیکن آثار کو جھوٹا جعلی نقلی بتانے کے لئے کسی ادنیٰ ثبوت کی بھی ضرورت نہیں کس جرأت کے ساتھ من کذب علی متعمداً بے محل لکھ دیا۔ خدا کا خوف نہ رسول کی شرم حدیث شریف کے اندر کیسا جعلی اور صریح لفظ موجود تھا۔ معتمداً اس کو دیکھتے ہوئے بھی موئے مبارک اور تبرکات کی تعظیم کرنے والوں کو اہل ایمان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باادب امت کو مقبولان بارگاہ کو بزرگان دین کو سب کو عناداً مفتری ٹھہرا دیا۔ معاذ اللہ ناری قرار دے دیا، کیا بغیر تحقیق کسی کو جھوٹا کہنا جائز ہے یہ جرأت ہے اور اتباع سنت کے لمبے چوڑے دعوے، حدیث میں تو ارشاد ہے ظنوا المومنین خیرا، یعنی مومنین کے ساتھ نیک گمان کرو قرآن کریم میں حکم الٰہی یا ایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم، اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بیشک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اس کی تفسیر میں امام محی السنۃ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی اپنی تفسیر لباب التاویل میں فرماتے ہیں ان یظن باھل الخیر نھی اللہ تعالیٰ المومن ان یظنہ باخیہ المومن شرا یعنی نیکیوں کے ساتھ برا گمان کرنے سے بچو اللہ تعالیٰ نے مومن کو اپنے مومن بھائی کے ساتھ بدگمانی کرنے سے منع فرمایا۔ قرآن و حدیث کا تو یہ حکم مگر اتباع سنت کے مدعی فقط گمان ہی نہیں اس کے جھوٹا ہونے پر جزم کرتے ہیں اور من کذب علی معتمداً کے تحت میں داخل کرتے

ہیں یہ تو خالی گمان ہے مومن کا تو شریعت نے یہاں تک احترام کیا ہے کہ اگر کوئی فاسق اس کے خلاف خبر بھی لے آئے تو وہ بھی بے تحقیق نہ مانی جائے۔ قال اللہ تعالیٰ یاایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین۔ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاتے نہ رہ جاؤ، وہابی کو نہ قرآن کی پرواہ نہ حدیث کی سب کے خلاف عمل اور پھر متبع سنت ہونے کا دعویٰ۔ او ظاہر آراستہ کرنے والو! باطن میں ایمان کا اثر ہونے دو دلوں کو ایمان کی برکات سے معمور کرو اتباع سنت کے جھوٹے دعوے کام نہ دیں گے خدا اور رسول کے احکام کے سامنے سر جھکاؤ مسلمانوں پر بدگمانی نہ کرو انہیں اپنے ضد و عناد سے جھوٹا نہ بتاؤ، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسلمانوں کو اہل کتاب کی تکذیب سے بھی منع فرمایا محض اتنے احتمال پر کہ شاید وہ سچ کہتا ہو باوجودیکہ اہل کتاب کا صدق بہت ہی نادر الوجود ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم۔ یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی تصدیق بھی نہ کرو اور ان کی تکذیب بھی نہ کرو۔ اس حدیث کے حاشیہ میں علامہ علی قاری کی مرقاۃ سے نقل کیا ہے۔ لاحتمال ان یکون صدقا وان کان نادرا لان الکذوب قد یصدق۔ یعنی اہل کتاب کی تکذیب کی ممانعت اس احتمال کی بناء پر ہے کہ شاید انہوں نے سچ کہدیا ہو اگرچہ ان کا سچ بولنا بہت ہی نادر ہے مگر جھوٹا بھی کبھی سچ

بولتا ہے۔ لتنے احتمال سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو جھٹلانے سے منع فرمایا اور یہ مدعیان اتباع سنت ان تمام آیات واحادیث اور احکام خدا ورسول کے خلاف نیک مسلمانوں کو اور آثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہیں جعلی ونقلی بتلاتے ہیں خداوند عالم ان کے قلوب کی قساوت دور کرے ان آیات واحادیث نے بزرگوں کے آثار کو جو ان کی طرف منسوب ومشہور ہیں نقلی جعلی کہنے کا تو رستہ ہی بند کر دیا ایسا تو وہی بے باک کہے گا جو قرآن وحدیث کی مخالفت کے لئے تیار ہو۔ اب رہی یہ بات کہ آثار کے لئے کس قسم کا ثبوت چاہیئے جو وہ مان جائیں اس کے متعلق ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ابھی گذر چکا ہے کہ جس میں انہوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے والے پتھر کی نسبت فرمایا کہ یہ اہل مکہ میں متواترًا منقول ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جو سلام عرض کیا کرتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں کسی متبرک شے کا رائج ہونا اور قرنًا بعد قرنٍ اس کا بزرگوں کی طرف منسوب ہونا یعنی پچھلوں کا پہلوں سے سنتے آنا آثار کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ شریعت میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ تعظیم وآداب کے لئے ظن بھی کافی ہوسکتا ہے۔ قاضی خاں وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے کہ لووجد طریقا فی المقبرۃ وھو یظن انہ طریق احدثوہ لایمشی فی ذالک یعنی اگر قبرستان میں رستہ پایا اور گمان ہوتا ہے کہ یہ نیا نکالا گیا ہے یعنی قبروں پر تو اس پر نا چلے یعنی حرمت قبور کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قبر کے وجود کا یقین ہو اور اس پر دلیل قطعی قائم ہو بلکہ احترام قبر کے لئے فقط ظن ہی کافی ہے حضرت امام اجل قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفا شریف میں فرماتے ہیں ومن اعظامہ

واکبارہ اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاہدہ وامکنتہ ومعاہدہ وما لبسہ علیہ السلام او عرف بہ ۔ یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور حضور کے اعظام واکرام میں داخل ہے حضور کے تمام اسباب کی تعظیم اور حضور کے مشاہد وامکنہ ومشاہدہ ومعاہد وملبوسات کی تعظیم واکرام جو آپ کی طرف منسوب ہوں اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے کی عزت وعظمت کے لیئے بزرگوں کی طرف نسبت ہونا کافی ہے ۔ علامہ علی قاری نے شرح شفا میں فرمایا ہے ان المراد ما ینسب الیہ ویعرف بہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اس سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ومعروف ہوں ۔ اب تصریح ہو گئی کہ فقط منسوب ہونا تعظیم آثار کے لیئے کافی ہے ۔ مخالفین کے مسلم ومستند مولوی عبد الحئی صاحب کے والد ماجد مولوی عبد الحلیم فرنگی محلی اپنی کتاب نور الایمان میں علامہ علی قاری کی یہ عبارت نقل فرمانے کے بعد او عرف بہ پر حاشیہ لکھتے ہیں ۔ ای ولو کان علی وجہ الا شتہار من غیر ثبوت اخبار فی آثارہ کذا قال علی القاری ۔ یعنی منسوبات ومعروفات کے لیئے محض شہرت بغیر ثبوت خبر کافی ہے حقیقت یہ ہے کہ نسبت سے ادب کیا جاتا ہے معظمین کی طرف منسوب ہونا اہل ادب کے احترام وتعظیم کے لیئے کافی ہے ۔ نور الایمان میں ہے ۔ ولو کان احمد بن فضلویہ یقول لا امس قوسا الا متطہرا فانی سمعت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ ومن ذالک انہ یستحب اتیان الآبار والمساجد والمقامات المنسوبۃ الیہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ یعنی احمد بن فضلویہ فرماتے تھے کہ میں کمان کو بے طہارت ہاتھ نہیں لگاتا کیونکہ میں نے

سنا ہے کہ کمان دست مبارک میں لے لی ہے اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ جو کنویں اور مسجدیں اور مقامات حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں ان کی زیارت کے لئے حاضر ہونا مستحب ہے ظاہر ہے کہ ہر کمان کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں نہ لی تھی مگر جس کو لیا تھا اس کے ساتھ اسمی مناسبت رکھنے کے باعث احمد بن فضلویہ مطلقاً کمانوں کا یہ ادب فرمانے لگے کہ انہیں بے طہارت ہاتھ نہ لگائیں۔ اسی کو وہابی آثار پرستی کہتا ہے۔

"بے ادب محروم گشت از فضل رب"

یہ مسئلہ تو فقہ و مناسک کی کتابوں میں بکثرت مذکور ہے کہ جو مقام حضور کی طرف منسوب ہیں ان کی زیارت مستحب ہے۔ مگر وہابیہ کو نہ مسائل کی خبر نہ کتابوں پر نظر اس کے علم کی نہایت تو یہ ہے کہ ہر چیز کو بدعت کہہ دیا کرے اور تعظیم و ادب بزرگان دین سے تو اس کو خاص عداوت ہے۔ مشرکین ہند کی تو وہابی غلامی کرتے پھرتے ہیں ان کی تعظیم و تکریم کو تو فرائض پر ترجیح دیتے ہیں مگر اولیاء و انبیاء کے ساتھ عناد ہے مقبولانِ بارگاہِ خدا کی تعظیم شرک معلوم ہوتی ہے۔ اور شرع مطہر کے احکام سے آنکھیں بند ہیں۔ نور الایمان دفی مطالب المومنین ولا باس بتقبیل قبر والدیہ لما فی کفایۃ الشعبی ان رجلا جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنۃ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبل رجل الام وجھۃ الاب ویروی انہ قال یا رسول اللہ ان لم یکن لی ابوان فقال قبر الاب فقبلھما فلا تحنث فی یمینک کذا فی مغفرۃ

الغفور زیارۃ القبور۔ یعنی ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آستان جنت چومنے کی قسم کھائی ہے حضور نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی چومے مردی ہے کہ اس نے عرض کیا کہ اگر میرے ماں باپ نہ ہوں۔ فرمایا ان دونوں کی قبروں کو بوسہ دے عرض کیا اگر قبریں نہ معلوم ہوں فرمایا کہ دو خط کھینچ اور نیت کر کہ ایک ان میں ماں کی قبر ہے دوسری باپ کی، ان دونوں کو بوسہ دے قسم اتر جائے گی۔ یہ روایت مخالفین کے مقبول و مسلم پیشوا مولوی عبدالحیؒ صاحب کے والد ماجد مولوی عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی نے لکھی اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قبروں کا چومنا بھی جائز، اور قبر موجود نہ ہو تو ایک خط کو قبر فرض کرکے اس کا احترام کرنا بھی صاحب قبر کا احترام ہے اور نعلین شریفین اور ان کے نقوش کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنا ہمیشہ سے مومنین صالحین کا معمول ہے اکابر علماء کرام نے اس میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ نقشہ نعل نعل تو نہیں ہے مگر اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش مبارک کی یاد ہو جاتی ہے۔ اہل ذوق و محبت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ الباری مسلک متقسط میں فرماتے ہیں والحاصل ان کل مایکون النظر الیہ یدل علی الحق ولیشیر الیہ فھو عبادۃ یعنی خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی طرف نظر کرنا حق کی طرف مائل کرے اور خدا کو یاد دلائے وہ عبادت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ آثار شریفہ کی زیارت سے خدا یاد آتا ہے اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا ان کی زیارت داخل عبادت ہوئی۔

اگرچہ اس بحث میں اور بھی دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں مگر الحمد للہ جس قدر لکھا گیا عاقل منصف کی تسکین اور جاہل متعصب کی ذہن دوزی کے لئے کافی ہے۔

والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و سید رسلہ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

صفر المظفر ۱۳۶۰ھ

نماز صبح کے بعد قضاء عمری کا حکم

استفتـــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز قبل طلوع آفتاب نماز قضاء عمری پڑھنا درست ہے یا نہیں؛ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز قضا عمری انسان ہر وقت پڑھ سکتا ہے کسی وقت کی ممانعت نہیں۔

المستفتی

سیٹھ ابراہیم حاجی محمد ابا بلڈنگ

نل بازار۔ بمبئی۔

بعون الملک الوہاب

الجـــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نماز فجر کے بعد آفتاب کے طلوع سے قبل نفل مکروہ ہیں قضا فرض جائز ہے۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے ویکرہ التنفل بعد صلوتہ ای فرض الصبح ویکرہ التنفل بعد صلوٰۃ فرض العصر وان لم تتغیر الشمس لقولہ علیہ السلام لا صلوٰۃ بعد صلوۃ العصر حتی تغرب الشمس

ولا صلوٰۃ الفجر حتی تطلع الشمس رواہ الشیخان والنہی بمعنی فی غیر الوقت وھو جعل الوقت کا المشغول فیہ بفرض الوقت حکما وھو افضل من النفل الحقیقی فلا یظہر فی حق فرض یقضیہ وھو المفاد بمفہوم المتن۔

مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ وعن النفل بعد صلوٰۃ کما الفجر والعصر عطف علی قولہ منع ای عن التنفل بعد صلوٰۃ الفجر والعصر لما روی ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نہی عن ذالک کذا فی الھدایہ لا عن قضاء فائتۃ وسجدۃ تلاوۃ وصلوٰۃ جنازۃ ای لا باس ان یصلی فی ھذین الوقتین الفوات الخ۔ تنویر الابصار میں ہے وکرہ نفل وکل ما کان واجبا لغیرہ کمنذ ور ورکعتی الطواف والذی شرع فیہ ثم افسدہٗ بعد صلوٰۃ فجر وعصر لا تضاء فائتۃ وسجدۃ تلاوۃ و صلوٰۃ جنازۃ۔ ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ نماز فجر کے بعد آفتاب کے طلوع سے پہلے صرف نوافل مکروہ ہیں۔ فوائت کی قضا مکروہ نہیں۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز قضا عمری انسان ہر وقت پڑھ سکتا ہے کسی وقت کی ممانعت نہیں ان کا یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ اوقات ثلاثہ یعنی وقت طلوع آفتاب اور وقت استوا اور وقت غروب کوئی نماز فرض واجب ادا و قضا، جو اس وقت سے پہلے واجب ہو چکی ہو درست نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے۔ ثلاثۃ اوقات لا یصح فیہا شیئ من الفرائض والواجبات الذی لزمت فی الذمۃ قبل دخولہا طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے لا یصح فیہا شیئ اداء وقضاء۔

واللہ تعالیٰ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل المتین

محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

مرادآباد۔



وہابی کی امامت کا حکم

استفتــــــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ نجدی وہابی دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے بعض مولوی کہتے ہیں کہ نماز تو فاسق و فاجر کے پیچھے بھی درست ہے اور حدیث شریف بتاتے ہیں۔ اور داڑھی منڈانے والے کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔ مفصل جواب سے ممنون و مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

فقط والسلام

المستفتی

مشہود علی سہارنپور

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

بعون الملک الوھاب

الجــــــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد۔ داڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور ہر فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ فان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علینا اھانتہ شرعا فی رد المحتار لیکن اس کے پیچھے نماز بکراہت ہو جاتی ہے اور وہابی بے دین منکر ضروریات دین

خارج از اسلام ہیں۔ اس کے پیچھے کسی طرح نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کو امام بنانا شریعت کی نافرمانی اور سخت جرم ہے۔ حدیث شریف میں ہے صلوا خلف کل بر وفاجر آیا ہے کافر نہیں آیا ہے۔ اس حدیث سے وہابی کی امامت پر استدلال باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

۸ رجادی الاول ۱۳۳۷ھ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں اگر نماز فجر میں امام کھڑا ہے، اور مقتدی سنت ادا نہ کرے اور امام سے مل جائے تو سنت کب ادا کرے۔ سورج جب نکلے تو پڑھے یا فرض ختم کرکے پڑھ سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

نقیر محمد دین

بعون الملک الوہاب

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم اما بعد

سنت فجر اگر تنہا رہ گئی اور فرض پڑھ لئے گئے تو اس کی قضا لازم نہیں البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بہتر ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے پہلے پڑھ لے، لازم نہیں؛ اور آفتاب کے طلوع سے قبل اور زوال کے بعد بالاتفاق سنتوں کی قضا نہ پڑھی جائے گی۔ مراقی الفلاح میں ہے ولم تقض سنۃ الفجر الا بفوتہا مع الفرض الی الزوال وقال محمد رحمۃ اللہ تقضی منفردۃ بعد الشمس قبل الزوال فلا قضاء لما قبل الشمس ولا بعد الزوال۔ اتفاقا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ قیل لاخلاف بینھم فی الحقیقۃ لانھما یقولان لیس علیہ القضاء وان فعل لاباس بہ ومحمد رحمہ اللہ یقول احب الی ان یقضی وان لم یفعل لاشیئ علیہ۔ واللہ سبحنہ تعالٰی اعلم وعلمہ عز اسمہ اتق واحکم۔

کـ۔ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض حافظ سجدۂ تلاوت جو پارہ عم کے سورہ علق کے آخر میں ہے وہ سجدۂ تلاوت نہیں کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ مہربانی فرماکر مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

فقط والسلام
المستفتی
مجاہد حسین۔ کالپی۔
مورخہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

بعون الملک الوہاب

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

اما بعد قرآن پاک میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔ سورہ علق کی آخری آیت بھی انہیں میں سے ہے جو حافظ اس کا سجدہ ادا نہیں کرتا وہ تارک واجب اور گنہگار ہے۔ کنز الدقائق میں ہے سجود التلاوۃ تجب باربعۃ عشرۃ ایۃ مستخلص الحقائق میں ہے وایات السجدۃ فی اخر الاعراف والرعد والنحل وبنی اسرائیل ومریم والحج والفرقان والنمل والم التنزیل السجدۃ والصاد وحم والنجم واذ السماء انشقت واقرأ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ سید محمد نعیم الدین۔ ۔۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ اگر پیش امام قرأت کے اندر رک جائے فرضوں میں تو اس کو لقمہ دینا چاہیے یا نہیں؟ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتہ

[illegible]

بعون الملك الوهاب

الجـــــــــــــــــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، والحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین وصحبہ اجمعین۔ اما بعد، اگر امام قرأت میں رک گیا اور مقتدی نے لقمہ دیا تو جائز ہے اس سے کسی کی نماز میں نقصان نہ آیا۔ امام کی نہ مقتدی کی البتہ اگر امام بقدر ما یجوز بہ الصلوۃ پڑھ چکا ہو یا دوسری آیت شروع کردے تو بہتر ہے کہ نہ بتلائے اور امام کے رکتے ہی فوراً نہ بتانا چاہیے تھوڑا وقفہ کرے کہ شاید اس کو خود یاد آجائے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے والصحیح انہ لا یفسد صلوۃ الفاتح بکل حال ولا صلوۃ الامام لو اخذ منہ علی الصحیح ھکذا فی الکافی ویکرہ للمقتدی ان یفتح علی امامہ من ساعتہ فیصیر قارئا خلف الامام من غیر حاجۃ کذا فی المحیط السرخسی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو امام حد شرع سے کم داڑھی رکھے اس کے پیچھے نماز کیسی ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی
ضیاء الدین۔ جے پور راجستھان

بعون الکریم الوھاب

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد
داڑھی رکھنا شعائر اسلام میں سے ہے اور اس کا کٹانا قدر قبضہ پہنچنے سے قبل حرام ہے۔ بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واعفوا اللحی۔ یعنی مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں پست کرو داڑھیاں بڑھاؤ۔ ایک اور حدیث مسلم شریف میں بایں الفاظ وارد ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باحفاء الشوارب واعفاء اللحی یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مونچھیں پست کرنے اور داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔ احیاء العلوم میں ہے رد عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن ابی لیلی

قاضی المدینۃ شہادۃ من کان ینتف لحیۃ ۔ یعنی حضرت امیر المومنین عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اور قاضی مدینہ ابن ابی لیلیٰ دونوں پیشوایان اسلام نے داڑھی کٹوانے والے کی شہادت (گواہی) رد فرمادی نیز اسی میں ہے شہد رجل عند عمر ابن عبد العزیز بشہادۃ وکان ینتف لحیۃ فرد شہادتہ ۔ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی گواہی دی اور وہ داڑھی کچھ چنا کرتا تھا حضرت خلیفہ نے اس کی شہادت رد فرمادی ۔ درمختار میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ جب ثابت ہوگیا کہ داڑھی ایک مشت سے کم کتروانا یا منڈوانا ممنوع ہے تو اس کا عامل اور مصر فاسق معلن ہوا ۔ اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ۔ کما فی عامۃ المتون و الشروح والفتاوی من کراھۃ امامۃ الفاسق ۔ اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے ۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے لو قدموا فاسقا یاثمون یعنی فاسق کو امام بنانے والے گنہگار ہوں گے ۔ واللہ تعالیٰ سبحنہ اعلم ۔

کتبہ ۔ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو امام سود خواروں کے گھر کھانا کھائے یا ان کی خوشامد کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے بینوا توجروا۔

المستفتی

ضیاء الدین۔ جے پور راجستھان

بعون الکریم الوہاب

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ سود خوروں کے گھر کا کھانا حرام نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کھانا مال حرام سے تیار کیا ہوا ہے۔ یا اس کے پاس کوئی مال حلال موجود ہی نہ ہو اور خوشامد اگر ترغیب دین اور اصلاح حال کے لئے ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم۔

ک۔ العبد المعتصم بحبلہ المتین بہ

سید محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

ھدایۃ کاملہ قنوت نازلہ

۱۳۶۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ سبحانہ تبارک وتعالیٰ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ وخاتم انبیائہ صاحب الشفاعۃ العظمیٰ الذی فتح اللہ تعالیٰ بہ اعینا عمیا وقلوبا غلفا واذانا صما وعلیٰ الہ الطیبین واصحابہ الطاہرین سفن النجاۃ ونجوم الھدیٰ

امابعد۔ مسلمانوں پر کوئی حادثہ یا مصیبت نازل ہونے کے ایام میں صرف نماز فجر کی رکعت اخیر کے رکوع کے بعد قومہ میں امام کا دعائے قنوت نازلہ پڑھنا اور اس میں دفع مصیبت حفاظت مسلمین ہلاکت اعدار کی دعائیں کرنا جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے بہتر یہ ہے نماز سے فارغ ہوکر دعائیں کی جائیں۔

قنوت نازلہ حضور پر نور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف چند روز ایک ماہ یا اس سے کم پڑھی پھر ترک فرمادی۔ اس ترک کا باعث بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال مبارکہ میں تو یہ ہے کہ ضرورت نہ رہی تھی اور بعض اصحاب کرام رضی اللہ عنہم یہ فرماتے ہیں کہ قنوت نازلہ آیت لیس لک من الامر سے منسوخ ہوگئی، اس لئے حضور نے ترک فرمادی۔ الحاصل نسخ عدم نسخ صحابہ کرام میں مختلف فیہ

ہے. فقہا محققین ائمہ دین حضرت امام اعظم اور ان کے صاحبین نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دونوں گروہوں کے اقوال وافعال پر نظر فرما کر تحقیق و تنقیح یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ قنوت نازلہ صرف نماز فجر میں بعد رکوع جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے. بہتر ہے کہ نماز کے بعد دعا کی جائے تاکہ خلاف اولیٰ کا ارتکاب بھی نہ ہو اور مسلمان اختلاف وانتشار سے بھی محفوظ رہیں فجر کے سوا قنوت اور کسی نماز میں جائز نہیں. تو جو شخص سوائے فجر کے اور نمازوں میں قنوت پڑھے گا اس کی نماز قابل اعادہ ہوگی یعنی دوبارہ پڑھنی ہوگی.

تفاصیل دلائل لقنوت النوازل

حدیث بخاری شریف. سئل انس بن مالک اقنت النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الصبح قال نعم فقیل او قنت قبل الرکوع قال بعد الرکوع یسیرا. یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز صبح میں قنوت پڑھی ہے فرمایا ہاں. پھر دریافت کیا گیا قنوت رکوع سے پہلے پڑھی ہے؟ فرمایا رکوع کے بعد. (یا رکوع کے بعد چند روز.)

حدیث بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۳۶۔ عن انس بن مالک قال قنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہرا یدعوا علی رعل وذکوان یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی، رعل وذکوان پر بددعا فرماتے تھے۔

حدیث حلبی شرح منیہ صفحہ ۳۶۰۔ روی الخطیب فی کتاب القنوت من حدیث محمد بن عبد اللہ روی قال حدثنا سعید بن عروبۃ عن قتادۃ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یقنت الا اذا دعا لقوم او دعا علیہم وھو سند صحیح قالہ صاحب تنقیح التحقیق۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قنوت نہ پڑھتے تھے مگر جبکہ کسی قوم کے لئے دعا فرماتے یا کسی قوم پر بددعا فرماتے۔

حدیث حلبی صفحہ ۳۶۰۔ اخرج ابن حبان عن ابراھیم عن سعد عن الزہری عن سعید وابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقنت فی صلوۃ الفجر الا ان یدعوا لقوم او علی قوم وھو سند صحیح۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے مگر جب کسی قوم کے لئے دعا فرماتے یا کسی قوم کے حق میں بددعا فرماتے۔

حدیث شرح معانی الآثار شریف صہ ۱۴۳ عن انس قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرین یوما یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس روز (۲۰) قنوت پڑھی. (ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ نماز فجر میں بعد رکوع ایک ماہ یا بیس روز پڑھی) ایک ماہ یا بیس روز کی میعاد بتاتی ہے کہ اس کے بعد ترک فرمادی اور یہ احادیث میں مصرح بھی ہے.

حدیث ۶. سنن ابن ابی داؤد شریف جلد اول صفحہ ۲۰۴. عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت شہرا ثم ترکہ. یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی پھر ترک فرمادی.

حدیث ۷. نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۲۲. عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قنت شہرا یدعو علی حی من احیاء العرب ثم ترکہ. یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ پر بددعا فرماتے تھے. پھر اس کو ترک فرمایا.

حدیث ۸. شرح معانی الآثار شریف جلد اول صفحہ ۱۴۲ عن عبد اللہ قال لم یقنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا شہرا لم یقنت قبلہ ولا بعدہ. یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھی نہ اس سے قبل پڑھی نہ اس کے بعد.

ان احادیث سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز صبح میں چند روز قنوت پڑھنا اور پھر ترک فرمادینا ثابت ہوتا ہے. اب یہ دیکھنا ہے کہ ائمہ دین کے نزدیک

حضور کے قنوت نازلہ پڑھنے کی حیثیت کیا تھی۔ اور ترک فرمانے کی کیا وجہ تھی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور کا قنوت پڑھنا مفید سنت ہے

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح سفر السعادۃ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ "بدانکہ ائمہ را در قنوت نماز صبح اختلاف ست شافعی و مالک و احمد و عبداللہ بن المبارک وغیر ایشاں قائل اند بداں بطریق سنت"۔

حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک وتر کے سوا اور کسی نماز میں قنوت نہیں رحادثہ کے وقت کی قنوت بھی امام اعظم (امیر المومنین) یا امیر جیش کے ساتھ خاص ہے ہر امام کے لئے روا نہیں۔

شرح سفر السعادۃ صفحہ ۱۱۰۔ "وزرکشی در شرح خرقی گوید کہ قنوت در غیر وتر نزد احمد نیست واگر باشد نزد نزول حادثہ است و آں نیز مخصوص ست بامام اعظم یا امیر جیش نہ مر ہر امام را"۔

شرح سفر السعادۃ صفحہ ۱۱۱ "نزد امام ابو حنیفہ قنوت در نماز فجر اصلاً نیست۔ وقنوت آنحضرت مخصوص بوی بود صلی اللہ علیہ وسلم و در قضایای مخصوص بود بعد ازاں ترک کرد"۔

اب یہ تحقیق کرنا ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قنوت ترک فرمانے کی کیا حیثیت ہے اس میں اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف ہے بعض حضرات کے نزدیک حضور کا قنوت نازلہ کو ترک فرمانا اس لئے تھا کہ وہ آیت

منسوخ ہوگئی تھی. اور بعض حضرات کے نزدیک اس لئے کہ ضرورت باقی نہ رہی تھی۔
اس کے متعلق احادیث درج ذیل ہیں۔

حدیث ۹ بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۵۸۲۔ عن ابن عمر انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع راسہ من الرکوع فی الرکعۃ الاخیرۃ من الفجر یقول اللھم العن فلانا وفلانا وفلانا بعد ما یقول سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد فانزل اللہ لیس لک من الامر شیئ الی قولہ فانھم ظلمون. حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے حضور پرنور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا جب آپ نے فجر کی اخیر رکعت کے رکوع سے سر مبارک اٹھایا اور سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد فرمایا تو فرمایا. یا اللہ فلاں و فلاں و فلاں پر لعنت کر. پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس لک من الامر الآیہ۔

حدیث ۱۰ (مسلم شریف جلد اول صفحہ ۲۳۷۔) عن ابی ھریرۃ یقول کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول حین یفرغ من صلوۃ الفجر من القراءۃ ویرفع راسہ من الرکوع سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد ثم یقول وھو قائم اللھم انج الولید بن الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ربیعۃ والمستضعفین من المومنین اللھم اشدد وطأتک علی مضر واجعلھا علیھم کسنی یوسف اللھم العن لحیان ورعل وذکوان وعصیۃ عصت اللہ ورسولہ ثم بلغنا انہ ترک ذلک لما انزل لیس لک من الامر شیئ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون۔ یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی قرأت سے فراغ اور رکوع سے سر مبارک اٹھانے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد فرمانے کے بعد قومہ میں فرماتے تھے یا اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ اور کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔ یا اللہ اپنی گرفت مضر پر سخت کر اور اس کو ان پر سالہائے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح کر دے۔ یا اللہ لعنت کر لحیان و رعل و ذکوان و عصیہ پر جو اللہ اور رسول کے نافرمان ہیں۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (قنوت نازلہ) کو آیت لیس لک الخ کے نازل ہونے کے وجہ سے ترک فرما دیا۔ (یعنی قنوت نازلہ کا پڑھنا اس آیت سے منسوخ ہوگیا۔

حدیث (شرح معانی الآثار، جلد اول صفحہ ۱۴۲) عن سالم عن ابیہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الصبح حین رفع راسہ من الرکوع قال ربنا ولک الحمد فی الرکعۃ الاخیرۃ ثم قال اللھم العن فلانا و فلانا علی ناس من المنافقین فانزل اللہ تعالٰی لیس لک من الامر شیٔ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون۔ یعنی حضرت سالم سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ نماز فجر کی رکعت اخیرہ میں رکوع سے سر اٹھا کر فرمایا ربنا ولک الحمد پھر فرمایا" یا اللہ فلاں و فلاں پر لعنت کر" چند منافقوں کے حق میں فرمایا۔ پس اللہ تعالٰی نے آیت نازل فرمائی لیس لک من الامر شیٔ الآیہ (یعنی قنوت نازلہ منسوخ ہوگئی)

حدیث ۱۲ (شرح معانی الآثار جلد اول صفحہ ۱۴۵) وکان احد من روی عنہ القنوت عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عبد الرحمن بن ابی بکر فکخبرنی فی حدیثہ الذی رویناہ عنہ بان ما کان یقنت بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء علی من کان یدعو علیہ وان اللہ عزوجل نسخ ذلک بقولہ لیس لک من الامر شیئ اویتوب علیھم اویعذبھم الآیہ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنہوں نے قنوت کی روایت کی ہے ان میں سے ایک حضرت عبد الرحمٰن ابن ابی بکر ہیں ان سے ہم نے جو حدیث روایت کی ہے اس میں انہوں نے خبر دی ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی قنوت بد دعا تھی ان لوگوں پر جن کے حق میں حضور نے بد دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو آیت سے منسوخ فرمایا۔ لیس لک من الامر الآیہ احادیث میں اس مضمون کی بکثرت روایتیں ہیں یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔

بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور کا قنوت نازلہ کو ترک فرمانا اس لئے تھا کہ ضرورت باقی نہ رہی تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمانہ جنگ میں قنوت پڑھتے تھے اور جب جنگ نہ ہوتی نہ پڑھتے۔

حدیث ۱۳ (شرح معانی الآثار۔ جلد اول صفحہ ۱۴۲ میں ہے) عن الاسود قال کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا حارب قنت واذا لم یحارب لم یقنت۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قنوت کا نسخ صرف اس زمانے کے لئے ہے جبکہ جنگ نہ ہو۔ شرح

معانی الآثار جلد اول صفحہ ۱۴۸ میں ہے وانما نسخ عنده الدعاء فی حال عدم القتال۔
اسی طرح یہ قنوت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حدیث[۱۴] (شرح معانی الآثار۔ جلد اول صفحہ ۱۴۸) کان علی وابو موسیٰ یقنتان فی الصلوٰۃ الغداۃ۔ یعنی حضرت علی مرتضیٰ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما نماز صبح میں قنوت پڑھتے تھے۔

حدیث[۱۵]۔ (شرح معانی الآثار۔ جلد اول صفحہ ۱۴۸) عن عبید بن حسین قال سمعت ابن معقل یقول صلیت خلف علی الصبح فقنت۔ یعنی عبید بن حسین سے مروی ہے کہ میں نے ابن معقل کو فرماتے سنا کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں صبح کی نماز ادا کی آپ نے اس میں قنوت پڑھی۔

حدیث[۱۶] (شرح معانی الآثار جلد اول ص۱۴۸) عن ابی رجاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال صلیت معہ الفجر فقنت قبل الرکعۃ۔

ان احادیث سے حضرت عمر حضرت علی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ قنوت عند النازلہ ان حضرات کے نزدیک منسوخ نہ تھی جبکہ صحابہ کرام کے درمیان قنوت نازلہ کے نسخ وعدم نسخ میں اختلاف ہے اور وہ اس حد تک ہے کہ بعض اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قنوت کو بدعت تک فرماتے ہیں۔

حدیث[۱۷] (نسائی شریف جلد اول صفحہ ۱۲۲) عن ابن مالک الاشجعی عن ابیہ قال صلیت خلف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یقنت وصلیت

خلف ابی بکر فلم یقنت وصلیت خلف عمر فلم یقنت وصلیت خلف عثمان فلم یقنت وصلیت خلف علی فلم یقنت ثم قال یا بنی انها بدعۃ. یعنی حضرت ابو مالک اشجعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی، حضور نے قنوت نہ پڑھی چاروں خلفا میں سے ہر ایک کی اقتدا میں نماز پڑھی ان میں کسی نے قنوت نہ پڑھی، اے میرے فرزند یہ بدعت ہے۔

جملہ احادیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال اور ہر ایک کے طرز عمل پر نظر و فکر کرنے کے بعد ہمارے فقہائے کرام وائمہ عظام اس نتیجہ پر پہنچے کہ مصیبت و بلا کے زمانہ میں صرف نماز فجر میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا زیادہ سے زیادہ جائز ہو سکتا ہے مگر خلاف اولیٰ ہے

شرح معانی الآثار جلد اول میں ہے فثبت بما ذکرنا انہ لا ینبغی القنوت فی الفجر فی حال حرب ولا غیرہ قیاسا ونظرا علی ما ذکرنا من ذلک وھذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالیٰ. یعنی ہم نے جو روایات ذکر کی ہیں ان پر نظر کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ فجر میں قنوت نہ پڑھنی چاہیے خواہ زمانہ جنگ کا ہو یا نہ ہو یہی قول ہے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبین جلیلین حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا۔

ملک العلماء بحر العلوم قدس سرہ رسالہ ارکان صفحہ ۱۲۸ میں فرماتے ہیں دعندنا

لیس مشروعا فی الصلوۃ المکتوبۃ وھو الاشبہ بالصواب۔ یعنی قنوت نازلہ ہمارے نزدیک فرض نمازوں میں مشروع نہیں یہی اشبہ بالصواب ہے۔

تفسیرات احمدیہ (طبع کلکتہ) صفحہ ۱۲۵ میں ہے دعاء القنوت عندنا انما یجب فی صلوۃ الوتر خاصۃ ولا یجوز فی صلوۃ الفجر اصلا۔ یعنی دعائے قنوت ہمارے نزدیک صرف وتر نمازوں میں واجب ہے اور نماز فجر میں بالکل جائز نہیں

فتاویٰ عالمگیری (طبع کلکتہ) صفحہ ۱۶۵ میں ہے ولا یقنت فی غیر الوتر کذا فی المتون۔ یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہ پڑھیں۔ ان روایات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قنوت نازلہ کسی نماز میں بھی نہ پڑھی جائے بعض علماء جو عند النازلہ قنوت کو جائز فرماتے ہیں وہ اس کو نماز فجر کے ساتھ خاص کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی نماز فجر کے سوا اور کسی نماز میں قنوت نازلہ جائز نہیں۔

ردالمختار۔ جلد اول صفحہ ۷۱ میں ہے ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوۃ الفجر دون غیرھا من الصلوۃ الجھریۃ والسریۃ۔ یعنی قنوت نازلہ ہمارے نزدیک نماز فجر کے ساتھ خاص ہے اس کے سوا کسی نماز جہری یا سری میں جائز نہیں۔

طحطاوی علی الدر۔ جلد اول صفحہ ۲۸۳ میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت للبلیۃ فی صلوۃ الفجر فقط۔ یعنی حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے زمانہ میں قنوت صرف نماز فجر میں پڑھی ہے۔

اسی طحطاوی میں بعد ذکر دلائل فرماتے ہیں فھذا صریح فی تخصیص القنو

ہو گی دوبارہ پڑھنی پڑے گی کیونکہ قنوت پڑھنے میں جو تاخیر ہو گی وہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے زیادہ ہو گی اور اتنی تاخیر اگر سہواً ہو تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور یہاں تو یہ تاخیر سہواً نہیں بلکہ قصداً اور عمداً ہے تو سجدہ سہو بھی کافی نہیں نماز کا اعادہ (دوبارہ پڑھنا) لازم ہو گا۔

طحطاوی علی الدر، جلد اول صفحہ ۱۱۸ میں ہے لواطال قیام الرکوع اوالرفع بین السجدتین اکثر من تسبیحۃ بقدر تسبیحۃ ساھیا یلزم سجود السھو۔ یعنی اگر رکوع کے قیام یا سجدتین کے درمیان اٹھنے کو ایک تسبیح سے بقدر ایک تسبیح کے بھول کر زیادہ کیا تو سجدہ سہو لازم ہے۔

ردالمحتار، جلد اول صفحہ ۵۱۹ میں ہے والعمد لایجبرہ سجود السھو بل تلزم فیہ الاعادۃ۔ حاصل یہ کہ جو فعل قصداً ہو اس کے لئے سجدہ سہو کافی نہیں بلکہ اس میں اعادہ ضروری ہے۔

بعض لوگوں کو شرح نقایہ کی عبارت منسوبہ الی الکفایہ سے یہ شبہہ ہو گیا ہے کہ جس کو بحرالرائق نے قنت الامام فی صلوٰۃ الجھر وھو قول الثوری واحمد کے لفظوں سے نقل کیا ہے اگرچہ یہ شبہہ بہت بیجا اور اہل علم کی شان کے خلاف ہے کیونکہ صلوٰۃ الجھر کا لفظ کاتب کی غلطی ہے کتابوں کی سیر کرنے والوں پر اس کا پوشیدہ رہنا کمال تعجب کی بات ہے خصوصاً ایسے حال میں کہ بحر کے حاشیہ منحۃ الخالق جلد دوم صفحہ ۴۴ میں بحر کی اسی عبارت کے متعلق مذکور ہے ولعلہ محرف عن الفجر وقد وجد تہ بھذا اللفظ فی حواشی مسکین وکذا فی الاشباہ وکذا فی شرح اسمٰعیل لکنہ عزاہ الی غایۃ البیان

ولم اجد المسئلۃ فیھا فلعلہ اشتبہ علیہ غایۃ السروجی بغایۃ البیان۔

طحطاوی علی الدر المختار۔ جلد اول صفحہ ۲۸۳ میں ہے والذی یظھر لی ان قولہ فی البحر وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الجھر تحریف من الناسخ وصوابہ الفجر۔ ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ شرح نقایہ کی عبارت منقولہ بحر میں لفظ صلوۃ الجہر کاتب کی غلطی ہے کہ اس نے بجائے صلوۃ الفجر کے یہ لفظ لکھدیا۔ یا مسطور ذیل عبارتیں بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح۔ صفحہ ۲۲۰ میں ہے الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقایۃ معزیا للغایۃ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت فی صلوۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد۔

الاشباہ والنظائر صفحہ ۵۸۳ میں ہے صرح فی النقایۃ وغرہ الشمنی الیھا بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد اب بحمد للہ تعالٰی وکرمہ مسئلہ خوب واضح ہوگیا کہ قنوت نازلہ فجر کے سوا کسی نماز میں جائز نہیں فجر میں جائز ہے مگر اولٰی یہ ہے کہ نماز میں نہ پڑھیں بعد نماز امام دعا کرے مقتدی آمین کہیں۔ وصلے اللہ تعالٰی علی رسولہ وخیر خلقہ وخاتم انبیائہ سیدنا و مولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین
محمد نعیم الدین خصہ اللہ تعالٰی بمزید الصدق والیقین۔
۱۳؍ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۶ھ

اردو میں خطبہ جمعہ کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین کہ خطبہ جمعہ کے درمیان یعنی خطبہ اول وثانی کے درمیان میں کچھ وعظ کہنا، یا جو اردو نظم یا نثر میں درج ہے سب خطبوں میں اس کا پڑھنا کیسا ہے۔ یہاں پر لوگ عربی بالکل نہیں سمجھتے تو اگر خطبہ میں کچھ اردو نہیں پڑھا جائے گا تو لوگ کیا سمجھیں گے۔ لوگوں کی ہدایت کے لئے کچھ اردو میں نصیحتیں، درمیان خطبہ کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیسا ہے۔ فقط

المستفتی

اصغر علی۔ از جزیرہ جگواناس۔

الجواب
بعون الملک الوھاب

خطبہ جمعہ میں اردو پڑھنا خلاف سنت ہے۔ اور مکروہ ہے۔ زمانہ صحابہ میں عجمی ممالک فتح ہو گئے تھے کہیں سے خطبہ جمعہ غیر عربی میں ثابت نہیں نصیحت کے لئے خطبہ کے علاوہ دوسرے وقت وعظ کئے جائیں۔ فقط۔

سید محمد نعیم الدین غفرلہ۔ ۱۵ رجمادی الآخر ۱۳۴۷ھ

تثویب

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ بروز جمعہ جو قبل از نماز جمعہ باواز بلند، "الصلوٰۃ قبل الجمعہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" پکارتے ہیں۔ یہ پکارنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں۔ مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہلحدیث امرتسر اور مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی پیش امام صاحب گدگ، مولوی جلال الدین رائباغی، مولوی عبد الحی رائباغی مدرس محمد ایوب دہلوی اور مولوی احمد علی لاہوری کے فتوے ہیں کہ "الصلوٰۃ سنت قبل الجمعہ" کا کہنا بے اصل ہے۔ اور کتاب خان الیسر جو تصنیف مولوی عبد الحی بنگلوری محدث کی ہے اس میں لکھا ہے کہ مدارج النبوۃ وشرح وقایہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہ اس (تثویب) کا کوئی ثبوت نہیں، اس کا ترک کرنا بہتر ہے۔ کیا اس کتاب خان الیسر اور اوپر لکھے ہوئے مولویوں کے فتوؤں پر اعتبار کرکے تثویب "الصلوٰۃ قبل الجمعہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کا کہنا موقوف (ترک) کر دینا چاہیئے۔ اس مسئلہ کا بحوالہ کتب احادیث وفقہ حل فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

سید خادم علی۔ شہر بنگلور۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

صورت مذکورہ بالا میں تثویب جائز اور اشخاص مذکورہ سوال کا انکار غلط اور باطل اور یقیناً نماز بر وتقویٰ میں داخل ہے۔ اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتب والنبیین واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصبرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون۔ "کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے، اور اپنا قول پورا کرنے والے جب وعدہ کریں۔ اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔"

اس آیۂ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز بر وتقویٰ میں داخل اور نمازی بار وتقی ہے۔ اور مسلمانوں کو نماز کی ترغیب ودعوت دینا اور نماز کا اعلان کرنا بر وتقویٰ پر معاونت

ہے جس کا قرآن کریم میں حکم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وتعاونوا علی البر والتقوی۔ کہ بر و تقویٰ پر معاونت کرو۔ الحمد للہ کہ تثویب کا جواز خاص قرآن شریف سے ثابت ہوا منکرین متعجلین کو شرمانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اب کتب فقہ پر ایک سرسری نظر ڈالئے۔ کنز الدقائق میں ہے ویثوب علامہ شیخ مصطفیٰ علیہ الرحمہ شرح کنز میں فرماتے ہیں۔ ویثوب فی جمیع الصلوٰۃ۔ عینی شرح کنز میں ہے۔ ویثوب من التثویب وھو عود الی الاعلام وانما اطلقہ تنبیھا علی استحسنہ المتاخرون من التثویب فی کل الصلوٰۃ لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ نیز اسی میں ہے۔ وما استحسنہ المتاخرون التثویب فی سائر الصلوٰۃ لزیادۃ غفلۃ الناس والیہ اشار المصنف بقولہ ویثوب بغیر وصل بین الفجر وغیرھا۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ فی الاصح وتثویب کل بلدۃ بحسب ما تعارفہ اھلھا طحطاوی وحاشیہ مراقی الفلاح میں ہے۔ استحسنہ المتاخرون وقد روی احمد فی السنن والبزار وغیرھما باسناد حسن موقوفا علی ابن مسعود ومارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ بدائع ملک العلماء امام کاشانی رضی اللہ عنہ میں ہے عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال کان التثویب علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ خیر من النوم۔ نیز اسی میں ہے فصار سائر الصلوٰۃ فی زماننا مثل الفجر فی زمانھم فکان زیادۃ الاعلام من باب التعاون علی البر والتقوٰی فکان مستحسن۔ بحر الرائق میں۔ واطلق فی التثویب انہ لیس لہ

ظ یخصہ بل تثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ اما بالتنحنح او بقولہ الصلوٰۃ الصلوٰۃ

امت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل بما تعارفوہ فعلی ھذا اذا احدث

اس اعلاما مخالفا لما ذکر جاز کذا فی المجتبیٰ وافادانہ لا یخص صلوٰۃ بل ھو فی

سائر الصلوٰۃ وھو اختیار المتاخرین لزیادۃ عقلہ ۔ آیات مذکورہ وعبارات منقولہ سے

ظاہر ہے کہ نماز کیلئے بعد اذان اعلام جس کو تثویب کہتے ہیں جمعہ وغیرہ تمام نمازوں میں جائز

ور متاخرین کے نزدیک مستحسن اور منکرین کا انکار اور اصرار غلط اور بیکار ہے ۔ واللہ سبحنہ

و تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتقن واحکم ۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

استفتاء

منبع علم وحکمت تاجدار اہلسنت صدر الافاضل فخر الاماثل استاذ العلماء مولانا مولوی حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج شریف بخیر وعافیت مطلوب!

عرض خدمت ہے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ نماز جمعہ مسجد جامع کے علاوہ جو لوگ اور مسجدوں میں پڑھتے ہیں ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ثواب نماز جمعہ کا ان کو ملتا ہے یا نہیں۔ ازراہ کرم مدلل جواب سے ممنون ومشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

منشی شوکت حسین رامپوری

الجواب

بعون الکریم الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

امابعد۔ ایک شہر میں جمعہ چند جگہ بنا بریں مذہب مفتی بہ جائز ہے لہٰذا

جو لوگ علاوہ جامع مسجد کے اور مسجدوں میں جمعہ پڑھتے ہیں ان کی نماز درست اور جمعہ ادا ہوتا ہے اور اس کا ثواب ملتا ہے۔ درمختار میں ہے وتودی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقا علی المذھب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی وامامة فتح القدیر دفعا للحرج۔ واللہ سبحانہ تعالی اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

استفتــــــــــاء

جمعہ کی نماز شہر کے علاوہ کس مقام پر ہونی چاہیے؟ واضح رہے کہ وہ مقام جو شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے جمعہ ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا تو کیا کرنا چاہیے۔ نیز اس گاؤں کے آدمی اتنی فرصت نہیں رکھتے کہ جمعہ کی نماز شہر میں جاکر ادا کر سکیں۔ اور علاوہ اس شہر کے یا گاؤں کے دوسرے گاؤں کے لوگ بھی جمعہ پڑھیں تو درست ہوگا یا نہیں۔ والسلام۔

المستفتی۔

شیخ رحیم بخش چاولہ از قصور پنجاب

الجواب بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ جمعہ کی صحت ادا کے لئے مصر (شہر) شرط ہے۔ اور فنائے شہر یعنی شہر کے گرد وپیش کا وہ میدان جو اہل شہر کے حوائج ومصالح میں کام آتا ہو، شہر کے حکم میں ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی لاجمعة ولا تشریق ولاصلوٰة الفطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع الحدیث فقہ کے تمام متون وشروح میں اس کی تصریح ہے۔

توجو آبادی فنا شہر میں نہیں خواہ وہ شہر سے قریب ہو اس میں جمعہ صحیح نہیں۔ نہ ان لوگوں پر جمعہ واجب۔ بحر الرائق میں ہے۔ فان المذھب عدم صحتھا فی القری فضلا عن لزومھا وفی التجنیس ولا تجب الجمعۃ علی اھل القری وان کانوا قریبا من المصر لان الجمعۃ انما تجب علی اھل الامصار اھ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۱۰ ربیع النور شریف۔ سنہ ۱۳۵۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

رسالہ

تسکین الذاکرین و تنبیہ المنکرین

فی

فضیلۃ الجہر بالذکر علیٰ حسب ما ثبت بالنصوص الادلۃ الشریفۃ الصحیحۃ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

استفتـــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اور مشائخ عظام اس مسئلہ میں کہ ذکر اللہ تعالیٰ عزوجل کا فرض ہے یا وجب یا سنت یا مستحب یا بدعت یا حرام یا شرک یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی اور یہ بھی فرمایا جائے کہ ذکر اللہ کا باآواز بلند یعنی بالجہر تنہا ایک شخص کا یا چند اشخاص کا مجتمع ہو کر بطور حلقہ کرنا شرع سے ثابت ہے یا نہیں اور جہر ریا میں داخل ہے یا نہیں کسی پیر کی دعوت کرکے اور اس پیر کا میزبان کے یہاں قیام کرکے حسبِ خواہش میزبان اس کے مکان پر ذکر جلی کرنا کیا ہے۔ بعض لوگ حلقہ باندھ کر ذکر کرنے والوں کی حقارت کرتے ہیں اور بدعتی وغیرہ نام ول سے موسوم کرتے ہیں ایسے آدمی کے لئے جو ذکر بالجہر کو برا کہہ کر منع کرے اور

بازرکھے اس کے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی
عبدالواحد پٹیل، راجکوٹ

الجواب
بعون الکریم الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سائل نے نفس ذکر اللہ سے اگر مطلق ذکر اللہ ارادہ کیا ہے تو وہ واجب ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں ہے یا ایھا الذین امنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا۔ اس میں اذکروا صیغہ امر ہے اور امر مطلق وجوب کے لئے ہوتا ہے کما لایخفی علی اھل العلم پس مطلق ذکر اللہ واجب ہوگا اور جہر کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا غیر بھی سن لے اگرچہ کچھ فاصلہ پر بھی ہو اور پڑھنے والا غیر کو سنانے کا ارادہ بھی کرے۔ اور مخافتہ کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والا خود سنے اور اگر کسی دوسرے شخص نے بھی جو قریب ہے سن پایا تو بھی جہر نہ ہوگا۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے وادنی الجہر اسماع غیرہ ..... وادنی المخافتۃ اسماع نفسہ ومن بقربہ فلو سمع رجل اورجلان فلیس الجہر فانہ اسماع غیرہ ای ممن لم یکن بقربہ بقرینۃ المقابلۃ وکذا قال فی الخلاصۃ والخانیۃ عن الجامع الصغیر ان

الامام اذا قرأ فی صلاۃ المخافۃ بحیث سمع رجل او رجلان لا جھر و الجھران یسمع الکل ای کل الصف الاول لا کل المصلین۔ دوسرے سوال میں سائل نے دریافت کیا ہے کہ ذکر اللہ جہر سے حلقہ باندھ کر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر کرنا شرع سے ثابت ہے یا نہیں اور جہر ریا میں داخل ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر اللہ جہر سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر کرنا بے شک شرع مطہرہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم۔ یعنی جب تم نماز سے فارغ ہو چکو تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے اور بیٹھے ہونے کی حالت میں اور اپنی کروٹوں میں یعنی ہر حال میں ذکر کرو چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے فاذا قضیتم الصلوٰۃ فرغتم منھا فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم ای دوموا علیٰ ذکر اللہ فی جمیع الاحوال (الخ) اور تفسیر معالم التنزیل میں محی السنہ امام بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا ہے وقیل اذکروا اللہ بالتسبیح والتحمید والتھلیل والتمجید علیٰ کل حال اخبرنا عمرو بن عبد العزیز الکاشانی انا القاسم بن جعفر الثلث نظیرۃ فی سورۃ النساء فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم۔ اب بخوبی ثابت ہو گیا کہ ذکر اللہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے چنانچہ مروی ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے قال کنا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا برجل من المشرق کبیر السن فاصل الیہ صلی اللہ علیہ وسلم ویمشی ویذکر اسم الجلال بصوت عال الی

ان وصل النبی وکان صلی اللہ علیہ وسلم جالسا فقام وقال یا علی صوتہ اللہ اللہ فقام ابوبکر وقال اللہ اللہ وقام الصحابۃ کلھم و اذکروا الاسم الشریف قیاما وقعودا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذاکر کو سنا تو خود بھی قیام کی حالت میں ذکر فرمانے لگے اور حضور کو دیکھ کر خلیفہ اول یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر مثل رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے جہر سے ذکر فرمانے لگے اور یہ سماں بندھا کہ تمام صحابہ کھڑے ہو گئے اور اللہ اللہ کا ذکر کھڑے ہو کر کرنے لگے۔" اس حدیث سے جہر کا مشروع ہونا ثابت ہوا خواہ ذاکر کھڑے ہو کر ذکر کرے یا بیٹھ کر اور ذکر نہ کرنا سخت حسرت و پشیمانی ہے۔ حدیث عن ابی ھریرۃ ما من قوم جلسوا مجلسا وتفرقوا منہ ولم یذکروا اللہ فیہ الا کانوا تفرقوا عن جیفۃ حمار وکان علیھم حسرۃ یوم القیمۃ۔ اور دوسری حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلل مبین۔ اس میں شک نہیں کہ وہ دل سخت ہیں جو اللہ کے ذکر سے بھاگیں اور وہ گمراہ ہیں جو ذکر الٰہی کا انکار کریں اور اس کو مضر خیال کریں ذکر الٰہی ایک بڑی نعمت ہے جس پر اس کا فضل ہوتا ہے اس کو رحمت ہوتی ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کا کوئی رہبر نہیں ہو سکتا ہے

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ ذلک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد۔ نیز اور ارشاد فرمایا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے استحوذ علیھم الشیطان فانسٰھم ذکر اللہ اولٰئک حزب الشیطٰن الا ان حزب الشیطٰن ھم الخٰسرون۔ اب معلوم ہوا کہ شیطان اپنے قابو میں کر کے ذکر اللہ سے غفلت میں ڈالتا ہے اور یہ لوگ ذکر اللہ کو بھول گئے ہیں شیطانی گروہ اور ٹوٹے والے ہیں اور فرمایا باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ یعنی نہ اطاعت کر اس شخص کی جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اس نے اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور فرمایا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما۔ بہر صورت ذکر کی خوبی اور عمدگی اور ذاکروں کے فضائل اور بزرگیاں جو بنقل صحیح ثابت بہت ہیں ان سب کا جمع کرنا انسان ضعیف البنیان سے تھوڑے سے وقت میں ناممکن ہے اس لئے یہاں چند آیات پر اختصار کیا جاتا ہے اور تھوڑی سی حدیثیں لکھی جاتی ہیں اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اللہ فی الغافلین کالحی بین الاموات۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا عن ابی الدرداءؓ فقال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انبئکم بخیر اعمالکم واذکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم تضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا وما ذاک یارسول اللہ قال ذکر اللہ تعالیٰ۔ حدیث قدسی میں ہے قال اللہ تبارک وتعالیٰ

اذا ذکرنی عبدی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی واذا ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر من ملائہ۔ اور دوسری حدیث میں ہے سبعۃ یظلھم اللہ عزوجل فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ من جملتھم رجل ذکر اللہ فی خلاء ففاضت عیناہ۔ اور ایک حدیث میں ذاکرین کی شان میں ارشاد ہے ھم قوم لا یشقی جلیسھم اور حدیث قدسی میں ہے من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین، اور ایک حدیث قدسی میں ہے انا جلیس من ذکرنی ان کے سوا اور جو آثار و احادیث و آیات و اقوال بزرگان دین فضیلت ذکر میں کثرت سے موجود ہیں وہ کہاں تک لکھے جائیں سلیم الحواس کے لئے تو یہ بھی بہت ہے اگر انصاف کی نظر خدا نصیب فرمادے تو اس کا انکار ممکن نہیں اب ہم جہر ثابت کرتے ہیں وہ بھی محل انکار نہیں، اس لئے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا۔ یعنی تم ذکر کرو اللہ کا جیسا کہ ذکر کرتے ہو اپنے باپوں کا یا اس سے زیادہ اور یہ ظاہر ہے کہ باپوں کا ذکر کوئی آہستہ یا کان میں نہیں کرتا بلکہ جہر سے ذکر کرتے ہیں پس اللہ کا ذکر بھی اتنے ہی جہر سے یا اس سے زیادہ سے کرنا چاہیئے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے واذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یومنون بالآخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون یعنی جس وقت کہ ذکر کیا جاتا ہے خدا کا پریشان ہوتے ہیں دل ان کے جو ایمان نہیں رکھتے ہیں قیامت پر اور جس وقت کہ ذکر کئے جاتے ہیں وہ کہ سوائے خدا کے ہیں تو ناگاہ وہ خوش ہوتے ہیں۔ اس آیت شریف سے بھی معلوم ہوا کہ ضرور سننے

کہ وہ جب ہی ناخوش اور پریشان ہو سکتے تھے کہ جب سنتے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ ضرور سنتے تھے اور ناخوش ہوتے تھے۔ پس جہر ثابت ہوگیا اور اس آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر الہٰی سن کر ناخوش ہونا بے ایمانوں کا کام ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ عن ابی الدرداء قال کنا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وترفع الاصوات ولھا نور ساطع الی عنان السماء فقال لہ عمر حلقۃ یذکرون اللہ جماعۃ بالصوت فقال لہ مر معی فسار معہ عمر الی ان وصل الیھم فجلس الیھم فی وسطھم وقال غفر اللہ لھم سا کنھم الجنۃ۔ یعنی ابو درداء نے کہا کہ ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آوازیں بلند ہوئیں اور ان آوازوں کے ساتھ آسمان سے نور بلند ہوا پس کہا خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حلقہ ہے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں اللہ کا جماعت کے ساتھ بلند آواز سے۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چل میرے ساتھ پس حضرت عمر جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ کے ساتھ گئے یہاں تک کہ اس حلقہ تک پہنچے پس ان لوگوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بخش دیا اللہ نے ان کو اور جگہ دی حق سبحانہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں اس حدیث سے جہر کے ساتھ ذکر اور جماعت و حلقہ کی فضیلت ثابت ہوئی۔

دوسری حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ ابن الزبیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلی لا الہ الا اللہ الخ اس حدیث سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز

سے فارغ ہونے کے بعد ذکر بالجہر کرنا ثابت ہوا۔ اور اس مضمون میں انہیں عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم لا الہ الا اللہ ولانعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولوکرہ الکافرون۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں جو میرے ساتھ رہتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں جس وقت کہ مجھ کو یاد کرتا ہے پس اگر یاد کرے مجھ کو اپنے جی میں یاد کروں گا میں اس کو اپنے نفس میں اور اگر یاد کرے گا مجھ کو جماعت میں یاد کروں گا میں اس کو جماعت میں کہ بہتر اس جماعت سے ہے علامہ جزری نے لکھا ہے کہ اس میں ذکر بالجہر کے جواز کی دلیل ہے اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الذکر فی الملاء لا یکون الا عن جہر فدل الحدیث علیٰ جوازہ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان رجلا نقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعہ فانہ اواہ۔ یعنی ایک شخص بلند کرتا تھا آواز ساتھ ذکر کے پس کہا ایک شخص نے کہ اگر یہ پست کرتا اپنی آواز کو تو بہتر ہوتا تو فرمایا

اذا ختم القرآن جمع اهله ودعاء واخرج ابی داؤد عن الحکم بن عینیہ قال ارسل الی مجاهد وعنده ابوامامة وقال انا ارسلنا الیك لانا اردنا ان ختم القرآن والدعا یستجاب عند ختم القرآن واخرج مجاهد قال کانوا یجتمعون عند ختم القرآن ویقول عنده تنزل الرحمة۔ یعنی ختم قرآن کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اس کو ابی داؤد نے ایک جماعت تابعین سے نقل کیا اور اہل واحباب کا جمع ہونا بھی مسنون ہے۔ طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ وہ جب قرآن پاک ختم فرماتے تھے اپنے اہل کو جمع فرماکر دعا کرتے تھے۔ ابو داود نے حکم بن عینیہ سے روایت کی انہوں نے کہا میرے پاس مجاہد نے کسی کو بلانے کے لئے بھیجا اور اس وقت ان کے پاس ابن ابی امامہ تھے۔ دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے پاس اس لئے بلانے والے کو بھیجا کہ ہمارا ارادہ قرآن پاک کے ختم کرنے کا ہے اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول کی جاتی ہے۔ مجاہد نے نقل کیا کہ اسلاف ختم قرآن کے وقت جمع ہوتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ختم کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ختم قرآن کی خوشی واہتمام اور اہل واحباب کو جمع کرنا اور دعا مسنون ومستحب ہے۔ بزرگان دین صحابہ وتابعین سب کا معمول رہا ہے یہ وقت قبول دعا کا ہے۔ مگر بدقسمت اس سے چڑتا ہے۔ اس کو یہ عبارتیں دکھاؤ۔ مگر امید نہیں کہ وہ اپنی ضد سے باز آئے۔ اللہ تعالیٰ آنکھ عطا فرمائے۔ اور ہدایت فرمائے۔ آمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا سلم من الوتر قال سبحان الملک القدوس تین مرتبہ اور تیسری مرتبہ اپنی آواز بلند فرمایا کرتے تھے اور وارد ہے قال عمر رضی اللہ عنہ الذکر یا رسول اللہ بالجہر او بالسر فقال لہ یقول اللہ تعالیٰ من ذکرنی بالسر ذکرتہ بالسر ومن ذکرنی بالجہر ذکرتہ بالجہر۔ اور حدیث میں ہے۔ وعن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج علی حلقۃ من اصحابہ یذکرون بالصوت فقال لھم بشریٰ لکم بالجنان والحور والولدان۔ اور مروی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہ انہوں نے فرمایا سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ دلنی علی اقرب الطریق الی اللہ تعالیٰ واسھلھا علی عبادہ وافضلھا عند اللہ تعالیٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علی علیک بمداومۃ ذکر اللہ تعالیٰ سراً وجہراً فقال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کل الناس ذاکرون انما ارید ان تخصنی بشیئ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الہ الا اللہ ولو ان اھل السموات السبع والارض فی کفۃ ولا الہ الا اللہ فی کفۃ لرجحت بھن لا الہ الا اللہ۔ (الحدیث) اب کہاں تک حدیث نقل کروں کہ یہ خزانہ بے نہایت ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ہم کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں چنانچہ ارشاد فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور عبادت معرفت پر موقوف جب معبود کو نہ جانیں عبادت کس کی کریں۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ التوحید راس الطاعات پس ہماری خلقت

کا سبب توحید کا معلوم کرنا ہے اور اسی کے ظاہر کرنے کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان اس کلمہ توحید کے ظاہر کرنے اور پکار کر پڑھنے سے کیوں ناراض ہیں تمام احادیث و آیات اور تمام احکام شرع کی اصل اور غرض یہی توحید ہے مسلمانوں کو مشرکوں سے ایسی امتیاز دین کی کتابوں میں اس کی بحث ہے کہ جس کو تمام کرکے لکھ دینا میری قوت سے باہر ہے لہذا اسی قدر احادیث و آیات پر اکتفا کرکے عبارات فقہ اور اقوال اکابر دین سے اس مسئلہ پر استدلال کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق،

فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ حلق الذکر وانشاد القصائد قد جاء فی الحدیث کما اقتضیٰ علیہ بخوان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاخیر منهم رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه واحمد باسناد صحیح و الذکر فی الملأ لا یکون الا جهرا۔ ردالمحتار میں ہے اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قارئ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے واما التسبیح والتهلیل لاباس بذلك وان رفع صوته کذا فی الفتاوی الکبریٰ۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات کی پہلی جلد باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے۔ " بدانکہ جہر بذکر مطلقاً وبعد از نماز مشروع است ووارد شدہ است درروسے احادیث" اور اسی فصل میں ہے" در صحیحین از ابن عباس آمدہ کہ رفع صوت بذکر وقت انصرام مردم از نماز فرض در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہود بود" اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں

وینبغی ان یجتمع اھل السلوک حلقۃ بعد الفجر والعصر یذکرون اللہ علی وجھہ الجمعیۃ ففی ذلک فوائد لا توجد فی الوحدۃ۔ رد المختار کی جلد خامس میں ہے واما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبہ والجمعۃ والحج؛ نیز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قول الجمیل ہی میں رقم فرمایا ہے۔ ولہ بابان باب فوقانی وباب تحتانی اما الباب الفوقانی ففتحہ بالذکر الجلی واما التحتانی ففتحہ بالذکر الخفی۔ اور حضرت مولانا الشاہ عبد العزیز محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز سورہ مزمل میں تحت آیۃ کریمہ واذکر اسم ربک کے فرماتے ہیں ویاد کن نام پروردگار خود را بر سبیل دوام در ہر وقت و ہر شغل وہمراہ ہر عبادت خواہ در ابتدائے آں در اول وآخر آں خواہ بزبان وخواہ بقلب وخواہ بروح وخواہ بسر وخواہ بخفی وخواہ بجلی وخواہ بہ نفس وخواہ درروز وخواہ درشب ذکر لسانی وخواہ بجہر باشد وخواہ بخفیہ۔

امام شعرانی اپنی کتاب "ذکر الذاکر للمذکور وشکر الشاکر للمشکور" اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃ فی المساجد من غیر نکیر الا ان یشوش جھرھم بالذکر علی نائم او مصل او قاری کما ھو المقرر فی کتب الفقہ۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تنبیہ میں فرماتے ہیں ان حرمۃ المسجد خمسۃ عشر وذکر من جملتھا ان لا یرفع فیہ الصوت فی غیر ذکر اللہ۔

اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ حصن حصین کی شرح میں تحت حدیث ان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ

فی ملاء خیر منهم کے لکھتے ہیں کہ " درحدیث مذکور اشارت است بسوئے آنکہ ملائکہ را بر ذکر قلبی اطلاعی نیست مگر آنکہ خداوند تعالیٰ مطلع سازو بسوئی آنکہ جہر رواست بے کراہت وسنت اختلاف دارند دریں کہ ذکر خفی افضل است یا جہری حجت مرجح خفی آنست کہ عمل سر افضل است وحجت مرجح جہری آنست کہ عمل در جہری اکثر است یا آنکہ دراں تنبیہ دیگراں است وصحیح کہ جہر باحضور دل افضل است از ذکر خفی "

اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ مکتوب یازدہم میں فرماتے ہیں کہ " بعد حمد وصلوٰۃ مخفی نماند کہ طائفہ از فقہائے حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ در انکار ذکر جہر غلو نمودہ وطائفہ درپے فضل جہر بر خفی افتادہ ہر دو فریق براہ افراط وتفریط افتند واز بحث انصاف سخن نہ گفتند وتعلیم کلمہ طیبہ ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ بجہر کہ از حدیث شداد بن اوس ثابت شدہ است بجہر متوسط خواہد بود نہ بجہر کذائی و گفتگو در جواز و عدم جواز جہر نیست بلکہ در فضل یکی بر دیگرے ست پس دعوائے فضل ذکر جہر مطلق بر ذکر خفی انکار نصوص وانکار جمیع اقسام ذکر جہر نیز ہمی حکم دارد "

شاہ ولی محدث دہلوی اپنے رسالہ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں قال اللہ تعالیٰ اذکروا اللہ ذکرا کثیرا، یعنی یاد کنید خدائے عزوجل را یاد کردنی بسیار پس یکی از خصائص ذکر آنست کہ ہیچ وقت منع نیست بلکہ ہمہ اوقات ماجور است نقل ست از حضرت بندگی شیخ عبداللہ قدس سرہ مرا فرمودہ اند کہ پیر دستگیر حضرت قطب الدین حاجی قدس سرہ گفتہ کہ اوائل جہر دوازدہ سال گفتم از صبح تا شام واز شام تا صبح فائدہ کہ در ذکر جہر یافتم در ہیچ عبادت نیافتم چوں ختم قرآن میکردم کم از سہ ختمی نمی

چوں دعوت اسما میکردم کمتر از ہزار رکعت نمی گزاردم وچوں
کردم وچوں نماز میگزاردم کمتر از ہزار رکعت نمی گزاردم وچوں دعوت اسما میکردم کمتر از
یک بار نمی خواندم فاما ثمرہ کہ در ذکر دیدم در ہیچ یکے از ینہا ندیدم ؎
اب بخوبی ثابت ہوگیا کہ ذکر خدائے تعالیٰ عزوجل باٰواز بلند کھڑے ہوکر یا
بیٹھ کر شرع سے ثابت ہے اور حلقہ کا جواز بھی مذکور ہوا مزید اطمینان کے لئے ایک
حدیث اور بھی لکھی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین سے فرمایا کہ اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا بریاض الجنۃ قالوا
وما ریاض الجنۃ قال حلق الذکر. اس سے ظاہر ہوا کہ ذکر کے حلقوں کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا باغ اور ان میں شریک ہونے والوں کو ان
باغوں میں چرنے والا فرمایا ہے. اب بخوبی ظاہر ہوگیا کہ ذکر کے حلقے مشروع اور
موجب ثواب ہیں. احادیث میں ان کی بہت خوبیاں مذکور ہیں جو اس وقت بنظر
اختصار چھوڑی جاتی ہیں رہا یہ امر کہ جہر ریا میں داخل ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے
کہ ریا کے معنی کسی کام کو صرف دکھاوے کے لیے کرنا اور اپنے ہم چشموں میں ممتاز بننا
ہے کوئی فعل اس کے ساتھ خاص نہیں کہ فلاں فعل میں ضرور ریا ہوگا بلکہ ریا صرف
فاعل کی نیت پر موقوف ہے. اگر اس نے فعل اللہ کے لئے خلوص سے نہیں
کیا بلکہ یہ لحاظ رکھا کہ میرے اس کام کو دیکھ کر لوگ مجھے متقی یا زاہد یا ذاکر یا مثل اس
کے جانیں گے تو بیشک یہ حرکت نہایت مذموم ہے اور اس کو شرک خفی کہتے ہیں.
حدیثوں میں اس کی سخت ممانعت مذکور ہے ہاں بعض افعال کو مثل روزے اور
اذان کے سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کیا ہے کہ ان میں ریا نہیں ہوتا

بہر صورت کسی پر ریا کا حکم کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کے بیان پر یہ حکم کیا گیا ہے جب تو اس شخص کے حق میں صحیح ہے۔ یا بیان پر نہیں تو ریا کا حکم کرنا بہت سخت نالائق حرکت ہے اس لئے کہ اس پر گویا نیت پر آگاہ ہونے کا دعویٰ ہے اور یہ ہر کس و ناکس سے ممکن نہیں تو کم از کم جھوٹ اور بہتان ہے یا صرف یہ گمان کہ ذاکر جہر سے اظہار بندگی کے سوا کچھ نہیں چاہتے تو یہ گمان خود مسلمان کے حق میں ناجائز ہے چنانچہ فرمایا اللہ جل شانہ نے یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم۔ اور فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظنوا المومنین خیرا۔ یہ بھی ذاکرین کی خوش نصیبی ہے کہ لوگ انہیں ریا کار بتلائیں، اس لئے کہ ایک تو ان کو حسنات ملیں گے دوسرے ذاکر کا کمال یہ ہے کہ لوگ ذاکر کو ریا کار کہنے لگیں، یا پاگل اور دیوانہ بتائیں۔ چنانچہ طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذکروا اللہ ذکرا حتی یقول المنافقون انکم تراؤن خلاصہ یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ تم یہاں تک ذکر کرو کہ منافق تم کو ریاکار کہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذاکرین کو ریاکار کہنا منافقوں کی شان ہے پس مسلمان پر لازم ہے کہ منافقوں کی شان نہ اختیار کرو۔ اور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکثروا ذکر اللہ حتی یقولون انہ مجنون اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی کی یہاں تک کثرت کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں پس خوشا نصیب اس گروہ کے جنہوں نے یہاں تک ذکر کی کثرت کی جہاں تک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی تھی۔ ذکر کا سنت ہونا اوپر بخوبی ثابت ہو گیا اور سنت

کا استخفاف اور حقارت کفر ہے۔ بس مسلمانوں کو آگاہ ہونا چاہیے کہ وہ اس کی حقارت نہ کریں اور بدعت نہ بتائیں چونکہ ذکر کی سنیت ثابت ہو چکی ہے اس لئے اس کا منع کرنے والا مانع الخیر میں سے ہے۔ امام ہمام ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ جن کے مقلد دنیا میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور ہندوستان میں تو تقریباً سب مسلمان انہیں کے مقلد ہیں انہوں نے ذکر بعد الصلوٰۃ سے منع کرنے والے کو رافضی بتایا ہے۔ اور مانع ذکر کے لیے سزا کیا جانا تجویز فرمایا ہے۔ چنانچہ شرح مصفا میں ہے۔ سئل عن امام المسلمین ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عن الذین یمنعون الکلمۃ الطیبۃ بعد اداء الصلوٰۃ فقال هم الراهبون لان فی هذہ القول خلاف فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد کان یجهر مع اصحابہ الکلمۃ الطیبۃ بعد اداء الصلوٰۃ متصلا رجلاین کرا اللہ تعالیٰ جهرا واخر یمنعہ یعزر المانع لانہ منع امر اللہ تعالیٰ لقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ یعنی سرا وجهرا۔ رہا کسی پیر بزرگ کا کسی شخص کے یہاں مدعو ہونا اس کو حلقہ ذکر میں کچھ دخل نہیں کسی کے دعوت کرنے سے حلقہ ذکر کرنا جائز نہیں ہو سکتا اور نہ ذکر کرنے سے دعوت حرام یا مکروہ ہو سکے ذکر ایک امر مستحب ہے کسی کے کہنے سے یا بے کہے کسی وقت معین یا غیر معین میں کسی زمانہ مقرر یا کسی مکان مقرر یا غیر مقرر میں کہیں ہو بے شک مستحب ہے اور ابھی اس کا استحباب قرآن شریف اور احادیث و اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور

عبارات فقہ اور اقوال علماء معتبرین ومفسرین سے بخوبی ثابت ہو چکا ہے پس وہ کسی جگہ کسی کے کہنے سے یا بے کہے جہر سے یا بے جہر کے جماعت سے یا بے جماعت کے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کھانا کھا کر کرے یا بے کھائے کسی طرح سے کیا جائے مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وسلم۔ حررہ العبد المسکین راجی شفاعۃ سید المرسلین سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین المرادابادی غفرلہ الھادی فی یوم الثانی والعشرین ۲۲ من شہر رمضان سنۃ ۱۳۲۳ الف وثلثمائۃ وثلث عشرین من ھجرۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۲۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۳ھ

مجموعہ مسائل متعلقات ختم قرآن و رمضان و عید

ماہ رمضان المبارک میں مسلمان بالعموم عبادت کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں نمازوں میں زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ خیرات وحسنات کی کثرت کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے سننے سے روحانی لذتیں اٹھاتے ہیں اس زمانہ میں وعظ و نصیحت ان کے نرم قلوب پر اور زیادہ اثر کرتی ہیں مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوئی اور یاد الٰہی سے معمور رہتی ہیں۔ جا بجا حفاظ کرام قرآن کریم سناتے ہیں ایک ایک مسجد میں کئی کئی ختم ہو جاتے ہیں اس پر بھی سننے والوں کی رغبت پیاسی ہی رہتی ہے۔ شبینے ہوتے ہیں کیسے کیسے نفیس پڑھنے والے قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ شبینوں میں پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ ماہ مبارک اعمال حسنہ کے چمنستان کا عالم بہار ہوتا ہے۔ اللہ کے عاشق دن بھر روزہ دار رہ کر شب کو یاد الٰہی کے لطف اٹھاتے ہیں۔ جماعتوں کی جماعتیں مسجدوں کی طرف چلی جاتی ہیں راستے نمازیوں سے بھرے نظر آتے ہیں۔ تراویح میں قرآن پاک سنائے جاتے ہیں۔ ختم کے روز مساجد میں نرالی زیب و زینت ہوتی ہے برکات قرآن کے لئے مجمع اتنا کثیر ہوتا ہے کہ مساجد میں گنجائش نہیں رہتی۔ حفاظ اپنے احباب کو جمع کرتے ہیں حافظوں کے گروہ کے گروہ چلے آتے ہیں۔ جب حافظ صاحب سورہ اخلاص پر پہنچتے ہیں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہر سے پڑھتے ہیں اور سورہ اخلاص کی تین مرتبہ تکرار کرتے ہیں ختم قرآن

ہونے کے بعد آخر رکعت میں سورہ بقرہ مفلحون تک پڑھتے ہیں ختم ہونے پر مسلمان اپنے اوپر دم کراتے ہیں۔ کوئی پانی لاتا ہے کوئی الائچی، اجوائن زیرہ نمک کھجور سر سر پردم کراتا ہے۔ پھر یہ چیزیں ایک دوسرے کو تبرک کے لئے دیتے ہیں۔ بعد ختم خشوع و زاری کے ساتھ اسلام و مسلمین کے لئے دارین کی دعائیں کی جاتی ہیں بندے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کے حضور سوال کے ہاتھ پھیلا کر مانگتے ہیں آخر میں کہیں پنج آیات پڑھ کر بعض اس کے شیرینی تقسیم کرتے ہیں رمضان مبارک کے اخیر جمعہ کو خطبۃ الوداع پڑھا جاتا ہے جس میں رمضان المبارک کے فضائل و برکات کا بیان ہوتا ہے اور اس ماہِ مبارک کے رخصت ہونے اور ایسے بابرکت مہینہ میں حسنات و خیرات کے ذخیرے جمع نہ کرنے پر حسرت و افسوس اور آئندہ کے لئے لوگوں کو عمل خیر کی ترغیب اور باقی ایام رمضان میں کثرت عبادت کا شوق دلایا جاتا ہے۔ مسلمان اس خطبہ کو سن کر خوب روتے اور گناہوں سے توبہ و استغفار کرتے اور آئندہ کے لئے نیکی کا عزم کرتے ہیں۔ عید کے روز عموماً سوئیاں پکتی ہیں اور عید کی نماز کے بعد مسلمان باہم ملتے اور معانقہ و مصافحہ کرتے ہیں۔ اس سے آپس میں محبت و اتحاد کے روابط مضبوط ہوتے ہیں اور ہر مسلمان کشادہ دلی کے ساتھ اپنے دینی بھائی سے بغل گیر ہوتا ہے۔ مدتہا دراز سے مسلمانوں کے یہ معمول ہیں اور بالعموم علما و صلحا کا یہی طریقہ ہے سب اسی پر کاربند ہیں۔

بعضوں نے ان پر بہت سے امور کو ممنوع و ناجائز قرار دیا اور مسلمانوں کو ان سے روکنے کی بڑی کوشش کی اپنی مساجد میں بعد ختم تراویح وعظ کہے۔

ان وعظوں میں مذکورہ بالا امور سے بھی بہت سی باتوں کو منع کیا. مثلاً ختم قرآن کے بعد پانی یا کسی چیز پر دم کرنا بدعت و بے اصل بتایا یا خطبۃ الوداع کی سخت مخالفت کی کہ کو بدعت وناجائز بتایا، بعد عید مصافحہ و معانقہ کو بھی منع کیا اور بدعت وناروا کہا اس کے ساتھ ہی حسب عادت زیارت قبور کے لئے سفر اور فاتحہ گیارہویں ایصال ثواب کے دوسرے طریقوں میں اعتراض کئے، جس سے بعض ناواقف اور ضعیف الخیال لوگوں کو کچھ تردد ہوگیا. وہ دریافت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا امور جائز ہیں یا نہیں؛ اور ایسا کرنے میں شریعت کا مواخذہ اور گناہ تو نہیں ہے اس لے براہ کرم ان امور کے متعلق شرعی حکم صادر فرما کر مسلمانوں کو مطمئن فرمائیں. والسلام مع الکرام.

المستفتی

محمد شوکت حسین شوکت مرادآبادی

بعون الکریم الوہاب
الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم.

امابعد. سائل نے مسطورہ ذیل امور کو دریافت کیا ہے. (۱) ختم قرآن پاک کی خوشی اور اہتمام (۲) ختم کے لئے مسلمانوں کا اجتماع اور احباب کو جمع کرنا، (۳) تراویح میں ایک مرتبہ بسم اللہ کا جہر (۴) سورۂ اخلاص کی تکرار. (۵) بعد ختم قرآن سورہ فاتحہ و بقر

تا مفلون پڑھنا (۶) دعا بعد ختم قرآن پاک (۷) پنجآیت (۸) تقسیم شیرینی (۹) خطبۃ الوداع (۱۰) عید کی سویاں۔(۱۱) معانقہ و مصافحہ عید۔ اب ان میں سے جدا جدا ہر ایک کے متعلق ہم حکم شرعی بیان کرتے ہیں۔

ختم قرآن پاک پر خوشی اور اس کیلئے احباب کا اجتماع

قرآن کریم اللہ تعالی کی بڑی عظیم و جلیل نعمت ہے امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے حدیث روایت کی اس میں ہے ؎ لاحسد الا علی اثنین رجل اتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ اناء اللیل واناء النھار ورجل اتاہ اللہ مالا فھو ینفق منہ اناء اللیل واناء النھار۔ یعنی رشک دو شخصوں پر محمود ہے ایک وہ جس کو اللہ تعالی نے قرآن پاک سے سرفراز فرمایا اور وہ اوقات لیل و نہار میں شب و روز قرآن پاک کے ساتھ مشغول رہتا ہے دوسرا وہ جس کو اللہ تعالی نے مال دیا اور وہ رات دن اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ یہ دونوں قابل رشک ہیں یعنی انسان کو ان کی ایسی نعمت کے حاصل ہونے کی آرزو کرنا چاہیے

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرؤا القرآن فانہ یاتی یوم القیمۃ شفیعا لاصحابہ یعنی قرآن پاک پڑھو کہ وہ روز قیامت اپنے اصحاب کے لئے شفیع ہو کر آئے گا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الذی لیس فی جوفہ شیٔ من القرآن

جاتے ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی کہ نوروا منازلکم بالصلوٰۃ وقرأۃ القرآن یعنی اپنے مکانوں کو نماز اور قرآن پاک کی قرات سے منور کرو۔

اور حضرت نعمان بن بشیر سے حدیث روایت کی افضل عبادۃ امتی قراۃ القرآن میری امت کی بہترین عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے۔

یہ چند احادیث ذکر کی گئیں اور فضائل قرآن میں بکثرت احادیث وارد ہیں فی الواقع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ ہم کو یہ نعمت عظمیٰ اور دولت کبریٰ عطا ہوئی، ورنہ کیا ہم اور کیا ہمارا منہ۔ سوائے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ملائکہ کی مقدس جماعتیں اس دولت سے بہرہ مند نہیں۔ اتقان میں ہے قال ابن الصالح فی فتاواہ قراءۃ القرآن کرامۃ اکرم اللہ البشر فقد وردان الملئکۃ لم یعطوا ذلک وانہا حریصۃ علی اسماعہ من الانس۔ یعنی ابن صلاح نے اپنے فتاویٰ میں کہا کہ قرآن پاک کی قرات ایک کرامت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشرف فرمایا۔ حدیث میں وارد ہوا کہ ملائکہ کو یہ نعمت نہیں دی گئی اور وہ انسان سے قرآن پاک سننے کے آرزو مند رہتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا نعمت ہے کیا کرم ہے۔ اس پر جتنی خوشی کی جائے جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس لئے ختم کے روز روزہ رکھنا اعزا و احباب کو جمع کرنا مسنون و مستحب ہے۔ اتقان میں ہے۔ یسن صوم یوم الختم اخرجہ ابن ابی داؤد عن جماعۃ من التابعین وان یحضرہ اھلہ واصدقاءہ اخرج الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان

لبیت الخراب۔ جس کے دل میں قرآن بالکل نہ ہو وہ ویرانہ گھر کی طرح ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من قراء حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا۔ جس شخص نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور نیکی برابر دس نیکیوں کے ہے۔ سبحان اللہ۔ جب ایک ایک حرف کا اتنا عظیم ثواب ہے تو تمام قرآن پاک کے ثواب کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امام احمد ابو داؤد نے حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قراء القرآن وعمل بما فیہ البس والداہ تاجا یوم القیمۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا لو کانت فیکم فما ظنکم بالذی عمل بھذا۔ یعنی جس شخص نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا روز قیامت اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی بہت بہتر ہوگی آفتاب کی روشنی سے دنیا کے گھروں میں اگر ہو آفتاب تمہارے گھروں میں تو تمہارا کیا گمان ہے اس کے حق میں جس نے اس پر عمل کیا۔

امام بیہقی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی البیت الذی یقرء فیہ القرآن یتزین لاھل السماء کما یتزین النجوم لاھل الارض۔ جس مکان میں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے وہ آسمان والوں کے لئے ایسا مزین کیا جاتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے مزین کئے

۳۔ تراویح میں ایک مرتبہ بسم اللہ کا جہر

تراویح میں ایک مرتبہ بسم اللہ کا جہر کسی ایک مقام پر جائز ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ یا اور کسی سورۃ کا جزو نہیں لیکن آیت ہے تو تکمیل ختم کے لئے اس کو جہر سے پڑھنا چاہیئے ورنہ ایک آیت رہ جائے گی اور ختم ناتمام ہوگا خواہ بسم اللہ کو سورہ اخلاص کے ساتھ پڑھا جائے یا اور کسی موقع پر۔ تفسیر مدارک میں ہے ان التسمیۃ اٰیۃ من القراٰن انزلت للفصل بین الصور عند ناذکرہ فخرالاسلام فی المبسوط تفسیر علامہ ابی السعود میں ہے قیل انہا اٰیۃ فذۃ من القراٰن انزلت للفصل والتبرک بہا وھو الصحیح من مذھب الحنفیۃ۔ غنیۃ المستملی شرح منیہ میں ہے واجماع الصحابۃ علیٰ اثبا تہا فی المصحف لایلزم منہ انہا اٰیۃ من کل سورۃ بل اللازم منہ مع الامر بالتجرید عن غیر القراٰن وبہ نقول انہا اٰیۃ منہ نزل للفصل بین السور کذا فی عامۃ کتب الفقہ۔ واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ سورۂ اخلاص تین بار پڑھنا

سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنا درست ہے حدیث شریف میں وارد ہے قل ھو اللہ احد ثواب میں تہائی قرآن کے برابر ہے۔ چونکہ ختم کے روز اجتماع اور احباب کا جمع کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور کثرت سے لوگ آتے ہیں جو روزانہ حاضر نہ ہوتے تھے۔ اس لئے اس روز سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھی جاتی ہے تاکہ یہ لوگ بھی ایک قرآن کا ثواب پالیں۔

اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر قرآن پاک کی تکمیل وادا میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو سورہ اخلاص کی تکرار سے وہ بھی پوری ہو جائے۔ اتقان فی علوم القرآن میں ہے۔ عن الامام احمد انہ منع من تکریر سورۃ الاخلاص عند الختم لکن عمل الناس علی خلافہ قال بعضھم والحکمۃ فیہ ما ورد انھا تعدل ثلث القران فیحصل بذالک ختمۃ فان قیل فکان ینبغی ان یقرأ اربعا لیحصل ختمتان قلنا المقصود ان یکون علی یقین من حصول ختمۃ اما التی قراھا واما التی حصل ثوابھا بتکریر السورۃ یعنی امام احمد نے ختم قرآن کے وقت سورہ اخلاص کی تکرار کو منع فرمایا لیکن عمل لوگوں کا اس کے خلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سورۂ اخلاص کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے تو اس سے ایک ختم حاصل ہوگا اگر کہا جائے کہ اس صورت میں مناسب تھا کہ سورۂ اخلاص چار مرتبہ پڑھی جائے تاکہ دو ختم حاصل ہو جائیں تو ہم کہتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ ایک ختم بیقین کامل ہو جائے خواہ وہ جو پڑھا یا وہ جس کا ثواب تکرار اخلاص سے حاصل ہوا۔ اب ایسی برکت کو چھوڑ دینا اور اس میں بے فائدہ ضد کرنا محض نفسانیت و نادانی ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

۵۔ بعد ختم سورۂ بقرہ تا مفلحون پڑھنا

بعد ختم قرآن سورۂ بقرہ تا مفلحون پڑھنا مسنون ہے۔ اتقان میں ہے یسن اذا فرغ من الختمۃ ان یشرع فی اخری عقیب الختم لحدیث الترمذی وغیرہ احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ الحال المرتحل الذی یضرب من اول

القرآن الی آخرہ کلما حال ارتحل واخرج الدارمی بسند حسن عن ابن عباس عن ابی ابن کعب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذ اقرأ قل اعوذ برب الناس افتتح من الحمد ثم قرأ الی اولئك هم المفلحون. اس سے معلوم ہوا کہ ترمذی ودارمی کی حدیثوں سے ختم قرآن پاک کے بعد سورۂ فاتحہ واول سورۂ بقرہ کا مفلحون پڑھنا ثابت اور مسنون ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ واللہ سبحنہٗ اعلم۔

۶۔ دُعا بعد ختم قرآن

دعا بعد ختم قرآن بھی مسنون اور مستجاب ہے اور یہ وقت قبولیت دعا کا ہے ابھی جو ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جواب نمبر ۵ میں نقل کر آئے ہیں اس میں یہ الفاظ بھی ہیں شم دعا بدعاء الختمة جس سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد ختم قرآن دعا فرماتے تھے۔ اور نمبر ایک میں حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی گذرا انه کان اذا ختم القرآن جمع اهله ودعا کہ وہ حضرات جب قرآن پاک ختم فرماتے اپنے اہل کو جمع کرتے اور دعا کرتے تھے۔

اسی اتقان میں بروایت ابن ابی داؤد حکم بن عتیبہ سے مروی ہے کہ وہ مجاہد ابن ابی امامہ نے فرمایا الدعاء یستجابُ عند ختم القرآن کہ دعا ختم قرآن کے وقت مقبول ومستجاب ہوتی ہے۔

اسی اتقان میں ہے لیس الدعاء عقب الختم لحدیث الطبرانی عن العرباض بن ساریة مرفوعًا من ختم القرآن فله دعوة مستجابة وفی الشعب

من حدیث انس مرفوعًا مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ۔ یعنی بعد ختم قرآن دعا مسنون ہے اس لئے طبرانی وغیرہ کی حدیث میں عرباض بن ساریہ سے مرفوعًا مروی ہے کہ جس نے قرآن پاک ختم کیا اس کی دعا مستجاب ہے۔ اور شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث مرفوع مروی ہے جس میں فرمایا ہر ختم کے بعد ایک دعا مستجاب ہے۔ اس لئے بعد ختم قرآن دعا کی جاتی ہے اس سے سنت بھی ادا ہوتی ہے اور مقاصد بھی حاصل ہوتے ہیں اور اسی لئے مسلمان اپنے اموات کے ایصال ثواب کے لئے جب تیجہ یا عرس کرتے ہیں تو قرآن پاک ختم کراتے ہیں، تاکہ دعائے مغفرت بعد ختم قرآن مستجاب ہو۔ اور میت اس عالم میں راحت و آرام پائے وہابیہ اپنی کم عقلی سے ان چیزوں کو بدعت کہتے ہیں جو مسنون ہیں اور جن کی حدیثوں میں ترغیب دلائی گئی ہے۔ یا تو بندگان حرص و ہوا نے کتب دینیہ دیکھی ہی نہیں۔ اور احادیث تک ان کی نظر نہیں پہنچی۔ محض اپنے تخیل سے جس چیز کو چاہا بدعت کہہ ڈالا یا دیدہ و دانستہ پیر کی طرفداری میں حق پوشی کی۔ یہ ہے کہ پیر پرستی اللہ تعالٰی اس سے محفوظ رکھے۔

۷۔ پنج آیت پڑھنا اور دم کرنا

پنج آیت پڑھنا اس طرح سے کہ ایک جماعت نوبت بنوبت قرآن کریم کی آیات و سورتیں پڑھنا جائز ہے۔ اتقان میں ہے۔ لاباس باجتماع الجماعۃ فی القرأۃ ولا بادارتھا وھی ان یقرء بعض الجماعۃ قطعۃ ثم البعض قطعۃ بعدھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پنج آیت پڑھنا جیسا کہ معمول ہے جائز ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

دم کرنا قرآن پاک پڑھ کر جائز ہے۔ اس کو منع کرنا اور ناجائز بتانا جہل و نادانی ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اوی الی فراشہ کل لیلۃ جمع کفیہ ثم نفث فیھما فقرء فیھما قل ھو اللہ احد وقل اعوذ برب الفلق، وقل اعوذ برب الناس ثم یمسح ما استطاع من جسدہ یبدء بھما علی راسہ ووجھہ وما اقبل من جسدہ یفعل ذالک ثلث مرات۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب وقت خواب بستر مبارک پر تشریف لاتے ہر دو کف دست مبارک کو جمع کرکے ان میں دم کرتے اور سورہ قل ھو اللہ اور سورۂ فلق و سورہ ناس پڑھتے۔ پھر دونوں مبارک ہاتھوں کو جہاں تک وہ ہاتھ پہنچ سکتے اپنے جسم مبارک پر پھیرتے سر مبارک چہرہ مبارک اور بدن اقدس کی سامنے کی جانب سے ابتدا فرماتے اور یہ عمل مبارک تین مرتبہ فرماتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم پڑھ کر دم کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ اور اس کو منع کرنا اور ناجائز بتانا جہل و نادانی ہے۔

اسی حدیث کے حاشیہ میں لمعات سے منقول ہے قد روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ اخذ بیدی عائشۃ فقراء ونفث فیھما وامرھا بامرارھما علی جسدہ الشریف۔ یعنی حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض کی حالت میں حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہر دو دست مبارک میں پڑھ کر دم فرماتے۔ اور ان مبارک ہاتھوں کو اپنے جسم مبارک پر پھیرنے کا حکم دیتے۔

دیکھیے دم کرنا اور ہاتھوں کا بدن پر پھیرنا حدیث شریف سے ثابت اور

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ہے۔ اس کو ناجائز اور بدعت کہنا کیسا اندھا پن اور نابینائی ہے۔ کیا ان بدنصیبوں کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال بھی بدعت ہو گئے۔ تف ہزار تف اس باطل مذہب پر جس کی ضد اس درجہ کو پہنچ گئی کہ اس نے امور مسنونہ افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بدعت کہہ ڈالا۔ مگر اپنی اس بدعت میں وہ خود کہاں بچے گا اس سے کھو کر گھر کی تو خبر لے اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے اور اپنے استاذ الاساتذہ اور پیر پیراں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب "قول جمیل" پڑھے جس کی آٹھویں فصل میں لکھا ہے سمعتہ یقول اذا ظھر مرض الحصبۃ نخذ خیطا ازرق واقرء سورۃ الرحمٰن وکلما مررت علی قولہ تعالیٰ فبای آلاء ربکما تکذبٰن فعقد عقدۃ فیھا وعلق الخیط فی عنق الصبی یعافہ اللہ تعالیٰ من ذلک المرض۔ اس کا ترجمہ پیشوائے آں طائفہ مولوی خرم علی نے ان لفظوں میں کیا "اور میں نے حضرت والا سے سنا فرماتے تھے جب چیچک کی بیماری ظاہر ہو تو نیلا تاگا لے اور اس پر سورہ رحمٰن پڑھ اور جتنی بار کہ فبای آلاء ربکما تکذبٰن پر پہنچے تو ایک گرہ دے اور اس پر پھونک ڈال اور تاگے کو لڑکے کی گردن میں باندھ دے حق تعالیٰ اس کو اس بیماری سے شفا دے گا۔"

اب دیکھئے یہ لوگ اپنے شیخ المشائخ پر کیا حکم لگاتے ہیں انہوں نے پھونکنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تاگا اور گرہ لگانا اور اضافہ فرما دیا ان کے نزدیک تو یہ ڈبل بدعتیں ہوئیں ان کے متعلق بھی کچھ حکم صادر کریں۔

انہیں شاہ صاحب نے اسی فصل میں یہ بھی فرمایا والتی تملص جنینھا

یاخذ خیطا معصفرا علیٰ مقدار طولها ویعقد علیہ تسع عقد ینفث فی کل منها واصبروا ما صبرك الا باللہ الی محسنون وقل یایها الکفرون الی اخرها اس کا ترجمہ مولوی خرم علی نے یوں لکھا ہے۔" اور جو عورت بچہ اسقاط کر دیتی ہو تو ایک تاگا کسم کا رنگا اس کے قد کے برابر لے اور اس پر نو گرہ لگا دے اور ہر گرہ پر آیتہ واصبروا ما صبرك تا محسنون اور قل یایها الکفرون پڑھے اور پھونکے۔"

کہیئے یہ ڈورا اور کسم کا رنگ اور عورت کے قد کی ناپ اور نو گرہیں اور پھر پھونکنا بدعت ہوا یا نہیں؟ اور ان کی اصل و نسل بدعتی ٹھہریں یا نہیں؟ اور اس پھونکنے سے یہ لوگ نہ جلے نہ بھکے اور نہ انہوں نے اپنے پیر کے حکموں کو بدعت بتایا، پھونکتے تو ہیں افعال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے افعال کو جرأت کے ساتھ بدعت بتا بیٹھتے ہیں پیر سے عداوت نہیں جو ان کے افعال پر حکم لگائیں، شاہ صاحب نے اس قسم کی بدعات کا انبار لگا دیا ہے۔ اسی فصل میں لکھتے ہیں ولهن به الحناز یعقد علی سیر من الادیم علی مقدار طول المریض احدی واربعین عقدة ینفث فی کل عقدة بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ بعزة اللہ الخ اس کا ترجمہ خرم علی نے یہ لکھا کہ" اور جس کی گردن میں کنٹھ مالا ہو تو چمڑے کے تسمے پر جو مریض کے قد کے برابر ہو اکتالیس گرہ دے اور ہر گرہ پر یہ دعا پھونکے۔"

کہیئے اب بھی اس پھونکنے سے تم بھی کچھ پھکے یا وہی ضد ہے؟ شاید کہو کہ وہ پیر پرانے پرانے ہو گئے اب تو نئی گنگا نیا کھیل۔ آج کل تو مولوی اشرف علی کی چلتی ہے ان کے سامنے پرانوں کو کون پوچھے، تو مولوی اشرف علی کا ترجمہ قرآن اٹھا لائیے۔

اور سورۂ فاتحہ کے خواص دیکھئے جہاں وہ لکھتے ہیں کہ " امام جعفر صادق سے منقول ہے کالحمد شریف چالیس بار پانی پر دم کرکے بخار والوں کے منہ پر چھینٹا دے تو انشاءاللہ تعالیٰ بخار دفع ہو۔ (درالنظیم) آنکھ کے درد کے لئے فجر کی سنت و فرض کے درمیان اکتالیس بار دم کرنے سے درد جاتا ہے":

اب دیکھئے ان کے دین کے اس نئے مجتہد نے پانی پر دم کرنے کا بھی حکم دیا اور مریض پر دم کرنے کا بھی۔ اور اسی ترجمہ میں یہیں بحوالہ تفسیر عزیزی لکھا ہے کہ ہر قسم کے درد کے لئے سات بار پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے":

دیکھنا ہے کہ اب یہ کیا کہتے ہیں اپنے اس حکم کو غلط مانتے ہیں یا اپنے نئے پرانے پیروں کو بدعتی گردانتے ہیں۔ یہ حقیقت ہوتی ہے ان بدعتوں کی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

تقسیم شیرینی

ختم قرآن کریم کے بعد تقسیم شیرینی کا طریقہ مسلمانوں میں صدیوں سے بلانکیر رائج و معمول ہے اور علما و صلحا کا اس پر عمل رہا ہے اور صالحین کا طریقہ اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسندیدہ ہے اسی راستہ پر چلنے کی دعا سورۂ فاتحہ تلقین فرمائی گئی۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرما ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے نعمت فرمائی۔ اور وہ حضرات جو منعم علیھم ہیں اور نعمت الٰہی کے ساتھ امتیاز رکھتے ہیں وہ چار گروہ ہیں جن میں سے اخیر صالحین ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ اولٰئك الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا انبیا صدیقین شہدا اور صالحین ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ صالحین منعم علیھم ہیں۔ ان پر انعام الٰہی ہے۔

اور مسلمانوں کو ان کی راہ ہدایت چاہنے کی سورۂ فاتحہ میں تلقین فرمائی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ صالحین کی راہ صراط مستقیم ہے تو جب تقسیم شیرینی کا عمل صالحین کا طریقہ ہے تو یقیناً صراط مستقیم میں داخل ہے اس کا انکار وہ کرے گا جو صراط مستقیم سے منحرف ہوتا ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسوں کے شر سے بچائے۔ اور صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ حدیث شریف میں بھی اس مضمون کو صاف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہو ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن. جس چیز کو مسلمانوں نے اچھا جانا وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔

جواب نمبر ا۔ میں جو احادیث گذری ہیں ان سے ثابت ہے کہ ختم قرآن پاک کے لئے اہتمام اور خوشی اور احباب کا جمع کرنا طریقہ صحابہ کرام ہے شیرینی کی تقسیم بھی ختم کی خوشی کا ایک طریقہ ہے لہٰذا بے شبہ مستحسن ہے بعض جاہل جو اپنی نمود پر مرتے ہیں ختم سے ایک یا دو روز پہلے شیرینی تقسیم کر دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک تقسیم شیرینی تو ضرور ہے مگر وقت ختم ہونا اس کا قابل اعتراض ہے۔ یہ عمل ان کی جہالت اور طریق صحابہ سے ناواقفی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین ختم کے لئے اہتمام فرماتے تھے حتیٰ کہ غیر رمضان میں بھی ختم کے لئے روزہ رکھتے تھے اسی دن اہل واحباب کو جمع کرتے تھے۔ لوگوں کو بلاتے تھے پھر ختم کے دن میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اس شیرینی پر اگر دم کر دیا جائے تو وہ تبرک ہو اور اس سے مسلمان منتفع ہوں۔ وہ اگر قرآن کریم کی برکت کے اگر دل سے قائل ہوتے تو وہ اس تبرک کی دل سے قدر کرتے۔ لیکن ان کے نزدیک تو حلال کھانا اور لذیذ وطیب غذائیں بھی قرآن پاک پڑھنے سے معاذ اللہ خراب ہو جاتی ہیں اس لئے وہ

فاتحہ کو منع کرتے ہیں، اور فاتحہ کے کھانے کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اگر انہیں قرآن پاک کی برکت کا اعتقاد ہوتا تو ہرگز طعام فاتحہ کو برا نہ سمجھتے اور ختم قرآن پاک کے منکر نہ ہوتے واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل۔

خطبۃ الوداع خطبۃ الوداع میں ان وہابیہ نے نہایت شور و غل مچایا اور اس خطبہ کو ناجائز و ممنوع بتایا باوجودیکہ ان کے پاس ممانعت کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے اور نہ وہ کوئی ایک حدیث یا ایک فقہی عبارت اس کے عدم جواز میں پیش کر سکتے ہیں مگر ان کا دستور ہی یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کو دین میں دخل دیتے ہیں اور اپنے خیال سے جس چیز کو چاہتے ہیں ناجائز کر ڈالتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ منصب رسالت پر حملہ کرتے اور اس منصب عالی میں شرک کرتے ہیں اسی لئے انہوں نے امکان نظیر کا مسئلہ اٹھایا اسی لئے انبیاء کو بڑا بھائی بتایا۔ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اسی لئے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نیا نبی پیدا ہونا ممکن ٹھہرایا اور اس کو منافی خاتمیت نہ جانا اسی لئے اپنے بڑے بڑوں کو انبیا کا استاد بھائی کہا اور ان کی طرف وحی باطنی آنے کا دعوی کیا۔ چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد واجب العمل اور دلیل شرعی ہیں۔ اور ان کا اتباع سب پر لازم ہے کسی کو حق نہیں کہ ان سے کسی حکم کی دلیل مانگے۔ احکام ان کی طرف مفوض ہوتے ہیں ان کو بھی حرص ہوئی کہ وہ بھی شارع بنیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ برابری کا دعوی کر کے دنیا پر اپنا حکم چلائیں اس لئے انہوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ جس چیز کو چاہا بے دلیل ممنوع و ناجائز کہہ دیا۔ خطبۃ الوداع کس طرح ناجائز ہو گیا۔ خطبہ میں جو چیزیں شرعاً مطلوب ہیں ان میں سے کونسی ان میں نہیں پائی

جاتی یا کونسا امر ممنوع اس میں داخل ہے؟ تذکیر خطبہ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ رمضان مبارک کے گذرے ہوئے ایام میں عمل خیر پر حسرت وافسوس اور بابرکت ایام کو غفلت میں گذارنے پر قلق وندامت اور مہینہ کی رخصتی کے وقت اپنی گذشتہ کوتاہیوں کو مدنظر لاکر آئندہ کے لیے تیقظ وبیداری اور مسلمانوں کو عمل خیر کی تحریص وتشویش یہ بہترین طریقہ تذکیر ہے اور اس میں نہایت نافع وسود مند نصیحت وپند ہے اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ جاتی ہیں اور انہیں سچی توبہ نصیب ہوتی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں استغفار کرتے ہیں آئندہ کے لئے عمل نیک کا مصمم ارادہ کرلیتے ہیں اس تذکیر کو فقہا نے سنت فرمایا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔ عاشرھا العظمة والتذکیر یعنی خطبہ کی دسویں سنت پند ونصیحت ہے وہابیہ نے اس سنت کو بدعت وناجائز کہہ دیا اس جرأت کی کیا انتہا اور اس بے باکی کی کیا حد کہ شریعت طاہرہ میں جو چیز سنت ہو یہ ظالم اس کو بدعت کہتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ بعینہ یہ الفاظ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں تو بھی باطل ہے کیوں کہ سنت فقط پند ونصیحت ہے۔ خواہ وہ کسی عبارت سے بھی حاصل ہو نہ کہ خاص الفاظ اور یہ خود جو خطبے پڑھتے ہیں ان کے الفاظ وعبارتیں کب حضور سے منقول ہیں۔ اور کیوں یہ خاص حضور ہی کے خطبے نہیں پڑھتے نئے خطبے کیوں اپنی طرف سے گڑھتے ہیں ان کے گرو گھنٹال اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان میں انکا لکھا خطبہ چھپا ہوا ہے یہ خطبہ لکھ کر وہ بدعتی ہوگیا اور جو وہابی اس خطبہ کو پڑھتا ہے وہ اپنے ہی حکم سے بدعتی ہے ورنہ کیا معنی کہ تمہارا بنایا ہوا خطبہ بدعت نہ ہو اور اکابر علماء دین کے خطبے بدعت ہو جائیں۔ بات یہ ہے کہ

وہابی کا عمل اس کے قول پر لعنت کرتا رہتا ہے ان کے لکھنے کی باتیں اور ہوتی ہیں اور کرنے کی اور۔اور وہابیہ کا یہ بھی اعتراض ہے کہ اس جمعہ کو جمعۃ الوداع کیوں کہتے ہیں؟ مگر یہ ایسی لایعنی بات ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اس طرح کی بات زبان پر لانا گوارا نہیں کرے گا کون نہیں جانتا کہ رمضان مبارک کا سب سے پچھلا جمعہ جمعۂ اخیرہ اور وقت وداع کا جمعہ ہے۔ اس کو جمعۃ الوداع کہہ دیا تو کیا بے جا کیا۔ کبھی وہابی یہ نہیں سوچتا کہ اس کو عبدالحق کیوں کہتے ہیں سارے ہی مسلمان عبدالحق ہیں اسی کو کیوں تخصیص ہے۔ اسی طرح رشید احمد، خلیل احمد وغیرہ نام کیوں رکھے جاتے ہیں جمعۃ الوداع کو تو مناسبت بھی ہے۔ ان ناموں کو تو ان اشخاص کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں۔ پھر مسجدوں کے نام رکھ لئے ہیں کسی مسجد کا نام موتی مسجد نہ اس میں موتی لگے ہیں نہ ان میں موتی نام کوئی مرد یا عورت اس کا بانی تھا پھر یہ نام کیوں رکھے گئے اور مسجدوں کے ایسے نام رکھنے کہیں قرون ثلثہ میں پائے گئے تھے۔ مدرسہ کا نام رکھ لیا مدرسۃ الغربا۔ اس نام کی کیا سند ہے؟ بس وداع نام سے چڑ ہے اور ہر چیز کا نام رکھتے پھرتے ہیں۔

عید کی سویاں

سویاں اگرچہ نہایت نفیس طیب اور لذیذ غذا ہے مگر "حلوا خوردن روئے باید" وہابیوں کی چڑ ہے اس سے بہت کھسیاتے ہیں۔

لطافت طبع کا یہ عالم کہ کوا ہضم اس کا کھانا سو شہیدوں کا ثواب، وہابیوں کو کیوڑے بہت پسند ہیں فتاویٰ رشیدیہ میں اس کو جائز لکھا ہے۔ ہندوؤں کے یہاں کی ہولی دیوالی کی کچوری پوری شوق سے کھاتے ہیں مگر شب برات کو مسلمان حلال مال سے جو پاکیزہ حلوا تیار کرے اس سے بہت نفرت ہے۔ عید کے روز سویاں جو کمال نفاست

کے ساتھ پکائی جاتی ہیں اس کی مخالفت میں وہابی بہت سرگرم رہتے ہیں پوچھیے یہ کیوں؟ کیا میدہ ناجائز ہے؟ یا سویوں میں کوئی ناجائز چیز پڑی ہے یہ کہہ نہیں سکتے تو پھر ناجائز کیسے ہوگئیں۔ مگر وہابیہ نے قرآن پاک کے احکام نہیں دیکھے یا دیدہ و دانستہ قرآن پاک کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یاایھاالذین اٰمنوالا تحرموا طیبٰت مااحل اللہ لکم ولا تعتدواان اللہ لایحب المعتدین۔ اے ایمان والو حرام نہ ٹھہراؤان پاک چیزوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمایا۔ اور حد سے نہ گذرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا حد سے گذرنے والوں کو۔" مگر وہابیہ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ شب برات کے حلال طیب حلوے کو اور عید کے حلال وطیب سویوں کو بیدھڑک ناجائز کہہ دیا اس میں قرآن کریم کی مخالفت ہے حکم الٰہی کی نافرمانی ہے۔ رہا یہ عذر کہ عید کے روز خاص کر سویوں کے پکانے کو منع کیا جاتا ہے تو اس میں دو غلطیاں ہیں۔ اول تو سویاں عید کے ساتھ خاص نہیں بکثرت لوگ دوسرے ایام میں بھی سویاں پکاتے ہیں رمضان المبارک میں بھی پکتی ہیں اس کے بعد بھی پکتی ہیں۔ ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ عید کے سوا کسی دن سویاں کھانا جائز ہی نہیں ہے۔ دوسری غلطی یہ کہ اگر سویاں خاص عید کو ہی پکتی ہوتی اور کسی نہ دن نہ پکتیں مگر لوگ جانتے یہ کہ دوسرے ایام میں بھی ان کا پکانا جائز ہے تو بھی اس کی ممانعت کی کیا وجہ ہے کیا عید کے روز حلال چیز پکانے سے حرام ہو جاتی ہے۔ شرع مطہرہ میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ عیدین کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت کے ایام ہیں وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے یہاں ضیافت ہو تو حلال چیز بھی حرام ہو جائے۔ مگر لطف

یہ کہ جس طرح سویاں عید کو پکائی جاتی ہیں اسی طرح افطار میں سارے مہینہ دال سیو استعمال میں رہتے ہیں اور وہابی خوب ان کے پھنکے اڑاتے ہیں کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے گھر کی پکی ہوئی سیویاں تو ناجائز ہوگئیں اور ہندؤں کے بنائے ہوئے دال سیو جائز ہی رہے یہ شاید کانگریس کی محبت میں مورد عنایت ٹھہرے۔ سیو اور سیویوں میں فرق کیا ہے، صنعت دونوں کی ایک طرح کی ہے سیویاں سیدہ کی ہوتی ہیں اور سیو بیسن کے مگر انہیں ناجائز کرنے میں ہندو دوستوں کی تجارت میں نقصان پہنچتا تھا تو آج تک کسی وہابی مولوی نے بھی دال سیو سے افطار ممنوع و بدعت نہیں ٹھہرایا اس کے علاوہ فرق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ افطار میں کھجور افضل ہے سیو اور دال کو کوئی فضیلت نہیں مگر عید کے روز سیویوں سے ایک مستحب ادا ہوتا ہے۔ عالمگیری میں ہے" واستحب فی عید الفطران یاکل قبل الخروج الی المصلی تمرات ثلاثۃ او خمسا اوسبعا اواقل اواکثر بعد ان یکون وترا والا ماشاء من ای حلو اکان کذا فی العینی شرح الکنز۔ یعنی عید الفطر کے دن نماز عید کو جانے سے قبل مستحب ہے کہ مسلمان کھجوریں تین یا پانچ یا سات یا کم زیادہ کھائے مگر ہوں وتر ورنہ اگر کھجور نہ کھائے تو جو شیرینی چاہے۔"

فقہ کی کتابوں کا تو یہ حکم ہے کہ جو شیرینی چاہے کھائے اس کا کھانا اور وہابی مولوی کا یہ حکم کہ اگر مسلمان شیریں سیویاں کھانا چاہے تو ناجائز۔ یہ حکم قرآن کے بھی خلاف اور فقہ کے بھی خلاف۔ بے دینوں نے شریعت کی مخالفت کو دین سمجھا ہے اور پھر اس پر وہ شدت ہے وہ سرگرمی ہے وہ کوششیں ہیں جو کسی امر حرام کے

روکنے کے لئے وہابیوں کو کبھی میسر نہ آئیں۔

مصافحہ ومعانقہ

عید کے روز مصافحہ ومعانقہ کی ممانعت میں وہابیہ کو نہایت اصرار ہے اور اس کو روکنے کے لئے وہ انتہائی کوششیں کرتے ہیں اسے بدعت سیئہ وناجائز بتاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مصافحہ اور معانقہ سنت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ان دونوں کے باب میں احادیث وارد ہیں۔

حدیث ۱: بخاری شریف میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قلت لانس اکانت المصافحۃ فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم " حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مصافحہ تھا فرمایا کہ ہاں "

حدیث ۲: امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت برار ابن عازب سے حدیث مرفوع روایت کی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا۔ کوئی دو مسلمان ایسے نہیں ہیں کہ باہم مل کر مصافحہ کریں مگر ان کے جدا ہونے سے پیشتر ان کی مغفرت فرمادی جاتی ہے۔

حدیث ۳: بیہقی نے برار ابن عازب سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینھما ذنب الا سقط دو مسلمان جب باہم مصافحہ کرتے ہیں ان کے درمیان کوئی گناہ نہیں رہتا مگر ساقط ہوجاتا ہے۔

حدیث: ابوداؤد نے ایوب ابن بشیر سے روایت کی کردہ قبیلہ کے ایک مرد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا هل کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصافحکم اذا لقیتموه قال ما لقیته قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اهلی فلما جئت اخبرت فاتیته فالتزمنی وکانت تلك اجود واجود یعنی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ فرماتے تھے جب تم حضور سے ملتے حضرت ابوذر نے فرمایا کہ میں حضور سے کبھی نہ ملا حضور نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ اور ایک روز میری طرف آدمی بھیجا اور میں اپنی اہل میں نہ تھا۔ پس جب میں آیا تو مجھے خبر دی گئی میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور تخت پر جلوہ افروز تھے۔ حضور نے مجھ سے معانقہ فرمایا تو یہ معانقہ نہایت ہی خوب تر اور خوب تر ہوا۔

حدیث: امام احمد نے یعلی سے روایت کی ان حسنا وحسینا استبقا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فضمهما الیه۔ امام حسن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوڑ کر آئے حضور صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین نے انہیں سینے سے لگالیا۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ ومعانقہ سنت رسول ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اب رہا کہ کسی خاص وقت میں سنت ہے یا مطلقاً۔ احادیث مذکورہ بالا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مخصوص وقت کے ساتھ خاص نہیں۔ جس وقت جس زمانہ جس دن بھی مصافحہ یا معانقہ علیٰ درجہ محمود کیا جائے گا سنت ہی ہوگا۔ اور ادائے سنت کی نیت رکھنے

والے کو سنت کا ثواب ملے گا۔ مجمع البحار میں ہے۔ هي سنة مستحبة عند كل لقاء وما اعتادوه بعد صلوة الصبح والعصر لا اصل له في الشرع ولكن لا باس به وكونهم حافظين عليها في بعض الاحوال مفرطين فيها في كثير منها لا يخرج ذلك البعض عن كونه مما ورد الشرع باصلها وهي من البدع المباحة۔ یعنی مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت مستحبہ ہے، اور یہ جو لوگوں نے فجر و عصر کے بعد عادت ڈال لی ہے اس عادت کی شرع میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں کچھ مضائقہ بھی نہیں اور بعض اوقات میں لوگوں کا مصافحہ کی پابندی کرنا۔ اور بہت حالات میں کوتاہی کرجانا ان بعض اوقات کو اس سے خارج نہیں کرتا جن کی اصل کے ساتھ شرع وارد ہوئی (یعنی بعد عصر و فجر کی پابندی مصافحہ کو سنیت سے خارج نہیں کرتی)، اور یہ عادت (یعنی فجر و عصر کے بعد پابندی مصافحہ) بدعات مباحہ میں سے ہے۔

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ مصافحہ ہر ایک ملاقات کے وقت سنت مستحبہ ہے خواہ وہ ملاقات عید کو ہو یا رمضان میں یا ذی الحجہ میں یا جمعہ کو یا اور کسی روز اور خواہ صبح کو ہو یا دوپہر کو یا شام یا شب میں جب کبھی ملاقات ہوگی۔ اور مصافحہ کیا جائے گا سنت ہی رہے گا کوئی وقت اور دن اس کو سنت سے خارج نہ کرسکے گا۔ یہی احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث نمبر ۲ و حدیث ۵ سے یہ مضمون صراحۃً ظاہر ہو رہا ہے۔ اب عید کے روز مصافحہ کا منع کرنا حدیث شریف کی مخالفت ہے۔

دوسری بات عبارت مجمع البحار سے یہ معلوم ہوئی کہ مصافحہ بعد نماز فجر و عصر جو

معمول ہے جائز ہے اور ان وقتوں کی پابندی اس کو ثابت الاصل فی الشرع ہونے سے خارج نہیں کرتی اور ایسی عادت ڈال لینا بدعت مباحہ میں سے ہے یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مصافحہ بعد عصر و فجر سنت میں داخل کرنا اور بدعت مباحہ بتانا دونوں متضاد اور مخالف باتیں ہیں کیونکہ بدعت حسنہ خود وہابیہ کے اقرار سے مخالف سنت نہیں بلکہ داخل سنت ہوتی ہیں چنانچہ پیشوائے وہابیہ نے براہین قاطعہ" صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ "قسم اول کو بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنہ جانتے ہیں۔" اور اس طرح چند سطر بعد پھر لکھا ہے کہ "قسم محمود سنت میں داخل ہے۔" جب بدعت حسنہ سنت میں داخل ہوئی تو مجمع البحار کی عبارت میں کوئی شبہ نہ رہا اور صاف ثابت ہو گیا کہ فجر و عصر کے بعد مصافحہ کی عادت داخل سنت ہے۔ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں " ومصافحہ سنت است نزد ملاقات و باید کہ بہر دو دست بود و آنکہ بعضے مردم مصافحہ بعد از نماز میکنند یا بعد از نماز جمعہ کنند چیزے نیست و بدعت است از جہت تخصیص وقت اما نیت مصافحہ کہ علی الاطلاق است باقی است پس بوجہ سنت است و بوجہ دیگر بدعت۔" اس سے معلوم ہوا کہ مصافحہ سنت ہی ہے خواہ بعد فجر و عصر ہو یا بعد جمعہ البتہ تخصیص اس طرح کہ دوسرے اوقات میں نہ جائے بدعت مباحہ ہے۔

تیسری بات مجمع البحار سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کلام ایسی عادت میں ہے کہ بعد فجر و عصر تو مصافحہ کی پابندی کی جائے اور دوسرے اوقات میں بھی مصافحہ کیا جائے۔ تو اس میں کچھ کلام ہی نہیں۔

چوتھی بات اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ کسی عمل کا خاص وقت میں عادی ہوجانا اس عمل کے حکم کو نہیں بدلتا اور جائز کو ناجائز نہیں کرڈالتا۔

اب عید کے مصافحہ پر غور کیجیے تو آجکل مسلمانوں کا یہ معمول ہے کہ عید کو بھی مصافحہ کرتے ہیں اور بغیر عید کے بھی مصافحہ کرنے والے کوئی تخصیص نہیں کرتے البتہ مانعین منکرین یعنی وہابیہ عیدین کے مصافحہ کو اطلاق احادیث کے خلاف ناجائز کہتے ہیں اور مصافحہ کو باقی ایام کے ساتھ عمل واعتقاد میں کرتے ہیں یہ تغیر سنت اور تبدیل حکم ہے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور یہی بدعت مذمومہ ہے۔ حدیث شریف میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مااحدث قوم بدعة الارفع مثلها من السنة (رواہ احمد) یعنی جو کوئی قوم کوئی بدعت نکالتی ہے اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے۔

دوسری حدیث دارمی کی ہے اس کے یہ الفاظ ہیں ماابتدع قوم بدعة فی دینهم الانزع اللہ من سنتهم مثلها ثم لایعیدها الیهم الی یوم القیمة یعنی کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت نہیں نکالتی مگر (جب نکالتی ہے) تو اللہ تعالیٰ ان کی سنتوں میں اس کی مثل اٹھالیتا ہے۔ پھر اس کی طرف قیامت تک واپس نہیں فرماتا۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ایک بدعت سیئہ کی شامت ونحوست سے بدعتی قوم ایک سنت سے محروم کردی جاتی ہے۔

اب دیکھئے کہ احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ مصافحہ جمیع اوقات و زمان میں مستحب ہے وہابیہ نے مصافحہ عیدین کو ناجائز بتایا اس سے وہ اس سنت سے محروم ہوگئے اور مصافحہ ومعانقہ جو جمیع زمان میں مسنون تھا اس کو انہوں نے

خلاف شرع غیر ایام عیدین کے ساتھ خاص کر دیا. اور ایام عیدین کو عموم اوقات سے محض اپنی رائے سے خارج کر دیا یہ ابتداع فی الدین ہوا. اور اس سے رفع سنت لازم آیا یہ وہابیہ کی بدعت سیئہ ہے۔

معانقہ کی نسبت وہابیہ نے یہ مشہور کیا ہے کہ معانقہ صرف وقت قدوم یعنی سفر سے آنے کے بعد جائز ہے۔ یہ غلط ہے. کیونکہ احادیث مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ قدوم کے ساتھ مشروط نہیں. کیونکہ حدیث ۵ و ۶ سے صاف ظاہر ہے کہ معانقہ کے لئے سفر سے آنا شرط نہیں. ان دونوں حدیثوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو معانقہ ثابت ہے وہ بعد سفر نہیں ہے. چنانچہ حدیث ۵ کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ازینجا معلوم گردد کہ معانقہ در غیر حال قدوم از سفر نیز آمدہ از برائے اظہار محبت وعنایت" یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ سفر سے آنے کے سوا اور حالات میں بھی اظہار محبت وعنایت کے لئے ثابت ہے." جب حدیث شریف سے یہ معلوم ہوگیا کہ معانقہ اظہار محبت کے لئے بھی ہوتا ہے تو اب معانقہ عیدین میں کیا کلام رہا جو یقیناً اظہار محبت ہی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کا سنت ہونا حدیث شریف سے ثابت ہوا. وہابیہ نے ستم ڈھایا کہ سنت کو بدعت بتادیا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم. یہ بھی وہابیہ کے معلومات کی کمی ہے کہ وہ معانقہ کو وقت قدوم سفر کے ساتھ خاص کرتے ہیں. انہیں معلوم نہیں کہ معانقہ کن کن اوقات میں اور کن کن حالات میں مشروع ہے۔ اگر اشعۃ اللمعات بھی دیکھی ہوتی تو اتنا جانتے کہ قدوم کے علاوہ تودیع وطویل عہد

ملاقات اور حبِ فی اللہ بھی اس کے محل ہیں۔ حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں "وجائز آنکہ نزد تودیع وقدوم سفر باشد، یا بجہت طول عہد ملاقات یا غلبہ وشدت حب فی اللہ بود" اور ظاہر ہے کہ عیدین میں دور دور سے لوگ اپنے وطن آتے ہیں اور مدتوں کے بچھڑے باہم ملتے ہیں تو یہاں معانقہ کے تین وجوہ پائے گئے ایک اظہار محبت ومودت، دوسرے قدوم سفر تیسرے طویل عہد ملاقات۔ پھر ان سب سے اندھا بن جانا اور عید کے روز معانقہ ومصافحہ کو ناجائز کہے جانا کس قدر جہالت وحق فراموشی ہے۔ جاہلوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ معانقہ کس حال میں ممنوع ومکروہ ہے۔ حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں "واز شیخ ابومنصور ماتریدی در تطبیق احادیث نقل کردہ شدہ است کہ آنچہ بروجہ شہوت بود مکروہ است وآنچہ بر وکرامت باشد مشروع وگفتہ اند کہ خلاف درجائیست کہ برہنہ تن باشد اما باقمیص وجبہ لاباس بہ است باجماع وہوالصحیح کذا فی الکافی" اس سے معلوم ہوا کہ جو معانقہ شہوت کے ساتھ ہو وہ مکروہ ہے اور جو بر کرامت کے طور پر ہو جیسا کہ عیدین کے موقع پر ہوتا ہے وہ جائز ومشروع ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا کہ خلاف اس میں ہے کہ معانقہ برہنہ تن ہو کر کیا جائے کرتا قمیص وغیرہ کوئی کپڑا بدن پر نہ ہو ننگے سینہ سے ننگا سینہ ملائیں لیکن جب قمیص یا جبہ یا اور کوئی کپڑا حائل ہو تو معانقہ باجماع جائز ہے یہی صحیح ہے۔ فقہا تو فرماتے ہیں مگر وہابیہ کی یہ ضد کسی طرح مانتی ہی نہیں۔ حدیث وفقہ کی تو وہابیہ کو کیا پرواہ ہوگی اور وہ کیا مانیں گے اب ہم انہیں انہیں کے امام ومقتدا بزرگ وپیشوا کا قول دکھائیں شاید اسی سے کچھ شرمائیں۔ "زبدۃ النصائح" مولوی اسمٰعیل دہلوی پیشوائے وہابیہ کی تقریر

میں ہے۔ ہمہ اوضاع از قرآن خوانی وفاتحہ خوانی وطعام خورانیدن سوائے کندن چاہ امثالہ ودعا واستغفار واضحیہ بدعت است گو بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روز عید ومصافحہ بعد نمازِ صبح یا عصر۔ یعنی کنواں کھودنے اور اس کی مثل اور کام اور دعا واستغفار قربانی کے سوا تمام اوضاع قرآن خوانی وفاتحہ خوانی اور کھانا کھلانا سب بدعت ہیں. گو خاص بدعت حسنہ ہیں. جیسے کہ عید کے دن کا معانقہ اور نماز صبح وعصر کے بعد مصافحہ بدعت حسنہ ہے۔

وہابیوں کے اس پیشوا نے عید کے معانقہ کو بدعت حسنہ بتایا ہی تھا اس کے ساتھ فجر وعصر کے بعد کا مصافحہ اور قرآن خوانی وفاتحہ خوانی اور کھانا کھلانا یعنی فاتحہ گیارہویں تیجہ چالیسواں عرس وغیرہ سب کو بدعت حسنہ بتایا اور وہابیوں کے سارے گھر ہی کو ڈھا دیا. کیونکہ وہابیہ کے نزدیک بدعت حسنہ داخل سنت ہوتی ہے جیسا کہ ہم اوپر بحوالہ "براہین قاطعہ" نقل کر چکے ہیں تو وہابیہ کے طور پر یہ تمام امور سنت ہوئے. کس قدر ڈھٹائی ہے کہ معانقہ عیدین جو حدیث فقہ کے علاوہ خود امام الوہابیہ کے قول سے سنت ثابت ہوا. نئے وہابی اس کو تشبیہ بالہنود بتائیں تو گویا تشبیہ بالہنود کو ان کا امام سنت کہتا ہے. شرم

یہ تو ان کو معلوم ہی ہوگا کہ تشبیہ میں کیا کیا شرطیں ہیں اور تشبہ کن حالات میں ممنوع ہوتا ہے مگر شاہی مسجد مراد آباد میں گھنٹی بجاتے ہوئے ہنود کا تشبہ یاد نہ آیا! اور اب تشبہ کی وہابیہ کو کیا پرواہ ہے. قشقے لگا چکے. ٹکٹکیاں اٹھا چکے. جے بول چکے انگوچھ ڈال چکے مسجدوں میں ہندوؤں کو اعزاز واکرام کے ساتھ بلند مقاموں پر بٹھا چکے۔

ہندو لیڈر کو اپنا رہنما و پیشوا بنا چکے، مسلمانوں سے لڑے اور ہندوؤں سے ملے مسلمانوں پر تبرا کیا اور ہندوؤں کی تعریفیں کیں ہندوؤں کی اتباع میں جیل تک کاٹیں۔ سب ہندوؤں کے تشبہ کا ناگوار ہونا ایک بہانہ ہے حیلہ ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

مسائل بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور احادیث نبویہ عبارات کتب معتبرہ فقہیہ در خود تصریحات اکابر وہابیہ سے ثابت کر دیے گئے اس وضوح تام کے بعد بھی اگر وہابیہ کو انکار ہے تو یہ ایک بے مثال ضد اور بے نظیر ہٹ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ آنکھوں سے پردے اٹھائے اور دلوں کو قبول حق کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور مسلمانوں میں آئے دن کی تفرقہ اندازی سے بچائے۔ آمین۔ والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وخاتم رسلہ وعلیٰ جمیع انبیائہ ومن اتبعھم اجمعین۔ آمین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۲۰ر شعبان المعظم ۔ ۱۳۵۴ھ

سنیوں کی مساجد میں غیر مقلدین کی نماز کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد اہلسنت وجماعت میں حنفی امام کے پیچھے وہابی نماز پڑھتے ہیں اور آمین بالجہر کہتے ہیں۔ ان کو منع کرنے سے فساد ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ خدا خانہ ہے آپ کو کوئی حق روکنے کا نہیں ہے ہم لوگ آمین بالجہر ضرور کہیں گے ایسی حالت میں ان کو آمین بالجہر کہنے سے روکا جائے اور نہ ماننے پر مسجد میں آنے سے روکا جائے تو کیا خلاف مسئلہ ہوگا۔ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔

المستفتی
فخر الدین۔ پیلی بھیت۔ ۱۳۵۷ھ

الجواب بعون الکریم الوهاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم۔ اہلسنت وجماعت کی مسجد صرف اہلسنت کے لئے ہے کوئی رافضی خارجی وہابی، دیوبندی، غیر مقلد بدمذہب اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ واقف کا وقف خواہ مسجد ہو یا مدرسہ اس میں کسی بدمذہب کو داخلے کا حق نہیں پہنچتا۔ ردالمحتار میں ہے کمدرسة موقوفة علی الحنفیة مثلا لا

بملك احد اان يجعلها لاهل مذهب اخر. مذہب حق مذہب اہلسنت وجماعت ہے اور باقی سب فرقے گمراہ اور بے دین ہیں یہی صراط مستقیم ہے یہی طریق مسلین ہے اس پر قائم رہنے کا حکم شرع مطہر نے دیا ہے. اس کے چھوڑنے والے کے حق میں وعیدیں وارد ہوئیں. قرآن کریم میں ارشاد ہوا و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا. ترجمہ "اور جو مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی"۔ اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے طریقہ کا اتباع لازم اور اس کی مخالفت حرام ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے. ای السبیل الذی هم علیه من الدین الحنفی وهو دلیل علی ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها کما لا تجوز مخالفة الکتاب والسنة لان الله تعالی جمع بین اتباع غیر سبیل المومنین وبین مشاقة الرسول فی الشرط وجعل جزاءه الوعید الشدید فکان اتباعهم واجبا کموالات الرسول.

تفسیر خازن میں ہے وذلك لان اتباع غیر سبیل المومنین وهو مفارقة الجماعة حرام فوجب ان یکون اتباع سبیل المومنین جماعتهم واجبا. تفسیر احمدی میں ہے ویتبع غیر سبیل المومنین من عمل او اعتقاد اور اسی میں ہے هذه الایة هی التی تدل علی ان الاجماع کالکتاب والسنة اسی میں ہے الایة تدل علی حرمة مخالفة الاجماع نیز اسی میں ہے واذا کان اتباع غیر سبیلهم محرما کان اتباع سبیلهم ممن عرف سبیلهم هذا لفظه فعلم ان اتباع سبیل المومنین ای ما علیه المومنین باجمعهم واجب وذالك سمی بالاجماع فیکون حجة قطعیة

یکفر جاحدہ کالکتاب والسنۃ المتواترۃ۔

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ اعمال وعقائد میں طریق مسلمین کا اتباع واجب مخالفت ناجائز، مستوجب وعید شدید اور جماعت مسلمین سے مفارقت حرام اور جس امر پر مسلمان متفق ہوں وہ واجب۔ اسی کو اجماع کہتے ہیں وہ حجۃ قطعیہ ہے کہ اس کا منکر کتاب وسنت کے منکر کی طرح بے دین ہے۔ یہ مضمون بکثرت نصوص سے ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار یعنی بڑی جماعت کی اتباع کرو کیونکہ جو اس سے جدا ہوا جہنم میں ڈالا جائے گا۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہوا ان اللہ لا یجمع امتی عن ضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا، جماعت پر اللہ کا ہاتھ (دست قدرت) ہے۔

جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس امر پر امت پر متفق ہو وہ باطل نہیں ہو سکتا کہ اس امت مرحومہ کا خدا نگہبان ہے۔ واللہ خیر حافظا ان ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ صراط مستقیم مسلمانوں کی راہ ہے جس پر وہ عامل ہوں اور جو اس راہ سے جدا ہو جہنمی گمراہ بے دین ہے اور ظاہر ہے کہ تمام مسلمان تقلید شخصی کرتے ہیں اور صدہا سال اس پر عمل کرتے گذر گئے تو اس پر مسلمانوں کا اجماع ہوا اور اس کا ماننا بحکم خدا ورسول واجب ولازم۔

تفسیر احمدی میں ہے قد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز لاربع. یعنی اس پر اجماع ہو چکا کہ فقط ائمہ اربع ہی کا باہمی اتباع جائز ہے نیز اسی میں ہے وینبغی ان یکون التقلید منحصرا لمذہب معین خاصۃ یعنی ضروری ہے کہ تقلید بالخصوص مذہب

معین میں منحصر ہو۔ اور اسی میں ہے۔ ولھذا قالوا بضلالۃ فرق الاھواء من المعتزلۃ و الروافض والخوارج وغیرھم ویتعین الحق فی مذھب السنۃ والجماعۃ۔ یعنی اس سے اہل ہوا فرقوں کی ضلالت کے قائل خواہ وہ معتزلہ ہوں یا روافض یا خوارج ان کے سوا اور کوئی۔"

اشباہ میں ہے وما خلف الائمۃ الاربعۃ مخالف الاجماع قد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذھب المخالف الاربعۃ لانضباط مذاھبھم وکثرۃ اتباعھم۔ یعنی جو قول یا حکم ائمہ اربعہ کے مخالف ہو وہ اجماع کے مخالف ہے امام ابن ہمام نے تحریر میں تصریح فرمائی کہ ائمہ اربعہ کے مخالف مذہب پر عمل ناجائز ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا کیونکہ ان کے مذاہب منضبط ہیں اور سواد اعظم ان کا اتباع کرتے ہیں۔

اب بحمد اللہ تعالیٰ یہ امر خوب پایہ ثبوت کو پہنچا کہ حق مذہب اہل سنت وجماعت ہے اور وہ ائمہ اربعہ کے مقلدین میں منحصر۔ اور تقلید شخصی پر اجماع منعقد لامحالہ اس کا منکر اجماع کا منکر بے دین گمراہ بندہ ہوا ان کو مسجد میں آنے دینا جائز تو کیا بلکہ غیر مسجد میں ان کے ساتھ مصاحبت وہم نشینی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین۔

تفسیر احمدی میں اسی آیت مبارکہ کے تحت میں فرمایا ان القوم الظلمین ھم المبتدع والفاسق والکافر والعقود مع کلھم ممتنع۔ یعنی قوم ظالمین اہل بدعت اور فاسق وکافر سب داخل ہیں۔ ان سب کے ساتھ قعود ممنوع ہے۔ اور بکثرت احادیث ان فرق باطلہ کے ساتھ مجالست اور مخالطت کے ممنوع ہونے میں وارد ہیں اور مسلمانوں کو ان سے علیحدہ رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے ایاکم وایاھم لا یضلونکم

ولا یفتنونکم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہ تمہیں گمراہ نہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں جب ان گمراہ قوموں سے بچنا اور انہیں اپنے سے دور کرنا لازم ہے تو اہلسنت کے لئے اپنی مساجد میں انہیں آنے دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ علاوہ بریں مساجد کی حرمت یہ ہے کہ فتنہ سے ان کو بچایا جائے۔ اور ان لوگوں کا مسجد میں آنا یقیناً باعث فتنہ ہے جہاں یہ مسجد میں آئے فتنہ انگیزی شروع کی۔ سیکڑوں جگہ مارپیٹ ہوئی ہے۔ مقدمہ بازی تک نوبتیں پہنچی ہیں۔

حموی شرح اشباہ میں ہے ومنها ما یترتب علی ذالك فی کثیر من المساجد من اجتماع الصبیان واهل البطالة ولعبهم ورفع اصواتهم وامتهانهم بالمساجد وانتهاك حرمتها وحصول اوساخ فیها وغیر ذالك من مقاصد التی یجب صیانة المسجد عنها۔ تو اہل اہواء جن کے آنے سے فساد کا قوی اندیشہ ہے انہیں مسجد میں آنے کی اجازت دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہلسنت کی مسجد میں وہابی وغیر مقلد کو کوئی حق نہیں اس کے آنے سے فساد ہے۔ اور فساد سے مسجد کو بچانا واجب نیز اس کی صحبت مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔ علاوہ ان سب کے اس کا آنا اور غیر مقلدانہ حرکات مسلمانوں کے لئے ایذا ہے۔ اور جس سے ایذا رہو اسکو مسجد سے رد کرنے کا مسلمانوں کو حق ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ والحق بالحدیث کل من اذی الناس بنفسه ولسانه وبه یفتی ابن عمر وهو اصل فی نفی کل ما یتاذی به۔ لہٰذا غیر مقلدین کو مسجد میں نہ آنے دیں وہ نہ مانیں تو قانونی طور پر رکوادیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین ۱۳۵۱ھ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھانا کیسا ہے۔ ازراہ کرم واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

ضیاء الدین جے پور راجستھان

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ

بعون الکریم الوھاب

الجــــــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ بے عذر مسجد میں جنازہ لانا اور نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔ لحدیث ابوداؤد من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوۃ لہ۔ واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

یکم محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

مسجد میں جوتا پہنکر جانے اور نماز پڑھنے کا حکم

استفتاء

سوال ۔ ماقولکم ایھا العلماء حکم اللہ تعالیٰ ۔ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کا ایک مضمون رسالہ "پیشوا" جلد ۵ نمبر ۵ میں چھپا ہے ۔ رسالہ بھی ملاحظہ کے لئے حاضر ہے ۔ اس مضمون میں صاحب موصوف نے مسجد میں جوتا پہنکر جانے اور جوتا پہنے ہوئے ہی نماز پڑھنے پر بہت زور دیا ہے اور اس امر کو جائز ومستحب ہی کے درجہ تک نہیں رکھا بلکہ واجب قرار دیا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر ترک واجب کا الزام لگایا ہے اور انہیں ضعیف الایمان ٹھہرایا ہے اپنی تائید میں کچھ احادیث بھی پیش کی ہیں ۔ اس مسئلہ کے متعلق تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ مسلمانوں کو حکم شرع معلوم ہو اور گمراہی سے بچیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں اجر عطا کرے ۔ آمین ۔ والسلام خاکسار محمد ظہور اختر فتحپوری ۔

الجواب بعون الملک الوھاب

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد والہ واصحابہ اجمعین میں نے رسالہ پیشوا نیز حسن نظامی صاحب کا جوتیوں والا مسئلہ دیکھا ۔ اس مسئلہ میں انہوں نے بہت حد سے تجاوز کیا ہے اور مسجد میں جوتیاں پہنکر

نماز پڑھنے کو جائز ہی نہیں بلکہ واجب تک قرار دیا ہے اور جو شخص برہنہ پا نماز کو بہتر سمجھے اس کے ایمان میں شبہ کیا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ عجب خود پسندی کی انتہا ہو گئی۔

مسلمانوں میں تفرقہ اندازی

تمام عالم کے مسلمان مساجد میں جوتا اتار کر داخل ہونے کے پابند ہیں اور اس کو مسجد کا احترام سمجھتے ہیں اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی تفصیل و تشریح کے تحت جوتا پہنکر مسجد میں داخل ہونا جائز یا افضل و اولی بھی ہو تو اتنے امر کے لیے مسلمانان عالم کے متحد طریق عمل میں تغیر کرنا اور ان میں ایک نئے تفرقہ کی بنیاد ڈالنا سخت ممنوع ہوگا۔ آج ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے انتشار کو دور کیا جائے۔ اور جس حد تک ممکن ہو سکے اور کوئی محذور شرعی لازم نہ آئے ان میں ارتباط و اتحاد پیدا کرنے کے لئے کامل جدوجہد کی جائے۔ بجائے اس کے ڈھونڈ ڈھونڈ کے ایسی باتیں نکالنا جس سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو، اور ان کے صدیوں کے معمول اور اپنے اکابر علماء و مشائخ اولیاء و ائمہ اور بزرگوں کو دیکھے ہیں ان سب کے معمول کے خلاف انہیں مجبور کرنا یقیناً ایک فساد عظیم کی بنیاد ہے۔ اور مسلمانوں میں ایک نئی جنگ چھڑ جانے اور تفرقہ پیدا ہونے کی تحریک ہے جو درحقیقت مسلمانوں کے ساتھ عداوت اور حکم اسلام کی مخالفت ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال ڈالا۔ مگر حسن نظامی صاحب کو اس کی مطلق پرواہ نہ

ہوئی اور انہوں نے ذرا بھی لحاظ نہ کیا کہ اس تحریک کا کیا اثر ہوگا۔ مسلمانوں میں کیسا فساد عظیم برپا ہوگا۔ اس نازک حالت میں ان کی قوت کو کیسا صدمہ پہونچے گا۔ اگر مطلقاً جوتے پہنکر مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا جائز بھی ہوتا۔ تاہم اس میں اختلاف پیدا ہونے کے اندیشہ سے اس کی تحریک سے باز رہنا شرعاً ضروری تھا۔ ایک ایسے امر میں جو زیادہ سے زیادہ مباح ہوسکتا ہو آپ کا یہ اہتمام ہے اس قدر تاکید ہے۔ مسلمانوں میں تفرقہ پڑنے کی پرواہ نہیں ہے لیکن کتنے منہیات ممنوعات محرمات بلکہ ضلالات ہیں جن کی طرف آپ کو التفات نہیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل۔ اب میں مسئلہ سے متعلق منقح گذارش کروں گا۔

مساجد خیر بقاع ہیں

زمین کے تمام خطوں اور بقعوں میں مساجد بہترین بقاع ہیں ہر مسلمان ان کو غایت احترام کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور دین اسلام نے یہی تعلیم بھی دی ہے۔ مسلم شریف میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ احب البلاد الی اللہ مساجدھا اللہ تعالیٰ کو بلاد میں سب سے پیاری مسجدیں ہیں۔ شریعت مطہرہ نے مسجدوں کے احترام کا حکم دیا ہے۔ اور ان کے آداب مقرر فرمائے ہیں۔ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے، مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنے تک سے روکا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے من اکل ھذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجدنا جو اس بدبودار درخت (پیاز) کو کھائے ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔ بیہقی کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یاتی علی الناس زمان یکون حدیثھم فی مساجدھم

فی امر دنیاھم فلا تجالسوھم فلیس اللہ فیھم حاجۃ یعنی لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی مسجدوں میں ان کی گفتگو امر دنیا میں ہوگی۔ ان کے ساتھ مجالست نہ کرو، اللہ تعالیٰ کو ان کی پرواہ نہیں۔ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں فرمایا الکلام المباح فی المسجد مکروہ تاکل الحسنات۔ یعنی جو کلام فی نفسہ مباح ہے وہ بھی مسجد میں مکروہ ہے نیکیوں کو کھا جاتا ہے بکلام دنیا سے مسجدوں کو یہاں تک بچایا ہے کہ معاملات بیع و شراء کی بھی اجازت نہیں، ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا رائیتم من یبیع او یبتاع فی المسجد فقولوا لا اربح اللہ تجارتک۔ یعنی جب تم دیکھو کہ کوئی شخص مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہے تو کہدو کہ خدا تیری تجارت کو مفید نہ کرے۔ بلکہ گمشدہ چیز کو تلاش کرنے کے لئے بھی مسجد میں آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ حدیث مذکورہ بالا میں یہ بھی ارشاد ہوا۔ اذا رائیتم من ینشد ضالۃ فقولوا لا ارد اللہ علیک۔ یعنی جب تم دیکھو کہ کوئی شخص مسجد میں گمشدہ چیز کو تلاش کرتا ہے تو کہدو خدا تجھے واپس نہ دلائے۔ بخاری شریف میں حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ طائف کے دو شخص مسجد میں بلند آواز سے بولتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا کر فرمایا لو کنتما من اھل المدینۃ لاوجعکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اگر تم مدینہ شریف کے ساکن ہوتے تو میں تمہیں مارتا، مسجد رسول میں آواز بلند کرتے ہو۔ ان احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ شریعت طاہرہ نے مسجد کے احترام کی کسقدر تاکید فرمائی۔ بدبو دار چیز کھا کر مسجد میں آنا، مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا، گمی ہوئی چیز کو با آواز بلند تلاش کرنا، بلند آواز سے بولنا، خرید و فروخت کا معاملہ کرنا سب ممنوع فرما دیا۔

مسجد کی صفائی، پاکیزگی و تطییب کا حکم دیا۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے اور اس کو خوب پاک وصاف اور مطیب رکھنے کا حکم دیا کیا یہی پاکی اور صفائی ہے کہ ہر کس وناکس کی مسجد میں جوتا پہنے پھرنے کا اذن عام دیدیا جائے۔ اور گرد و کوڑے سے فرش مسجد جو اہل اسلام کا سجدہ گاہ ہے آلودہ اور گندہ رہے۔ سینکڑوں بے احتیاط چلنے والے بازاروں کی سنی سنائی نجاست آلودہ جوتیاں پہن کر چلیں۔ فرش مسجد اس سے ملوث ہو۔ اسی فرش پر پرستاران حق پیشانیاں رگڑیں، سجدے کریں، کیا یہی مسجد کی پاکیزگی و تنظیف ہے؟ خواجہ صاحب کے فرش ودلبستر پر اگر کوئی جوتہ پہن کر پاؤں رکھے تو شاید انہیں ناگوار ہو۔ مگر مسجد کے لئے گوارا ہے حیف صد حیف! اور اگر خواجہ صاحب نے انگریزوں کا سا مزاج پیدا کر لیا ہو' اور ان کو جوتے و ٹوپی میں فرق وامتیاز باقی نہ رہا ہو۔ جس طرح وہ جوتے پر ٹوپ، اور ٹوپ پر جوتا بے تکلف رکھ لیا کرتے ہیں۔ آپ کو بھی گوارا ہو' تو آپ کے ذوق سلیم سے سوال کرنا بے کار ہے اور حکم شرع بیان کرنا عبث۔

صحابہ کرام کی مثالیں دینا بے کار ہے' آج ان کی طرح طہارت و نظافت کا لحاظ کس کو ہے۔ کون احتیاط رکھتا ہے کہ اس کا قدم ناپاک جگہ پر نہ رکھا جائے۔ اور اس کا جوتا نجاست پر نہ پڑے۔ صحابہ کرام کی دینداری اور ان کی طہارت سے دوسروں کو کیا نسبت ان کی پاپوش مبارک جیسی پاک وصاف رہتی تھیں آج لوگوں کو اپنے لباس کے لئے وہ پاکیزگی میسر نہیں۔ خواجہ صاحب نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو حدیث

نقل کی جس میں ذکر ہے کہ حضور علیہ السلام نے نعلین شریفین کو نماز میں پائے اقدس سے اتارا، تو صحابہ نے اپنی پاپوش اتارلیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہوکر صحابہ سے پاپوس اتارنے کا سبب دریافت فرمایا توصحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے حضور دیکھ کر ایسا کیا، ارشاد فرمایا کہ جبرئیل نے ہمیں آکر خبر دی کہ نعلین شریفین میں کچھ لگا ہے (اس لیے ہم نے نعلین شریفین کو اتارا) تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے چاہیے کہ اپنی پاپوشوں کو دیکھ لیا کرے اگر ان پہ کچھ لگا ہے تو ان کو رگڑ کر صاف کرلے۔

اس حدیث پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نعل پاک میں جو چیز لگی تھی وہ نجاست تو نہ تھی جس سے نماز درست نہ ہوتی کیوں کہ نجاست ہوتی تو نماز کا اعادہ فرمایا جاتا یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ آدھی نماز نجس نعلین سے پڑھ لی جائے، علاوہ بریں نجاست کی صورت میں جو نکہ نماز ہی درست نہ تھی اس لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام نماز سے قبل حاضر ہوکر اطلاع کرتے اس سے صاف ظاہر ہے جو چیز لگی تھی وہ نجاست نہ تھی، لیکن گرد کوڑے کا لگنا بھی حبیب کے نعل شریف میں رحمت الٰہی کو گوارا نہ ہوا، اور یہ بھی آپ کے منصب عالی کے لائق قرار نہ دیا گیا چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"وقذر بفتح قاف وذال معجمہ آنچہ مکروہ پندارد وآنرا طبع طاہر انجاستی نبود کہ نماز باں درست نباشد بلکہ چیزے بود مستقذر کہ طبع آنرا خوش دارد والا نماز از سر میگرفت کہ بعضے از نماز باں گزاردہ بود خبر دادن جبرئیل ورآوردن از پا بجہت کمال تنظیف وتطہیر بود کہ لائق بجال شریف وے بود"۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعل شریف کی طہارت کا تو یہ عالم ہے کہ اس کو اگر کوئی ایسی چیز بھی لگ جائے جس کو طبع سلیم ناپسند رکھے تو نماز میں جبرئیل

حاضر ہو کر عرض کریں جبکہ ایسی نعل پاک ہے جس سے کسی کے جبہ و دستار کو بھی کچھ نسبت نہیں اس پر آج کل کے بے احتیاط لوگوں کے جوتوں کو قیاس کرنا سراسر خطا ہے۔ پھر یہ ادعا بھی غلط و باطل ہے کہ حضور کی عادت کریمہ ہی یہی تھی کہ پاپوش مبارک پہن کر نماز پڑھیں اور ہمیشہ ایسا ہی کیا جاتا تھا اور صحابہ بھی سب اس کے عامل تھے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم فلا یضع نعلیہ عن یمینہ ولا عن یسارہ فتکون عن یمین غیرہ الا ان لا یکون علی یسارہ احد ولیضعھما بین رجلیہ یعنی حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو جوتا اپنے داہنے طرف نہ رکھے اور نہ بائیں طرف رکھے کیونکہ وہ دوسرے شخص کے داہنے ہو جائے گا مگر جس حالت میں کہ اس کے بائیں طرف کوئی نہ ہو۔ بلکہ چاہیئے کہ جوتا اپنے پاؤں کے درمیان رکھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانۂ اقدس میں بھی جوتا پہن کر نماز پڑھنا امر عادی نہ تھا جب تو جوتہ رکھنے کی جگہ بتائی گئی۔ اسی ابوداؤد شریف میں دوسری روایت حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی حافیا ومتنعلا میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پابرہنہ نماز پڑھتے بھی دیکھا اور اور پاپوش مبارک پہنے ہوئے بھی۔ اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ پاپوش مبارک پہنکر نماز پڑھنا امر عادی نہ تھا خود حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پاپوش مبارک کے بغیر نماز پڑھتے اور صحابہ کرام بھی۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے جوتا پہنکر نماز پڑھنا واجب بتایا ہے تو کیا ان کے نزدیک معاذاللہ صحابۂ کرام اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی واجب

ترک کیا کرتے تھے؛ اور خواجہ صاحب نے تو نماز میں جوتا نہ پہننے والے کو ضعیف الایمان ٹھہرایا ہے۔ کس قدر نادانی اور جہالت ہے اور یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے خواجہ صاحب کو حق وانصاف کا کچھ بھی لحاظ ہو تو فوراً توبہ کریں اور توبہ کا اعلان بھی شائع کریں کہ توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ۔ یعنی جس طرح گناہ ویسی توبہ۔

مسجد کی صفائی اور تنظیف کے جو احکام اور احادیث سے بیان کئے گئے ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف ناپاک چیز سے ہی مسجد کو بچایا جائے بلکہ جو چیز ناپاک نہ ہو مگر طبع سلیم اس سے گھن کرتی ہو اور ناپسند رکھتی اس سے بھی مسجد کو بچانا داخل تنظیف ہے، ورنہ تھوک اور رینٹھ سے خواجہ صاحب کی مسجد خوب گندہوتی رہے۔ اور خواجہ صاحب کہتے رہیں کہ یہ چیزیں ناپاک نہیں ہیں۔ مگر خواجہ صاحب کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ خود حدیث شریف میں اس کی تشریح فرمادی گئی۔ بخاری ومسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ البزاق فی المسجد خطیئۃ یعنی مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔ باوجودیکہ تھوک نجس وناپاک نہیں۔ مگر طبیعت سلیمہ اس سے کراہت کرتی ہے۔ تو جوتا جب بازاروں، سڑکوں میں ہر طرح کے پاک وناپاک راستوں میں استعمال کیا جائے تو اس کی پاکی کا احتمال ضعیف ہے۔ اور غالب ہے کہ ضرور اس میں نجاستوں کا نفوذ ہوا ہو۔ اور فرض کرو ایک شخص نے نہایت احتیاط کی کبھی نجاست پر اس کا قدم نہ پڑا تب بھی ایسی چیزیں جوتے میں لگ جانا بہت غالب ہے اور اس سے مسجد کی تلویث کا قوی اندیشہ ہے اس لئے جوتے کو مسجد میں لے جانا درست نہ ہوا جیسا کہ بچوں کا مسجد میں جانا اندیشۂ تلویث وتنجیس سے درست نہیں۔ درمختار میں ہے ویحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسھم والا فیکرہ۔ اور حدیث

میں وارد ہوا۔ جنبوا مساجد کم عن صبیانکم ومجانینکم۔ زمانہ اقدس پر قیاس نہیں ہو سکتا اس لئے کہ صحابہ کی جیسی احتیاط کسی کا کیا منہ ہے کہ کر سکے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاپوش اقدس میں کوئی پاک چیز بھی لگ جائے جو طبع سلیم کو پسند نہ ہو تو وحی آئے وہاں اطمینان ہے کہ وہ نعل اقدس ایسی پاک چیزوں سے بھی آلودہ نہیں جن سے طبع سلیم متنفر ہو تو اس نعلین پاک کا مسجد میں جانا یقیناً موجب تلویث مسجد نہیں۔ علاوہ بریں اس زمانہ میں مسجد شریف میں پختہ فرش تھا جس کی تلویث کا اندیشہ ہوتا اس کے ماسوا جن احادیث میں جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی نسبت ارشاد ہوا ان میں اس کی علت کفار (یہود) کی مخالفت بتائی گئی۔ اور آج کفار (نصاری وغیرہ) کا عام دستور ہے کہ وہ جوتا نہیں اتارتے۔ جیسا کہ خود خواجہ صاحب کو بھی تسلیم ہے۔ تو ان کی مخالفت جوتا اتار کر مسجد میں جانے کی علت ہے۔ مقصود شارع علیہ السلام کی مخالفت کفار ہے۔ اور اب وہ جوتا اتارنے میں حاصل ہے۔ تو پہننے کا حکم اور اس پر تاکید خلاف منشائے شارع علیہ السلام ہے۔ یہ تمام باتیں کتابوں میں تھیں اور خود خواجہ صاحب نے جس رد المحتار کی عبارت نقل کی اس میں موجود تھیں۔ مگر ان پر نظر نہ ڈالنا اور اس عبارت کو چھوڑنا حق وانصاف کا خون ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ رد المحتار کی عبارت (وصلوته فیهما) ای فی النعل والخف الطاهرين افضل مخالفة لليهود تاتارخانية وفی الحديث صلوا فی نعالكم ولا تشبهوا باليهود رواه الطبرانی كما فی الجامع الصغير رامزا لصحته واخذ منه جمع من الحنابلة انه سنة ولو كان يمشی بها فی الشوارع لان النبی صلی الله عليه وسلم وصحبه كانوا يمشون بها فی المدينة ثم يصلون بها قلت لكن اذا خشی تلويث فرش المسجد بها ينبغی عدمه وان كانت طاهرة واما المسجد النبوی فقد كان مفروشا بالحصا فی زمنه

صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف فی زماننا ولعل ذلک محل ما فی عمدۃ المفتی من ان دخول المسجد متنعلا من سوء الادب تامل. یعنی بنظر مخالفت یہود پاک جوتوں اور موزوں کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جوتوں سمیت نماز پڑھو اور یہود کے ساتھ تشبیہ نہ کرو. اس حدیث سے ایک جماعت حنابلہ نے اخذ کیا کہ یہ سنت ہے خواہ ان جوتوں کو پہنکر رستوں میں چلتا ہو. اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ طیبہ کے راستوں میں پاپوش مبارک پہنکر چلتے پھر ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے. علامہ فرماتے ہیں لیکن جب مسجد کی تلویث کا اندیشہ ہو تو چاہیئے جوتا پہن کر مسجد میں نہ جائے. خواہ وہ جوتا پاک ہی کیوں نہ ہو لیکن مسجد نبوی میں زمانۂ اقدس میں سنگریزے بچھے تھے (پختہ فرش نہ تھا) بخلاف ہمارے زمانہ کے اور شاید یہی محل ہو اس کا جو عمدۃ المفتی میں ہے کہ مسجد میں جوتے پہنکر داخل ہونا بے ادبی ہے. اور مسجد کی شان وعظمت کے خلاف ہے.

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ جوتا پہنکر نماز پڑھنے کی فضیلت قصد مخالفت کفار کے ساتھ مختص ہے. اور جب کفار جوتے کے پابند ہو گئے تو اب مخالفت جوتا پہنکر نماز پڑھنے میں نہ رہی بلکہ جوتا اتارنے میں ہوئی. اور اسی علت سے اب جوتا اتار نا ثابت ہوا. دوم یہ کہ مخالفتِ کفار کے قصد سے بھی وہ جوتا پہنکر نماز پڑھنے کی اجازت ہے جو پاک ہو اور اس سے اندیشۂ تلویث مسجد نہ ہو. اور یہ بات آج حاصل نہیں. ہمارے جوتوں سے مسجد کی تنجیس وتلویث کا کافی اندیشہ اور ظن غالب ہے. لہٰذا ان جوتوں کو پہن کر مسجد میں جانا ہرگز درست نہیں رہا خواجہ حسن صاحب کا یہ فرمانا کہ جوتا رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے یہ مطلق صحیح نہیں کیوں کہ نجاست غیر ذی جرم سے بغیر دھوئے ہرگز پاک نہیں ہو سکتا نہ کسی حدیث

سے ایسا ثابت کر سکتے ہیں۔ بلکہ جو حدیثیں آپ نے لکھی ہیں ان کی شرح دیکھئے۔ شرح مشکوٰۃ میں ہے اما النجاسۃ مثل البول ونحوہ یصیب الثوب او بعض الجسد فان ذلک لا یطھر الا الغسل اجماعا کذا ذکرہ الطیبی۔ یعنی پیشاب اور اس کی مثل نجاست کپڑے یا جسم کو لگ جائے، تو وہ بالاجماع بغیر دھوئے پاک نہیں ہو سکتا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں ”اما در غیر ذی جرم مثل بول وخمر غسل واجب است“ درمختار میں ہے۔ وان لا جرم لھا البول فیغسل۔ یعنی اگر پیشاب کی طرح نجاست غیر ذی جرم ہو تو دھونا لازم ہے۔ شامی میں ہے فیغسل ای الخف قال فی الذخیرۃ والمختار ان یغسل ثلاث مرات ویترک فی کل مرۃ حتی ینقطع التقاطر ویذھب الندا وۃ ولا یشترط الیبس۔ یعنی ذخیرہ میں ہے کہ مختار یہ ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ اتنا توقف کیا جائے کہ تقاطر موقوف ہو اور تری جاتی رہے۔ بالکل خشک ہونا شرط نہیں۔ خواجہ صاحب کا یہ خیال کہ نجاست غیر ذی جرم رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہے بالکل غلط اور کتب دینیہ کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اور نجاست تجسدہ کو نجاست غیر ذی جرم سمجھ جانا علم کی کمی ہے اور باوجود اس قدر بے ادراکی مسائل دینیہ میں قلم اٹھانا کمال جرأت ولا حول ولا قوۃ رہی یہ بات کہ حدیث شریف میں جوتے کا رگڑنے سے پاک ہونا بیان کیا ہے اس سے کون سی نجاست سے پاک ہونا مراد ہے؟ یہ حدیث کی شرح سے معلوم کیجئے۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے مراد نجاست خشک است کہ چیزے ازاں تعلق گرفتہ است بنعل یا خف پس دلک کرداں را بارض۔“ یعنی حدیث میں خشک نجاست مراد ہے کہ اگر وہ جوتے یا موزے کو لگ جائے تو زمین سے رگڑنے سے پاک ہو جائے گا اور یہ بات قرین عقل بھی ہے کہ خشک نجاست اگر جوتے

کو لگ گئی تو رگڑنے سے چھوٹ جائے گی جوتا پاک ہو جائے گا کیونکہ نجاست کے اجزا جوتے
کے جرم میں نفوذ تو کر ہی نہیں پائے تھے۔ لیکن نجاست کے اجزا جو جوتے کے جرم میں نفوذ کر جاتے
ہیں وہ صرف رگڑنے سے کیسے پاک ہو جائے گا۔ اور یہ بات عجیب لطف کی ہے کہ مسجد کے دروازے
پر لوہے کی جالیاں رکھی جائیں ہر آنے والا پہلے ان سے اپنے جوتے رگڑ لیا کرے جب خواجہ
حسن صاحب کے نزدیک جوتا اتنا پیارا ہوتا ہے کہ حالت نماز میں دل کے اندر گھسا چلا آتا ہے
(یہ انہیں کے الفاظ ہیں) تو اس جوتے کو روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ رگڑ کر چار روز میں توڑ دینا
کون گوارا کرے گا؟ یہ قید لگا دیجیے تو جوتے کی محبت والے مسجد میں آنا ہی چھوڑ دیں گے اور
نماز کے لیے یہ نقصان گوارا نہ کریں گے کہ چھ ماہ چلنے والا جوتا ہفتہ بھر میں نکما ہو جائے۔ لگتا ایسا
ہے کہ خواجہ صاحب نے یہ فتویٰ دے کر دلی کے جوتا فروشوں کی اعانت کا قصد کیا ہے۔

الحاصل جب یہ واضح ہو گیا کہ عام طور پر جوتوں میں رات دن ہر طرح کی نجاست
لگتی رہتی ہے اور صحابہ کرام کی سی احتیاط آج کسی کو میسر نہیں تو مسجد کی تطہیر و تنظیف کے
لیے ضروری ہے کہ فرش مسجد کو جوتوں سے بچایا جائے۔ اور جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہونے
کو جائز نہ سمجھا جائے۔ جیسا کہ اوپر نقل کی ہوئی عبارت کتب معتبرہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی تصریح فرما دی کہ اگر جوتا بالکل پاک ہو کسی قسم کی
نجاست اس کو نہ لگی ہو کہ اس سے مسجد کی تلوث کا اندیشہ ہو جب بھی اس کو پہن کر مسجد میں نہ
آنا چاہیے۔ مگر خواجہ صاحب نے یہ عبارت دیکھ کر بھی نقل نہیں کیا جو دین و دیانت کے خلاف
ہے۔ زمانۂ اقدس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اور صحابہ کرام جو کبھی کبھی مسجد میں جوتا پہن کر
تشریف لاتے اس کی تین وجہیں ہیں دو تو ذکر ہو چکیں۔ ایک تو ان حضرات کی پاپوش کا پاک

ہونا دوسرا مخالفت کفار کا قصد۔ اور تیسری وجہ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں یہ تحریر فرمائی کہ اس زمانہ میں مسجد نبوی میں سنگریزے بچھے تھے فرش پختہ نہ تھا لہٰذا پاک جوتوں سے اس کی تلویث کا اندیشہ نہ تھا بخلاف ہمارے زمانہ کے کہ اب فرش پختہ ہیں، پاک جوتا بھی ان پر نہ پہننا چاہیئے کہ اس سے تلویث مسجد ہوگی، اور حالات بدلنے سے ضرور حکم بدل جاتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور کے زمانہ میں مسجد کے اندر کتے آتے جاتے تھے اس کا یہی تو باعث تھا کہ فرش خام تھا تلویث کا اندیشہ نہ تھا کیا اب بھی خواجہ صاحب اجازت دیں گے کہ فیشن ایبل جنٹل مین بوٹ پہنکر کتے ساتھ لے کر مسجد کے اندر آیا کریں۔

اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے شرح میں فرمایا"گفتہ اند کہ ایں درابتدائے اسلام بود بر اباحت اصلیہ پس ازاں وارد شد امر تکریم مساجد وتطہیر آں محافظت آں از درآمدن کلاب وحیوانات وساختن درہا ودربندہا تا آنکہ یک وقتے امر کردند بکشتن سگاں"۔ یعنی یہ حکم اباحت اصلیہ کی بنا پر ابتدائے اسلام میں تھا اس کے بعد مساجد کی تکریم وتطہیر اور ان کی حفاظت ونگہداشت کا امر وارد ہوا، اور کتوں اور جانوروں کو مسجد شریف سے روکنے کے لئے دروازے اور کیواڑ بنائے گئے یہاں تک کہ ایک وقت کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا گیا۔

اب الحمد للہ خواجہ صاحب کے تمام واہی تباہی شبہوں کا قلع قمع ہوگیا، اور مسئلہ خوب واضح ہوگیا۔ اگر خواجہ صاحب اب بھی نہ سمجھیں تو بعون اللہ تعالیٰ ایک مبسوط تحریر سے ان کے اطمینان کی کوشش کی جائے گی مگر تعجب یہ ہے کہ اس قدر صاف مسئلہ

ہیں انہیں الجھن کس طرح ہوئی۔ انہیں تو اتنا سمجھ لینا کافی تھا کہ تمام دنیا کے مسلمان صدیوں سے مسجد میں جوتا پہنکر آنا ناجائز سمجھتے ہیں اسی پر تمام امت کے اخیار، ابرار، صالحین علماء، ائمہ اولیاء سب کا عمل رہا ہے یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا آج بھی تمام مسلمان اس کے عامل ہیں اور کسی مسئلہ کی صحت کے لئے مسلمانوں میں اس کا بلا نکیر رائج ہونا بھی دلیل شرعی ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔ ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن جو مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہے اللہ کے نزدیک بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔ یعنی "اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کردیں گے اور کیا ہی بری پلٹنے کی جگہ"۔ اس آیت کی کی تفسیر میں حضرت امام علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی تفسیر مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں وھو دلیل علی ان الاجماع لا تجوز مخالفتھا کما لا تجوز مخالفۃ الکتاب والسنۃ لان اللہ تعالیٰ جمع بین اتباع سبیل المومنین وبین مشاقۃ الرسول فی الشرط وجعل جزاءہ الوعید الشدید فکان اتباعھم واجبا کموالات الرسول۔ یعنی یہ آیت دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اس کی مخالفت جائز نہیں جیسے قرآن و حدیث کی مخالفت جائز نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی راہ کے سوا دوسری راہ کے اتباع کو مخالفت رسول کے ساتھ شرط میں جمع فرمادیا اور اس کی جزا وعید شدید ٹھہرائی تو مسلمانوں کا اتباع رسول کی موالات کی طرح واجب ہوا۔ تفسیر خازن میں ہے۔ وذلک

لان اتباع غیر سبیل المومنین وھو مفارقۃ الجماعۃ حرام فوجب ان یکون اتباع سبیل المومنین ولزوم جماعتھم واجبا۔ یعنی یہ اس لئے کہ مسلمانوں کی راہ کے سوا اور دوسری راہ کا اتباع اور وہ جماعت سے مفارقت کرنا ہی حرام ہے تو مومنین کی راہ کا اتباع اور ان کی جماعت کا لزوم واجب ہوا۔

اس مضمون پر بکثرت نصوص وارد ہیں۔ اور کوئی عاقل جو اسلام کا بدخواہ نہ ہو یہ گوارا نہ کرے گا کہ ایسا امر جس میں تمام دنیا کے مسلمان متفق اور متحد ہیں اور اس میں اصلا اختلاف نہیں اس کو مورد بحث بنائے اور مسلمانوں میں جھگڑے اور فساد پیدا کرے مساجد کی بے حرمتی کے لئے عوام و خواص کو ہر طرح کے جوتے پہن کر مسجد میں آنے کی اجازت دے اور فساد کی ایک بنیاد قائم کرے یہ خیال خواجہ حسن صاحب ہی کے دماغ عالی میں پیدا اور اس پر آپ تو شہیدوں کے ثواب کے بھی امیدوار ہیں اور جوتا پہنکر مسجد میں آنے کو سنت سمجھ رہے ہیں اتنا ہی نہیں بلکہ جوتا پہنکر مسجد میں آنا واجب قرار دیتے ہیں اور جو اس میں ان کے ساتھ نہ ہو اس کے ایمان میں شک کرتے ہیں کس قدر ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔ آمین۔

المعجزۃ العظمی المحمدیہ

سـ ۱۳۴۵ ـنہ

استفتـــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مورخہ ۶؍ شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ کو مغرب کے وقت بجانب قبلہ ایک روشن ستارہ نے ٹوٹ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمد صفحۂ آسمان پر نمایاں کیا۔ جبلپور کے اکثر مقامات کے ہزاروں باشندوں نے دیکھا۔ کیا اس کرشمۂ قدرت یا آسمانی شہادت کو معجزہ کہا جا سکتا ہے؟ جواب مع عقلی ونقلی دلائل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

احقر نور اللہ خاں کاتب۔ الہ آبادی ۲۶؍ رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ

الجواب بعون الملک الوھاب

ہر امر عجیب وخارق عادات جس کے ظہور کا تعلق نبی کی ذات وصفات اور

خصائص وحالات سے ہو. اگر وہ تحت تحدی و مقترن بدعوائے نبوت ہے تو معجزہ ہے ورنہ آیت لیکن بروجہ تشبیہ و تغلیب آیت پر بھی معجزہ کا اطلاق شائع و ذائع ہے. پھر یہ تعلق بھی نبی کی حیات ظاہری سے خاص نہیں بلکہ نبی کی وفات کے بعد بھی عام اور تاقیامت باقی ہے. حتیٰ کہ نبی کی امت میں کسی ولی کی کرامت بھی اسی نبی کے معجزات سے ہے. غرضیکہ نبی کی وفات کے بعد بھی اس سے نسبت رکھنے والے امور خارقہ عادت دکرہائے قدرت الٰہی آیات و معجزات دکھلائیں گے کیونکہ وہ نبی سے متعلق ہیں اور بدلالت قرائن و احوال و خصائص بھی حکماً مقترن بدعوائے نبوت اور تحت تحدی ہیں. زبیدی شرح احیار میں ہے ؎

(ایدہ اللہ سبحانہ بالمعجزات الظاہرۃ والآیات الباہرۃ)

معنی الآیۃ العلامۃ علیٰ صدقہ والمعجزۃ ھی الآیات مع التحدی بھا." اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تائید فرمائی. ظاہر معجزات اور کھلی ہوئی آیتوں کے ساتھ."

آیت کے معنی یہ ہیں کہ ایسی علامت حضور کی صداقت پر دلالت کرے، اور معجزہ بھی وہی آیت ہے جو تحدی کے ساتھ ہو. اور بھی زبیدی میں ہے. ؎

والقوم یعدون امثال ھذہ کشف الصدور واظلال الغمامۃ والتسلیم والحجر معجزات علیٰ سبیل التشبیہ و والتغلیب. اور قوم یعنی آئمہ کرام نے ایسی آیتوں اور نشانیوں

کو جو بغیر تحدی کے ہوں جیسے شق صدر اور ابر کا سایہ کرنا، اور پتھر کا سلام کرنا معجزات میں بروجہ تشبیہ وتغلیب شمار کیا ہے"۔

فتاوی حدیثیہ میں ہے ان کرامۃ الولی من بعض معجزات النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ولی کی کرامت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔

پھر بعد وفات نبی جب تک نبی کی نبوت باقی اس کے دعوائے نبوت پر تحدی قائم۔ اور نبی کے تحت تحدی اور تحت نبوت جو امر خلاف معمول وخارق عادت صادر ہو وہ اس نبی کا معجزہ ہے کیوں کہ معجزہ ایک فعل الٰہی ہے جو منکرین ومشرکین ومعاندین کو نبی کی مخالفت اور اس کے مقابلہ معارضہ سے عاجز کر کے اس نبی برحق کے دعوی نبوت ورسالت کی تصدیق اور اس کے دین متین کی صداقت وحقانیت کی توثیق کرے تو اس کے لئے نبی کی حیات ظاہری کی حاجت نہیں۔ نشر المحاسن میں ہے کل فعل خارق للعادۃ مستلزم صدق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم فیما ادعاہ من الرسالۃ معجزۃ لہ۔ ہر فعل جو خارق عادت خلاف معمول ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ احیاء العلوم میں ہے۔ وجہ دلالۃ المعجزۃ علی صدق الرسل ان کل ما یعجز عنہ البشر لم یکن الا فعل اللہ تعالٰی۔ نبیوں اور رسولوں کی سچائی پر معجزہ کے دلالت کرنے کی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے مقابلہ سے انسان عاجز ہو وہ اللہ ہی کی طرف سے اور اسی کا فعل ہے۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے فالمعجزۃ علی ھذا لا یشترط لھا حیاۃ الرسول بل تکون بعد موتہ ایضا تو اس بناء پر معجزہ کے لئے رسول کا حیات ظاہری

کے ساتھ زندہ رہنا شرط نہیں، بلکہ معجزہ ان کی وفات کے بعد بھی ہوتا ہے۔

جب ظہور معجزہ کے لیے رسول و پیغمبر کی حیات ظاہری شرط نہ رہی تو بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی خرقِ عادت ظاہر ہوں سب معجزہ ہیں کیوں کہ وہ مقرون بالتحدی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بین شہادت دیتے ہیں اور بقرائن صریحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین کی صداقت وحقانیت پر دلالت کرتے ہیں اور منکرین ومعاندین اس کے معارضہ سے عاجز اور مقابلہ سے مبہوت ہیں، فتاویٰ حدیثیہ میں ہے اکثر معجزات الانبیاء لاسیما نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقعت من غیر ادعاء النبوۃ انبیاء کرام علیہم السلام کے اکثر معجزات خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ادعائے نبوت کے واقع ہوئے۔ اور بھی فتاویٰ حدیثیہ میں ہے۔ ان کل ما وقع منہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد النبوۃ مقرون بالتحدی لان قرائن اقوالہ واحوالہ ناطقۃ بدعواہ النبوۃ وتحدیہ المخالفین واظہارہ ما یقمعھم ویجدیھم؛ جو معجزات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد نبوت ظاہر و واقع ہوئے وہ مقرون بالتحدی ہیں کیونکہ حضور کے دعوائے نبوت اور حضور کے مخالفین پر تحدی۔ اور حضور کا وہ باتیں ظاہر فرمانا جو منکرین ومخالفین کو توڑ دیں اور عاجز کر دیں ان تمام امور پر حضور کے اقوال اور احوال کے قرائن ناطق ہیں۔ شرح الشفاء للملا علی قاری میں ہے (معجزۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لاتبید) ای لا تفنی ابدا ولا تنقطع (وآیاتہ) علاماتہ الدالۃ علی صدقہ (تجدد یوما فیوما ولا تضمحل) ای ولا تزول اصلا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور کبھی منقطع

نہ ہوگا اور حضور کی آیتیں یعنی حضور کی سچائی اور صداقت وحقانیت پر دلالت کرنے والی علامتیں دن پر دن نئی ظاہر ہوں گی اور کبھی کمزور نہ ہوں گی یعنی ہرگز زائل نہ ہوں گی

حدیقہ ندیہ میں ہے۔ انہ کان مبعوثا الی الثقلین وخاتم الانبیاء والرسل والمعجزۃ الظاہرۃ باقیۃ علی الزمان وشہادۃ قائمۃ فی القیامۃ علی کافۃ البشر" بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہان کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور آپ خاتم ہیں تمام نبیوں اور رسولوں کے۔ اور آپ کے کھلے ظاہر معجزات زمانہ کے قائم رہنے تک باقی ہیں اور صدق نبوت کی شہادت قیامت تک کے تمام لوگوں پر قائم ہے۔

افضل القرا میں ہے ان ھذہ الشریعۃ کانت باقیۃ علی صفحات الدھر الی یوم القیمۃ بالمعجزات العقلیۃ الباقیۃ لیرھا ذو البصائر۔ بیشک یہ شریعت دنیا کے پردہ پر قیامت تک رہنے والی ہے۔ یہ شریعت خاص کی گئی ہے معجزاتِ عقلیہ کے ساتھ جو باقی رہیں گے تاکہ انہیں عقل کی آنکھ والے دیکھیں۔

جامع الکرامات میں ہے" فکان بذلک صلی اللہ علیہ وسلم کانہ موجود بین امتہ لیشاھدون معجزاتہ بعد مماتہ کما کانوا یشاھدونھا فی حیاتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیزداد الذین امنوا ایمانا" ان معجزات کے سبب گویا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے درمیان خود موجود ہیں کہ لوگ آپ کے معجزات کا مشاہدہ آپ کی وفات کے بعد کر رہے ہیں جیسا کہ آپ کی حیات ظاہری میں مشاہدہ کرتے تھے تاکہ ایمان والوں کے ایمان زیادہ ہوں"۔

واقعہ مذکورہ سوال ستارہ کا بصورت شہاب ثاقب نازل ہونا مطلع ہلال

برقرار پکڑنا، پھر اس کا تغیرات کے بعد اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو جانا حسب تصریحات بالایقیناً وہ سرکار رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بین معجزہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ نہ وہ کسی انسان کا کام تھا نہ وہ کسی مجہول الحال کا نام تھا، نہ کوئی مہمل و بے معنیٰ کا کلمہ تھا بلکہ ایک فعل الٰہی اور کرشمۂ قدرت کبریائی تھا جس نے اپنے پیارے محبوب حقیقی مطلوب تحقیقی مختار مطلق برگزیدہ نبی برحق پیغمبر اعظم رسول اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عَلم محترم اسم پاک و معظم کو چمکا کر روشن فرما کر بھٹکتوں گم کردہ راہوں کو متنبہ کر دیا۔ اور سوتوں غفلت آشناؤں کو بیدار فرمایا کہ یہی سرکار ابد قرار ہیں جن کا دین متین قیامت تک قائم و باقی اور جن کی نبوت کریمہ و رسالت عظیمہ دائم و لازوال ہے یہ ظہور اسم مبارک زبانِ حال سے کفار پر تحدی فرما رہا ہے کہ ہے کوئی دین کوئی مذہب کوئی ملت کوئی فرقہ جو اسلام کی ایسی کھلی صاف روشن مبارک مثال پیش کر سکے۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارۃ اعدت للکفرین۔ تو اے مخالفین اسلام! اگر تم ایسی ظاہری مثال پیش نہ کر سکو اور یقیناً تم ہرگز پیش نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر جنہیں یہ آدمی بت بنا کر پوجتے ہیں اور وہ مقرر کی گئی ہے صرف کافروں کے لئے۔

اللہ تعالیٰ اسم اعظم عَلم معظم کو مرتفع فرما کر اپنے بندوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کو بشارت عظیمہ دے رہا ہے کہ جس پیارے نبی کی پیروی جس برگزیدہ پیغمبر کی اطاعت جس رسول کی تعظیم کے اتباع میں تمہیں مراتب سعادت عطا ہوں تمہیں عتاب الٰہی، فتنۂ قبر اور عذاب آخرت سے نجات ملے اس کا نام پاک عَلم مبارک ہم نے مشعل

ہدایت بنا کر مطلع ہلال پر چمکا دیا اور حسب وعدۂ قرآنی ورفعنا لک ذکرک "ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا"۔ اسم مبارک کو رفعت و بلندی کے ساتھ تم پر سایہ افگن فرما دیا جو اپنی سعادت افروز تجلی اور مسرت افزا روشنی میں عامۂ امت اجابت و دعوت کو طریق خیر و سعادت اور صراط رشد و ہدایت کی طرف پکار پکار کر بتلا رہا ہے ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ یقیناً یہی میری سیدھی راہ ہے۔ تو اس پر چلو، اور دوسری راہیں نہ اختیار کرو کہ سیدھی راہ سے بھٹکا دیں۔ بلاشبہ یہ ظہور اسم پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور کی نبوت و رسالت کے بقا و قیام و دوام کی بیّن شہادت اور دین مصدق و برحق اسلام کی برہان ساطع اور اس کی صداقت و حقانیت پر دلیل قاطع ہے جس کے ظہور سے کفار و مشرکین و مخالفین اسلام مبہوت اور اس کے مقابلہ و معارضہ سے عاجز و قاصر ہیں یہی معجزہ کی تعریف ہے اور یہ تماماً اس پر صادق۔

شرح مقاصد میں ہے المعجزۃ ھی فعل من اللہ تعالٰی یقصد بمثلہ التصدیق۔ معجزہ اللہ تعالٰی کا فعل ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق مقصود ہے۔ اب کون ہے جو اعجازِ محمدی ہونے میں شک لائے اور معجزہ ہونے میں کلام کرے۔

مسلمانو! ہوشیار خبردار، بہت سو چکے اور خواب غفلت میں اتنا کچھ کھو چکے کہ اس کی تلافی دشوار ہے۔ مگر جو کچھ باقی رہا اسی کو سنبھالو اور ظہور اسم تمہیں سبق دے رہا ہے کہ اسی مبارک و محترم نام والے سرکار ابد قرار کے سایہ میں تمہارے

سب کچھ ہے. صدق و اخلاص کے ساتھ ان کی اطاعت ان کا اتباع ان کی پیروی تمہارے لئے منہاج رفعت و عزت اور معراج ترقی ہے. اس سے باہر ہونے ان سے پھر جانے روگرداں ہو جانے میں تمہارے لئے ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے. قال عزوجل ان الذین یحادون اللہ ورسولہ اولئک فی الاذلین کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیزہ بیشک وہ لوگ جو اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں سے ہیں، اللہ لکھ چکا کہ ضرور ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے بیشک اللہ قوۃ والا عزت والا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ عزمجدہ اتم واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین

محمد نعیم الدین غفرلہٗ

۱۵ر شوال المکرم ۱۳۴۵ھ

عرس کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین کہ بزرگان دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبروں پر عرس کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب بسند کتاب اور یہ کہ عرس کے کیا معنی ہیں بعبارات عربیہ یا فارسیہ و ترجمہ مرحمت فرماکر عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

فقط والسلام

المستفتی

مولانا المولوی ابوالمحامد احمد علی صاحب

متوناتھ بھنجن قاسم پور ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب

بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

بزرگان دین کے مزارات پر ان کی وفات کے دن جو لوگ زیارت و ایصال ثواب و حصول برکات کے لئے سالانہ حاضر ہوتے ہیں اس کو عرس کہتے ہیں غیاث اللغات میں ہے مجاز بمعنی مجلس طعام فاتحہ بزرگان کہ بروز وفات بعد از سالے کنند چراکہ رحلت

از غمکدۂ دنیا بمنزلہ شادی عروسی است بحق عاشقانِ حق چنانکہ سعدی فرمائید ؎

عروسی بود نوبتِ ماتمت اگر نیک روزی بود خاتمت

لفظ عرس اس معنی کے لئے حدیث شریف سے ماخوذ ہے نکیرین قبر میں جواب شافی کے بعد بندہ مرحوم سے کہتے ہیں۔ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ لَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِىْ۔ یعنی سو جا مثل سونے عروس کے جس کو اس کے اہل سے اس کے سب سے پیارے کے سوا کوئی نہ جگائے۔" فی الواقع جب منزل اول کے امتحان گاہ صدق واخلاص میں بندہ کامیاب ہوا اور رحمت وکرم سے نوازا گیا۔ تو وہ دن اس کے لئے دنیا کے تمام ایام سے زیادہ شادی وخوشی کا دن ہے۔ اور حقیقت میں وہ آج ہی دولھا بنا ہے کہ ملائکہ رحمت اس کی نازبرداری کرتے ہیں۔ اور جنتی سامانوں سے اس کی قبر کو روضۂ پُر بہار بنا کر اس سے آرام کی نیند سونے کی درخواست کرتے ہیں جس کا بیان حدیث شریف میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے ان صدق عبدی فافرشوہ من الجنۃ و افتحوالہ بابا الی الجنۃ الی اٰخرہ رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۲) ترجمہ جواب شافی دینے کے بعد آسمان سے منادی کرنے والا نداکرتا ہے کہ میرے بندہ نے سچ کہا پس اسکے لئے جنتی فرش بچھاؤ اس کو جنتی لباس پہناؤ اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔" جن کے لئے قبر میں یہ عزت وتکریم ہو ان کے لئے موت کے دن یقینی شادی کا دن ہے اس لئے اولیائے حق کے روز وفات کو روز عرس کہنا بالکل بجا اور حدیث شریف سے ماخوذ ہے۔

یہ تو لفظ عرس کے معنی کا ایک مختصر بیان ہوا۔ اب مسئلہ عرس کے متعلق عرض کیا

کیا جاتا ہے۔

عرس کا جواز ریب و اشتباہ کا محل نہیں ہے۔ اگر شریعت میں اس کی کوئی سند بھی نہ پائی جائے تو بھی بسبب عدم ورود ممانعت کے جائز ہوتا کیونکہ عدم ممانعت ہی کا نام اباحت و جواز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ یا یھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسوءکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القران تبد لکم عفا اللہ عنھا۔ اے ایمان والو! تم بہت چیزوں کو دریافت نہ کرو۔ اگر کوئی حکم ظاہر فرما دیا جائے تو تمہیں گراں گذرے گا۔ اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں دریافت کرو گے تو ظاہر کر دیا جائے گا۔ اللہ نے وہ معاف فرما دیا ہے۔"

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ جس امر پر شریعت طاہرہ نے حکم نہ دیا ہو وہ معاف ہے اس پر مواخذہ نہیں اور مباح اسی کو کہتے ہیں کہ اس کے کرنے پر کوئی عذاب نہ ہو حدیث شریف میں وارد ہوا ما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ یعنی جس چیز کے بیان سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے یعنی اس کے کرنے پر کوئی عذاب نہیں دوسری حدیث میں ہے وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں سے بغیر نسیان کے سکوت فرمایا ہے تم ان میں بحث نہ کرو یعنی نسیان سے تو اللہ تعالیٰ پاک ہے تو جن چیزوں کا بیان نہ فرمایا ہو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ فراموش ہو گئی ہوں۔ تو علم میں حاضر ہوتے ہوئے جس چیز کی نسبت کوئی حکم ظاہر نہ فرمایا اس سے صاف مرضی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے کرنے پر کوئی مواخذہ یا عذاب نہیں۔ ان آیات واحادیث سے فقہاء نے یہ قاعدہ حاصل کیا کہ الاصل فی الاشیاء

الاباحة۔ یعنی اصل چیزوں میں جانب شرع سے اباحت ہے تو جس پر ممانعت وارد نہ ہو وہ اباحت اصلیہ شرعی پر ہے۔ اما الاباحة الاصلية التى نالت بها المعتزلة فهى ما لا مد خلية فيها للشرع وهى غير ذلك۔ اس قاعدۂ نافعہ اور اس اصل عظیم سے ہزارہا مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اور کوئی مدعی اسلام ایسا نہیں جس کے کثیر معمولات اس اصل کی شہادت نہ دیتے ہوں جب یہ اصل آیت وحدیث وفقہ سے ثابت ہوگئی۔ تو عاقل کے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ عرس پر ممانعت کا وارد ہونا اس کے جواز کی مضبوط دلیل ہے منکرین عرس کو کچھ بھی جائے چون وچرا نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ ممانعت عرس کو کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ کریں۔ اور ممانعت پر اصلاً کوئی دلیل نہیں۔ تو جواز یقینی ہوا یہ تو اس تقدیر پر ہے جبکہ فرض کر لیا جائے کہ عرس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اور اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ علماء صلحاء مشائخ کے یہاں مدتہائے دراز سے ہر ہر ملک میں عرس معمول ہے مسلمان اس میں عام طور سے شرکت کرتے ہیں اور اس کو موجب خیر وبرکت جانتے ہیں اور مستحسن سمجھتے ہیں۔ تو کافہ اہل اسلام کا عمل اور صالحین کا تعامل کسی چیز کے استحباب کے لئے خود ایک دلیل ہے حدیث شریف میں وارد ہوا "مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔ جو امر مسلمانوں کے نزدیک بہتر ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بہتر ہے"۔ اگر منکرین کو عرس کی کوئی دلیل معلوم نہ تھی تو انہیں اتنا ہی سمجھ کر استحسان کا قائل ہو جانا چاہیئے تھا۔ اب میں آپ کو عرس کے ثبوت دکھاؤں۔ غور کیجئے کہ عرس میں زیارت قبور ہوتی ہے، تلاوت قرآن پاک ہوتی ہے، ذکر خیر اور ایصال ثواب ہوتا ہے یہ سب چیزیں احادیث سے ثابت ہیں۔ زیارت قبور

کے لئے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور، فزوروھا یعنی میں نے تمہیں زیارت قبور سے پہلے منع کیا تھا پس اب ان کی زیارت کرو۔" اور بہت حدیثیں زیارت قبور کی ترغیب میں ہیں جن کا انکار کل ہٹ دھرمی اور انتہائی نفسانیت ہے رہی یہ بات کہ عرس میں ہیئت قضائی کہاں تھی؟ یہ سوال خود لایعنی اور ناقابل التفات ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز یا مستحب ہونے کے لئے اس کی اصل کا ثابت ہونا کافی ہوتا ہے ورنہ تمام مدارس بدعت وگناہ ہو جائیں گے اور ان میں چندہ دینا ان کی تائید کرنا اعانت علی المعصیت ہو کیونکہ مدرسہ کی یہ ہیئت قضائی زمانہ اقدس میں نہیں پائی گئی۔ طلبا کی جماعتیں کی جماعتیں صف بندیوں کے ساتھ کب مرتب تھیں۔ امتحانوں میں یہ شان کب تھی۔ لیکن اگر آپ اپنے اس فعل کو بے اصل نہیں مانتے ہیں اور ہیئت کذائی ثابت الاصل ہونے سے خارج نہیں کر سکتی ہے تو عرس کو بھی غیر ثابت الاصل نہیں کہا جا سکتا۔ خاص کر ایسی حالت میں جبکہ وہ احادیث سے ثابت ہو جیسا کہ تفسیر درمنثور میں مروی ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کے مزاروں پر سال کی پہلی تاریخ کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس حدیث کو شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی کے صفحہ ۴۵ میں ذکر فرمایا۔ اب رہا یہ عذر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر تشریف لے جاتے رہے ہوں گے تو دو ایک خادم ہمراہ ہوتے ہوں گے اجتماع کثیر کہاں سے ثابت! نہایت ہی رکیک اور بہت ہی کمزور بات ہے کیونکہ اول تو یہ قیاس کہ حضور سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس موقع پر صرف دو ایک صاحب ہی رہے ہوں گے،

بے اصل بے دلیل ہے اس کے لئے کوئی نقل درکار ہے۔ علاوہ ازیں فرض کیجئے دو ایک خادم بھی ہمراہ نہ ہوتے ہوں تو بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخ معین پر تشریف لے جانا مسلمانوں کے لئے اس عمل کو سنت نہ کرے گا۔ اور جب باتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ معین پر اہل اللہ کے مزارات پر جانا سنت ثابت ہوا تو کونسا امتی ہے جس کو کوئی شخص بھی اس سنت کی ادا سے روک سکے تو اگر کسی مزار پر اتباع سنت کی نیت سے بکثرت جانے والے جائیں تو ان میں ہر ایک سنت کا عامل ہوگا اور ان کے بیک وقت مجتمع ہونے سے وہ سنت اٹھ نہ جائے گی۔ اس لئے اس اجتماع کو عدم جواز کی دلیل بنانا غلط و باطل ہے۔ اور اس میں اپنی رائے سے سنت کی تقلید لازم آتی ہے حقیقت عرس اسی قدر ہے جو بحمد اللہ احادیث سے ثابت ہے۔ جب بقصد زیارت و اتباع سنت بکثرت مسلمان کسی مزار پر پہنچے اور وہاں اجتماع مومنین حاصل ہوگیا تو اب وعظ و ذکر، تلاوت قرآن صدقہ، بہترین مشاغل ہیں سے ہیں یہی کام عرس میں ہوتے ہیں علماء صلحاء اولیاء اہل اللہ ہر طبقہ کے لوگ اس ادائے سنت کے لئے آتے ہیں ان حضرات کی زیارتیں ان کی ملاقات ان کا فیض صحبت یہ ایک اور نعمت ہے جس سے مومن دینوی واخروی منافع حاصل کرتا ہے جب اس مبارک مقصد کی بدولت اجتماع ہو تو اس کے فرش وغیرہ کا انتظام زائرین کی سہولت کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہوا کہ بندگان خدا کے آرام کے لئے راستہ سے کانٹا وغیرہ کسی ایذا دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی ثواب اور ایمان کی نشانی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الایمان بضع وسبعون شعبۃ افضلھا لا الہ الا اللہ

وادناھا اماطة الاذی عن الطریق۔ جب راہگذر سے کانٹا پتھر ٹھوکر لگنے والی چیز ہٹانا بھی ثواب اور ایمان کی نشانی ہے اس لیئے کہ اس سے بندگان خدا کو ایک طرح کا آرام پہنچتا ہے تو ادائے سنت کے لیئے سفر کرنے والوں کے واسطے روشنی فرش لنگر یعنی کھانے کا انتظام کرنا بطریق اولیٰ موجب برکت و ثواب ہوگا اب ثابت ہوگیا کہ عرس شرع سے ثابت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس کی مخالفت میں تشدد نہ کرنا چاہیئے کہ اس سے مخالفت سنت لازم آئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

محمد سید نعیم الدین عفا عنہ المعین

۱۷ ربیع الآخر سنہ ۱۳۵۴ھ

مراد آباد الہند

مستورات اور پردہ

مسلم خواتین کی عزت وحرمت اوران کا پردہ صدہا سال سے دنیا میں ضرب المثل ہے لیکن اس زمانہ میں مغربی تعلیم والے مسلمانوں کو نصرانیت کی طرف کھینچ رہے ہیں اور وہ حکمراں قوم کے معائب کو بھی ہنر سمجھ کر فخریہ تقلید کرتے ہیں، اوران کا بیجا اصرار اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ اپنے طریق عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے حکم شرع کا بھی انکار کردیتے ہیں جو اصحاب بے پردگی کے حامی ہیں وہ پردہ کے خلاف تقریریں کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں کہ پردہ خود شریعت کے خلاف اس لئے ہم حضرت صدرالافاضل قدس سرہٗ کے محققانہ فتوے کو جس سے پردہ کا شرعی ثبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں ہے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے کہ اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کے حکم بسروچشم قبول فرمائیں۔ آمین۔

استفتاء

غیر محرم عورت کو بے پردہ مرید کرنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے جائز ہے کسی طرح کا حرج نہیں پردہ سے بے ایمان لوگ مرید کیا کرتے ہیں۔ اور بکر کہتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رضی اللہ عنہ نے فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح حصہ دوم صفحہ ۱۲ پر تحریر

کیا ہے کہ مریدہ کو پیر کے سامنے بے پردہ آنا جائز ہے۔ لہٰذا ناجائز ہے تو زید کا کہنا صحیح ہے یا بکر کا۔؟

الجواب بعون الوهاب

اجنبیہ عورت کے لئے شریعت طاہرہ نے غیر محرم اجنبی مردوں سے پردہ کا حکم دیا۔ قرآن پاک میں سورہ احزاب پارہ ۲۲ میں فرمایا یا یھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم۔ اے ایمان والو! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکانوں میں نہ داخل ہو جب تک اذن نہ پاؤ۔ اور اس سے بڑھ کر ایک دوسری آیت مبارکہ میں تصریح یوں فرمائی ہے کہ واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب۔ (سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲) اور جب تم ان سے متاع مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگو۔ **تفسیرات احمدیہ** میں اسی آیت کے تحت علامہ احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ھذہ الآیۃ ھی الایۃ التی یفھم منھا ان یحتجب النساء من الرجال یعنی یہی وہ آیت مبارکہ ہے جس سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ اجنبیہ عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں اس آیت کا نزول اگرچہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی ازواج کے حق میں ہے لیکن حکم عام ہے جو تمام مومنہ عورتوں کو شامل ہے۔ تفسیر احمدی میں ہے لان موردھا ان کان خاصا فی حق ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن الحکم عام لکل من المومنات فیفھم منھا ان یحتجب جمیع النساء من الرجال ولا یبدین انفسھن علیھم یعنی اس آیت کا مورد اگرچہ خاص ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حق میں ہے لیکن یہ حکم ہر مومنہ عورت کے لئے عام ہے اس آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ تمام عورتیں اجنبی

مردوں سے پردہ کریں اور اپنے نفس کو ان پر ظاہر نہ کریں۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔
یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا مطلب
یہ ہے کہ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ اجازت
لو اور سلام کرو ان کے گھر والوں پر۔ تستانسوا کے معنی تستاذنوا کے ہیں، اور حضرت
ابی کے قرأت میں تستاذنوا ہی آیا ہے۔ صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قلنا یا رسول اللہ ما الاستیناس قال یتکلم الرجل بالتسبیحۃ
والتکبیر والتحمید او یتنحنح لیوذن اھل البیت۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ!
استیناس سے کیا مراد ہے فرمایا آدمی سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا الحمد للہ پڑھے۔
یا کھکارے (گلے سے آواز کرے) تاکہ گھر والے اجازت دیں۔ دوسری حدیث میں ہے
التسلیم ان یقول السلام علیکم ادخل، ثلث مرات فاذا اذن لہ دخل والا
رجع۔ یعنی تسلیم سے مراد یہ ہے کہ آدمی یہ کہے السلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں، تین
مرتبہ تک اگر اجازت مل جائے تو جائے ورنہ واپس ہو جائے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و
یحفظوا فروجھم ط ذلک ازکی لھم ط ان اللہ خبیر بما یصنعون ہ وقل للمؤمنٰت
یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا
ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰباءھن
او اٰباء بعولتھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا
علی عورٰت النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ

جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون ۔ (سورۃ النور ۱۸پ) مطلب یہ ہے کہ اے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ایمان لانے والوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں پست کریں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے پاکیزہ ہے، بیشک اللہ خبردار ہے اس کا جو وہ کرتے ہیں اور مومنہ عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں چھپائیں اور اپنی شرمگاہوں کی نگہبانی کریں اور اپنی زینت مواضع یعنی ان اعضاء کو جن پر وہ سنگھار استعمال کرتی ہیں ظاہر نہ کریں مگر جو خود ہی ظاہر ہے، اور چاہیئے کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں یا اپنے شوہروں کے باپوں یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورتوں یا اپنی کنیزوں یا اپنے نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں، یا وہ بچہ جس کی عورت کی شرمگاہ کی چیزوں پر نگاہ نہیں ہے اور عورتیں اپنے پاؤں نہ ماریں جس سے ان کی چھپی ہوئی زینت جانی جائے۔ اور اے ایمان والو تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں چند باتوں کا حکم ہے۔ مردوں کا عورتوں کی طرف اور عورتوں کا مردوں کی طرف نظر نہ کرنا۔ اندام خاص یعنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا عورتوں کا اپنے سنگھار کے مواقع یعنی ان اعضاء کا ظاہر کرنا جن پر وہ سنگھار استعمال کرتی ہیں اس حکم سے شوہروں اور باپوں، شوہروں کے باپوں، بیٹوں شوہروں کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں بھانجوں مسلمہ عورتوں مملوکوں، بے خواہش مردوں، بچوں کا مستثنیٰ ہونا پاؤں کا زمین پر اس طرح رکھنا کہ جس سے زیور کی آواز نہ سنائی پڑے۔

پردہ کی انتہا ہے کہ مردوں کو عورتوں کے، اور عورتوں کو مردوں کے دیکھنے کی ممانعت ہے، اور شریعت طاہرہ کو پردہ میں یہاں تک مبالغہ مقصود ہے کہ ان کے زیور کی آواز بھی غیر مرد نہ سننے پائے۔ البتہ مُظہر کے استشہاد سے بعض روایات پر نظر کرکے ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ اور قدم چھپانا ضروری نہیں ہے جب کہ نظر بد سے امن ہو چنانچہ تفسیر احمدی میں ہے والی الحرۃ الاجنبیۃ مطلقا ان لم یامن من الشھوۃ وما سوی الوجہ والکف والقدم ان امن منھا یعنی حرہ اجنبیہ کی طرف نظر مطلقاً حرام ہے بشرطیکہ شہوت سے امن نہ ہو۔ اور اگر امن ہو تو چہرہ اور گٹوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں کے سوا باقی ہر حصۂ بدن کی طرف نظر کرنا حرام ہے۔

آج کون کہہ سکتا ہے کہ عورتیں چہرہ کھولے پھریں اور نگاہ بد سے امن ہو کہ کوئی بُری نظر سے انہیں دیکھے ہی نہیں جب یہ بات نہیں ہے تو ہاتھ پاؤں اور قدم کا کھولنا اور اس کی طرف نظر کرنا بھی جائز نہیں یہ حکم تو اس قول پر تھا کہ لایبدین زینتھن کو مسئلہ نظر میں وارد پایا جائے۔ لیکن علامہ بیضاوی کی تحقیق اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں الاظھر ان ھذا فی الصلوۃ لا فی النظر فان کل بدن الحرۃ عورۃ ولا یحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شئ منھا الا ضرورۃ کالمعالجۃ وتحمل الشھادۃ۔ یعنی اظہر یہ ہے کہ یہ حکم نماز میں ہے کہ عورت اپنا تمام بدن سوائے گٹوں تک ہاتھوں اور قدموں کے چھپائے یہ نظر کا حکم نہیں اس لئے کہ تمام بدن حرّہ کا عورت اور قابل پردہ ہے، اور شوہر اور محرموں کے سوا کسی کو اس کے بدن کے کسی حصہ کی طرف نظر کرنا جائز نہیں مگر بضرورت مثل معالجہ اور تحمل شہادت کے کہ جب شاہد کو ضرورت ہو تو وہ موضع شہادت کو دیکھ

سکتا ہے اس تحقیق کی بنا، شہوت اور نظر بد سے امن ہونے کی صورت میں بھی تمام بدن کا مع چہرہ اور ہاتھوں اور پاؤں کے چھپانا اور پردہ کرنا لازم ہے اور کسی حصہ کی طرف نظر کرنا بھی جائز نہیں۔

احادیث سے بے پردہ کی ممانعت

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیہ اللہ تعالیٰ غیر کی عورت کو دیکھنے والے پر اور جس کو دیکھا گیا ہے اس پر لعنت کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجنبیہ عورت کو دیکھنا اجنبی مرد کے لئے ناجائز اور سبب لعنت ہے اسی طرح جو عورتیں بے پردہ رہیں اور ایسا موقعہ دیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کی نگاہیں ان پر پڑیں حضور نے ان پر لعنت فرمائی، ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفہا الشیطٰن عورت مستور اور قابل پردہ ہے اور اس کا حق بھی ہے کہ وہ چھپے، جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نظر اٹھاتا ہے اس حدیث میں پردہ کا بیان اور بے پردگی کی مضرت کا اظہار ہے کہ بے پردگی کی حالت میں شیطان اس کی طرف نظر اٹھاتا ہے اور اس کو اغوا کرنے اور اس کے ذریعہ سے دوسروں کو گمراہ کرنے کا موقع پاتا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باہر نکلنے والی عورت کی طرف جو لوگ نظریں ڈالتے

ہیں ان کو شیطان فرمایا گیا ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت شیبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یارسول اللہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تم اپنے آپ کو عورتوں پر داخل ہونے سے بچاؤ۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ دیور جیٹھ وغیرہ یعنی ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے جو عورت کے شوہر کے رشتہ دار ہوں؟ حمو عربی زبان میں شوہر کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں سوائے اس کے آباء و ابناء کے حضور نے فرمایا حمو موت ہے۔ یعنی اس سے پردہ اور پرہیز بہت زیادہ ضروری ہے۔ حضور نے مخنثوں تک کو مکان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ بخاری و مسلم میں بروایت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ہے کہ حضور نے فرمایا لا یدخلن ھٰؤلاء علیکم یہ لوگ ہرگز تم پر داخل نہ ہوں۔

ترمذی و ابوداؤد میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں کہ ابن ام مکتوم صحابی رضی اللہ عنہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ نابینا تھے۔ باوجود اس کے حضور نے ان دونوں پاک بیبیوں کو حکم فرمایا کہ وہ پردہ کریں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نابینا ہیں ہمیں دیکھ نہیں سکتے حضور نے فرمایا افعمیان انتما لا تبصرانہ کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔؟ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نابینا شخص سے بھی پردہ ضروری ہے، اور عورت بھی غیر مرد کو نہ دیکھے۔[لہ]

لہ ترمذی شریف جلد دوم۔ صہ۱۰۱

شریعت طاہرہ میں پردہ کا کس قدر انتظام ہے۔ ابوداؤد میں حضرت عبداللہ ابن بشر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا اتی باب قوم لم یستقبل الباب من تلقاء وجھہ ولکن من رکنہ الایمن اوالایسر (الحدیث) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے دروازہ پر تشریف فرما ہوتے تو دروازہ کے سامنے رخ کر کے قیام نہ فرماتے داہنے یا بائیں بازو پر قیام فرما کر السلام علیکم فرماتے۔ حضور کو خود یہ احتیاط ہے کہ کسی کے دروازہ پر تشریف بھی لے جائیں تو دروازہ سے ہٹ کر قیام فرمائیں کہ کہیں سامنے کھڑے ہونے سے نظر گھر والوں پر نہ پڑ جائے جبکہ سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انور سراپا شفقت ورحمت وکرم ہے نیز آپ اس امت کے لئے مثل والد کے ہیں بلکہ ہر ایک رسول کو اپنی امت سے ایسی ہی نسبت ہوتی ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ثم انہ قد ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم کالاب بالنسبۃ الی امتہ لیکن اس کے باوجود حیا کا بادشاہ اپنی نظر پاک کو اپنی کنیزوں پر واقع ہونے سے بچا رہا ہے جس سے امت کو حیا اور پردہ کی تعلیم ہے اور عقلاً بھی حفظ ناموس وآبرو وحیا وحمیت کے لئے پردہ نہایت ضروری ہے۔ کما لا یخفی علی من لہ بصیرۃ وبصارۃ فی الفقۃ والفقاھۃ۔

درمختار میں ہے وتمنع المرأۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین الرجال لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ۔ جوان عورت کو مردوں کے بیچ میں چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا اس لئے نہیں کہ چہرہ عورت ہے بلکہ فتنہ کے خوف سے۔ کہ چہرہ باعث فتنہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے والمعنی تمنع من الکشف لخوف ان یری الرجال وجهها فتقع الفتنة لانه مع الکشف قد یقع النظر الیها بشهوة. مطلب یہ ہے کہ عورت کو چہرہ کھولنے سے بایں اندیشہ منع کیا گیا ہے کہ مرد اس کا چہرہ دیکھیں گے تو فتنہ واقع ہوگا کیونکہ چہرہ کھلا ہونے کی حالت میں کبھی اس کی طرف شہوت سے نظر پڑتی ہے، ان لوگوں کی عورتوں پر افسوس جو نصاریٰ کی تقلید میں اپنی عورتوں کو بے پردہ لئے پھرتے ہیں اور مجموں میں ہر قسم کے لوگ ان کو دیکھتے ہیں اور بد نگاہیں ان پر پڑتی ہیں وہ مردوں سے ہاتھ ملاتی ہیں اور یہ شرع میں جوان عورتوں کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے. خواہ شہوت سے امن بھی ہو. جدید تعلیم یافتہ عورتیں مردوں سے بے تکلف کلام کرتی ہیں بلند آواز سے بولتی ہیں. مجموں میں تقریر کرتی ہیں شعر گاتی ہیں انہیں خبر نہیں کہ عورتوں کو مردوں سے بلند آواز کے ساتھ کلام کرنا جائز نہیں. شریعت میں عورت کی آواز یہاں تک محفوظ رکھی گئی کہ اذان دینا بھی جائز نہیں. اگر امام سے سہو ہو جائے تو عورت کو سبحان اللہ کہنے کی بھی اجازت نہیں اسے چاہیئے کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مار کر آواز کرے تاکہ امام اپنے سہو پر متنبہ اور آگاہ ہو. ردالمحتار میں نوازل سے منقول ہے نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة احب. اسی میں امام ابوالعباس قرطبی سے منقول ہے ولا یجوز لهن رفع اصواتهن تمطیطها وتلیینها وتقطیعها لما فی ذالک من استمالة الرجال الیهن وتحریک الشهوات منهم ومن هذا لم یجز ان توذن المرأة. درمختار میں شرنبلالیہ سے نقل کیا ہے ولا یکلم الاجنبیة الا عجوزا عطست او سلمت فیشمتها ویرد السلام الیها والا لا یعنی غیر عورت سے کلام نہ کرے سوائے بوڑھی

عورت کے جس کو چھینک آئے یا وہ سلام کہے تو اس کو یرحمک اللہ کہہ دے یا سلام کا جواب دیدے۔ اور اگر بوڑھی نہ ہو تو یہ بھی نہیں۔ رد المختار میں ہے وان لم تکن عجوزا بل شابۃ لا یشمتھا ولا یرد السلام بلسانہ یعنی اگر عورت بوڑھی نہ ہو جوان ہو تو اس کی چھینک پر تشمیت بھی نہ کرے اور زبان سے اس کے سلام کا جواب بھی نہ دے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے ان کانت عجوزا رد الرجل سلاما بلسانہ بصوت تسمع وان کانت شابۃ رد علیھا فی نفسہ عورت بوڑھی ہو تو مرد اس کے سلام کا زبان سے ایسی آواز کے ساتھ جواب دے جسکو وہ سن لے۔ اور اگر وہ جوان ہو اور سلام کرے تو اس کے سلام کا اپنے دل میں جواب دے۔ در مختار میں ہے فان خافت الشھوۃ او شک امتنع نظرہ الیٰ وجھھا فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ (قہستانی وغیرہ) الا النظر والمس لحاجۃ اگر غیر عورت کے دیکھنے میں شہوت کا اندیشہ ہو یا شک ہو تو اس کے چہرہ کی طرف دیکھنا ممنوع ہے پس نظر کی حلت عدم شہوت کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ یہ نہ ہو تو غیر عورت کے چہرہ کی طرف نظر کرنا حرام۔ یہ حکم تو زمانہ سلف کا ہے (جو زمانہ تقویٰ اور پاکبازی کا تھا اور نفوس ذکی تھے) لیکن ہمارے زمانہ میں جوان عورت کو منع کیا جائے۔ مگر بشرط ضرورت اس کے چہرہ کی طرف نظر جائز ہوگی۔ عدم شہوت سے مراد یہ ہے کہ شہوت نہ ہونے کا یقین ہو چنانچہ علامہ شامی نے قہستانی سے نقل کیا وشرط لحل النظر الیھا والیہ الامن طریق الیقین من الشھوۃ۔ یعنی غیر مرد کو عورت کی طرف، اور عورت کو مرد کی طرف دیکھنے کی حلت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ شہوت سے امن کا یقین ہو اور شک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ شہوت کا ہونا اور نہ ہونا کوئی یقینی نہ ہو،

چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں معناہ استواء الامرین رد المحتار میں ہے قال فی التاتارخانیۃ وفی شرح الکرخی النظر الی وجہ الاجنبیۃ الحرۃ لیس بحرام ولکنہ یکرہ بغیر حاجۃ اہ وظاھرہ الکراھۃ ولو بلا شھوۃ۔ یعنی تاتارخانیہ اور شرح کرخی نے کہا ہے کہ غیر عورت کے چہرہ کی طرف نظر کرنا حرام نہیں لیکن بے ضرورت مکروہ ہے ظاہر مطلب یہ ہے کہ غیر عورت کے چہرہ کو بے شہوت دیکھنا بھی مکروہ ہے یعنی اگر شہوت نہ ہونے کا یقین ہو جب بھی بے ضرورت دیکھنا جائز نہیں اور شہوت سے دیکھنا تو حرام ہے درمختار میں ہے ولا نحوہ اور شامی میں ہے ان کان عن شھوۃ حرم یہ حکم کہ غیر عورت کو چہرہ کو بے ضرورت دیکھنا حرام نہیں مکروہ ہے۔ اس کی نسبت صاحب درمختار نے فرمایا کہ یہ حکم سلف صالحین کے زمانہ کا ہے جن کی نگاہیں پاک اور دل صحبت رسالت سے صاف تھا اور وہ دَور تقویٰ اور دینداری کا تھا اور ہمارے زمانہ میں جوان عورتوں کو بے ضرورت شرعیہ دیکھنا بغیر شہوت کے بھی حلال نہیں۔ اب مسئلہ بعون اللہ تعالیٰ واضح ہو چکا تو اب سمجھنا چاہیے کہ پیر کوئی بھی ہو اگر عورت کا محرم نہیں ہے اجنبی اور غیر شخص ہے، تو اس سے بھی از روئے شرع پردہ لازم ہے اور اگر وہ پردہ نہیں کرتا تو گنہگار ہے۔ اور اجنبیہ عورتوں کا اس کے سامنے آنا جائز نہیں البتہ اگر پیر صلاح و تقویٰ اور شیخ فانی ہو کر جوانی کی امنگیں مر چکی ہیں اور قوائے شہوانیہ میں حرکت باقی نہ رہی ہو تو عورتیں اس کے سامنے اعضاء کو چھپا کر محرم کی طرح سے آسکتی ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ارشاد ہوا غیر اولی الاربۃ من الرجال اور رد المحتار میں ہے لھا ان تصافح الشیوخ فی شفاء من الکرھینی العجوز شھوتھا الشیخ الذی لا یجامع مثلہ بمنزلۃ المحارم۔

زید کا قول کہ "پردہ سے بے ایمان لوگ مرید کیا کرتے ہیں" خلاف شرع نہایت فحیح اور سخت شنیع ہے نیز اس سے اصحاب زہد وتقوی پر بے ایمانی کا الزام لگتا ہے۔ اور بے ایمان کافر ہوتا ہے اس لئے واجب ہے کہ زید اپنے اس قول جو بدتر از بول ہے سے توبہ کرے۔ ہر ایک پیر وجوان ہو خواہ صالح متقی ہو اس کو بھی اپنی مریدہ سے پردہ لازم وضروری ہے پیری کچھ شرع کے احکام سے مستثنیٰ نہیں کردیتی، البتہ وہ بوڑھا جس میں شہوانی جذبات نہ رہے اور نفسانی امنگوں سے خالی ہوگیا اگر وہ صالح ہو تو عورتیں اس طرح اس کے سامنے آسکتی ہیں جس طرح اپنے محرم کے سامنے۔ خواہ پیر ہو یا نہ ہو۔

پردہ کا مسئلہ بعون اللہ تعالیٰ نہایت وضاحت کے ساتھ مدلل طریقہ پر عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بندوں کے لئے ذریعہ ہدایت فرمائے اور ہم سب کو اپنی راہ رضا پر چلائے۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین محمد رحمۃ للعالمین وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین اجمعین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

استفتـــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ نیچریوں کا دعویٰ ہے کہ پردہ قرآن کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ منہ چھپانے کا حکم کہیں قرآن میں نہیں ہے آیۃ کریمہ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم۔ الآیہ وقل للمومنٰت یغضضن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ کھلا رکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ جب تک چہرہ نہیں کھلا رہے گا نیچی نظریں رکھنے کا حکم فضول۔ اور آیہ کریمہ ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین کے متعلق کہتا ہے اس سے بھی ہمارا مطلب ثابت ہوتا ہے جب تک چہرہ عورتوں کا کھلا نہیں رہے گا پہچاننا غیر ممکن ہے۔ لہٰذا چہرہ چھپانا خلاف آیات قرآنی ہے۔" جواب صرف قرآن کی روشنی میں دیا جائے۔ بینوا توجروا۔ محمد حسین الدین ریل بازار کانپور

الجواب بعون الملک الوھاب

نیچریوں کا یہ دعویٰ کہ پردہ قرآن کریم کے خلاف ہے اور اس کی یہ دلیل کہ منہ چھپانے کا حکم کہیں قرآن میں نہیں نہایت ہی عجیب ہے اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ قرآن کریم میں منہ چھپانے کا حکم نہیں ہے تو پردہ کا خلاف قرآن ہونا کیسے لازم آئے گا اس کی مثال یوں سمجھے جیسے کسی نے کہا کہ نمازوں میں رکعتوں کی تعداد اور صلاتی افعال کی ترتیب قرآن کے خلاف ہے کیوں کہ اس کا حکم قرآن میں نہیں تو جیسا یہ قول باطل ہو گا ایسے ہی یہ استدلال بھی باطل ہو گا۔ پردہ قرآن کے خلاف تو جب

کہا جا سکتا تھا کہ قرآن پاک میں کہیں یہ حکم ہوتا کہ عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے پردہ رہیں جب یہ نہیں تو پردہ کا حکم قرآن پاک کے خلاف کس طرح ہوا. پھر یہ آیۂ کریمہ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم اور قل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن ان دونوں آیتوں کو نیچری نے کس طمع میں پیش کیا ہے؟ ان آیات کے نفس ترجمہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو عورتوں کے دیکھنے سے اور عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے منع فرمایا گیا اس سے پردہ کی تاکید ہوتی ہے اور نہ دیکھنا پردہ کی حالت میں کامل طور پر حاصل ہوتا ہے. تو اس آیت میں پردہ کی تائید ہے یا مخالفت اس کو بے پردگی کی سند بنانا عقل پر پردہ پڑے ہونے کی دلیل ہے. نیچری صاحب کی یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسے کوئی بے دین کہے کہ ناحق کسی کا مال لے لینے کی ممانعت قرآن شریف کے خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف میں فرمایا ہے "لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مال ناحق لینا چاہیے اس لیے کہ جب تک مال نہ لیا جائے کھانے کی ممانعت فضول. ایسے ہی دوسرا بے دین کہے کہ سود لینے کی ممانعت قرآن شریف کے خلاف ہے کیونکہ قرآن شریف میں فرمایا ہے لا تاکلوا الربٰوا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سود لینا چاہیے اس لیے کہ جب تک سود لیا نہیں جائیگا سود کھانے کی ممانعت فضول ہے. جیسے ان بے دینوں کا شیطانی قیاس باطل ہے ایسا ہی نیچری کا یہ قول باطل ہے کہ آیۂ کریمہ قل للمومنات یغضضن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ کھلا رہنا چاہیے اس لیے کہ جب تک چہرہ نہیں کھلا رہے گا نیچی نظر رکھنے کا حکم فضول ہے.

اس نادان نے یہ نہ سوچا کہ چہرہ کھلا رکھنے کے جواز پر آیت میں کونسی دلالت

ہے۔ چہرہ کھلا رکھنا ناجائز ہو تو ضروری ہے کہ دنیا میں کوئی فاسق اس کا خلاف نہ کرے اگر باوجود ناجائز ہونے کے کوئی چہرہ کھلا رکھے اور نیچری عورتوں کی طرح آزاد پھرے وہ سامنے آئے تو اس کو نہ دیکھے اور نظر نیچی کر لینے کا حکم دینا اس کی بے پردگی کے جواز کی دلیل کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس سے تو پردہ کی اور تائید ہوتی ہے اور اگر کوئی بے پردہ پھرنے والا بھی تمہارے سامنے آجائے۔ یا اتفاقیہ کسی اجنبی کا سامنا ہو جائے تو بھی تم پردہ کے اہتمام میں کمی نہ کرو، اور اپنی آنکھیں نیچی کر لو۔ بے پردگی کی اجازت منظور ہوتی تو نگاہیں نیچی کرنے اور نہ دیکھنے کا حکم کیا معنی رکھتا ہے۔ علاوہ بریں آیت میں یہ کہاں ہے کہ اجانب کے سامنے ایسا کرنے کا حکم ہے؟ جائز ہے کہ یہ حکم گھر کے اندر کا ہو۔ اور حیا کی تعلیم دی گئی ہو کہ محارم کے سامنے بھی نگاہیں نیچی رکھیں۔ یہ کلام تو محض آیت کے الفاظ اور اس کے ظاہر ترجمہ پر نظر کر کے تھا کیونکہ سائل صاحب جواب صرف قرآن شریف سے مانگتے ہیں۔ یہ اصرار بھی ان کا باطل ہے۔ جب قرآن پاک واجب الاتباع ہے۔ تو حدیث رسول اور تمام دلائل شرعیہ بھی لازم القبول ہیں۔ بلکہ قرآن کریم کی فہم حدیث شریف سے حاصل ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کلامی تفسیر کلام اللہ یعنی میرا کلام قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ اب ذرا اس آیت کی تفسیر بھی دیکھ لیجئے۔ تفسیر احمدی میں فرمایا الاظہر ان ھذا فی الصلوۃ لا فی النظر فان کل بدن الحرۃ عورۃ لا یحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شیئ منھا الا بضرورۃ کالمعالجۃ و تحمل الشھادۃ یعنی ظاہر تر یہ ہے کہ آیت میں حکم نماز کا ہے نہ کہ نظر کا۔ کیونکہ حرۃ کا تمام بدن عورت ہے شوہر اور محرم کے سوا کسی کو اس کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا جائز نہیں۔ الا لضرورۃ

معالجۃ و شہادۃ۔ نیچری صاحب اس آیت کو تو پڑھ گئے اور اس سے پہلی آیت کو چھوڑ گئے جس میں صاف ارشاد تھا یا ایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا۔ جس میں غیروں کے گھروں میں جانے کی ممانعت تھی اس سے آپ نے نہ سوچا کہ نیچری عورتوں کی طرح کھلا پھرنا جائز ہوتا تو مردوں کو دوسرے گھروں میں داخل ہونے کی ممانعت کیوں فرمائی جاتی۔ اسیران شہوت اپنی خواہشات کے لئے طرح طرح کے حیلہ جوئی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔

اسی طرح نیچری صاحب نے ذالک ادنی ان یعرفن فلا یوذین لکھ کر دھوکہ دینا چاہا بڑی بدنصیبی کہ انسان قرآن جیسی سراسر ہدایت کتاب کی آیات کو بھی دھوکہ دینے کے لئے پیش کرے اور دھوکہ دینے ہی کی ضرورت سے آدھی آیت لکھی اور آدھی چھوڑ دی۔ اوپر کی آدھی آیت یہ تھی۔ یا ایھا النبی قل لازواجک و بناتک و نساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔ ذالک ادنی ان یعرفن فلا یوذین۔ یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے اپنی بیبیوں سے اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی بیبیوں سے کہ برقعے اوڑھے رہیں یہ قریب ہے اس کے کہ پہچانی جائیں پس نہ ستائی جائیں یعنی برقع پوشی حرہ بی بیوں کی پہچاننے کے لئے علامت ہوگی۔ ایسا ہی تمام تفاسیر میں ہے آیت کا نظم صاف اس مدلول پر دلالت کرتا ہے۔ اگر وہ مطلب لیا جائے جو نیچری کہتا ہے اور پہچاننا چہرہ دیکھ کر مقصود ہو تو پہلی آیت جو اس نے نقل کی ہے اس میں غض بصر یعنی نگاہیں نیچی کرنے کا حکم کس لئے ہوگا۔ اور دوسری آیات وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی۔ وغیرہ کی مخالفت لازم آئے گی۔ بلکہ آیت کا یہ حصہ خود اپنے

صدر کے خلاف ہوگا۔ اور کلام الٰہی تو بہت بلند و بالا ہے ایسا تو کسی عاقل کا کلام بھی نہیں ہو سکتا۔ اس نیچری کا مطلب جب ثابت ہوتا کہ اس سے پہلے یکشفن وجوھھن ہوتا تو ذالک مشار الیہ کشف کو بنایا جا سکتا تھا۔ اب جب کہ یدنین علیھن من جلابیبھن ہے تو ذالک سے مراد وہ ہو سکتا ہے نہ کہ بے پردگی۔ اللہ تعالیٰ عقل دے اور ہدایت فرمائے۔ آمین

کتبہ عبداللہ المتین محمد نعیم الدین غفرلہ

۱۴ ارشوال المکرم سنہ ۱۳۴۹ھ

مسئلہ وما اھل بہ الخ... اور عبارت درمختار کا مطلب

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین وما اھل بہ لغیر اللہ کے بارے میں تو جملہ مفسرین کا اجماع عند الذبح کی قید پر ہے۔ لیکن درمختار میں مذبوح لقدوم الامیر کی حرمت کا فتوی دیا گیا ہے گو اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ بحوالہ کتب فقہ اکبر مفصل تشریح فرمادیں امید ہے کہ آپ تھوڑا سا قیمتی وقت صرف فرما کر مختصر طور پر مگر جامع ومانع بحوالہ کتب جواب تحریر فرماویں گے آپ کی عنایت ہوگی۔ میں معترض نہیں بلکہ لیطمئن قلبی کا خواہاں ہوں۔

المستفتی
مبارک حسین کراچی ۱۳۶۶ھ

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن کریم میں ذبح کے متعلق دو حکم ہیں۔ ایک تو یہ کہ وقت ذبح خدا کا نام لیا گیا ہو ورنہ ذبیحہ حرام قال اللہ تعالیٰ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ۔ دوسرا یہ کہ غیر کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ ما اھل بہ لغیر اللہ سے ظاہر ہے۔ یہ دونوں حکم وقتِ ذبح کے ہیں یعنی

ذبح یا اس کا قائم مقام مثل ارسال ورنہ ذبح غیر اختیاری جب ہی جائز ہو سکتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ یہ بات بحث طلب نہیں ہے کہ تسمیہ عند الذبح یا عند الارسال معتبر ہے آیت صاف طور پر اس مدعا کو ثابت کر رہی ہے۔ اور تمام امت کا اس بات پر اتفاق بھی ہے۔ اسی در مختار میں ہے۔ وتشترط التسمية من الذابح حال الذبح او الرمى لصيد او الارسال۔ اور ظاہر ہے کہ تسمیہ قبل یا بعد مفید حلت نہیں۔ در مختار ہی میں ہے ولو سمى الذابح ثم اشتغل باكل او شرب ثم ذبح ان طال وقطع الفور حرام والا لا۔ اب خوب ظاہر و روشن ہو گیا کہ تسمیہ عند الذبح معتبر ہے۔ در مختار ہی میں ہے والمعتبر الذبح عقيب التسمية قبل تبديل المجلس۔

اتنا پیش نظر رکھ کر ہر عاقل اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ذبح بنام خدا ہونا ضروری ہے تو جہاں ذبح اختیاری ہو وہاں عین وقت ذبح تسمیہ ضروری ہے اور جہاں غیر اختیاری ہو وہاں جو اس کا قائم مقام ہو مثل ارسال ورمی وغیرہ اس پر ضروری اور ایک گھنٹہ قبل تسمیہ وتکبیر کا وظیفہ پڑھتا رہا تھا مگر وقت ذبح خدا کا نام نہ لیا تو یہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ ذبح میں تسمیہ یعنی بنام خدا ذبح کرنا اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ اس کے نام پاک کے ساتھ اور کسی کا نام شامل نہ کیا جائے ورنہ ذبح خاص اس کے نام پر نہ ہوگا مسئلہ کے اس پہلو کو آیت کریمہ تیں وما اهل به لغير الله کی عبارت سے بیان فرمایا۔ تو مسئلہ پر نظر رکھنے والا ان دونوں آیتوں کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس یقین پر پہنچتا ہے کہ جس طرح تسمیہ عند الذبح ضروری ہے اسی طرح غیر کے نام سے مجرد ہونا بھی عند الذبح لازم ہے۔ اسی وجہ سے عامہ مفسرین عند الذبح کی قید لگاتے ہیں۔ اور یہ بالکل حق ہے۔ فقہاء کے کلام میں اس کی مخالفت کہیں نہیں پائی جاتی۔ اب یہ

بات ناقابلِ لحاظ ہے کہ ذکر الٰہی کے ساتھ ذکر غیر کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ غیر کا نام خدا کے نام کے ساتھ صورۃً معنیً دو طرح موصول ہو۔ دوسرے یہ کہ فقط صورۃً موصول نہ معنیً تیسری یہ کہ معنیً موصول ہوں۔ اس میں سب سے اخف شکل وصل صوری کی ہے کہ اس میں حقیقۃً وصل نہیں پھر بھی اس میں فقہائے کرام نے بہت کلام فرمایا ہے باقی دونوں صورتوں میں وصل ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ایک میں صریح ہے۔ دوسرے میں غیر صریح۔ مگر ذکر الٰہی کی تجرید کامل بھی دونوں میں حاصل نہیں تو یہ دونوں صورتیں مااھل لغیر اللہ میں داخل ہیں۔ درمختار میں ہے۔ وان عطف حرمہ نحو باسم اللہ واسم فلاں اوفلاں لانہ اھل بہ لغیر اللہ۔ ردالمحتار میں ہے لان اھلال اللہ تعالٰی لایکون الا بذکر اسمہ مجردا لاشریک لہ۔

اب معلوم ہو گیا کہ اہلال للہ یہ ہے کہ وقت ذبح صرف اللہ کا نام لیا جائے اور ذکر الٰہی مجرد ہے اور جہاں یہ بات نہ ہو بلکہ ذکر غیر بھی ملایا گیا ہو تو وہ اہلال لغیر اللہ ہے خواہ صورۃً ومعنیً دونوں طرح ہے ہو جیسا کہ درمختار کی عبارت سے ابھی ظاہر ہوا خواہ فقط معنیً ہو صورۃً نہ ہو۔ اس کی مثال درمختار کا مسئلہ ذبح لقدوم الامیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس حالت میں نہ گوشت کا خود کھانا منظور ہو امیر نہ اس کے خدام کو کھلا، نہ اس مذبوح سے کسی اور طرح کا انتفاع۔ بلکہ اراقت دم کا مقصد امیر کی طرف تقرب ہو تو گو صورۃً ذکر امیر نہیں مگر معنیً ذکر امیر موجود ہے۔ خواہ زبان سے عمر بھر کبھی امیر کا نام نہ لیا ہو۔ تو اب وقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کے ساتھ امیر کا نام حکماً مذکور ہے گو صراحۃً نہیں۔ ردالمحتار میں ہے لکن لما کان فی ذلک تعظیم لہ لم تکن التسمیۃ مجردۃ للہ تعالٰی حکماً

کما لو قال بسم اللہ واسم فلاں. تو اب وقت ذبح غیر کے اس ذکر حکمی کو منع فرمانے کے معنی یہ کس طرح ہو گئے کہ اہلال لغیر اللہ مطلقاً رفع الصوت باسم غیر ہے اور اس میں وقت ذبح کا کوئی اعتبار نہیں عجب لغویت ہے اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ سب وقت ذبح ہی کے تو احکام ہیں. رد المحتار میں اس کی شرح میں فرمایا اعلم ان المدار علی المقصد عند ابتداء الذبح اور جو اہلال لغیر اللہ کے معنی رفع الصوت لغیرہ لیتے ہیں ان کے نزدیک تو ذبح لقدوم الامیر محض قصد سے حرام ہونا ہی نہ چاہیئے کہ اس میں رفع الصوت باسم الامیر کا نام ونشان بھی نہیں. رفع صوت باسم اللہ ہے وہ کس منہ سے اس کو حرام کہیں گے. خلاصہ یہ کہ جس طرح تارک التسمیہ ناسیا کو ذاکر حکماً قرار دیا گیا ہے. اسی طرح قاصد تقرب امیر ذاکر اسم امیر عند الذبح قرار دیا گیا. اور ما اھل بہ لغیر اللہ کا محل وہی ذکر غیر عند الذبح رہا تفاسیر سے اس میں اصلا مخالفت نہیں. نہ مسئلہ نذر اولیاء سے قطعاً کوئی مناسبت کہ وہاں مقصود ایصال ثواب ہے نہ تقرب کما ھو الظاھر ثابت ہو گیا کہ عبارت درمختار تفاسیر کے بالکل مطابق ہے. اور مخالفین کے مدعائے باطل کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا. واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم.

کتبہ العبد المعتصم بحبل المتین محمد نعیم الدین غفرلہ

۲۵، ذی الحجہ مبارکہ سنہ ۱۳۶۶ھ

فتویٰ ایصالِ ثواب

استفتـــــــــــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے جب قرآن خوانی ہوتی ہے تو اس وقت جو لوگ قرآن مجید پڑھنا نہیں جانتے وہاں کلمہ طیبہ یا سورۂ اخلاص وہ لوگ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی
عبداللہ خان چوک مراد آباد

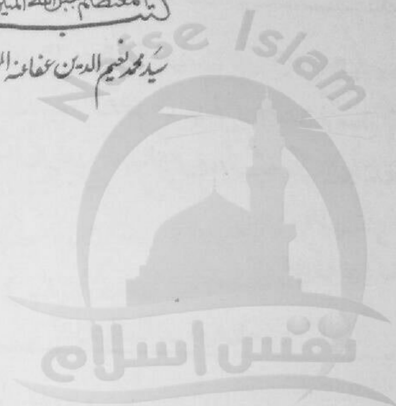
الجوابـــــــــــــــــ بعون الملک الوھاب

ثواب میت کے لئے جو قرآن شریف پڑھے ہوئے نہ ہوں وہ جو آیتیں اور سورتیں یاد رکھیں ان کو پڑھیں جو بالکل بے پڑھے ہوں وہ کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب پہنچائیں کہ ذکر الٰہی عبادت ہے اور نماز روزہ حج قرات قرآن اذکار صدقہ وغیرہ ہر چیز کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ الاصل فی ھذا الباب ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ کان او صوما او صدقۃ او غیرھا کالحج وقراءۃ القرآن والاذکار وزیارۃ قبور الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام والشھداء والاولیاء و الصالحین ویکفین الموتی وجمیع انواع البرکۃ فی غایۃ الترجی شرح الھدایۃ۔

عبادت بدنیہ و مالیہ کے ثواب کا میت کو پہنچنا اہلسنت کا متفقہ فیصلہ ہے نصوص کثیرہ اس کی شاہد ہیں۔

کتبہ المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین



توہینِ علما پر حکم شرع

استفتاء

۱ے کیا فرماتے ہیں علماء دین وحامیان شرع متین کہ ایک شخص داڑھی منڈا جو کبھی نماز پڑھتا اور نہ کبھی داڑھی رکھتا ہے وہ اس عالم دین کی شان میں جو قرآن وحدیث کا وعظ بیان فرما رہا ہے اور لوگوں کو منہیات شرع سے روکتا ہے اس کے بیان کے خلاف میں ایسی غزلیں جو بالکل خلاف مذہب اسلام اور شرع ہیں۔ لکھ کر اس مسجد میں پڑھتا ہے جہاں کہ لوگ وعظ سنکر متاثر ہو رہے تھے! اور لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ مولویوں کے وعظ مت سنو۔ اپنے شعر میں مولویوں کی توہین کرتا ہے اور اس کو فخر سمجھتا ہے ایسا شخص از روئے شرع کیسا ہے؟

۲ے شخص مذکور داڑھی منڈانے کی ممانعت میں حدیث نبی سننے کے بعد بھی باصرار کہتا ہے کہ داڑھی کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، اور داڑھی رکھنا اسلام میں داخل نہیں، ایسا شخص عند اللہ وعند الشرع کیسا ہے۔

۳ے شخص مذکور نماز کبھی نہیں پڑھتا بلکہ نماز کو عبث سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ نماز سے اسلام کو کیا واسطہ۔ نماز اسلام میں داخل نہیں ہے ایسے شخص پر کیا حکم عائد ہے

۴ے ایسا شعر جس کا مضمون بالکل خلاف شرع ہو، اور جس میں علما کی توہین کی گئی ہو جس کے خلاصہ مضمون یہ ہو کہ نماز اسلام کی چیز نہیں ہے، داڑھی شعار اسلام سے نہیں وضع ولباس اسلام میں داخل نہیں جیسا لباس چاہو پہنو۔ ایسا شعر جس کے مضامین اس قسم کے ہوں مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کی مدد و استعانت کرنا جو قرآن وحدیث کے خلاف کہہ رہا ہے کیسا ہے؟ اور ایسے قول کے سرزد ہونے کے بعد اسے کیا کرنا چاہیے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی ابوالرشید محمد عبداللطیف

مدھوپور۔ یوپی

الجواب بعون الملك الوهاب

داڑھی منڈانا، نماز ترک کرنا فسق ہے۔ اور عالم دین (اہلسنت) کے وعظ سننے سے لوگوں کو روکنا منع خیر اور سخت جرم۔ اور عالم کی توہین اشد حرام اور نہایت خطرناک ہے اگر اس کے لیے کوئی سبب دینوی یا اخروی نہ ہو، شرح فقہ اکبر للملا علی قاری میں ہے من ابغض عالما من غیر سبب ظاھر خیف علیه الکفر قلت الظاھر انه یکفر لانه اذا ابغض العالم من غیر سبب دینوی واخروی فیکون بغضه لعلم الشریعة ولاشك فی کفر من انکرہ فضلا عمن أبغضه۔ یعنی خلاصہ میں ہے کہ جو شخص بغیر سبب ظاہر کسی عالم کو مبغوض رکھے اس پر کفر کا خوف ہے حضرت علامہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا کیوں کہ جب اس نے بغیر دینی ودنیوی سبب

کے عالم دین سے بغض رکھا تو یہ بغض علم دین کی وجہ سے ہوا۔ اور علم دین کا منکر بھی کافر ہے چہ جائیکہ اس کو مبغوض رکھنے والا۔ اسی شرح فقہ اکبر میں ہے "ان قال لعالم عویلم اوالعلوی علیوی بصیغۃ التصغیر فیھما قیدہ بقولہ قاصدا بہ الاستخفاف کفر" اس سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے عالم کی تحقیر کے لئے تصغیر کے صیغہ سے پکارا اور اس کا نام گھٹا کر لیا وہ کافر ہو گیا۔ اللہ بچا دین رکھے۔ بے قید لوگوں کی عادت ہے کہ علماء دین کو استخفاف و تحقیر آمیز الفاظ کہہ گذرتے ہیں۔ اور انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ اس میں اپنے ہی ایمان کا خلل ہے ایک عالم اپنی کتاب رکھ کر کہیں تشریف لے گئے تھے تو ایک شخص نے کہا کہ آپ اپنی آری چھوڑ گئے یہ کہنے پر امام فضلی نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ اسی شرح میں ہے۔ امر الامام الفضلی بقتل من قال لفقیہ ترک کتابہ وذھب ترکت المنشار ھنا وذھب کفر۔ خانیہ میں ہے۔ رجلا بینھما خصومۃ فقال احدھما للاخر بیانا بعلم رویم فقال الاخر من علم چہ دانم قال ابوبکر القاضی یکفر المجیب لانہ یستخف بالعلم۔ یعنی دو آدمیوں میں جھگڑا تھا ایک نے دوسرے سے کہا آؤ علم کی طرف چلیں دوسرے نے کہا میں علم کو کیا سمجھتا ہوں قاضی ابوبکر نے فرمایا یہ دوسرا کافر ہو گیا۔ کیوں کہ اس نے علم کا استخفاف کیا۔ روی میں ہے۔ رجلان بینھما خصومۃ فجاء احدھما بخطوط الفقھاء والفتوی فقال الخصم لیس کما افتوا وقال لا نعمل بھذا وھما من عرض الناس کان علیہ التعزیر۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تحریر فتوی کو کہدینا کہ ہم اس کو نہیں مانتے یا یہ ٹھیک نہیں ہے اس پر تعزیر ہوتی ہے لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ علماء کے جھٹلانے اور ان کے بتائے

ہوئے مسائل کی تکذیب کرنے پر جری ہو گئے ہیں اور ایسے بیہودہ کلمات اکثر زبان پر آتے ہیں۔ چاہیے کہ اس سے احتیاط کریں۔ سوال میں یہ بھی ذکر ہے کہ وہ شخص علماء کی تعلیم اور ان کے وعظ سے روکتا ہے اور علماء کی توہین کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ توبہ کرے۔

۲ اور ۳ یہ کہنا کہ داڑھی کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں اور داڑھی رکھنا اسلام میں داخل نہیں اور اسی طرح نماز کی نسبت ایسے کلمات کہنا اگر اس مطلب سے ہو کہ ان کا ترک گناہ ہے فسق کبیرہ ہے۔ مگر اس سے وہ شخص اسلام سے خارج نہیں ہوگیا تو جائے عذر ہے اور اگر نماز کی فرضیت کا انکار یا سنت کا استخفاف مدنظر ہو تو اس کو فقہاء کفر فرماتے ہیں۔ یہ بہت خطرناک جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ دے۔ فتویٰ خانیہ میں ہے رجل قال لغیرہ نماز کن فقال اے مرد نماز کردن سخت کار گرانست برایں قالوا یکون کفرا۔

۴ سوال چہارم کا جواب سوال اول میں دیا جا چکا ہے۔ ایسے شخص سے توبہ لینا چاہیئے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو مسلمان اس سے میل جول ترک کردیں۔ لاتقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین
سید محمد نعیم الدین غفرلہ
۲۵ ربیع الآخر ۱۳۴۸ھ

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ مدینہ طیبہ کو یثرب نہ کہنا چاہیئے کیونکہ وہ مشتق ہے ثرب سے جس کے معنی فساد کے ہیں یا یہ وجہ ہے کہ یہ نام ایک کافر کا تھا اس سے ایسی زمین پاک کو نسبت کرنا سخت مذموم ہے نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان اللہ امرنی ان اسمی المدینۃ طابۃ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا کہ مدینہ کا نام طابہ رکھوں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص مدینہ کی طرف کسی بدبو کی نسبت کرے یا وہاں کی ہوا کو برا کہے یا پسند نہ کرے تو وہ شخص واجب التعزیر ہے اس کو قید کیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ خالص کرے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ اگر یہ لفظ برا ہوتا تو حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی ایسا کیوں لکھتی کہ۔

کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم

کہ بمکہ منزل وگہ در مدینہ جا کنم

تو معلوم ہوا یثرب لکھنا جائز ہے۔ اور متاخرین شعرا نے بھی اس کو لکھا ہے جیسے مولانا تمنا صاحب یا مولانا فرید احمد وفا صاحب۔ تو اس بنا پر زید کا قول کسی طرح صحیح اور قابل تسلیم نہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا قول زید کا صحیح ہے یا عمرو کا۔؟

العبد فقیر عبد المصطفیٰ محمد صابر حسین المخاطب بصابر اللہ شاہ اشرفی مراد آبادی مشتاق حسین عرف کلن اشرفی سادہ کار مراد آباد۔ یوپی ۔ ۱۰ ر جادی الاول ۱۳۴۹ھ ۔

بعون الملك الوهاب
الجـــــــــواب

بسم الله الرحمن الرحيم، نحمده ونصلي على رسوله الكريم،

صورت مسئولہ میں زید کا قول صحیح اور قابل اعتماد و مطابق حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لئے کہ حدیث پاک میں مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے ممانعت وارد اور یثرب کہنا منافقین کی طرف منسوب ہے۔ نیز یثرب اسم قبیح ہے۔ اور طیبہ یا مدینہ اسم حسن ہے۔ اسمائے حسنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہیں۔ اور اسمائے قبیحہ کی نسبت مبغوض لہٰذا مدینہ طیبہ کو طابہ مدینہ کہنا چاہیئے یہی احمد ہے یہی محمود چنانچہ بخاری شریف میں ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرت بقرية تاكل القرى يقولون يثرب وهى المدينة حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ کو ایسے شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا گیا کہ تمام شہروں پر غالب آجائے گا۔ لوگ اس کو یثرب کہیں گے حالانکہ وہ مدینہ ہے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کی مرضی ہے کہ اس شہر پاک کو بجائے یثرب کے مدینہ کہنا چاہیئے۔ اور یثرب نام رکھنا اس بقعۂ طاہرہ کے لئے غیر مناسب ہے۔ اور اس کی شرح فتح الباری میں یقولون یثرب

وهی المدینۃ کے تحت ہے ای بعض المنافقین یسمیھا یثرب واسمھا الذی یلیق بھا المدینۃ. یعنی بعض منافقین مدینہ طیبہ کو یثرب کہتے ہیں اور یہ اس کی شان کے لایق نہیں، اس کی شان کے لائق نام "مدینہ" ہے۔ دوسری حدیث میں حضرت امام احمد روایت فرماتے ہیں من سمی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ ھی طابۃ. یعنی جو شخص مدینہ کا نام یثرب رکھے اسے چاہیے کہ استغفار کرے اس کا نام تو طیبہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یقال المدینۃ یثرب رواہ عمر من ابی شیبۃ من حد ابو ایوب. یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہا جائے۔ اسی فتح الباری میں ہے ولھذا قال عیسی ابن دینار من المالکیۃ من سمی المدینۃ یثرب کتبت علیہ خطیۃ وقال سبب ھذا الکراھۃ لان یثرب اما من التثریب ھو التوبیخ والملامۃ او من الثرب وھو الفساد وکلاھما مستقبح وکان صلی اللہ علیہ وسلم یحب الاسم الحسن ویکرہ الاسم القبیح. یعنی ان ہی احادیث شریفہ کی بنا پر عیسی ابن دینار مالکی نے فرمایا جس نے مدینہ کا نام یثرب رکھا اس پر گناہ لکھا گیا اور فرمایا کہ اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یثرب یا تو تثریب سے بنا ہے اس کے معنی جھگڑنے اور ملامت کرنے کے آتے ہیں اور یا ثرب سے بنا ہے اس کے معنی فساد اور خرابی کے ہیں۔ اور یہ دونوں معنی قبیح اور برے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام کو محبوب رکھتے تھے۔ اور

برے نام کو ناپسند فرماتے تھے۔

ان احادیث اور تصریحات اکابر سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا شرعاً مکروہ اور ممنوع ہے۔ اور اس پر اصرار کرنے کا حکم ہے اور اس یثرب کے معنی ایسے قبیح ہیں کہ جس کو مدینہ طیبہ کی طرف منسوب کرنا سخت برا ہے لہٰذا قول زید کا صحیح اور قول عمرو کا غیر صحیح ہے۔ رہا عمرو کا استدلال حضرت مولانا جامی کے کلام سے سو یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں ممانعت وارد ہوئی تو اس کے مقابل کسی بزرگ کے کلام میں اس لفظ کے استعمال کا پیش کرنا کیا مفید، کلامِ رسول کے لئے کلامِ غیر ناسخ نہیں ہو سکتا۔

علاوہ بریں حضرت جامی کے کلام کی بہت عمدہ توجیہ یہ ہے کہ یثرب سے حوالی وعوالی مراد ہیں۔ نہ خاص شہر مدینہ چنانچہ یثرب پر بطحا کو بطریق تفسیر عطف فرمانا اس کا مؤید ہے۔ اور دوسرے شعر میں ہے ؎

گرد صحرائے مدینہ بوئے آمد یار سول
من بہر خود را فدائے خاک آں صحرا کنم

اس شعر میں مدینہ فرمانا دلیل ہے اس بات کی کہ شعر اول میں یثرب سے مدینہ طیبہ کے گرد و پیش کا صحرا مراد ہے۔ ایک بزرگ کے کلام کی اسقدر توجیہ نہایت بہتر ہے تاکہ ممانعتِ حدیث لازم نہ آئے، مگر صریح حدیثوں کے ہوتے ہوئے اس کو سند بنانا نادانی ہے۔ عمرو نے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر لکھا اور آیت کیوں نہ لکھ دی جس میں ارشاد ہوا یا اهل یثرب لا مقام لکم فارجعوا۔

مگر اس کا کام اس سے بھی نہ بنتا کیوں کہ یہاں قرآن میں مقالہ کفار نقل فرمایا ہے اس سے جواز پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ فتح الباری میں ہے وقالوا ماوقع فی القرآن انما هو حکایة من قول غیر المومنین۔

اب بحمد اللہ مسئلہ واضح ولائح ہو گیا کہ مدینہ طیبہ کو ہرگز یثرب نہ کہا جائے اور یثرب کہنے والے پر استغفار کرنے کا حکم ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین
محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین
۲۰ رجادی الآخر ۱۳۳۹ھ

فرض نماز کے بعد کلمہ طیبہ یا درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کا حکم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ بعد نماز فرض قبل سنت چند آدمی بلند آواز یعنی متوسط آواز سے ملا کر درود شریف دس دس مرتبہ پڑھیں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پڑھنے سے جو تاخیر سنت میں ہوتی ہے تو عند الفقہا اس میں کچھ حرج تو نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی
جمال احمد پٹیل۔ احمد آباد
۱۰ر محرم الحرام ۱۳۴۹ھ

الجواب
بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و آلہ و صحبہ اجمعین: اما بعد۔ جائز ہے کہ اس قدر فصل معتبر نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعد نماز اذکار مروی ہیں اور ان سے وصل سنت فوت نہیں

ہوتا۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں يقوم الى التطوع بلا فصل الا مقدار ان يقول اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت ياذا الجلال والاكرام کچھ اسی دعا پر انحصار نہیں کہ یہی کلمات بعینہا جائز ہوں دوسرے ہوں تو نا جائز۔ یا لفظوں کا شمار نہیں بلکہ مقصد صرف اسقدر ہے کہ ورد طویل فصل افضلیت و اولیت کے خلاف ہے مکروہ تحریمی وہ بھی نہیں۔ فی الغنیۃ ليس المراد انه كان يقول ذالك بعينه بل كان يعتقد زمانا يسع ذالك المقدار ونحو ذلك من القول تقريبا فلاينافي ما في الصحيحين عن المعجزة انه عليه السلام كان يقول في دبر كل صلوٰة مكتوبة لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيئ قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد۔ وكذا روى مسلم وغيره عن عبد الله بن زبير كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سلم من الصلوٰة قال بصوته الاعلى لا اله الا الله وحده لا شريك له له الحمد وهو على كل شيئ قدير۔ ولا حول ولا قوة الا بالله ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا اله الا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون لان المقدار المذكور من حيث التقريب والتخمين دون التحديد والتحقيق والله اعلم۔ حاصل

لہ (حاشیہ صفحہ گذشتہ) بعد نماز فرض بلند آواز سے درود شریف یا اور کوئی وظیفہ اسی صورت میں جائز ہے جبکہ نمازیوں کی نماز میں کوئی خلل کا باعث نہ ہو۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص۱۷۴ میں ہے واجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الله تعالى جماعة في المساجد وغيرها من غير نكير الا ان يشوش جهرهم باذكر على نائم او مصل او قارئ قرآن كما هو مقرر في كتب الفقه۔

یہ کہ اس دعا سے یہ مراد نہیں ہے کہ بعینہٖ یہی الفاظ فرمائے تھے بلکہ اتنی دیر تشریف رکھنا ثابت ہے جس میں یہ مقدار اور قریب قریب اس کی مثل پڑھی جاسکے تو اس کو حدیث سے کچھ منافات نہیں جو بخاری و مسلم میں حضور انور سے ہی وہ حدیث جو مسلم وغیرہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فراغت کے بعد بلند آواز سے فرماتے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ الخ کہ یہ مقدار تقریب و تخمین کے طور پر ہے نہ کہ تحدید و تحقیق کے طور پر۔ علامہ شیخ احمد طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں بعینہٖ مسطورۂ بالا عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں لان المقدار المذکور من حیث التقریب دون التحدید قد یسع کل واحد من ھٰذہ الاذکار لعدم التفاوت الکثیر بینھما ویستفاد من الحدیث الاخیر جواز رفع الصوت بالذکر والتکبیر عقب المکتوبات بل من السلف من قال باستحباب بہ وجزم بہ ابن حزم من المتاخرین۔ یعنی مقدار مذکور تقریبی ہے تحدیدی نہیں۔ اس میں ان تمام اذکار کی وسعت ہے کیونکہ ان کے درمیان تفاوت کثیر نہیں اور حدیث اخیر سے فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر و تکبیر کا جواز معلوم ہوتا ہے بلکہ سلف نے اس کو مستحب کہا اور متاخرین میں سے ابن حزم نے اس پر جزم کیا۔ تو دس بیس مرتبہ درود شریف بھی اسی مقدار سے زائد نہیں علاوہ بریں شمس الائمہ حلوائی نے صاحب ورد کو اس حکم سے خاص فرمایا۔ غنیہ میں ہے قال شمس الائمۃ الحلوائی ھذا یعنی ما ذکر من انہ اذا کان بعد الصلوٰۃ تطوع یقوم الیہ من غیر تاخیر الی اٰخرہٖ اذا لم یکن

من قصدہ الاشتغال بالدعاء بان لم یکن له ورد معتاد یقرء عقیب المکتوبۃ فان کان له ورد وقد اعتادان یقضیہ ای یاتی بہ بعد المکتوبۃ فان یقوم عن مصلاہ ای عن المکان الذی صلی فیہ فیقضی وردہ قائما وان شاء جلس ناحیۃ من نواحی المسجد فیقضی وردہ ثم یقوم الی التطوع. یعنی شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا یہ جو مذکور ہوا کہ جس نماز کے بعد سنتیں ہوں ان میں بے تاخیر سنتیں پڑھے یہ صورت اس میں ہے کہ نماز فرض کے بعد اس کا کوئی ورد معین نہ ہو. تو اگر اس کا کوئی ورد معین ہے تو فرض کے بعد اس کو ادا کرے جہاں نماز پڑھی ہے اس سے ہٹ کر کھڑے ہو کر البتہ ورد کو بعد سنت پڑھنا افضل ہے. مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے (لاباس بقرأۃ الاوراد بین الفریضۃ والسنۃ) فالاولیٰ تاخیر الاوراد عن السنۃ. واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ العبد المعتصم

سید محمد نعیم الدین غفرلہ

مراد آباد.

یکم ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین زید کہتا ہے کہ مسجد میں قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا بدعت سیئہ ہے کیوں کہ مساجد ادائے نماز کے لئے بنائی گئی ہیں قرآن شریف اور درود شریف نماز نہیں۔ زید کا یہ قول صحیح ہے یا غلط اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

عبید علی کمرلوی۔ ۱۵۔ صفر المظفر ۱۳۴۵ھ

۲۵ر اگست ۱۹۲۶ء

بعون الملک الوہاب

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ سید المرسلین محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد زید کا یہ قول کہ مساجد صرف نماز ہی کے لئے بنائی گئی ہیں اور ان میں قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا بدعت سیئہ ہے بالکل باطل اور دین پر افترا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت عزوعلا تبارک وتعالیٰ تو ارشاد فرماتا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا الخ اس آیۂ کریمہ میں ذکر مطلق ہے اس کی

تقیید اپنی طرف سے دین میں تحریف ہے۔ تفسیر جلالین میں اس اطلاق کے اظہار ہی کے لئے فرمایا بالصلوٰۃ والتسبیح۔ زید کو اپنے اس قول باطل سے جلد توبہ کرنا لازم ہے۔ واللہ ھو الموافق واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ عز اسمہ اتقن واحکم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

محمد سید نعیم الدین عفا عنہ المعین

۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

فتویٰ دربارہ گلیم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یاایہا المزمل اے کملی اوڑھنے والے تو آیا یہ کہ کملی کیسی تھی جو آجکل کے درویش اوڑھتے ہیں یا اور کسی قسم کی، کس جانور کے اون کی تھی اور اس کا تانا کیسا تھا اور بانا کیسا تھا اور کس کے ہاتھوں کی بنی ہوئی تھی اور اگر سوت کی تھی تو سوت کیسا تھا اور کس زمین پر کپاس بوئی گئی تھی اور کس نے اس سوت کو کاتا تھا مہربانی فرماکر قرآن حدیث فقہ شریف سے جواب عطا فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

فقیر وحقیر محمد دین

الجواب
بعون الملک الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

امابعد۔ قرآن کریم میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پروردگار عالم نے ایک ادائے خاص کے ساتھ

مخاطب فرما کر آپ کی محبوبیت کا اظہار فرمایا ہے اول ' یا
سوت کی کوئی خصوصیت اس خطاب کا باعث نہیں جو کپڑا ابھی تن نازنین و جسمِ اقدس
پر ہے اس سے حضور کو کچھ فضیلت نہیں ہر چیز کو حضور سے شرف ہے۔ منظور تو محبوب
کی وہ ادا ہے جو وقتِ نزول وحی تھی۔ اس لئے اس لباس کے تانہ بانہ کا دریافت کرنا
بے کار ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ دیکھنا ہے کہ ابتدائے حال
میں وحی کی عظمت کا اثر جو قلب مبارک پر ہوا اس سے بدن اقدس پر کچھ ایسی کیفیت
طاری ہوئی کہ جامۂ اقدس میں لپٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ادائے محبوبانہ کو پسند فرما کر
تسکین خاطر اقدس کے لئے آپ کے اسی حال سے آپ کو مخاطب فرما کر ملاطفت و
کرم کا اظہار فرماتا ہے کہ آپ کی یہ ادا محبوب ہے۔ حتیٰ کہ ہم اسی ادا سے خطاب فرماتے ہیں
قال السهيلي انما المزمل اسم المشتق من الحالة التي كان عليها حين الخطاب
وكذلك المدثر وفي خطابه به صلى الله عليه وسلم بهذا الاسم فائدتان احدهما
الملاطفة والله سبحنه تعالى اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل المتین

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

تجوید سیکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تجوید سیکھنا ضروری ہے یا نہیں اور جو شخص تلاوت قرآن میں حروف کو صحیح ادا نہ کر سکتا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ از راہ کرم مفصل جواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

کمترین احمد دین

بنارس۔ ۲؍ ربیع النور ۱۳۴۷ھ

بعون الکریم الوھاب

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد۔ قرآن کریم میں ترتیل یعنی حروف کا جدا جدا ان کی صفات پر ادا کرنا اوقاف و حرکات کا پورا پورا لحاظ رکھنا، تغیر و تبدل سے بچانا اور تجوید کا بقدر ضرورت سیکھنا فرض ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ورتل القرآن ترتیلا۔ تفسیر مدارک صفحہ ۳۰۳ میں ہے ورتل القرآن ترتیلا بین وفصل من الثغر المرتل ای المفلج

الاسنان وکلام رتل بالتحریک ای مرتل ثغر رتل ایضا اذا کان مستوی

البیان اداقرأ علی تودة تبیین الحروف وحفظ الوقوف واشباع الحرکات

ترتیلا ھوتاکید فی ایجاب الامر بہ وانہ لابد منہ للقاری۔ تفسیر

خازن میں ہے قال ابن عباس بینہ بیانا وایضا اقراءہ علی ھینتک ثلاث ایات

واربعا اوخمسا وقیل الترتیل ھو التوقف والترسل والتمھل الانھام وتبیین

القرأة حرفا حرفا اثرہ فی اثر بعض المد والاشباع والتحقیق وترتیلا تاکید

فی الامر بہ وانہ لابد للقاری منہ۔ اب ثابت ہوا کہ تلاوت قرآن کے لئے

ترتیل فرض ہے۔ تفسیر اتقان میں ہے لیس تحسین الصوت بالقراءة وتزینیھا

لحدیث ابن حبان وغیرہ زینوا القرآن باصواتکم وفی لفظ الدارمی حسنوا

القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا واخرج البزار

وغیرہ حدیث حسن الصوت زینة القرآن وفیہ احادیث صحیحة کثیرة

فان لم یکن حسن الصوت حسنة فاستطاع بحیث لایخرج الی التمطیط

اگر اس طرح کی تغییر ہو کہ جس سے معنی بدل جائیں اور ایسے بدل جائیں کہ جن کا اعتقاد

کفر ہو تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ان سے ایسے معنی نہ پیدا ہوں،

لیکن اس کا تغیر مثل قرآن پاک میں نہ ہو اور تغیر فاحش ہو تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی

جیسے کسی نے ھذا الغراب کی جگہ ھذا الغبار پڑھ دیا اور قرآن پاک میں اس کا مثل

نہ ہو اور اس کے معنی بھی کچھ نہ ہو جیسے سرائر کی جگہ سرائل پڑھ دیا تو بھی نماز فا

ہو گئی اور اس قول کے ساتھ اخذ کیا جائے گا۔ رد المحتار میں ہے والقاعدة

عند المتقدمین ان ما غیر المعنی تغیرا یکون اعتقادہ کفرا مفسد فی جمیع ذالک سواء کان فی القرآن اولا الا ما کان من تبدیل الجمل مفصولا بوقف تام وان لم یکن التغیر کذلک فان لم یکن مثلہ فی القرآن ولا معنی لہ کالسرائل بلام مکان السرائر وان کان مثلہ فی القرآن والمعنی بعید ولم یکن متغیرا فاحشا تفسد ایضا عند ابی حنیفۃ ومحمد وھو الاحوط اور اسی میں ہے فالاولی الاخذ بقول المتقدمین لانضباط قواعدھم وکون قولھم احوط۔ واللہ سبحنہ تعالی اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۲۰ ربیع النور ۱۳۴۷ھ

جنت میں چند جانور بھی جائیں گے

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جنت میں کوئی جانور بھی جائے گا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

احقر فخر الدین خاں، نزد جامع مسجد دہلی

بعون الکریم الوہاب

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد۔ جنت میں پانچ جانور داخل ہوں گے۔ ۱ براق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ۲ دراز گوش حضرت عزیر علیہ السلام کا۔ ۳ ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کا ۴ سینڈھا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا۔ ۵ کتا اصحاب کہف کا۔ چنانچہ اشباہ ونظائر میں مستطرف سے منقول ہے کہ لیس من الحیوان من یدخل الجنۃ الا خمسۃ کلب الکھف وکبش اسمٰعیل وناقۃ الصالح وحمار عزیر وبراق النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ لیکن حموی نے شرح اشباہ میں شرعۃ الاسلام سے مقابل

کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک دس جانور جنت میں داخل ہوں گے۔ ۱۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ ۲۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گؤسالہ ۴۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا دراز گوش ۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی ۶۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مینڈھا، ۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بقرہ، ۸۔ حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی، ۹۔ بلقیس کا ہُدہُد۔ ۱۰۔ اصحاب کہف کا کتا۔ قال مقاتل رحمہ اللہ عشرۃ من الحیوان ید خل الجنۃ ناقۃ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام، وناقۃ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام، وعجل ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، وکبش اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام وبقرۃ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، وحوت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام وحمار عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام ونملۃ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام وھد ھد بلقیس وکلب اھل لکھف کلھم یحشرون۔ کذ فی مشکوٰۃ الانوا اسی کتاب میں شرح شرعۃ الاسلام سے بھی نقل کیا ہے کہ یہ سب سینڈھے کی صورت کردیئے جائیں گے۔ حموی میں ہے وذکر فی مشکوٰۃ الانوار شرح شرعۃ الاسلام انھا کلھا تصیر علیٰ صورۃ الکبش۔

سبحان اللہ مقربین بارگاہ کا یہ رتبہ ہے کہ جانور بھی ان سے نسبت رکھنے کی بدولت جنتی ہو گئے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفاعنہ المعین

استفتــــــــــاء

کیا فرماتے علماء دین مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ حضرت آدم اور ماں حضرت حوا علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کو جب خداوندکریم نے حکم دیا تھا کہ جنت کے اندر گندم کے درخت کے پاس نہ جانا اور نہ اس کا پھل کھانا تو شیطان لعین نے دھوکہ دے کر اماں حوا علی نبینا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کو وہ دانہ کھلادیا اور اماں حوا نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کو کھلادیا تو خداوندکریم نے حضرت آدم علیہ السلام کو سراندیپ میں رکھا اور اماں حوا علی نبینا وعلیہا السلام کو جدہ شریف میں رکھا اتنا حکم نہ ماننے پر۔ تو خداوندکریم نے جب ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو شیطان لعین نے نہیں کیا تھا تو خداوندکریم نے اس کے حکم نہ ماننے پر شیطان کو کونسی زمین میں رکھا اس زمین کا کیا نام ہے اور کہاں ہے؟ اور اس کا مفصل حال دیں۔ قرآن واحادیث اور فقہ شریف سے واضح جواب مرحمت فرمانے کی زحمت فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

فقط والسلام

المستفتی

فقیر محمد دین

بعون الملک الوہاب

الحـــــــــبـــــــــوا

بسم الله الرحمن الرحیم۔ والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد۔ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو شجر ممنوعہ کھانے کے بعد اللہ تعالےٰ نے زمین پر بھیجا۔ یہ روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سراندیپ میں اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا جدہ میں۔ اور اس میں حکمت الہیہ ہے کہ خلافت کا اظہار اور اس کے احکام کا اجرا اسی طرح مقدور رہوا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو براہ کرم کلمات توبہ کی تلقین فرمائی اور توبہ قبول کی۔ قرآن پاک میں فرمایا فتلقّٰی اٰدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔ آدم وحوا کے ساتھ تو یہ فضل وکرم ہوا اور ابلیس لعین کا نام سریانی زبان میں "عزازیل" اور عربی زبان میں "حارث" تھا جب اس نے نافرمانی کی تو اس کے نام کو بدل کر "ابلیس" رکھا گیا جس کے معنی مایوس از رحمت ہیں۔ اور اس کی صورت تبدیل کر دی گئی۔ اور ذلت ورسوائی کے ساتھ اس کو زمین کی طرف ہانک دیا گیا۔ اور قیامت تک اس کو آسمان وزمین کے درمیاں مورد لعنت بنایا۔ شیطان مقام ایلہ میں پھینکا گیا تھا جو مضافات بصرہ سے ہے۔ قرآن پاک میں ہے قال فاخرج منھا فانک رجیم وان علیک اللعنۃ الیٰ یوم الدین۔ اور دوسری آیت میں قال اھبط منھا فما یکون لک ان تتکبر فیھا فاخرج انک من الصٰغرین۔ تیسری آیت میں ہے قال اخرج منھا مذءوما مدحورا۔ لمن تبعک منھم لاملان جھنم منکم اجمعین تفسیر خازن اول ص۴۰ میں ہے۔ سمی بہ لانہ ابلیس من رحمۃ اللہ ای

یش وکان اسمه عزازیل بالسریانیة وبالعربیة حارث فلما عصی غیر اسمه نسمی به لانه ابلیس وغیرت صورته۔ یہ واقعہ کا مختصر بیان تھا شیطان کی شامت اور بدنصیبی کا انجام تو آخرت کا دائمی عذاب شدید ہے مگر سائل کا منشا معلوم نہیں کہ اس کو اس سوال سے کیا غرض ہے۔ مومن کو یقین کامل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام احکام سراسر حکمت وعدل ہیں اس پر کوئی خداشناس اعتراض کی جرأت نہیں کرسکتا۔ بندوں کو عقل ہی کتنی کہ وہ حضرت حکیم علی الاطلاق کی حکمتوں کو سمجھ لینے کا دعویٰ کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق نیک عطا فرمائے اور شر نفس شیطانی سے بچائے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ سبحنہ اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

جوازِ مجلس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از سیدی و سندی شیخ الکل حضرت علامہ سید محمد گل قادری علیہ الرحمۃ والرضوان

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں ملک ہندوستان میں ہر شہر اور ہر قریہ میں لوگ مجلس میلاد شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منعقد کرتے ہیں اور اس مجلس میں میلاد شریف یعنی تاریخ ولادت اور دن پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بیان ہوتا ہے آیا یہ کہ یہ بیان از روئے شرع شریف جائز ہے یا بدعت؟ جواب آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔

بینوا توجروا۔

المستفتی

کمترین بدر الدین۔ مراد آباد

بعون الکریم الوہاب

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

اما بعد۔ انعقاد مجلس میلاد از روئے شرع شریف جائز اور موافق حدیث کے

ہے چنانچہ ترمذی نے من جملہ ابواب مناقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باب جداگانہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے بیان کیا ہے. لہٰذا کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا کہ بیان احادیث مناقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت سمجھے ورنہ وہ شخص خود بدعتی اور اسلام سے خارج ہوگا اور وہ باب یہ ہے " باب[1] ما جا فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المطلب ابن عبد اللہ بن قیس بن مخزمۃ عن ابیہ عن قال ولدت انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل قال وسأل عثمان ابن عفان قباث بن اشیم اجا بنی یعمر بن لیث انت اکبر ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ اکبر منی وانا اقدم منہ فی المیلاد" اور صحیح مسلم میں بروایت ابو قتادہ حدیث صحیح مروی ہے اور اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیدائش کا دن بھی بیان فرمایا ہے. اور وہ حدیث یہ ہے. قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدت وفیہ انزل علی. یعنی کہا ابو قتادہ نے کہ پوچھے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روزے سے پس فرمایا حضرت نے کہ میں اس میں پیدا ہوا اور مجھ پر قرآن نازل ہوا لہٰذا میں روزہ رکھتا ہوں اس دن میں.

---

[1] یہ باب میلاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں ہے روایت ہے قیس بن مخزمہ سے کہا کہ انہوں نے کہ پیدا ہوا میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھی کے سال میں یعنی جس سال ابرہہ نے خانہ کعبہ ڈھانے کے واسطے ہاتھی بھیجا تھا اور کہا انہوں نے کہ پوچھا عثمان بن عفان نے قباث بن اشیم سے جو قبیلہ یعمر بن لیث سے ہے کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو انہوں نے کہا کہ رسول خدا مجھ سے بڑے ہیں اور پیدا ہونے میں میں ان سے پہلے ہوں. ۱۲

استفتـــــــــــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین کہ جو لوگ مجلس میلاد منعقد کرتے ہیں اس میں آنحضرت کا مولد شریف اور ہجرت کا بیان بھی کرتے ہیں سو یہ جائز ہے یا بدعت؟ بینوا توجروا۔

المستفتی
احقر محمد اسلام بھوجپور

بعون الملک الوہاب

الجـــــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد۔ یہ دونوں امر ابواب شمائل اور اخلاق نبوی میں بیان ہوئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے توارات میں بھی بیان کیا ہے سو کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا کہ احادیث شمائل نبوی کے بیان کو بدعت سمجھے ورنہ خود بدعتی اور کتاب اللہ سے منکر ہوگا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے باب شمائل میں ایک طویل حدیث مروی ہے اور اس حدیث کے آخر میں بیان مولد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ہجرت دونوں توارات سے منقول ہیں اور اس حدیث شریف کو ضرورت کی جگہ سے نقل کرتا ہوں اور وہ یہ ہے، فقالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھودی یجسک فقال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم منغنی ربی ان اظلم معاھدا وغیرہ فلما ترجل النہار قال الیہودی اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ وشطر مالی فی سبیل اللہ اما واللہ مافعلت بک الذی فعلت بک الا لانظر الی نعتک فی التوراۃ محمد ابن عبد اللہ مولدہ بمکۃ ومہاجرہ بطیبۃ وملکہ بالشام لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق۔ اور مشکوۃ شریف میں وارد ہے۔ وعن کعب یحکی عن التوراۃ قال نجد مکتوبا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبدہ المختار لا بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق لا یجزی بالسیئۃ السیئۃ وملکہ بالشام۔ نیز دارمی نے ایک باب جداگانہ واسطے بیان ان اوصاف کے منعقد کیا ہے جو بعثت رسول سے پہلے کتب سماویہ میں ان اوصاف کا بیان تھا چنانچہ ایک حدیث انہوں نے روایت کی جو اخیر میں اس کے مسطور ہے۔ مولدہ بمکۃ ومہاجرہ بطیبۃ وملکہ بالشام۔

اب غور کا مقام ہے کہ دارمی نے یہ حدیث بیان صفت رسول اللہ میں ذکر کی سو کونسا مسلمان ہوگا جو بیان اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت سمجھے گا وہ تو خود بدعتی اور اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

فتویٰ متعلق فاتحہ سویم وچہلم وغیرہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ فاتحہ سویم وچہلم وغیرہ جو مدتہائے دراز سے بلا نکیر مسلمانوں میں جاری ہے جب تک کہ وہابیہ کا فتنہ نہ اٹھا کسی نے اس پر انکار نہ کیا اس لئے یہ امور وہابیت کی علامت اور شعار ٹھہرے اب جو لوگ ان نیک کاموں کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی نسبت کیا حکم ہے۔ آیا وہ مسلمانوں میں تشتت وتفریق کے مرتکب ہیں یا نہیں اور وہابیت کے ممد ومعاون ٹھہریں گے یا نہیں اور وہابیوں کی امداد واعانت اگرچہ بلا مقصد ہو اس کا کیا حکم ہے اور اگر ان امور کی بندش اور ان پر انکار بالقصد وہابیت کی امداد واعانت کے لئے ہو تو حکم اور زیادہ سخت ہے یا نہیں۔ تعین یوم برائے فاتحہ جس کو وہابی حرام وشرک کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اور مسلمانوں پر اس کے ضروری سمجھنے کا الزام لگاتے ہیں یا کم از کم اسی بات کا کہ مسلمان ثواب کے لئے تیسرا دن اور چالیسواں دن ضروری جانتے ہیں کہ تیسرے دن اور چالیسویں دن ہی ثواب ہوگا اگر جو دن مقرر ہیں ان سے پہلے یا بعد کو فاتحہ کی جائے تو ثواب نہ ہوگا یا کم ہوگا یہ تعین عرفی اسی مصلحت سے ہے کہ اہل میت کو فاتحہ کی اطلاع دینے کی زحمت نہ ہو کہ لوگوں کو مطلع کریں کہ فلاں روز ایصالِ ثواب کے لئے مقرر ہے جو صاحب اپنے عزیز یا دوست

کی روح کو ثواب پہنچانا چاہیں وہ فلاں جگہ جمع ہوں اور کچھ قرأت قرآن یا کلمہ وکلام سے ایصال ثواب کریں اسی مصلحت سے فاتحہ کے یہ ایام جو ایک عرصہ دراز سے مسلمانوں میں جاری ہیں اسے بدعت وشرک کہنے کا کیا حکم ہے؟ اور جتنے مسلمانوں نے جب سے کیا وہ ان شرک وبدعت کہنے والوں کے نزدیک مشرک وبدعتی ٹھہرے یا نہیں اب اس تعین ایام سے اس لئے کہ اس کا انکار وہابیوں کا شعار ہے عدول کا کیا حکم ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اتقوا مواضع التهم او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم اس فرمان ذیشان کی بنا پر سوئم وچہلم وغیرہ کو اسی طرح رکھنا جس طرح وہ جاری ہیں نیز اس لئے بھی کہ مسلمانوں میں تفریق وتشتت انہیں بے وجہ معقول انکار سے نہ ہو اس لئے کہ وہ مصلحت نوت نہ ہو ضروری ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ فقط والسلام۔

المستفتی

محمد مستقیم خاں۔ نل بازار ممبئی۔

۱۱؍ رمضان المبارک۔ سنہ ۱۳۴۵ھ

بعون الملك الوهاب

الجـــــــــوا ب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

فاتحہ سوئم چہلم وغیرہ امور خیر جس میں اموات کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے ان کا استحباب واستحسان دلائل شرعیہ سے ثابت ہے اور ان کی اصل قرآن و حدیث سے ملتی ہے۔ وہابیہ کو ان امور سے سخت عناد ہے اور ان کے انکار

بس اس قدر حد سے تجاوز کر گئے ہیں کہ شرک تک نوبت پہنچادی، اور مسلمانوں کو شرک تک کہنے میں باک نہیں کیا محرمات قطعیہ بلکہ رسوم شرکیہ تک سے انہیں وہ نفرت نہیں جو ان امور خیر سے ہے۔ ہلاکت کمیٹی کے عہد میں لوگوں نے قشقے تک لگائے، بتوں کے جلوس میں شریک ہوئے، بتوں کے نقاب کشائی کی رسم میں باادب حاضر رہے وہابیہ نے اس پر کوئی آواز نہ اٹھائی، اور یہ حرکات ان کو اتنی ناگوار نہ گذریں جتنی فاتحہ سویم جہلم وغیرہ ناگوار ہیں اور رات دن انہیں کے شرک و بدعت ہونے کا وظیفہ ہے۔ ان شرکی افعال کرنے والوں سے تو وہابیہ نے میل جول خلط ملط کچھ ترک نہ کیا ان کے افعال پر اظہار افسوس تک کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر فاتحہ کا نام سن کر ان کو طیش آجاتا ہے بدن میں آگ لگ جاتی ہے ان امور خیر کا انکار اور اس پر تشدد اس قوم کا وظیفہ ہو گیا ہے اس لئے ان کاموں کے بند کرنے کی تحریک خواہ وہ کسی حیلہ یا بہانہ سے ہو یقیناً وہابیت کی علامت اور یقیناً ایسی تحریک فتنہ پردازی ہے اب وہابیہ نے یہ بھی طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ کفایت شعاری کی تعلیم کے پردے میں ان امور کے بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی چالوں سے آگاہ رہنا چاہیئے۔ اور ایسے بدمذہبوں کے مکر و کید سے اپنے آپ کو اور اپنی قوم کے نادان لوگوں کو بچانا چاہیئے۔ ان امور کا انکار اور ان کی بندش کی کوشش وہابیت کی ترویج اور اس کی کھلی اعانت ہے۔ اس میں بلا قصد کا احتمال محض لغو ہے۔

تعیین یعنی بربنائے مصالح کسی کام کے لئے کوئی وقت یا دن مقرر کر لینا جائز ہے اس کی ممانعت پر اصلاً کوئی نص شرعی وارد نہیں ہوئی اور یہ تعیین ناگزیر

ہے۔ وہابیہ کے مدارس میں تعطیل کے لئے جمعہ اور رمضان و عیدین امتحان کے لئے شعبان اور ہر کتاب کے لئے وقت معین ہوتا ہے جس کی التزام کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے۔ اگر وہ تعین حرام جانتے ہیں تو ایسا کیوں کرتے ہیں اور اگر وہابی ترک تعین کا عہد کریں تو انہیں دنیا میں زندگی دشوار ہو جائے۔ کھانے کا وقت معین سونے کا وقت معین کام کا وقت معین تاجر ہیں تو بازار میں جانے اور بیٹھنے کا وقت معین تعین کی بندشوں میں سر سے پاؤں تک جکڑے ہوئے ہیں اور ان بندشوں کو اپنے آپ مضبوط کرتے ہیں اور پھر تعین کو ناجائز بھی سمجھتے ہیں اس سمجھ پر ہزار افسوس شریعت میں ایسے تعین کا پتہ چلتا ہے خود افعال کریمہ میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے افعال میں اہل نظر کو تعین کی مثالیں ملتی ہیں۔ بخاری و مسلم میں مروی ہے کان عبد اللہ (ابن مسعود) یذکر الناس فی کل خمیس۔ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر پنجشنبہ (جمعرات) کو وعظ فرمایا کرتے تھے اب وعظ کے لئے پنجشنبہ کی تعیین سے عمل خیر کے لئے جب مصلحت وقت کا مقرر کرنا بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہوا۔ امام بخاری اس حدیث کو باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومۃ میں لائے ہیں۔ امام بخاری کے اس ترجمہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث سے امور خیر کے لئے تعین ثابت کرتے ہیں۔ اور بہت احادیث ہیں جو اس مدعا پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر وہابیہ کو کوئی دلیل شرعی وجہ تسکین نہیں ہوتی۔ ایک حدیث سنا دیجئے اس کے قبول کرنے میں ہزار عذر ہوں گے۔ "تقویۃ الایمان" پیش کر دیجئے تو گردن جھک گئی۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے دینوں سے

بچائے۔ اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے یہ کہنا کہ مسلمان اسی تعیین کو واجب اور ضروری سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بس تیسرے اور چالیسویں دن ہی ثواب ہوگا اور ان کے لئے علاوہ اور کسی دن ثواب نہ ہوگا یا کم ہوگا یہ مسلمانوں پر افترا ہے۔ کوئی شخص یہ خیال نہیں رکھتا اندھوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ فاتحہ کرنے والے تیسرے اور چالیسویں ہی دن فاتحہ پر بس نہیں کرتے۔ وہ موت کے دن سے چالیسویں دن تک فاتحہ کرتے رہتے ہیں۔ اور جو صاحب استطاعت ہیں ان کے یہاں سال بھر تک روزانہ فاتحہ ہوا کرتی ہے۔ اور جو ان سے زیادہ صاحب استطاعت ہیں وہ ہمیشہ روزانہ فاتحہ جاری رکھتے ہیں اور اس کے لئے جائیدادیں جاگیریں خاص کردی جاتی ہیں تو ان کی نسبت یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تیسرے اور چالیسویں دن ہی ثواب ہوگا۔ اور ان کے لئے علاوہ اور کسی دن ثواب نہ ہوگا یا کم ہوگا۔ یہ مسلمانوں پر افترا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے حیلے اور فریب کرنے والا امور خیر کو رد کرنے کے لئے ایسی باطل باتیں کرنے والا بدمذہب ہے۔ اور اس کا یہ فعل وہابیت کی علامت ہے۔ اور ان امور خیر کے کرنے والوں کو مشرک بدعتی بتانا اس شخص کی بے دینی ہے ایسے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور علامت وہابیت و بدمذہبی سے بچنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل المتین

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین کہ اگر کسی وقت کسی بزرگ کا واسطہ دیا جائے تو کیا جائز ہے یا ناجائز اس کا جواب نہایت واضح طور پر بیان فرما کر مشکور فرمائیں بینوا توجروا۔

المستفتی

محمد امین بنارسی مقیم حیدرآباد

بعون الملک الوھاب

الجــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم،

اما بعد۔ بزرگان دین و اولیائے کرام رحمہم اللہ علیہم کا وسیلہ واسطہ بلاشبہ جائز ہے۔ بخاری شریف میں حدیث ابدال کے آخر میں ہے۔ بھم تمطرون وبھم تنصرون و بھم ترزقون کہ انہیں کی بدولت تم پر مینہ برستا ہے اور انہیں کی برکت سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور انہیں کے صدقہ میں تم سیراب کئے جاتے ہو۔ اسی طرح امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وسیلہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ دعائے بارش کرنا اور بکثرت احادیث سے توسل کا جواز ثابت ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

ک۔ العبد المعتصم بحبلہ المتینہ

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ ہم کسی کے نام سے فاتحہ وغیرہ پڑھیں تو وہ کس طرح پہنچتا ہے؟ کسی فرشتہ کے ذریعہ سے، یا اور کسی طرح سے اس کا جواب دلائل کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی
مقبول حسین۔ نارنگ بڑدہ
۱۳۲۸ھ

بعون الملك الوهاب

الجـــــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم المستین۔ امابعد۔ فاتحہ میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اور صدقہ دیا جاتا ہے اور تلاوت وغیرہ عباداتِ بدنیہ ومالیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اہلسنت وجماعت کا مذہب اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان رجلا قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امی توفیت اینفعھا ان تصدقت عنھا قال نعم۔ یعنی ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اگر میں صدقہ دوں تو کیا اس کو نفع دے گا فرمایا ہاں۔ اس مضمون کی احادیث بخاری ومسلم

میں وارد ہیں شرح الصدور میں ہے اخرج ابو القاسم سعد بن علی الریحان فی فوائدہ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد والھکم التکاثر ثم قال جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لاھل المقابر من المومنین والمومنات کا نوا شفعاء لہ الی اللہ تعالیٰ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص داخل ہو قبرستان میں پھر فاتحۃ الکتاب قل ہو اللہ احد اور الھاکم التکاثر پڑھے پھر کہے میں نے جو تیرا کلام پڑھا اس کا ثواب قبرستان کے مومنوں اور مومنات کو دیتا ہوں تو وہ اس کے بارگاہ الٰہی میں شفیع ہوں گے"۔

اب رہی بات کہ مردوں کو ثواب پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کے طریقوں کو کون شمار کر سکے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میت کو قرآن پاک کی آواز سے بھی انس ہوتا ہے اور اس کے کلمات طیبات سے راحت پہنچتی ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے وقرأت اٰیۃ الکرسی وسورۃ الاخلاص والفاتحۃ وغیر ذلک رجاء ان یونس الموتیٰ۔ اور یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کی سورتیں اور آیتیں خود شفاعت کرتی ہیں۔ جیسا دارمی نے خالد بن معدان سے روایت کیا کہ ایک شخص الم تنزیل پڑھا کرتا تھا اور بہت گنہگار، اس کی قبر میں سورہ مبارکہ نے اس پر اپنے بازو پھیلا کر عرض کیا کہ یارب اس کی مغفرت فرما یہ مجھ کو پڑھا کرتا تھا کما فی المشکوٰۃ و اخرج الطبرانی فی الاوسط عن انس سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من اھل بیت یموت منھم میت فیتصدقون عنہ بعد موتہ الا اھدا

لہ جبرئیل علی طبق من نور ثم یقف علی شفیر القبر فیقول یا صاحب القبر العمیق هذه هدیه اهداها الیك اهلك فاقبلها فتدخل علیه فیفرح بها ویستبشر ویحزن جیرانه الذی لا یهدی الیهم شیئ۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس گھر والوں کا کوئی مرجائے اور وہ اس کے لئے صدقہ دیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کو طبق نور میں لے کر پہنچتے ہیں اور اس کی قبر کے کنارہ پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں اے گہری قبر والے یہ ہدیہ ہے جو تجھے تیرے گھر والے نے بھیجا ہے اس کو قبول کر۔ وہ ہدیہ اسکو پہنچتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے اور اس کے پڑوسی غمگین ہوتے ہیں جنہیں ہدیہ نہیں پہنچا۔

الحمد للہ ان دلائل وشواہد سے خوب واضح ہو گیا کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے اور اہل سنت وجماعت کا مذہب واعتقاد بھی اسی پر ہے۔ واللہ المستعان۔

کتبہ العبد المعتصم بحبل اللہ المتین

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

یکم رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ

حکم زوجہ مفقود الخبر

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زوجہ مفقود الخبر کے نکاح ثانی کرنے کے بارے میں خلاصۃ المسائل میں جو مسئلہ خبرنگ ہے کہ زوجہ مفقود الخبر کی بعد انتظار کی چار سال چار مہینہ کے نکاح ثانی کرسکتی ہے جس کے صحیح ہونے میں تقریباً تیس مولویوں کے دستخط درج ہیں تو ہمارے حنفی المذہب کے علماء کی کیا رائے ہے حنفی مذہب کے سب علماء اس مسئلہ میں متفق ہیں یا مختلف۔ اور یہ مسئلہ کس مذہب کا ہے۔ حنفی اس مسئلہ پر عمل کرسکتے ہیں یا نہیں۔ مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

ارشاد حسین رامپور۔ ۵ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ

بعون الملک الوھاب

الجواب

مفقود الخبر کی زوجہ اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتی جب تک کہ قاضی اس کی موت کا حکم نہ کرے اور وہ موت کی عدت نہ گذارے۔ عینی شرح کنز میں ہے وتعتد امراۃ وورث منہ ای من المفقود حینئذ ای حین حکم بموتہ لا یکون حجۃ۔ اب رہی یہ بات کہ قاضی کب حکم کرے۔ ظاہر الروایۃ تو یہ ہے کہ اس کی موت کا اندازہ اسکے

بموطن اقران کی موت سے کیا جائے گا۔ جب وہاں اس کے ہم عمر مرچکیں تو قاضی اس کی موت کا حکم کر سکتا ہے۔ علامہ شیخ مصطفےٰ شرح کنز میں فرماتے ہیں۔ وفی ظاہر روایۃ بقدر یموت اقرانہ من اہل بلدۃ علی المذہب قران کی موت کتنے عرصہ میں ہوتی ہے اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ نوے سال کی عمر ہونے تک۔ ایک سو تیس ۱۳۰ برس ہونے تک۔ متاخرین نے ساٹھ برس اختیار کئے۔ امام ابن ہمام نے ستر برس کو مختار فرمایا۔ تو علمائے حنفیہ کا مسلک ہے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال گذرنے پر قاضی ان دونوں میں تفریق کردے۔ اور عورت کی عدت گذار کر چاہے تو نکاح کرلے۔ عینی شرح کنز میں ہے۔ قال مالک اذا مضی اربع سنین یفرق بینھما و تعتد عدۃ الوفاۃ ثم تتزوج ان شاءت۔ اگر ضرورت شدیدہ ہو اور تفریق نہ کرنے سے کسی فتنہ قویہ کا اندیشہ ہو تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے پر عمل کیا جائے۔ ردالمحتار میں ہے۔ لکن قدمنا ان الکلام عند تحقق الضرورۃ حیث لم یوجد مالکی یحکم بہ واللہ سبحنہ اعلم۔

کتبہ المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۱۵ ر جمادی الآخر سنہ ۱۳۴۷ھ

تحریک آزادی ہند سے متعلق ایک اہم فتویٰ

استفتاء مندرجہ ذیل جناب سید ممتاز احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ اخوند صاحب فراش خانہ دہلی نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے پاس بغرض حصول جواب بھیجا تھا حضرت مفتی صاحب نے جو جواب تحریر فرمایا وہ بغرض آگاہی عوام مسلمین شائع کیا جاتا ہے۔ المعلن۔ محمد دیانت۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین امور ذیل میں جواب مع ادلہ شرعیہ بیان فرمائیں۔

اول ایک شخص غیر مسلم وغیر معاہد حکم کرتا ہے کہ قوانین مروجہ حکومت حاضرہ کی خلاف ورزی اس کی قوم اور اس کے ہم وطن کریں جس سے رام راج حاصل ہوگا بصورت قانون شکنی بغیر استطاعت اندفاع وبغیر کوشش اندفاع برداشت کرنے کی حتی کہ گولی چلنے کے وقت گولی کو اپنے سینہ پر لینے کی ہدایت کرتا ہے اگر کوئی مسلمان اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

ثانیاً۔ اگر اس غیر مسلم کے حکم کی تعمیل میں کوئی مسلمان اس خطرہ میں یہ جانتے

ہوئے کہ گولی لگنے سے موت واقع ہو سکتی ہے اپنے آپ کو مبتلا کرے اور گولی لگنے سے مرجائے تو اس کی موت کیسی موت ہوگی؟ آیا اس کو شہادت کہیں گے یا خودکشی۔؟

ثالثاً ایک غیر مسلم کہتا ہے کہ کھدر پہنو اس کی تعمیل میں کوئی مسلمان کھدر پہنتا ہے اور فخر کرتا ہے کہ میں نے اس حکم کی تعمیل کی اور اس حکم کو فرض قرار دے کر دوسرے مسلمانوں کو اس غیر مسلم کے حکم پر آمادہ کرتا ہے اور جو شخص کھدر نہ پہنے اس سے نفرت کرتا ہے ایسی صورت میں اس کا کھدر پہننا حکم غیر مسلم کی تعمیل کو فرض سمجھنا کھدر نہ پہننے والے مسلمان سے نفرت کرنا کیسا ہے رابعاً حکومت حاضرہ کی طرف سے نمک بنانے پر عرصہ سے محصول لیا جاتا ہے ایک غیر مسلم کہتا ہے کہ یہ محصول دیئے بغیر بناؤ اور گرفتار ہوجاؤ اس پر ایک مسلمان کہتا ہے کہ اس نے باوجود غیر مسلم ہونے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی ہے اس لئے غیر مسلم کے حکم کی تعمیل ہر مسلمان پر فرض ہے مسلم کا یہ کہنا جائز ہے یا نہیں اور ناجائز ہے تو کیا حکم رکھتا ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی

بعون الملک الوہاب
الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد۔ غالبًا یہ سوالات تحریک حاضرہ سے متعلق ہیں اگر ایسا ہے تو تحریر سوالات میں کسی قدر تلبیس سے کام لیا گیا ہے جو مناسب نہ تھا بلکہ چاہیئے یہ تھا کہ واقعہ صاف صاف ذکر کر کے اس کا حکم دریافت کیا جاتا۔ مثلاً سوال اول یوں لکھنا چاہیے تھا کہ ہندوستان پر ایک غیر ملکی حکومت کا جبریہ قبضہ ہے جس کو ہندوستان کے رہنے والے کسی طرح پسند نہیں کرتے ہندوستانیوں کی خواہش ہے کہ پردیسی قوم جو ہزاروں میل دور سے آکر ہمارے ملک ووطن پر جبراً قابض اور مسلط ہے اور ہمارے تمام خزائن اور منافع کو ہمارے ہاتھوں سے چھین کر لے جا رہی ہے اور جس کی بدولت اہل ملک بھوکے اور محتاج ہو گئے جلد سے جلد ہمارا ملک خالی کر دے تاکہ اہل ملک خود اپنی مرضی کے موافق حکومت قائم کریں اور اپنے ملکی ذخائر سے خود متمتع ہوں لیکن وہ پردیسی حکومت کسی طرح ہندوستانیوں کی خواہش کا احترام کرنے کو تیار نہیں ہوئی اور اپنے مادی طاقت کے بل پر جبراً حکومت کر رہی ہے ہندوستانیوں کے پاس مادی قوت اور طاقت نہیں ہے کیونکہ تمام مادی طاقتیں اور قوتیں اسی پردیسی قوم نے اپنے قبضہ میں کر رکھی ہے ہندوستانیوں کو اتنی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی جان ومال کی حفاظت کے لئے بھی ہتھیار رکھ سکیں۔ اس لئے ہندوستان کی ایک ملکی مجلس نے جس میں ہندوستانی تمام اقوام کے نمائندے شریک ہیں

یہ طے کیا کہ اس غیر ملکی حکومت کے تسلط جابرہ سے آزادی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے کہ اس کے جبریہ قوانین کے خلاف ورزی کی جائے اور اس سلسلہ میں جو تکالیف اور مصائب برداشت کرنے پڑیں ان کو برداشت کیا جائے اور اپنی طرف سے تشدد کا ہرگز اقدام نہ کیا جائے تاکہ تحریک آزادی کی کامیابی کی امید ہو ورنہ بصورت تشدد حکومت کو تشدد کا بہانہ مل جائے گا اور پھر وہ اپنی مادی قوت سے قوم کو تباہ کردے گی خلاف ورزی قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ملک میں سے ایک شخص تیار ہوا جو غیر مسلم تھا اس مجلس مشاورت نے اس کو اس مظلومانہ جنگ کی انجام دہی کے لائق سمجھ کر اس جنگ کی تکمیل کے اختیارات دیدے اب وہ غیر مسلم تمام ہندوستانیوں کو جنگ کے آداب بتا رہا ہے اور قوم کو لڑا رہا ہے تو آیا اس کے حکم کی تعمیل جائز ہے یا نہیں اور اس مظلومی کی جنگ میں اگر مطالبہ حق آزادی کی وجہ سے کسی کی جان تلف ہو جائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں اور آیا بحالت مذکورہ آزادی کا مطالبہ کرنا اور اپنے آپ کو ایسے خطرات میں مبتلا کرنا جس میں جان تلف ہونے کا خطرہ ہے جائز ہے یا نہیں؟ سوال کی صحیح شکل یہ ہے۔ اب اس کا جواب یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلم یا غیر مسلم دونوں تو میں آباد ہیں مسلمانوں کے مذہبی اصول سے مسلمانوں پر ایک غیر مسلم حکومت جابرہ کے تسلط سے اپنے ملک کو آزاد کرانا اولین فریضہ ہے۔ مسلمان جو ان الحکم الا اللہ اور لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا پر ایمان رکھتے ہیں وہ طوعاً کسی وقت کسی طرح بھی غیر خداوندی احکام کی اطاعت نہیں کر سکتے۔ اگر وہ اطاعت کرتے ہیں تو مجبوری اور اضطراری طور

پر کرتے ہیں اور اگر اس مجبوری اور اضطرار کو دفع کرنے کی کوئی صورت بھی ممکن ہو تو ان پر لازم ہو جاتا ہے کہ اول جبری حکومت کے جوئے کو اپنی گردن سے اتار پھینکیں یہ وجہ تو ایسی ہے کہ اس میں غیر مسلم شریک نہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ (جس میں تمام ہندوستانی اقوام برابر کی شریک ہیں) ایک اجنبی قوم کو جو ہزاروں میل پرے کی رہنے والی ہے کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے ملک پر ہماری مرضی کے خلاف جبراً حکومت کرے ہم اس کی حکومت کو ایک لمحہ کے لئے بھی طوعاً برداشت کرنے کو تیار نہیں اور یہ ہمارا فطری عقلی عرفی بین الاقوامی حق ہے اور جس تدبیر اور طریقہ سے ہم اپنا حق حاصل کر سکیں اختیار کرنے اور عمل میں لانے میں حق بجانب ہوں گے۔ چونکہ ہمارے پاس مادی قوت نہیں ہے اس لئے ہم تشدد کا طریقہ اختیار کرنے سے معذور ہیں مگر عدم تشدد کے ساتھ سول نافرمانی کی مظلومانہ جنگ یقیناً لڑ سکتے ہیں اور اگر ہمارے افراد اس کے لئے تیار ہیں کہ وہ لاٹھیاں کھائیں برچھیاں، چھرے اور گولیاں اپنے سینوں پر لیں تو یقیناً ان کو اپنے حق آزادی کے مطالبے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے کیوں کہ ان کا فعل فی حد ذاتہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنا حق طلب کرتے ہیں اس کے بارے میں اگر حکومت لاٹھیاں برسائے یا سنگینیں بھونکے یا چھرے اور گولیاں مارے تو یہ بربریت اور ظلم حکومت کا فعل ہے اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے نہ کہ ان مظلوموں پر جو اپنا حق مانگتے ہیں اور کسی ایسے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس کو وہ پہلے سے ناپسند کرتے تھے۔ مگر مجبوراً اس کی تعمیل کیا کرتے تھے رہی یہ بات جانتے ہوئے کہ حکومت بسا اوقات اپنی برہمی کے مظاہرے کے لئے

لاٹھیاں چلوائی ہے اور گولیاں بھی. برسوائی ہے کسی کو ایسے خطرات میں پڑنا جائز ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطالبہ حقوق ہمیشہ خطرات سے پُر ہوتے ہیں مذہب وطن کی آزادی کا مقصد چوں کہ اعلیٰ ترین مقصد ہے اس لئے اس کے راستہ کے خطرات بڑے ہیبت ناک ہیں مگر بغیر خطرہ کے تو کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے کوئی تشدد آمیز حرکت نہ کریں جس کا نتیجہ حکومت کی جانب سے تشدد ہو اور بغیر اس کے کہ ہماری طرف سے کوئی تشدد آمیز حرکت ہو حکومت بلاوجہ تشدد پر اتر آئے اور ہمیں مار مار کر زخمی یا شہید کردے تو اس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی مثلاً یہ قصد ہو کہ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کریں اور پانچ سو اشخاص ایسے مہیا کئے جائیں جو جمع ہو کر جلسہ کریں اور حکام کے اس حکم سے کہ منتشر ہو جاؤ اس قصد سے جلسہ شروع کیا گیا اور فرض کرو صرف یہی اشخاص اٹھے اور یہ سب عدم تشدد کے پابند تھے اب حکام آئے اور انہوں نے حکم دیا منتشر ہونے سے انکار کر دیا، مگر کوئی حرکت نہیں کی تو اس صورت میں حکومت کا فرض یہ ہے کہ ان سب کو آدمیت کے ساتھ گرفتار کرے اور قانونی کارروائی کرے مگر بسا اوقات حکومت آئین اور انسانیت کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گرفتار کرنے کے بجائے کبھی تو لاٹھیوں سے ہٹوا کر منتشر کرواتی ہے اور کبھی گولیاں چلوا کر بہمیت اور بربریت کا انتہائی مظاہرہ کرتی ہے. اس ظالمانہ کارروائی سے مظلوموں کو وہ فعل ناجائز نہ ہوگا جو عقل اور انصاف اور مذہب کے خلاف نہ تھا اور جو

لوگ اس بربریت اور بہمیت کا شکار ہو کر شہید ہوں گے وہ یقیناً مظلومیت کی وجہ سے شہادت کا درجہ پائیں گے ان کو خودکشی کا مرتکب ٹھہرانا سخت جہالت اور ناواقفیت احکام شرعیہ کی دلیل ہے۔ سول نافرمانی کی اس مظلومانہ جنگ میں جو اپنے وطن اور مذہب کو ایک غیر ملکی حکومت کے جابرانہ قوانین سے آزاد کرانے کے لئے اپنی وطنی مشترک مجلس کی جانب سے جاری کی گئی ہے شرعی احکام کے دائرے میں رہتے ہوئے غیر مسلم کے احکام کی اطاعت کرنا ناجائز نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی مذہبی رہنمائی اور دینی ہدایت نہیں ہے محض جنگی رہنمائی ہے جو لوگ اسے ناجائز کرنے کی جرات کرتے ہیں اور جنگ میں زخمی ہونے والے کو ملامت کرتے ہیں اور مرجانے والے کو شہادت سے محروم کرتے ہیں وہ پہلے ان مسلمانوں کا حکم بتائیں جو کسی غیر مسلم جابر دشمن اسلام حکومت کی حمایت اور اس کی حرص ملک گیری کی خاطر اس کے مقرر کئے ہوئے غیر مسلم افسروں کی کمان میں رہ کر ان غیر مسلموں کے فوجی احکام کی اطاعت کرتے ہیں اور بسا اوقات غیر مسلم حکومت کی طرف سے اپنے مسلمان بھائیوں کو نشانہ بندوق بناتے ہیں یا خود گولی کھا کر مرجاتے ہیں ان مسلمانوں کا کیا حکم ہے۔ یعنی مسلمانوں کو جائز ہے کہ وہ حکومت کے غیر مسلم افسروں کی ماتحتی میں کام کریں۔ اور مسلمانوں پر گولیاں چلائیں اور کیا مسلمانوں کو جائز ہے کہ وہ غیر مسلم ججوں کے سامنے مقدمات لے جائیں اور ان سے خلاف شرع فیصلے صادر کرائیں۔ اور ان پر عمل کریں۔ اور کیا مسلمانوں کو جائز ہے کہ وہ شرعی معاملاتِ نکاح اور طلاق، آمین بالجہر، رفع یدین وغیرہ وغیرہ نزاعات کے مقدمات

غیر مسلم حکام کی عدالتوں میں فیصلہ کے لئے لے جائیں اگر ان تمام سوالات کے جوابات نفی میں ہیں تو ان حضرات کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ قوتِ ایمانی کا ثبوت دینے کے لئے پہلے ان امور کے متعلق فتوے شائع کرتے اور مسلمانوں کو ان مہلکات سے بچانے کی کوشش کرتے جنہوں نے ان کے اسلام اور قومیت دونوں کو فنا کر دیا ہے کھدر پہننے کا جو حکم اس غیر مسلم نے دیا ہے وہ اس نے اپنے مذہب کی بنا پر نہیں دیا ہے بلکہ وطن و ملک کی بھلائی اور دشمن کو کمزور کرنے کی ایک تدبیر سمجھ کر دیا ہے اور مسلمانوں کے لئے کھدر پہننا مذہبی امور کے تحت ناجائز نہیں ہے اس لئے کھدر پہننا ناجائز نہیں ہے یہ حکم ان احکام سے بدرجہا زیادہ قابلِ تعمیل ہے جو انگریزی عدالتوں کے غیر مسلم حکام سے حاصل کئے جاتے ہیں بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ مسلمان کے لئے کھدر ہی بہترین لباس ہے اور جبکہ پہننے والوں کی نیت اپنے بھائیوں کی فائدہ رسانی بھی ہو تو ایک پنتھ دو کاج دوہرا ثواب ملے گا۔ اس کو گاندھی پرست فرقہ کا شعار بتانا میری سمجھ سے باہر ہے اول تو کھدر پہننے والے مسلمانوں کو گاندھی پرست کہنا ہی ظلم عظیم ہے کیوں کہ وہ مسلمان ہیں اور خدا پرستی کے سوا کسی کی پرستش ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی وہ تو رسول پرست بننے سے بھی توبہ کرتے ہیں پھر ان کو گاندھی پرست کہنا کتنی بڑی جرأت و جسارت ہے دوسرے یہ کہ وکیلوں کے گون اور اسی طرح اداروں کے مخصوص لباسوں کے متعلق ان حضرات نے کبھی فتویٰ شائع کیا ہے یا نہیں اور اس کو حکومت پرستی یا ادارہ پرستی کی بنا پر ناجائز فرمایا ہے یا نہیں، نہیں تو کیوں نہیں؟ قانون مملکت کی خلاف ورزی اس کی ہولت

اور ہمہ گیری کے لحاظ سے اختیار کی گئی ہوگی، اصل مقصود قانون شکنی تھی ابتدا
ایسا قانون اختیار کیا گیا جس کی خلاف ورزی ہر مقام ہر صوبہ میں ہو سکے اور ہر شخص
انفرادی طور پر کر سکے یہ دوسری بات ہے کہ اس قانون کو منتخب کرنے میں یہ فائدہ بھی
ظاہر ہوا کہ شریعت اسلامیہ میں نمک کو اپنے فطری معادن میں آزادی رکھا گیا ہے اگر کسی
مسلمان نے یہ کہدیا کہ اس قانون کی خلاف ورزی فی نفسہ بھی شریعت اسلامیہ کے موافق
ہے تو اس نے کیا گناہ کیا یہ ذاتی نہیں ہے اور یہ میرے خیال سے تو کسی نے بھی
نہیں کہا کہ گاندھی جی نے اس قانون کی خلاف ورزی کا حکم شرعی احکام کی تعمیل کی
نیت سے دیا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ گاندھی جی غیر مسلم ہیں وہ اسلامی حکم کے
تعمیل کی نیت سے کوئی حکم دیں یہ بظاہر مشتبہ ہے مگر یہ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم
اسلامی کے خلاف نہیں ہے جیسے گاندھی جی شراب چھوڑنے کا حکم دیں تو کوئی نہیں
کہہ سکتا کہ یہ حکم شریعت اسلامیہ کی تعمیل کی نیت سے دیا ہے مگر ہر مسلمان یہ کہہ سکتا
ہے کہ یہ حکم اسلام کے حکم کے موافق ہے اسلام بھی شراب کو حرام قرار دیتا ہے۔
اس نے مسلمانوں کو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔ اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

مفتی کفایت اللہ صاحب (صدر جمعیۃ علمائے دیوبند) کے اس فتوے کو حاضر
کر کے دریافت کیا جاتا ہے کہ مسطورہ بالا جواب مجیب کا صحیح ہے یا نہیں اس کی پوری
حقیقت سے آگاہ فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

بعون الکریم الوھاب

الجـــــــواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ سید ممتاز احمد صاحب مستفتی کے سوالات واقعات کے نہایت مطابق تھے مفتی کفایت اللہ صاحب کا ان میں تلبیس بتانا غلط اور تلبیس ہے۔ مستفتی کا کوئی جملہ ایسا نہیں ہے جس کا انکار کیا جاسکے اور خود مفتی جمیعۃ سے ممکن نہ ہوا کہ وہ دو چار اغلاط پیش کر کے بتا سکتے کہ مستفتی نے ان میں یہ تلبیس کی ہے اور واقعات سے سوالات کے فلاں لفظ میں یہ مطابقت نہیں ہے اس طرح تو ہر ایک کلام کو تلبیس کہا جاسکتا ہے مگر جو چیز بے ثبوت ہو جو بات بے سند ہو اصحاب عقل و خرد کے نزدیک لائق التفات نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سوالات نے مفتی صاحب کے چھکے چھڑا دیئے اور انہیں اپنے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے جواب کی کوئی راہ نہ نکلی اس لئے آپ نے ان سوالوں کے جواب کے بجائے اپنی طرف سے اپنے حسب منشاء طول وطویل سوالات بنانے کی زحمت گوارہ فرمائی اور اپنے ہی سوالات کا جواب تحریر فرما دیا، یہ طریقہ رائج ہو جائے تو ہر شخص مفتی بن سکتا ہے جب مستفتی کے سوال کا لحاظ ہی نہ ہو تو اپنا من مانا سوال گڑھنا اور اس کا جواب دے لینا کیا مشکل ہے۔ مفتی صاحب نے جو سوال بنایا ہے اس میں تلبیس ہیں اور اس کی چند قابل لحاظ باتیں یہ ہیں۔

۱ ہندوستان پر ایک غیر ملکی حکومت کا جبریہ قبضہ۔

۲ ہندوستانیوں کی خواہش ہے کہ پردیسی قوم ہمارے خزائن و منافع چھین کرلے جارہی ہے۔ جس کے سبب ہم محتاج ہوگئے ہیں وہ ہمارا ملک خالی کردے۔

۳ اہل ملک اپنی مرضی کے مطابق حکومت کریں اور ملکی ذخائر سے خود متمتع ہوں۔

۴ ایک ملکی مجلس نے جس میں ہندوستانی تمام اقوام کے نمائندے شریک ہیں طے کیا کہ آزادی حاصل کی جائے۔

۵ آزادی کا طریقہ جبریہ قوانین کی خلاف ورزی ہے۔

۶ اس سلسلہ میں جو مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں کی جائیں۔

۷ مشترک مجلس نے ایک غیر مسلم کو جنگ کے اختیارات دیدیئے۔ وہ تمام ہندوستان کو جنگ کے طریقے بتا کر لڑا رہا ہے ان نمبروں میں مفتی صاحب نے جو عیاریاں اور تلبیسات کی ہیں وہ ملاحظہ کیجئے۔

مفتی جمعیۃ کے تلبیسات

سوال نمبر ۱ کے متعلق دریافت طلب امر یہ ہے کہ جبری قبضہ سے کیا مراد ہے یہی کہ اس ملک کے بعض لوگ اس قبضہ کو پسند نہ کرتے ہوں تو بزور و قوت ان پر حکومت قائم رکھی جائے یا کچھ اور، اگر اور معنی ہیں مفتی صاحب بیان کریں اور اگر یہی معنی ہیں تو دنیا کی ایسی کونسی حکومت ہے اور جہان میں ایسی کونسی سلطنت قائم ہوئی کہ جس کا کوئی مخالف ہی نہ ہوا ہو اور جس نے اپنے قیام حکومت کے لئے قوت نہ جمع کی ہو۔

۲- ہندوستانیوں سے کون مراد ہے تنہا ہندو یا مسلمان بھی، دوسری صورت میں کیا مفتی صاحب کے علم میں نہیں ہے کہ ہندو مسلمانوں کو پردیسی بتاتے ہیں اور صرف اپنے آپ کو ہندوستان کے منافع کا مستحق سمجھتے ہیں اس لئے ان کی خواہش فقط انگریزوں کو نکال دینے سے پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ مسلمانوں کو بھی ہندوستان سے باہر نہ کردیں اور ایسا وہ بارہا کہہ چکے ہیں اور بہتوں کے قلم سے ایسے مضامین نکل چکے ہیں۔ اور ملک میں اس کا غلغلہ مچایا گیا ہے اس کو چھپانا اور یہ ظاہر کرنا کہ ہندوؤں کی صرف اتنی خواہش ہے کہ حکومت موجودہ کو نکال دیں اس کے بعد ہندوستان دوستوں میں مسلمانوں کو برابر کا شریک بنالیں یہ سخت تلبیس ہے بلکہ دھوکا ہے ایسے ہی دھوکہ دینے کے لئے سوال دوبارہ گڑھا گیا ہے۔

۳- اہل ملک سے کیا مراد صرف ہندو یا مسلمان بھی، دلیل کے ساتھ بیان کیجیے، ہندوؤں نے مسلمانوں کو اہل ملک قرار دیا ہے یہ بھی تلبیس ہے۔

۴- یہ بہت بڑی تلبیس ہے کہ ملکی مجلس میں ہندوستان کے تمام اقوام کے نمائندے شریک ہیں ایسی کونسی مجلس ہے آپ کانگریس کو ایسی مجلس بتانا چاہتے ہیں مگر یہ انتہائی درجہ کی تلبیس اور غایت درجہ کا فریب ہے کانگریس میں تمام اقوام کے نمائندے کب شامل ہیں کیا ہندوؤں کے زرخرید اشخاص کسی قوم کے نمائندے قرار دیئے جاسکتے ہیں یا آپ کی مٹھی بھر جمعیۃ جو جمہور اسلام کے مخالف ہوکر کانگریس کا کلمہ پڑھنے لگی ہے اور تمام عالم اسلام اس پر نفرین و ملامت کررہا ہے یہان کی نمائندہ ہوسکتی ہے جو قوم کسی جماعت سے ناراض ہو اس کو خدا ہی سمجھے، وہی جماعت

اس کی نمائندہ قرار دی جاسکتی ہے مسلمانوں نے کب کانگریسی مدعیان اسلام کو اپنا نمائندہ بنایا کہاں اپنا قائم مقام مقرر کیا خود نمائندہ بن بیٹھنے سے کوئی شخص کسی کا وکیل ہوسکتا ہے ایسی وکالت آپ نے کسی کتاب میں پڑھی ہے اور یہ طریقہ نمائندگی کون سے دارالافتاء کے حکم سے جائز سمجھا ہے اسے کہئے جبری نمائندگی اور یہ ہے تلبیس آپ کے مستفتی نے تو تلبیس نہیں کی مگر جناب کا سوال مجموعہ تلبیسات ہے۔

۵۔ جبریہ قوانین کے معنی بھی بتائیے کیا اگر بالفرض ہندوستان میں کبھی اسلامی حکومت قائم ہو تو آپ کے اہل ملک اور آپ کی ملکی مجلس ان قوانین کو برضا ورغبت قبول کرنے کے لئے تیار ہوگی اور جبریہ قوانین نہ بتائے گی اور ضرور بتائے گی اور بتا چکے ہیں اور جبریہ سے زیادہ سخت الفاظ کہہ چکے ہیں۔ اور شرعی قوانین کی نہایت توہین کرچکے ہیں اور آپ بھی کہہ رہے ہیں اگر آپ کے علم میں نہ ہو تو مجھ سے دریافت کیجئے گا میں آپ کو بتاؤں گا اور ذخیرے کے ذخیرے دکھاؤں گا جو اسلامی شریعت واسلامی قوانین کی مخالفت واہانت سے پر ہیں تو آپ کی ملکی مجلس اور آپ کے اہل ملک سوائے رام راج کے یعنی سوائے اپنے مذہبی قوانین کے دنیا کے ہر ایک قانون کو جبری اور ظالمانہ قانون کہتے ہیں، جب اہل ملک کے نزدیک اسلامی قانون بھی جبری اور ظالمانہ ٹھہرا اور جبری قانون سے آزادی مطلوب ہے تو آپ کے اہل ملک کے نزدیک آزادی رام راج میں منحصر ہوئی۔ آپ نے اس پر پردہ ڈال دیا آپ کی تلبیس ہے۔

۶۔ اہل ملک کی مذعوم آزادی یعنی رام راج کے سلسلے میں تمام مصائب

برداشت کیے جائیں آپس میں لٹنا پٹنا مارا جانا تباہ ہونا سب ہی کچھ آگیا آپ ہی انصاف سے کہئے کہ جو ہندوؤں کی محبت میں اس قدر فنا ہوگیا ہو وہ مسلمانوں کو رام راج قائم کرانے کے لیے مرجانے اور ہلاک ہونے کی رائے دیتا ہو اس کو اگر ہندو پرست کہا جائے تو کیا بے جا ہے۔ رام راج قائم کرانے کے لئے مدعا کو آپ نے لفظ آزادی کے پردہ میں چھپایا اس کو کہتے ہیں تلبیس۔

۷۔ کیا آپ اپنے اعتقاد میں یہ سچ جانتے ہیں کہ بحالت موجودہ مسلمانان ہند سب کے سب یا ان کے اعظم گاندھی ہی کو جنگ کے مکمل اختیارات دینے اور اپنا سپہ سالار اعظم بنانے پر راضی ہیں اور یہ جائز سمجھتے ہیں اور قرآن وحدیث میں اس کی اجازت دی گئی ہے شاید ایسا آپ بھی نہ کہہ سکیں اور اتنا صریح جھوٹ بولنے کی آپ کو جرأت نہ ہو تو آپ ہی بتایئے کہ جس جماعت یا قبیلہ نے عامۃ المسلمین کی مرضی اور ان کے عقیدے کے خلاف ایک مشرک کو سپہ سالار اعظم بنالیا ہو اور جنگ کے تمام اختیارات بھی تفویض کردیئے ہوں وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہوسکتی ہے اور اس کو مسلمانوں کا نمائندہ بنانا کیسی بڑی تلبیس ہے اور مجلس مشترک کا لفظ اسی تلبیس کے لئے لایا گیا ہے تاکہ لوگوں کو اس مغالطہ میں ڈالا جائے کہ کانگریس میں ہندو مسلمان ایک حیثیت سے ہیں اور جس طرح کانگریس ہندوؤں کے نمائندہ ہے اسی طرح تمام مسلمانوں کی بھی نمائندہ ہے۔ یہ ہیں آپ کے تلبیسات۔

سوالات کی شکل

اس تنقید کے بعد مولوی کفایت اللہ صاحب کی تقریر سے سوالات کی مسطورہ ذیل شکل قائم ہوتی ہے۔

سوال ۵۔ جو کافر رام راج قائم کرنے کے لئے اٹھا ہو اور اس کی سعی کا انجام جو اس کے پیش نظر ہے لازمی طور پر بھی کہ ہندوستان کو انگریزوں اور مسلمانوں سے آزاد کرایا جائے اور ہندو قانون رائج کیا جائے اس کو جو جماعت اختیارات جنگ تفویض کرے اور اس کے اشارہ کا اتباع اپنے اوپر لازم کرے اور مسلمانوں کو ان کی فرمانبرداری کی اجازت دے اور مسلمان کو یہ مغالطہ دے کہ جس طرح یہ کافر ہندؤں کا نمائندہ ہے ایسے ہی مسلمانوں کا بھی نمائندہ ہے ایسی جماعت اسلام کی دشمن غدار ہے یا نہیں اور اس جماعت میں شامل ہونا اور اس کے احکام کا ماننا درست ہے یا نہیں شریعت میں ایسی جماعت کا کیا حکم ہے دلائل سے بیان کیجئے۔ یہ تو مولوی کفایت اللہ صاحب کی تحریر سوالات پر تنقید کرنے سے جو شکل سوالات پیدا ہوئی وہ تھی اور اصل مستفتی کے سوالات بدستور لاجواب ہیں، مفتی صاحب پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں کے جواب تحریر کریں اور دیانت وانصاف کے ساتھ تحریر کریں۔ اب مولوی کفایت اللہ صاحب کے جواب پر ایک نظر کی جائے اور دیکھا جائے کہ ان کے جواب میں کہاں تک پاس شرع ملحوظ ہے۔

مولوی کفایت اللہ کے کلام سے انگریزی حکومت جائز اور سوراجی حکومت اور اسکی کوششیں ناجائز ثابت ہوتی ہیں

مولوی کفایت اللہ صاحب نے غیر مسلم حکومت سے ملک کو آزاد کرانا اولین فریضہ

بتایا ہے اور اس کی دلیل میں دو آیتیں "ان الحکم الا للہ اور لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا" پیش کیں، اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ ان آیات پر ایمان رکھنے والے طوعاً کسی وقت کسی طرح بھی غیر خداوندی احکام کی اطاعت نہیں کر سکتے اگر کرتے ہیں تو مجبوری و اضطراری طور پر کرتے ہیں اور اس مجبوری کو دفع کرنے کی کوئی صورت بھی ممکن ہو تو اس سے آزادی حاصل کرنا ان پر لازم ہو جاتا ہے" یہ مضمون ہے مفتی کفایت اللہ صاحب کے جواب کا جو انہوں نے وجہ اول میں بیان کیا اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انگریزی حکومت کا اتباع تو جائز ہے کیونکہ وہ مجبوری اور اضطرار سے کیا جاتا ہے اور کانگریس کی مجوزہ حکومت جائز ہے کیونکہ اس میں ہندو اکثریت حکمراں ہوگی اور خداوندی احکام کی اطاعت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے گا اور ایسی حکومت بقصد و اختیار طلب کی جاتی ہے یہ نہیں ہے کہ ان کے تسلط سے مجبوراً ان کے احکام ماننے پڑے ہوں۔ لہذا مفتی صاحب کی پیش کی ہوئی آیات کے حکم اور مولوی صاحب کی تصریح سے ثابت ہوا کہ کانگریس کی مطلوبہ حکومت ناجائز اس کی اطاعت مسلمانوں کو حرام تو اس ناجائز حکومت کے لئے سعی کرنا وہ بھی ناجائز اب دو باتیں مفتی صاحب کے کلام سے ثبوت کو پہنچی۔ ایک یہ کہ انگریزوں کی اطاعت مجبوری و اضطراری کی وجہ سے جائز ہے دوسری یہ کہ کانگریس کی شرکت اس کی تحریکات میں سعی و امداد ناجائز و حرام اور حکم قرآنی کے خلاف ہے۔

۲۔ جواب میں دوسری وجہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے کہ اجنبی قوم کو حق نہیں ہے کہ ہمارے ملک پر ہماری مرضی کے خلاف جبراً حکومت کرے۔

ہم اس کی حکومت برداشت کرنے کو تیار نہیں یہ ہمارا فطری عقلی عرفی اور بین الاقوامی
حق ہے مفتی صاحب سے چند لغت دریافت کرتے ہیں۔ اجنبی، ہمارا ملک، فطری عقلی
عرفی اور بین الاقوامی حق۔ ان لغتوں کے معنی مفتی صاحب بیان کر دیں تو بہت بہتر ہو کیونکہ
اس سے یہ تردد ہو رہا ہے کہ ہمارا ملک کہنے کا حق دار کون ہے اور اس استحقاق کی
بنا کس چیز پر ہے اگر کہئے کہ قبضہ پر تو قبضہ انگریزوں کا موجود ہے اور اگر کہیئے کہ پیدائش
پر تو کیا وہ ہندو یا مسلمان اجنبی سمجھے جائیں گے جو ولایت یا عرب یا اور کسی ملک میں پیدا ہوئے
اور ان کے آبا و اجداد ہندوستان میں سکونت رکھتے تھے وہ خود بھی ہندوستان میں
سکونت رکھتے ہیں اور کیا وہ انگریز جو ہندوستان میں پیدا ہوئے اجنبی نہ ہوں گے
اور ہندوستان کی حکومت بقول آپ کے ان کا فطری عقلی عرفی بین الاقوامی حقدار
ہوگی اور آپ کے نزدیک انہیں جائز ہوگا کہ وہ ہندوستان کو اپنا ملک بتائیں اسی
طرح بہت سے افغانیوں چینیوں جاپانیوں کی ہندوستان میں اولاد ہوتی ہے کیا
ان سب کو حق ہے کہ ہندوستان کو اپنا ملک کہیں یا ہمارا ملک کہنے کا حق صرف ان
لوگوں کو ہے جو ہندوستان میں زمانہ قدیم سے بود و باش رکھتی ہیں اس تقدیر پر مسلمان تو
مسلمان ہندو بھی اپنا ملک نہیں کہہ سکتے کیوں کہ وہ یہاں کے قدیم باشندے نہیں ہیں۔
ذرا اپنے خداوند نعمت (ہنود) سے پوچھ کر دیکھئے کہ وہ ملک کا حقدار کس کو کہتے ہیں اور
ملک والا کس کو بتلاتے ہیں اجنبی کس کو ٹھہراتے ہیں۔ مسلمانوں سے کتنی مرتبہ
کہا گیا ہے کہ تم ہندوستان سے چلے جاؤ تمہارا اس ملک میں کوئی حق نہیں ہے،
جن کے آپ ہم نوا ہیں اور جن کی محبت میں آپ نے دین تک کو خیر باد کہہ دیا ہے

وہ ہندوستان کو خالص اپنا اور مسلمانوں کو غیر ملکی اور پردیسی کہتے ہیں جب کانگریس یہ مطالبہ کرے کہ ہندوستان ہمارا ہے اجنبی چلے جائیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ انگریز اور مسلمان دونوں اپنا بوریا بستر اٹھا کر چلتے ہوں۔ اگر جمعیۃ یا مفتی جمعیۃ کانگریس اس معاملے میں حقیر سمجھتی ہے تو وہ ہندوستان سے مسلمانوں کے اخراج کی حامی ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے فطری حق کے کیا معنی لکھے ہیں یہی کہ جہاں جو پیدا ہو جائے وہ جگہ اسی کے لئے ہے دوسرے کو اس سے کچھ سروکار نہیں یا کچھ اور اگر یہی معنی ہیں تو لکڑی کو دیمک سے کتاب کو کیڑے سے سر کو جوں سے چارپائی کو کھٹمل سے اگر آپ صاف کرنا چاہیں تو یہ ظلم ہوگا کیوں کہ بقول آپکے سر کو جوں کا فطری حق ہے چارپائی کھٹمل کا فطری حق ہے کتاب کیڑے کا فطری حق ہے اور اس کے علاوہ یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دینے کا حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تو کیا آپ کے نزدیک حضور نے فطری حق سلب کیا تھا۔ اور اسی ہندوستان میں جو مسلمان دوسرے ممالک سے سلطنت کرنے کے لئے آئے وہ بھی اجنبی تھے پردیسی تھے ہزاروں میل دور کے رہنے والے تھے ہندوستان والے ان کی سلطنت سے راضی نہ تھے تو کیا آپ کا یہی فتویٰ ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان پر جبری حکومت کی اور ہندوؤں کا فطری حق چھینا اور وہ سلطنت شرعاً عقلاً عرفاً اور بین الاقوامی طریقہ سے ناجائز تھی اور جس قدر تصرفات انہوں نے ملک میں کئے وہ سب ظلم تھے کھل کر کہئے اور اگر آپ یہ کہنے کے لئے تیار ہوں تو آپ کو اعلان کر دینا چاہئے کہ سلطنت اسلام کی عطا کی ہوئی املاک و معافیات و اوقاف پر جو مسلمان قابض ہیں یہ قبضہ ناجائز ہے۔ یہ

سب ہندوں کو واپس کر دینا چاہیئے۔ اور جس سلطنت کا ہندوستان پر قبضہ ہی ناجائز تھا اور اس کو فطری عقلی عرفی اور بین الاقوامی طور پر کوئی حق ہی حاصل نہیں تھا اس نے جتنی مسجدیں بنائیں وہ بھی سب غصب کی زمین تھی ان کے لئے کیا حکم ہے اگر ہندوؤں کو واپس دینے کا فتوٰی دیدیجئے تو آپ کا کام بن جائے اور جو مطمح نظر ہے وہ پورا ہو جائے اور آپ کے ہندو آقایان نعمت خوب خوش ہوں۔ آپ ہندوؤں کی محبت میں اس قدر محو ہیں اور اسلام و حکومت ہائے اسلام پر در پردہ حملے کر رہے ہیں اس کو ہندو پرستی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے جس کے مقابل شریعت کی پرواہ ہے نہ دین کی نہ مسلمانوں کے طریق و آئین کی انگریزوں کی مخالفت تو ایک بہانہ ہے اصل مقصد تو ہندوؤں کو راضی رکھنا اور مسلمانوں کو کٹوانا اور مروانا ہے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہلاک کرادو پھر ہندوستان صرف تمہارے دوستوں کے لئے ہی رہ جائے گا یہی سوراج ہی سوراج ہے۔ حامی سوراج ہو تو ایسا ہو قوم لٹ جائے مٹ جائے مذہب برباد ہو جائے مگر ہندو راضی رہیں۔ خوب حق نمک ادا کیا واہ رے مفتی۔ (اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے)

۴۷: مفتی کفایت صاحب نے لکھا ہے چونکہ ہمارے پاس مادی قوت قوت نہیں ہے اس لئے ہم تشدد کا طریقہ اختیار کرنے سے مجبور ہیں یہاں تو انگریزوں سے جنگ آزما ہونے سے انکار اور مجبوری کا اظہار ہے اور ساتھ ہی یہ فرما رہے ہیں کہ اگر ہمارے افراد اس کے لئے تیار ہیں کہ وہ لاٹھیاں کھائیں سنگین اور برچھیاں چھرے اور گولیاں اپنے سینوں پر لیں تو یقیناً انہیں اپنے حق آزادی کے مطالبے کے لئے

یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے مفتی صاحب کی دونوں تعلیمیں باہم مخالف و متضاد ہیں ایک مادی طاقت نہ ہونے سے جنگی مجبوری کا اظہار ہے دوسرے میں لاٹھیاں سنگینیں برچھیاں چھرے گولیاں کھانے کے لئے مسلمانوں کو ابھارا گیا ہے جب تمہارے پاس مادی طاقت نہیں ہے نہ تم دشمن کو مار سکتے ہو نہ ان کی مار کو روک سکتے ہو تو چھرے اور گولیاں سنگینیں کھانے سے نتیجہ مسلمان گولیاں کھا کھا کر مر گئے تو آزادی کون لے گا کیو ہمارے یار ہندو جن کے اوپر ہم مسلمانوں کو بھینٹ پڑھانا چاہتے ہیں کیا ستم ہے ہندوں کے لئے ملک خالی کرانے کے واسطے مسلمانوں کو مرجانے اور جان کھونے کے لئے تیار کیا جاتا ہے جب آپ کا یہ فتوئی ہے اور مسلمانوں کو نشانہ بندوق بننے کا آپ مشورہ دیتے ہیں تو خود کیوں ایسے موقع پر آگے نہیں بڑھتے جناب کی ساری بہادری اسی وقت تک ہے جب تک بندوق کا رخ دوسرے مسلمان کی طرف ہو اور جناب مفتی صاحب کی طرف بندوق کا رخ ہو تو ابھی معافی مانگ لیں اور فتوئی یاد نہ آئے یہ فتوئی اپنے گھر چھوڑ کر سارے جہان کے لئے ہے اپنے گھر پر آفت آتی دیکھیں تو ہندوں کی دوستی سے بھی دست بردار ہو جائیں مفتی صاحب کی طرح سے بہت سے بلند آہنگیاں کرنے والے بہادر جو مسلمانوں کو بڑھاوے دے کر کنویں میں دھکیلا کرتے تھے معافی مانگ بیٹھے اور تحریک کے مخالف ہو گئے اب رہی یہ بات کہ جب کفار سے مقابلہ کی قوت نہ ہو اس وقت ان کے مقابل ہو جانا ان کی تیغ و سنان سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنا جو مفتی صاحب نے جائز لکھا۔ اس جواز سے کونسا جواز مراد ہے جواز سوراجی یا فطری یا عقلی یا عرفی یا بین الاقوامی کونسا جواز یہ جواز صغریٰ اگر ہوتا

تو اس پر آپ کوئی شرعی دلیل تحریر فرماتے تو کہاں سے فرماتے شریعت کے خلاف تو کہہ ہی رہے ہیں شریعت نے تو مسلمان کو اپنی جان کی حفاظت کا حکم دیا ہے کسی مباح کام کرنے یا ترک کرنے پر اگر اس کو جان کا اندیشہ ہو اور دشمن قتل کرنے یا کم سے کم کسی عضو کے تلف کرنے پر آمادہ ہو تو مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ اپنی بات پر اڑا رہے اور یہ کہے کہ میں تو مباح کام کرتا ہوں جائز کام کرتا ہوں ہرگز اس سے باز نہ آؤں گا اگر اس نے ایسا کیا اور دشمن نے اس کو مار ڈالا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس پر الزام ہوگا اس نے اپنی جان ہلاک کرنے میں دشمن کو مدد پہنچائی بلکہ اگر کسی حرام کام پر بھی مجبور کیا جائے تو شریعت مسلمان کی جان کی حفاظت مقدم رکھتی ہے اور یہ حکم دیتی ہے کہ جان بچانے کے لئے حرام کا ارتکاب کرے اس ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے اس کو نہ پکڑے گا زیادہ بسط تو کیا کیا جائے آپ کو ہدایہ کی صرف ایک عبارت دکھا دی جاتی ہے متداول کتاب ہے ملاحظہ کیجئے۔ ان اکرہ علی ان یاکل المیتة او یشرب الخمر فاکرہ علی ذالك بحبس او یضرب او قید لم یحل له الا ان یکرہ بما یخاف منه علی نفسه او علی عضو من اعضائه فاذا خاف علی ذالك وسعه ان یقدم علی ما اکرہ علیه وکذا علی ھذا الدم و لحم الخنزیر لان تناول ھذا المحرمات انما یباح عند الضرورة کما فی حالة المخمصة لقیام المحرم فیما وراءھا ولا ضرورة الا اذا خاف علی النفس او علی العضو حتی لو خیف علی ذالك بالضرب الشدید و غلب علی ظنه ذالك یباح له ذالك ولا یسعه ان یصبر علی ما توعد به فان صبر حتی اوقعوا به ولم یاکل فهو اٰثم لانه لما ابیع کان بالامتناع معاونا لغیرہ علی ھلاك نفسه فیاثم کما فی حالة المخمصة۔

ترجمہ: مردار کھانا شراب پینا شرعاً حرام ہے اور اس سے باز رہنا مسلمان کا دینی و شرعی فریضہ ہے جو مسلمان مردار کھانے یا شراب پینے سے انکار کرتا ہے وہ نہ فقط امر جائز کا مرتکب ہے بلکہ اپنے فرض کو ادا کیا ہے لیکن جس حالت میں کوئی شخص اس کو ان چیزوں کے کھانے پینے پر مجبور کرے اور قتل یا قطع عضو پر آمادہ ہو جائے تو مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کو نہ کھائے پیئے اور قتل ہو جائے اگر مسلمان نے ایسا نہ کیا اور مارا گیا تو گنہگار ہوگا اور اپنی جان ہلاک کرنے میں دشمن کی اعانت کا مجرم قرار دیا جائے گا ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت میں یہ مضمون صاف و صریح موجود ہے مفتی کفایت اللہ کی یہ طبعزاد دلیل کہ حق آزادی کا طلب کرنے والا ایک امر جائز کا مرتکب تھا حکومت نے گولیاں برسائیں تو یہ اس کا فعل ہے اور اس کی ذمہ داری مرنے والے پر کچھ نہیں یہ ان کی ذاتی رائے ہے وہ بھی ایسی جو شریعت کے خلاف شریعت اس شخص کو گناہگار بتاتی ہے اپنے دشمن کی اعانت کا مجرم قرار دیتی ہے مگر مولوی کفایت اللہ صاحب خلاف شرع اس کو بری کر رہے آپ کی دلیل نہ قرآن سے مقتبس نہ حدیث سے نہ فقہ سے معلوم نہیں ہندوؤں کے دھرم شاستر سے آپ فتویٰ دیتے ہیں یا گاندھی کے سیاسی قانون سے غرض جو کچھ ہو یہ فتویٰ شریعت حقہ کے خلاف ہے آپ نے اس کی مثال میں لکھا ہے۔

دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کریں اور پانچ سو اشخاص ایسے مہیا کئے جائیں جو جمع ہو کر جلسہ کریں اور حکام کے اس حکم سے کہ منتشر ہوں اس قصد سے جلسہ شروع کیا گیا ہے اور فرض کرو کہ یہی

پانچ سو اشخاص تھے سب عدم تشدد کے پابند تھے حکام آئے اور حکم دیا کہ منتشر ہو جاؤ انہوں نے منتشر ہونے سے انکار کر دیا، اس صورت میں حکومت کا یہ فرض ہے کہ ان سب کو آدمیت کے تحت گرفتار کرے اور قانونی کارروائی کرے مگر بسا اوقات حکومت آئین اور انسانیت کے ساتھ ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے بجائے کبھی تو لاٹھیوں سے پٹوا کر منتشر کرتی ہے اور کبھی لوگوں کو گولیاں چلوا کر بہیمیت و بربریت کا انتہائی مظاہرہ کرتی ہے اور ظالمانہ کارروائی کرتی ہے مظلوموں کا وہ فعل ناجائز نہ ہوگا جو عقل و انصاف اور مذہب کے خلاف تھا اور جو لوگ اس بربریت اور بہیمیت کا شکار ہو کر شہید ہوں گے وہ مظلومیت کی وجہ سے شہادت کا درجہ پائیں گے ان کو خودکشی کا مرتکب بتانا سخت جہالت اور ناواقفیت ہے۔"

احکام شرعیہ کی یہ مذکورہ بالا خط کشیدہ عبارات مفتی کفایت اللہ صاحب کی ہے۔ اس میں آپ نے خودکشی کا مرتکب بتانے والوں کو سخت جاہل اور ناواقفِ شرع تو فرمایا مگر وہ احکام شرع نقل نہ فرمایا جو دفعہ ۱۴۴ کے توڑنے پر اپنی جانیں ہلاکت میں ڈالنے والوں کو مظلوم اور شہید قرار دیتے اور آپ وہ احکام بیان کہاں سے کرتے ہیں شریعت میں تھے کہاں شریعت کے خلاف تو آپ نے خود فتویٰ دیا جسے احکام شرعیہ کا نام مغالطۂ عوام کے لئے دیا ہے۔

دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی شرعاً فرض نہیں اس کی موافقت لازم شراب کی طرح حرام خاصیت یہ ہوگی کہ ایک امر جائز ہو اس کے لئے جان کا ہلاک کرنا کس طرح مظلومیت اور شہادت ہوگی جبکہ شریعت نے مردار اور حرام شراب جیسی چیزوں سے محترز رہنے پر جان کا ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں رکھا اور ایسے شخص کو اپنے قتل کا معین اور گناہگار قرار دیا۔ جیساکہ ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے شریعت اس شخص کو ظالم کا معین قرار دیتی ہے اور آپ کی شریعت اس کو گنہگار بتاتی ہے حکم شریعت کی آپ صراحۃً مخالفت کر رہے ہیں اور جہالت کا الزام دوسروں پر۔ جہالت تو یہ ہے کہ آپ نے خود اپنے فتوے میں لکھا ہے کہ ہمارا فریضہ یہ ہے

"ہم اپنی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس کا نتیجہ حکومت کی جانب سے تشدد ہو" اور خود ہی اس کے خلاف یہ فتویٰ دیا کہ "مخالفت میں اڑے رہنا اور جان دیدینا شہادت ہے"۔ ایک ہی صفحہ میں اتنا بڑا تعارض اسی صفحہ میں آپ نے قانون شکنی کو جائز قرار دیا اور اسی صفحہ میں حکومت سے قانونی کاروائی کرنے اور دفعہ ۱۴۴ کے خلاف کرنے والوں کو گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا جس قانون کی آپ مخالفت کرتے ہیں اسی قانون کے برتاؤ کرنے کی گورنمنٹ سے استدعا کرتے ہیں مفتی صاحب نے یہ فتویٰ کس خمار میں بیٹھ کر لکھا جو اپنی بات خود بار بار کاٹ رہے ہیں اور حافظہ نباشد کا مضمون پیش آتا رہتا تھا آپ کے اس فتوے نے بہت سے مسلمانوں کی جانیں کھوئیں جنہوں نے شہادت سمجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور خدا جانے اور کتنے آپ کے تیغ ستم کے قتیل ہوں گے اور آپکے

اس خنجر خونخوار کی دھار سے موت کے گھاٹ اتریں گے مسلمانوں کو تو یہ غلط فتویٰ دے کر مروا ڈالو اور ہندؤں کے لیے ملک خالی کر دو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔

اس فتوی میں

مولوی کفایت اللہ نے غیر مسلم کی اطاعت جائز کر دی

بہادر مفتی نے

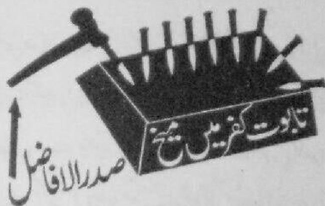
لکھ دیا کہ شرعی احکام کے دائرہ میں رہتے ہوئے غیر مسلم کے احکام کی اطاعت ناجائز نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اگر آپ کا یہ عقیدہ ہے تو آپ سول نافرمان اور قانون شکنی کا حکم کس طرح دے سکتے ہیں آپ کی جو بات ہے متضاد اس سے بھی درگذر کیجئے تو یہ بتائیے کہ غیر مسلم کے احکام کی اطاعت کا جواز جناب نے کس دلیل شرعی سے لکھا ہے آپ کو یاد نہیں رہا کہ آپ اپنے فتوے کے اول میں لکھ چکے تھے" مسلمان جو ان الحکم الا للہ، ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا پر ایمان رکھتے ہیں وہ طوعاً کسی طرح بھی غیر خداوندی احکام کی اطاعت نہیں کر سکتے" یہ آپ ہی کا فتوٰی تھا اور آپ ہی غیر مسلم کے احکام کی اطاعت جائز بتا رہے ہیں۔ اس میں تو یہ تعمیم تھی کہ کسی وقت کسی طرح بھی غیر خداوندی احکام کی اطاعت جائز نہیں اب کونسی طرح جواز کی شکل آئی یا گاندھی جی کے احکام کو خداوندی احکام سمجھ لیا۔ معاذ اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وہ آیتیں جو آپ نے خود نقل کی تھیں ان پر اب خود عمل کیوں نہیں ہے اب ان کے خلاف کیوں گاندھی کی اطاعت جائز کی جا رہی ہے غرض مفتی صاحب کے فتوے کا بطلان خود ان کے کلام سے بھی ثابت ہو گیا۔ گاندھی جی کی اطاعت اور اسے رہنما بنانا اس کا ماتحت اور لشکری بننا کسی طرح بھی جائز نہیں، انگریزوں کی اطاعت

کے جواز کی وجہ تو مفتی صاحب نے مجبوری بتائی تھی یہاں تو کوئی مجبوری بھی نہیں ہے، پھر لن یجعل اللہ الکفرین علی المؤمنین کی مخالفت کرکے گاندھی کی اطاعت کس طرح جائز کی جاتی ہے یہ چند باتیں نمونے کے طور پر لکھ دی گئی ہیں فتوٰی بہت اغالیط پر مشتمل ہے۔ اگر مفتی صاحب نے قلم اٹھایا اور چاہا تو ان کی باقی ماندہ اغالیط بھی پیش کیے جاسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو راہِ راست نصیب فرمائے کجروی اور گمراہی سے بچائے، آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ العبد المعتصم بحبلہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفی عنہ المعین

۲۰ ستمبر ۱۹۲۵ء مرادآباد



حضور صدر الافاضل علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے دور کے وہابیہ دیابنہ ودیگر اسلام دشمن قوتوں سے ہمیشہ نبرد آزما رہے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ مرتدین ومشرکین نے اسلام کو کمزور کرنے کیلئے میدان عمل بدل دیا ہے۔ قرآن پر بے جا اعتراضات کرکے مسلمانوں کی دل آزاری، آریوں، ناریوں سناتن دھرمیوں نے اپنا شیوہ بنالیا ہے تو آپ نے ان کا تعاقب فرمایا۔ جگہ جگہ گھیر کر اُن سے مناظرہ فرمایا قرآن کریم پر اُن کے بے جا اعتراضات کا، آپ نے تحریری اور تقریری طور پر منہ توڑ جواب دیا۔ اُس دور کے ماہنامہ **"السواد الاعظم"** مراد آباد میں آپ کا تحقیقی جواب ماہ بہ ماہ شائع ہوتا تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد کے کچھ نسخے ناچیز کو فراہم ہو گئے تھے، بطور ضمیمہ ہم نے اُن مضامین کو فتاویٰ صدر الافاضل میں شامل کرلیا ہے۔ ورق الٹئے اور حضرت ممدوح گرامی علیہ الرحمہ کی قرآن فہمی کو داد دیجئے۔

طالب دعاء

نعیم القادری بلرامپوری

اعتراض: پنڈت جی نے آیۃ کریمہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ کا ترجمہ ان الفاظ میں لکھا ہے "تم جدھر منہ کرو ادھر ہی منہ اللہ کا ہے۔"

اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ" اگر یہ بات سچی ہے تو مسلمان قبلہ کی طرف منہ کیوں کرتے ہیں اگر کہیں کہ ہم کو قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے تو یہ بھی حکم ہے کہ چاہے جس طرف کو منہ کرو کیا ایک بات سچی اور دوسری جھوٹی ہوگی اور اگر اللہ کا منہ ہے تو وہ سب طرف ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ ایک منہ ایک طرف رہے گا، سب طرف کیوں کر رہ سکے گا اس واسطے یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔"

جواب: آیۃ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے۔" تم جہاں منہ کرو وہیں اللہ تمہاری طرف متوجہ ہے"
جو شخص قرآن پاک کو نہ سمجھے موارد کلام سے بیخبر ہو تفاسیر کا علم نہ رکھتا ہو اس نافہم کا اعتراض کیا حیثیت رکھتا ہے۔ بات کیا تھی اسے سمجھے نہیں اور اعتراض جڑ دیا یہ ایک رسوا کرنے والی جہالت ہے آیت کے معنی کی تفصیل کہاں پنڈت کے دماغ میں سما سکتی تھی، لیکن اگر قرآن پاک پر کچھ بھی نظر ہوتی تو اس کو معلوم ہوتا کہ قبلہ پہلے کعبہ تھا پھر بیت المقدس ہوا اس کی طرف حضور نماز پڑھاتے تھے پھر بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوا اور حضور کی حسب خواہش کعبہ شریف قبلہ بنایا گیا۔ اس پر عرب کے کفار نے طعن کیا اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ للہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے جہاں تم رخ کرو وہیں وجہ اللہ یعنی جہت ماموره یا رضائے الٰہی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے۔ مشرق و مغرب اور تمام جہات اسی کے ہیں وہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دے یا کعبہ مقدسہ کی طرف جدھر اس کی رضا ہو وہی قبلہ ہے اور اسی کی طرف متوجہ ہونا مقبول بندہ کو اس میں کیا جائے عذر اور کیا مجال اعتراض جس طرح کعبہ اس کے حکم سے قبلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بیت المقدس اسی کے حکم

سے قبلہ ہو جاتا ہے اس پر اعتراض کرنا نہایت نادانی و سفاہت ہے. کفار کے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا اور قرآن کریم میں ان کے اعتراض سے پہلے خبر دیدی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے پیادہ گوئی کریں گے چنانچہ ارشاد فرمایا سیقول السفهاء من الناس ما ولٰهم عن قبلتهم التی کانوا علیها قل لله المشرق والمغرب. عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگ کس نے پھیر ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کا مشرق و مغرب۔ اس آیت میں خبر ہے کہ کفار تحویل قبلہ پر اعتراض کریں گے اور ان کا یہ جواب ہے کہ مشرق و مغرب خدا ہی کا ہے وہ جدھر چاہے اپنے بندوں کو متوجہ ہونے کا حکم دے اس پر اعتراض کیا اور ان کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔

لله المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجه الله مراد یہ ہے کہ جب مشرق و مغرب سب کا مالک اللہ ہے تو جدھر تم اس کے حکم سے منہ کرو اس کی رضا حاصل ہو گی اس پر کافروں کا معترض ہونا۔ اور طعن کرنا محض جہالت ہے اس مضمون سے پنڈت کے اعتراض کو کیا مناسبت اور اس آیت سے قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا اس نے کیسے سمجھ لیا۔ اگر قرآن پاک پر معترض کی نظر ہوتی۔ اور آیت سیقول السفهاء جو ہم نے اوپر نقل کی ہے۔ اس نے دیکھی ہوتی تو یہ لایعنی اعتراض کر کے اہل علم کی نگاہوں میں اپنے آپ کو رسوا نہ کرتا۔ پھر وجہ اللہ کے معنی خدا کا منہ کس نے بتلائے ہیں وجہ جہت اور قبلہ کے معنی میں آتا ہے یا رضا کے معنی میں چنانچہ تفسیر احمدی میں ہے الوجه اما بمعنی الجهة او القبلة او الرضاء دونوں تقدیروں پر اعتراض وارد نہیں ہوتا خواہ وجہ قبلہ کے معنی میں لیا جائے یا رضا کے اور یہ کہدیا کہ جس کا منہ ہو گا ایک ہی طرف

ہوگا یہ بھی کوتاہ نظری ہے۔ عالم حیوانات میں نظر کو متصور کرنے سے کوئی کوتاہ عقل اس شبہ میں پڑ سکتا ہے۔ ورنہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ وجہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مواجہت حاصل ہو تو جس سے کوئی جہت مواجہت مانع نہ ہو اس کے منہ کو ایک جہت خاص کے ساتھ میں مقید کردینا کم فہمی و نادانی ہے۔ مجلس میں روشن ہونے والی ایک شمع کا منہ تمام اہل مجلس کی طرف ہے اور ہر ایک کو اس سے یکساں جہت حاصل ہے یہ تو نور مجازی کا حال ہے اور نور حقیقی جو کیف سے بھی وراء ہے اس کو جہت کیا مقید کرسکے گی اس فہم پر ذات وصفات الٰہی میں کلام کرنے کا دعویٰ ہے ہمارے لئے منہ ہونا اور ایک طرف ہونا اور ہماری مواجہت کے ساتھ مقید ہونا، اور ہمارے بصر وکلام وغیرہ کا ایک جہت کے ساتھ خاص ہونا ہماری کمزوری بعد عبدیت کا ضعف اور نقصان ہے۔ کمال یہی تھا کہ قوت بینائی ایک جہت کے ساتھ مقید نہ ہو۔ اسی طرح سامعہ ذائقہ اور کلام کرنے والے آلات ایک سمت کے پابند نہ ہوتے ایک لمحہ ہم ہر طرف دیکھتے شش جہت ہمارے لئے یکساں ہوتیں ہمارے تمام آلات ہر طرف کام کرتے مگر صرف آنکھیں دیکھتی ہیں چہرہ کے مقابل کی جانب دیکھتی ہیں بدن کے باقی حصے بینائی نہیں رکھتے یہ نقصان ہوا یا کمال اگر ہمارے جملہ ارکان ہر جانب یکساں ہوتے۔ تو منہ کو یکطرف نہ کیا جاسکتا اپنی اسی کمزوری اور عیب پر مالک ہے۔ عیب کو قیاس کرنا اور جن قیود میں خود مقید ہیں۔ ان کا اس بے نیاز کو پابند جاننا نہایت بے علمی و بے ادراکی ہے۔

اعتراض : وقولوا حطة نغفر لکم خطٰیکم وسنزید المحسنین. کا ترجمہ پنڈت نے یہ لکھا" اور کہو کہ معافی مانگتے ہیں ہم معاف کریں گے، تمہارے گناہ اور زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو۔"

اس پر آپ نے یہ اعتراض کیا ہے (پنڈت) کا اعتراض بھلا یہ خدا کی ہدایت سب کو گناہگار بنانے والی ہے یا نہیں کیونکہ گناہ معاف ہونے کا سہارا آدمیوں کو ملتا ہے تب گناہوں سے کوئی بھی نہیں ڈرے گا اس واسطے ایسا لکھنے والے خدا اور یہ خدا کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہو سکتی وہ عادل ہے۔ بے انصافی کبھی نہیں کرتا۔ اور گناہ معاف کرنے سے تو بے انصاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جیسا قصور ہو ویسی سزا دینے سے ہی عادل ہو سکتا ہے۔

جواب : آیت کا صحیح ترجمہ تو کبھی پنڈت کو نصیب ہی نہیں ہوا اس کی کہاں تک شکایت کی جائے اب آپ کے اعتراض کو دیکھئے کس قدر عقل و دانش سے دور ہے امید عفو کو آپ سب گناہ قرار دیتے ہیں یہ فاحش ترین غلطی ہے۔ آپ کو کیا معلوم ہوگا اور آپ کب جانتے ہوں گے کہ مغفرت و معافی سے مایوسی بسا اوقات آدمی کو گناہوں میں مستغرق رہنے پر مجبور کرتی ہے دنیا میں ہر ایک مجرم کو فیصلے بلکہ نتیجۂ اپیل کے وقت تک اپنی برات کی امید لگی رہتی ہے اور یہی امید سب کو مزید ارتکابِ گناہ سے روکتی ہے طیش میں آ کر ایک غضبناک انسان دوسرے کو قتل کرتا ہے مگر اس کے ساتھ امیدوں کا ایک ہجوم ہوتا ہے کہ شاید قتل کا ثبوت نہ پہنچے شاید وکیلوں کی جرح ثبوت کی شہادتوں کو یکجا نہ کر پائے۔ شاید رحم خسروانہ کے سلسلہ میں میرے اس جرم سے درگذر کیا جائے۔ شاید کوئی اور صورت رہائی کی نکل آئے۔ شاید مجھے بھاگنے کا موقع مل سکے یہ امیدیں

اس کو ایک قتل کے بعد دوسرے اور قتل کرنے سے روکتی ہیں لیکن اگر وہ قتل کے ساتھ ہی اپنی رہائی سے بالکل مایوس ہو جائے اور خفیف سی کوئی امید بھی باقی نہ رہے اور یقین کامل ہو کہ اس کو ضرور پھانسی لگے گی تو وہ جہاں تک ہو سکے گا اپنے اور دشمنوں پر بھی ہاتھ صاف کرتا چلا جائے اور یہ سوچے کہ میری جان تو اب بچے ہی گی نہیں تو اب میں کسی کے ساتھ کیوں رعایت کروں۔

پنڈت جی کی فہم یہاں تک نہ پہونچی، اور درحقیقت یہ ان کے مذہب کا قصور ہے جس نے خدا کو صفت عفو سے عاری سمجھا لیکن جس حال میں کہ پنڈت جی کا یہ اعتقاد ہے کہ گناہ معاف کرنا خلاف عدل وانصاف ہے اور ان کے ایشور کو اس پر قدرت ہی نہیں۔ تو دنیا کو ویدک دھرم کی دعوت دینا لاحاصل بات ہے۔ کیوں کہ جن لوگوں نے عمر بھر بت پرستی کی پرانوں کو مانا، مورتیوں کو پوجا، ویدوں کو برہما کے چار موہنوں سے نکلا ہوا مانا۔ اور وید کے خلاف عمل کرتے رہے یا جو مسلمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں گلے کی قربانی کرتے ہیں اور اس کا گوشت کھاتے ہیں اور عمر بھر انہیں افعال میں گذری ہے۔ ہزاروں گائیں انہوں نے ذبح کر ڈالی ہیں پنڈت جی کے اعتقاد کے مطابق ایشور ان کے جرم تو معاف ہی نہیں کر سکتا صدہا جیونوں تک انہیں سزا بھگتنی ہے جب اس جیون میں اتنے گناہ ہو گئے تو اگلے جیونوں میں کیا اطمینان ہے کہ کوئی گناہ نہ ہوگا اور ضرور ہوگا اور ایشور معاف نہیں کر سکتا تو پھر اس کے بدلے اور جیونوں میں سزا ملے گی اور اس میں بھی گناہ ہوگا تو ہمیشہ سزا بڑھتی ہی رہے گی۔ نجات کی ساعت کبھی نہ آئے گی تو اب بتاؤ کہ کسی ہندو یا مسلمان یا عیسائی کو آریہ بنانے سے کیا نتیجہ اور وہ کس طرح شدھ ہو سکتا ہے؟

جب پاپ معاف نہیں ہوتا گناہ بخشا نہیں جاتا۔ نجات متصور نہیں تو اب آدمی اپنا دین تبدیل کرے تو کیوں اور کس لئے؛ اور جو لوگ آریہ ہیں ان سے کیا گناہ نہیں ہوتے صدہا گناہ ان سے صادر ہوتے ہیں اور معاف نہیں ہو سکتے تو نجات کا راستہ ان کے لئے ہی بند ہے۔ پنڈت جی کے اس اصول نے یہ بتایا کہ ان کے دھرم سے نجات کی توقع کرنی نئے اور پرانے آریہ دونوں کے لئے باطل ہے۔ اب ذرا یہ بھی دیکھ لیجیے کہ پنڈت جی کے دھرم میں غلط اور نمائش کی باتیں کس قدر ہیں۔ "ستیارتھ پرکاش" میں ایشور کے ناموں کے سلسلہ میں لکھا ہے وآیو چونکہ ایشور متحرک اور ساکن جہانوں کو قائم اور زندہ رکھتا ہے اور فنا کرتا ہے۔ اور تمام قادروں سے قادر ہے۔ اس وجہ سے پرمیشور کا نام وآیو ہے یہاں پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ایشور قادر ہے اور فنا اور بقا اس کے اختیار میں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک نے جو صفات الہیہ کے شاندار درس دیئے ہیں اس کی نقل اتاری جاتی ہے اور محض نمائش کے لئے یہ صفتیں پیش کی جاتی ہیں ورنہ جو قوم تناسخ کی قائل ہو اور مادہ کی روح سے اور ایک ایک جیو کو قدیم مانے وہ کس طرح اس کی فنا کی قائل ہو سکتی ہے۔ ایشور کے لئے فنا کا عام اختیار ظاہر کرنا ویدک دھرم کے مسلہ اصول کے خلاف اور محض دکھاوے کی بات ہے اسی طرح اس کو قادر بلکہ اقدر القادرین کہنا یہ بھی ایک مغالطہ ہے کیونکہ جو شخص آریہ دھرم میں کسی طرح کسی مجرم کا خفیف سا جرم معاف نہیں کر سکتا اس کو اقدر القادرین کہنے کے کیا معنی ہیں بالکل ایسا ہی جیسے کوئی شخص زندگی سے نسبت رکھے کہ اسے اندھیرے اجالے میں کچھ نظر نہیں آتا۔ ایک شہتیر کو دن دھاڑے دیکھ نہیں سکتا پہاڑ تک

اس کو نہیں سوجھتا مگر ہے وہ بڑا بینا حدید البصر تیز نظر جبھی یہ تعریف تمسخر اور یاوہ گوئی ہے ایسا ہی عفو وجرائم سے مجبور مانتے ہوئے ایشور کو اقدر القادرین کہنا تمسخر اور صرف نمائشی بات ہے۔ ۲ پرمیشور کی سچائی، انصاف، رحم، کامل قدرت اور کامل علم وغیرہ بے شمار صفتیں ویسی دیگر کسی بے جان یا جاندار کی نہیں ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ص۸)

رحم اور کامل قدرت کا حال یہ ہے کہ ایک خطا کار چھوٹے سے چھوٹا گناہ معاف کرا سکتا ہے اتنے بڑے رحیم کہ خطا بخشنے سے مجبور اور ایسی کامل قدرت رکھتے ہیں کہ ایک ذرہ بھر قصور معاف کرنے کا اختیار نہیں، انصاف کی عینک لگا کر دیکھئے کہ یہ صفتیں محض گناہ بے شمار کرانے کے لئے لکھی گئی ہیں یا نہیں۔ اور حقیقۃً اعتقاد ہے کہ ایشور بے چارہ مجبور محض اور عاجز و ناچار ہے۔

۳ چونکہ وہ کامل جاہ وحشمت رکھنے والا پرمیشور بھی ہے اس لئے اس کو اندر بھی کہتے ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش ص۹) یہ صفتیں بڑے دکھاوے کی ہیں کامل جاہ کا تو یہ حال کہ قصوروار کی تقصیر سے درگذر اختیار سے باہر اور حشمت و دولت کی یہ کیفیت کہ ایک دانہ کسی کو دے نہیں سکتے۔ مالک تو ہیں ساری کائنات کے مگر ایک جو دینے کا اختیار نہیں کیا شان عالی ہے اور کیا صفت کامل ہے ثناگری بھی ہو تو ایسی ہو۔

۴ وید منتر میں ایک التجا ہے اے پرمیشور آپ ہی عالم القلوب (انتریامی) ہونے باتحقیق برہم ہیں کیوں کہ آپ ہر جگہ موجود ہونے کی وجہ سے سب کے لئے قابل حصول ہیں جو آپ کا صحیح حکم ویدوں میں ہے میں سب کو اسی کا اپدیش دوں گا۔ اور خود بھی کروں گا، سچ بولوں گا سچ مانوں گا۔ اور سچ ہی عمل میں لاؤں گا پس آپ سیدی

حفاظت کیجئے آپ میری آپت یعنی راست گوئی کی حفاظت کیجیئے تاکہ میری عقل آپ کے فرمانوں میں قائم رہ کر الٹی کبھی نہ ہو۔ (ستیارتھ پرکاش)

اس منتر میں دعا کا چربہ اتارا ہے اور نمائش کے لیئے یہ ظاہر کیا ہے کہ ایشور دعا کے قبول کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ اس کے صفات رب العالمین کے اس مرتبہ سے گھٹ نہ جائیں جو اسلام اور قرآن نے بتایا ہے۔ اور مجیب الداعین کی صفت سے ایشور محروم اور کورا نہ رہ جائے۔ مگر اس کی حقیقت نمائش سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ویدک دھرم میں اگر پچھلے عمل اس کو مستحق حفاظت کرتے ہیں تو دعا داخل بے کار ہے۔ ایشور پر خود ہی حفاظت کرنا واجب ہے بلکہ اگر منع بھی کیجئے تو وہ حفاظت کرے گا (بقول پنڈت) اور حفاظت کرنے پر حسب اعتقاد آریہ مجبور ہوگا۔ اور اگر پچھلے اعمال ایسے نہیں ہیں تو آپ لاکھ کیجیئے کبھی حفاظت نہ کرے گا اور بقول پنڈت جی کے اس کا انصاف جاتا رہے دونوں حالتوں میں ایشور بے چارہ دعا کے قبول کرنے سے عاجز و مجبور ہے اب جو یہ دعا کی گئی یہ محض دکھاوے اور مسلمانوں کی نقل نہیں تو اور کیا ہے۔ اس منتر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سیدھی راہ چلنے کی توفیق دینا بھی ایشور کے ہاتھ میں ہے اگر ایسا ہے تو پورا کارخانۂ تناسخ باطل ہے۔ کہ وہاں سوائے عمل صالح کے کوئی سبب نعمت نہیں ہو سکتی اور بغیر جزا کے کوئی سلوک نیک کسی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ نقل تو کی اھدنا الصراط المستقیم کی مگر اس اعتقاد حق سے محروم تھے جس پر اس دعا کے حق ہونے کا مدار ہے۔

اعتراض: آیتہ۔ واذ استسقیٰ موسیٰ لقومہ فقلنا اضرب بعصاك الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا۔ کا ترجمہ پنڈت نے ان لفظوں میں کیا ہے:

"جب موسیٰ اپنی قوم کے واسطے پانی مانگا ہم نے کہا کہ اپنا عصا مار اس میں سے بارہ چشمے نکلے"

یہ ترجمہ کر کے پنڈت جی یہ اعتراض کرتے ہیں "ایک پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشموں کا نکلنا بالکل ناممکن ہے ہاں اس پتھر کو اندر سے کھولا کر اس میں پانی بھر لیں اور بارہ سوراخ کرنے سے ایسا ہونا ممکن ہے اور کسی طرح نہیں۔

جواب: پنڈت جی نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ آیات قرآنیہ کی تکذیب و انکار پر کور از اڑے رہیں گے۔ اور خواہ عقلاً وہ انکار کتنا بھی معیوب ہو اس کی اصلاح نہ کریں گے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ تھا کہ ضرب عصا سے بارہ چشمے نمودار ہوئے! کائنات میں نظر کرنے والے روزمرہ مشاہدہ کرتے کہ خاصان خدا کے ہاتھوں پر ہزارہا عجائب و غرائب ایسے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو ناظرین کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں چون و چرا کرنے اور ناممکن و محال کہہ دینے سے واقعات نہیں مٹ سکتے۔ بچھو کا کام کاٹنے کا ہے اس کی طبیعت کا یہی مقتضا ہے۔

پیش کر دم نہ از پے کین ست ۔۔۔ مقتضائے طبیعتش این ست

پنڈت کے نزدیک کسی چیز کے طبعی خواص کو ایشور بھی نہیں بدل سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں جو قدرتی اصول ہیں مثلاً آگ گرم، پانی ٹھنڈا، مٹی وغیرہ تمام غیر ذی شعور ہیں ان کی طبعی صفت کو پرمیشور بھی نہیں بدل سکتا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۸۱)

پنڈت جی کے نزدیک اس عقیدے کے بموجب ناممکن ہے کہ بچھو کا طبعی

خاصہ یعنی ڈنک مارنا اور کاٹنا بدل جائے یہ بات پنڈت جی کے نزدیک ناممکن بھی ہے۔
اور ایشور کے مقدور سے باہر بھی کہ اگر پنڈت جی کا ایشور چاہے بھی کہ بچھو کاٹنا چھوڑ دے تو اس بے چارے کے چاہے کچھ نہ ہو۔ اور بچھو ڈنک مارنے سے باز نہ آئے۔ اپنے عقیدے کے بموجب ایشور کے یہ اختیارات دیکھتے ہوئے اگر ایک پتھر سے بارہ چشموں کا برآمد ہونا ناممکن سمجھ گئے تو کوئی تعجب نہیں مگر واقعات ان کے اس عقیدے کو باطل کرتے ہیں یہ کیا ان بے چارے کے بس کی بات ہے زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت دور ہو چکا اور اسی بھروسہ پر پنڈت جی نے ان کے معجزے کا انکار کر دیا کہ نہ اب وہ زمانہ لوٹ کر آئے گا نہ پنڈت جی کو کوئی ذلیل کر سکے گا۔ مگر ان بے چارے کو یہ خیال نہ آیا کہ غلامان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامتیں آج بھی دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں وہ پنڈت جی کے عقیدے کا بطلان ظاہر کر دیں گے۔

امروہہ ضلع مراد آباد میں آستانہ حضرت شاہ ولایت صاحب قدس سرہ العزیز میں ہر زمانہ اور ہر موسم میں ہزارہا بچھو ملتے ہیں اور احاطہ درگاہ کے اندر کوئی بچھو کسی طرح نہیں کاٹتا اور اس کا وہ طبعی خاصہ ہے) ہاتھ پر رکھئے خواہ گلے میں بچھوں کا ہار بنا کر ڈالئے یا بچھو کے ڈنک پر ہاتھ رکھ دیجئے کسی طرح وہ نہیں کاٹتا۔ پلٹ جاتا ہے جس کو پنڈت جی کا ایشور بھی نہیں پلٹ سکتا تھا تو اب پنڈت جی بتائیں کہ ایسی ناممکن بات جو ان کے عقیدہ پر ایشور کے اختیار میں نہ تھی کس طرح واقع ہو گی اور اس کا استحالہ کہاں چلا گیا اور ایشور سے بڑھ کر کونسی قدرت ہے جس نے اپنا کرشمہ دکھایا۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا نہیں جس کو مکر جائے، جسے آپ کی آنکھوں کے سامنے

ممکن نہ ہو یہ کرامت آج ظاہر ہے لاکھوں کفار دیکھ چکے ہیں روز از خلق خدا اس کے تجربے اور مشاہدے کرتی ہے جس آریہ کا دل چاہے امروہہ جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جو قادر مطلق اپنے مقبولان بارگاہ کے مبارک ہاتھوں پر ایسے عجائب کا اظہار فرماتا ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے بارہ ۱۲ چشمے ظاہر فرما دے اس کو پنڈت جی نے محض اپنی عقیدے کی بنیاد پر ناممکن کہہ دیا۔ کچھ علم ہوتا تو استحالہ پر کوئی دلیل قائم کرتے محال ہونے کا دعویٰ اور دلیل خاک نہیں کس قدر شرمناک جہالت ہے آخر میں آپ کو خود بھی کچھ خیال آیا تو لکھا "ہاں اس پتھر کو اندر سے کھوکھلا کرکے اس میں پانی بھر لیں اور بارہ سوراخ کرنے سے ایسا ہونا ممکن ہے اور کسی طرح نہیں۔" ابھی ابھی جو بات ناممکن بتائی تھی ابھی اپنی ایک خیالی صورت سے ممکن قرار دے دیا۔ جس شخص کو اپنی رائے پر خود جزم و اعتماد نہ ہو پھر اس کے اعتراض کی کیا حقیقت، جو اعتراض پتھر سے چشمے جاری ہونے کے استحالہ و عدم امکان کی بنیاد پر تھا وہ چشموں کا جریان پتھر سے مان لینا باطل ہو گیا۔ پنڈت جی کی اپنی ہی بات خود انکار ہو گئی۔ پھر نہ معلوم یہ اعتراض کیا کیوں ہے کہ اس سے عقلاً سوائے معترض کی کم عقلی و نادانی کے اور کیا سمجھیں گے اس بے فائدہ کاغذ سیاہ کرنے کا کیا نتیجہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اعتراض: آیت بدیع السمٰوٰت والارض واذا قضٰی امرا فانما یقول لہ کن فیکون۔ کا ترجمہ پنڈت نے ان الفاظ میں کیا ہے "جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے جب وہ کچھ کرنا چاہتا ہے یہ نہیں کہ اس کو کرنا پڑتا ہے بلکہ اسے کہتا ہے کہ ہو جا پس ہو جاتا ہے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ:

"بھلا جب خدا نے حکم دیا کہ ہو جا تو یہ حکم کس نے سنا اور کس کو سنایا گیا اور کون بن گیا کس علتِ مادی سے بنایا گیا جب یہ لکھتے ہیں کہ آفرینش سے پہلے سوائے خدا کے کوئی بھی چیز نہ تھی تو یہ دنیا کہاں سے ہوئی علت کے بغیر معلول نہیں ہوتا۔ تو اتنا بڑا جہاں علت کے بغیر کہاں سے ہو گیا یہ بات صرف لڑکپن کی ہے۔

جواب: پنڈت جی کو بہت حیرت ہے کہ جب پروردگار عالم نے حکم دیا ہو گا کس نے سنا ہو گا کس کو سنایا ہو گا اور علتِ مادی کے بغیر کوئی چیز کیونکر بنی ہو گی جہاں تک ان کے عقل و علم اور مشاہدہ کی رسائی ہے۔ اسی احاطہ میں آپ عجائب قدرت کو محدود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک مینڈک کنوئیں کی وسعت دیکھ کر حیران ہوتا ہے، تالاب دریا اور سمندر کی وسعت کا اندازہ اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مشاہدہ کی بنا پر یقین کرتا ہے۔ کہ سمندر کی لمبائی چوڑائی گہرائی مبالغہ اور جھوٹ ہے اس سے بدرجہا زیادہ پنڈت صاحب کی حیرانی ہے اور کارسازِ عالم کی قدرت و صفت اور اس کے رموز حکمت تک ان کی عقل کیا رسائی کرے آج دنیا میں انسانی مصنوعات کی حیرت انگیزی ان کی عقل کو چکر میں ڈال دے گی۔

ٹیلیفون کے ذریعہ ہزارہا میل کے فاصلے پر بات چیت کرنا آواز سننا اور آواز پہچاننا نیز آواز کو پہچاننا اور آواز کا اتنی مسافت بعیدہ تک محفوظ چلا جانا، اور وائرلیس میں تار کے سلسلہ کا بھی نہ ہونا پنڈت جی کو کس قدر مبہوت کرے گا۔ اور بے چارے کو یہی کہتے بنے گی کہ یہ بچوں کی باتیں ہیں۔ انگلستان کی بات ہندوستان میں سنائی دے نری گپ ہے۔ مگر پنڈت جی کے گپ بتانے سے واقعات بے حقیقت نہیں ہوتے وہ اپنا کام کر رہے ہیں اور دنیا ان سے اپنا فائدہ اٹھا رہی ہے روز مرہ نئے نئے حیرت انگیز معلومات و ایجادات دنیا پر کھلتے جا رہے ہیں جو دماغ انسانی صنائع تک پہنچنے سے قاصر ہو اور فکر بشری عجائب کاریوں تک رسائی نہ کر سکے وہ اگر کارخانہ قدرتِ الٰہی میں مخل ہو تو کیا تعجب ہے۔ اس کی حکمت و قدرت عقول کے اوج پرواز سے بالاتر ہے یہی شان خدائی ہے لیکن ذی علم اور بے علم میں فرق یہ ہے کہ جاہل بے علم اپنی نارسائی بے ادراکی پر نظر نہیں کرتا اور قصور کو جرات و بے باکی کے ساتھ قدیر مطلق و حکیم برحق کی طرف نسبت کر ڈالتا ہے اور جس کو اللہ نے علم دیا ہے غرور کیا وہ اپنی محدود علم کو جانتا ہے اور اپنے ضعف ادراک سے واقف ہے اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے اس کی عظمت پر ایمان لاتا ہے پنڈت جی کی طرح ہزار جہال فلسفہ کے دقیق اور غامض مسائل پر تمسخر اڑاتے ہیں ان کی عقل وہاں تک رسائی نہیں کرتی منکر ہو جاتے ہیں۔ اس سے وہ حقائق غلط نہیں ہو جائیں گے اسی طرح اگر پنڈت کی سمجھ میں نہ آئے تو یہ اس کے فہم کا قصور و ادراک کا فتور ہے اس قادر و حکیم کی قدرت میں بٹہ نہیں لگ سکتا۔ پنڈت امر تکوینی سے خبردار ہی نہیں ہے

خود مخلوق ہے مخلوقات میں رہا ہے۔ مخلوقیت کے عجز میں مبتلا ہے اس کی آنکھوں نے خالقیت کے جلوے دیکھنے کی لذت نہیں اٹھائی ہے وہ سمجھتا ہے کہ امر ہم بھی کرتے ہیں مگر جب کرتے ہیں جب کوئی مخاطب سننے والا موجود ہو اور جب ہی اس پر ثمرہ بھی مرتب ہوتا ہے اگر کوئی سننے والا نہ ہو تو ہمارا امر کرنا بے کار ہے نہ اس کا کوئی ثمرہ نہ نتیجہ مگر اتنی عقل اس کے پاس نہیں ہے جس سے وہ یہ عذر کرے کہ یہ بات ہے کیوں اسی لیے جب تک کوئی سننے والا نہ ہو تو ہمارا امر کرنا بے کار ہے یہ اس کا کوئی ثمرہ نہ نتیجہ۔ مگر اتنی عقل اس کے پاس نہیں ہے جس سے وہ یہ عذر کرے کہ یہ بات ہے کیوں اسی لیے ہم مخلوق ہیں عاجز ہیں شان خالقیت نہیں رکھتے ہمارے امر میں معدوم کو موجود کرنے کی طاقت نہیں اس لیے جب تک کوئی سننے والا نہ ہو ہمارا امر بے کار ہے لیکن جو عالم کو وجود عطا فرمانے والا ہے اور عالم ہستی مرحمت فرمانے والا ہے اس کا امر معدوم کو موجود اور نیست کو ہست نہیں کر سکتا اس کو کیوں ایشور کہا جاتا ہے کس لیے مستحق عبادت قرار دیا جاتا ہے۔ بیچارگی اور مجبوری میں وہ اور ہم برابر ہیں نہ ہمارے امر کرنے سے کچھ بنتا ہے اور نہ اس کے حکم کرنے سے کچھ ہوتا ہے تو وہ خالق ہے نہ قادر ہے ہماری طرح ہی مجبور ہے ایسے کو ایشور کہتے ہو۔ اور ایسے کی عبادت کرتے ہو۔ تو یہ مخلوق پرستی ہے عاجز پرستی ہے مجبور پرستی ہے اور بے کار پرستش ہے اور غیر مفید وجود کو ایشور بنانا، سرو شکتیمان کہنا بالکل جھوٹ ہے اور غلط ہے مسلمان ایسی نکمی مخلوق کو خدا نہیں مانتے ان کا مالک ان کا معبود قادر مطلق ہے کہ موجودات کی ہستیاں اس کے امر کے تابع ہیں حکم دیا اور بے درنگ

جو چاہا ہو گیا۔ ہستی اس فیاض کے حکم سے تخلف نہیں کر سکتی اسی کو کہتے ہیں فیاض اسی کا نام ہے موجد وہی ہے مبدع۔

اب رہی یہ بات کہ حکم کس کو دیا گیا اگر امر تکلیفی ہو تو ضروری ہے کہ مامور موجود ہو۔ لیکن پھر بھی وقت امر موجود ہونا ضروری نہیں آپ دیکھتے ہیں کہ صدہا وصیت نامے لکھے جاتے ہیں وقف نامے تحریر ہوتے ہیں نسلوں بعد کے انتظام ان میں کیے جاتے ہیں اور جو لوگ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ان کو حکم دیئے جاتے ہیں ان کے لیے پابندیاں مقرر ہوتی ہیں پنڈت جی ایسے تمام دستاویزیں ناجائز کرا لیں دستاویزیں ناجائز ہو جائیں تو اس میں پنڈت جی کا ایسا زیادہ نقصان نہیں لیکن بڑی مشکل کی بات ہے کہ وید اور منوسمرتی بے کار ہیں اور اگر لازم ہوں تو پنڈت جی بتائیں کہ آج کی مخلوق وید اور منوسمرتی کے تصنیف کے وقت کب موجود تھی اور ان کے مصنفوں نے احکام ان لوگوں کو کب سنائے تھے اگر بقول آپ کے صحت اطلاق امر کے لیے مامور کا موجود ہونا اور سننا ضروری ہے تو وید و منوسمرتی کے جملہ احکام یا لغو اور بے کار ہیں یا زمانہ تصنیف کے لوگوں کے لیے تو مستقل تھی لیکن ان کے بعد کسی سے نہیں دھرم ہی گیا اب کیسی شدھی اور کہاں کی دعوت۔

جب امر تکلیفی میں بھی مامور کا سامنے موجود ہونا امر کا اسی وقت اپنے کان سے سننا ضروری نہیں تو امر تکوینی جس کا مقصد ایجاد معدوم ہے اسی کے لیے مامور کا پہلے سے موجود ہونا کس طرح ضروری ہو سکتا ہے لیکن یہ حکیمانہ مسائل پنڈت کے دماغ میں کیسے آ سکتے تھے۔ یہ علمی باتیں ان تک کہاں پہونچی تھیں۔

ابھی تو کانوں میں اس پری کے یہ گفتگو بھی نہیں گئی ہے
ابھی وہ نامِ خدا ہے غنچہ نسیم چھو بھی نہیں گئی ہے

اس سے زیادہ پنڈت صاحب کی نادانی یہ ہے کہ جو وہ یہ کہتے ہیں کہ کس علتِ مادی سے بنایا گیا گویا آپ کے نزدیک ہر چیز کیلئے علت مادی ضروری ہے یہ تو حال ہے علم وخرد کا اور اس پر شوق اعتراض۔

واہ کیا خوب جناب آپ کو اس شکل پر ناز آئینہ دیکھو اور دل میں پشیمان ہو خبر بھی ہے کہ موجودات کتنی قسم کے ہیں، موجودات کو آپ نے مادیات میں منحصر کر دیا ہے بات یہ ہے کہ مادیات کے احاطہ سے نظر آگے نہیں بڑھی یہ لیاقت اور علم الٰہیات میں کلام۔ مادیات کے لئے علت مادی درکار ہے۔ لیکن خود مادہ بھی تو مخلوق ہے اس کے لیے بھی ایک علت مادی ضروری ہو تو مادہ کا مادہ کی طرف محتاج ہونا لازم آئے اور یہ تسلسل یا دور تک منجر ہوا یہ محال تو مادہ کی احتیاج مادہ کی طرف یقیناً محال ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ مادہ کو اگر تم نے محتاج الی المادہ مانا ہو تو وہ مادہ نہ ہوا مادی ہو گیا۔ وَالمفروض خلافہٗ۔

تو لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ مادہ کسی مادہ سے نہیں بنا دیا گیا ہم صاف ہی کہہ دیتے ہیں کہ پنڈت جی اور ان کے ہمنوا بتائیں کہ بسائط عنصر یہ کس مادہ سے بنے ہیں جب ان کے لئے کوئی مادہ ثابت نہیں کیا جا سکتا تو ہر شے کے لئے علت مادی کی ضرورت کا دعویٰ باطل اور غلط و بے بنیاد ہے۔

اب رہی بات یہ کہ پنڈت مادے کو قدیم ماننے اور کارساز عالم کے دست قدرت کو اس کی آفرینش تک پہنچنے سے کوتاہ بتائے یہ تو سرے سے ناخداشناسی ہوگی، اور اس نے جو ایشور کو خالق بتایا ہے یہ غلط ٹھہرے گا اور جب مادہ خود ہی موجود ہے تو ایشور کا وجود کس دلیل سے ثابت کیا جائے گا اور قدیم مادہ جو اپنے وجود میں حامل سے غنی ہے کس طرح دوسرے قدیم یعنی ایشور کا زیر حکم و تابع فرمان ہو سکے گا اور ایشور کو اس پر حکومت و تفوق کیوں حاصل ہوگا۔ یہ عقدے ایں جو پنڈت جی اور ان کے ہمنواؤں کے ناخن افکار سے حل نہیں ہو سکتے اور یہ بے علمی و نادانی ہے کہ خالق عالم کا وجود مانتے ہوئے مادہ کو قدیم کہا جائے۔ اس سے اور بڑھ کر معترض کی جہالت یہ ہے کہ اس نے کہا ہے کہ معلول بے علت نہیں ہو سکتا یہ نابینائی ہے آیت میں تو صاف بتایا گیا تھا کہ موجودات کا وجود امر الٰہی سے ہوتا ہے تو امر الٰہی کا علت ہونا ظاہر تھا۔ پھر کس طرح یہ لکھ دیا کوئی معلول بے علت نہیں ہوتا یہ بتایا کس نے ہے کہ معلول بغیر علت ہے امر الٰہی خود علت تامہ ہے مفید وجود ہے لہٰذا معترض کا اور اس کے کلام کا ہر جز سراسر جہل و بطالت ہے۔ اسی اعتراض کے تتمہ میں پنڈت نے یہ الفاظ لکھے کہ "خدا اپنے اور دوسرے کے وصف عمل فطرت کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا دنیا میں کسی چیز کے بننے بنانے میں تین اشیاء ضروری ہوتی ہیں ایک فاعل جیسے کمہار دوسرے بننے والا مثلاً گھڑا مٹی اور تیسرا اس کا ذریعہ جس سے گھڑا بنایا جاتا ہے، جس طرح کمہار مٹی اور آلہ کے ذریعہ گھڑا بناتا ہے، اور بننے والے گھڑے کے پہلے کمہار اور آلات موجود ہوتے ہیں ویسے ہی

دنیا کے بننے سے پہلے جہان کی علت مادی یعنی پرکرتی تھی اور ان سب کے اوصاف افعال وفطرت ازلی ہیں اس لیئے یہ قرآن کی بات بالکل ناممکن ہے "۔

اس کا جواب ہے کہ پنڈت جی نے ایشور کو کمہار پر قیاس کرنے میں اپنی قدر دانی کا نمونہ دیکھایا کہ جس طرح ایک کمہار حقیقتہً کسی چیز کا خالق نہیں مجبور ہے وہ بغیر مٹی اور آلات کے گھڑا نہیں بنا سکتا یہی ایشور کی مجبوری کا حال ہے کہ جبتک مادہ نہ ہو اور مادہ میں عمل کرنے کے آلات نہ ہوں اس وقت تک بے چارہ ایشور کچھ بھی نہیں کرسکتا عاجز ہے مجبور ہے یہ تو ایشور کی شانِ خدائی ہے ۔ اب اس کی کتنی بھی مدح سرائی فرمائے مگر پنڈت جی یہ لکھنا بھول گئے کہ عالم کے بنانے میں جن آلات کی احتیاج پڑتی ہے اور آفرینش سے پہلے ان آلات کا موجود ہونا ضروری ہے وہ آلات کیا ہیں اور وہ آلات بھی قدیم ہیں یا حادث ۔ حادث تو کہہ نہیں سکتے ۔ کیونکہ مخلوقات کے وجود سے پہلے ان کا وجود موقوف علیہ کے طور پر تسلیم کیا ہے ۔ اگر انہیں حادث کہیں تو وہ خود داخلِ مخلوقات ہوجائیں گے لہٰذا ضرور پنڈت جی کو قدیم ہی ماننا پڑے گا ۔ تو اب پنڈت جی بتائیں کہ وہ آلات کیا ہیں روح بھی ان آلات میں داخل نہیں ہوسکتی کیوں کہ مادہ کی طرح اس نے ایشور کے عمل کو قبول کیا ہے اور وہ اس کے مفید کرنے سے جسم کی پابند ہوئی ہے تو روح اور مادہ دونوں میں عمل کرنے کے لئے جن آلات سے ایشور نے کام لیا ہے ۔ اور جن کا موجود ہونا اس کی خالقیت کے لئے پنڈت جی کے خیال میں ضروری ہے وہ آلات کیا ہیں ابھی تک آریوں نے روح ' مادہ ' ایشور '

تین ہی قدیم تسلیم کئے ہیں یہ چوتھا قدیم آلات کہاں سے نکل آیا. پنڈت جی تو چلے گئے اب ان کو ماننے والے آریہ ہی بتائیں کہ وہ آلات کیا ہیں جن کا ایشور محتاج ہے. پنڈت جی نے جہاں تک دنیا دیکھی اور موٹے موٹے کام ان کی نظر سے گذرے ان میں انہوں نے اکثر یہی دیکھا کہ کاریگر آلوں اوزاروں سے کام لیتا ہے اسے دیکھ کر ان کے خیال میں یہی آیا کہ ایشور بھی بہت سے بہت اتنا ہی کرسکتا ہے کہ اوزاروں کو جہاز بنادے اور پھر یہ بھی نہیں کہ اس کی مشیت کو کچھ اس میں دخل ہو جو چاہے کرسکے بلکہ اس کی مجبوری اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ کسی چیز کے وصف اور فعل تک کو نہیں بدل سکتا. پنڈت صاحب نے اپنے اسی قول میں مادہ (پرکرتی) اور اس کے اوصاف وافعال سب کو ازلی بتایا ہے لیکن حیرت ہے کہ باوجود اس اعتقاد کے وہ کس طرح ایشور کے وجود اور اس کی ہستی کے قائل ہیں اور اس کے اپاسنا اور عبادت کیوں لازم بتاتے ہیں جب مادہ اور عالم کا ذرہ ذرہ اور اس کے تمام اوصاف وافعال قدیم وازلی ہے تو عالم بتمامہ قدیم ہوا. تو حادث کون چیز رہی جس کے لئے محدث اور پیدا کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے یا وہ خود ہی اپنے اوصاف وافعال کے مطابق رنگا رنگ صورتیں اختیار کرتا ہے. تو ایشور صاحب کون ہیں کیا کرتے ہیں ان کا اس پر کیا قابو پھر ان کا وجود ثابت کرنے کے لئے کونسی دلیل ہے اس اعتقاد نے سرے سے ایشور کی ہستی کو ہی ڈھا ڈالا پھر مذہب کی تمام بنیادیں پیوند خاک ہوگئیں عبادت کس کی اور الہام کیا جب ایشور ہی نہیں تو تمام منصوبے ہیچ ہیں.

اعتراض: پنڈت نے آیت کریمہ "واذجعلنا البیت مثابۃ للناس و امنا واتخذوا من مقام ابرٰھیم مصلیً" کا غلط ترجمہ لکھ کر یہ اعتراض کیا کہ

"کیا کعبہ سے پہلے مقدس جگہ خدا نے کوئی نہیں بنائی؟ اگر بنائی تو کعبہ کے بنانے کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی اگر نہیں بنائی تو بیچارے پہلے پیدا ہوئے لوگوں کو مقدس جگہ سے محروم رکھا تھا پہلے خدا کو مقدس جگہ بنانے کی یاد نہ رہی ہو گی۔"

جواب: اہل عقل اور سمجھ دار یہ غور کریں کہ یہ اعتراض ہی کیا ہوا اس آیت میں کہاں ہے کہ کعبہ معظمہ کو پہلے ہی سے مقدس نہ بنایا تھا۔ پھر اعتراض کس چیز پر، محض اپنی تخیل پر آپ معترض ہیں تو یہ کمال نادانی ہے اور فرض کرو یہ ہوتا بھی کہ کعبہ معظمہ کو آفرینش سماوات والارض کے بعد مقدس بنایا تو دنیا کا ہر فرد بشر جانتا ہے کہ اس عالم کا نظام تدریج پر ہے پرندوں کے بچے گوشت کے لوتھڑے کی طرح پیدا ہوتے ہیں وقت پیدائش نہ ان کے پر ہوتے ہیں نہ بال ایک عرصہ کے بعد پر و بال ہوتے ہیں تو پنڈت جی اپنے بھولے پن سے یہی کہیں گے کہ پہلے ایشور کو یہ لگانے کی یاد نہ رہی ہو گی مگر خدا شناس اور اصحاب عقل ایسے بیہودہ کلمہ کو سننا گوارہ نہیں کر سکتے وہ جانتے ہیں کہ ہر کام حسب اقتضاء حکمت و مصلحت کسی وقت کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

پنڈت جی یہی بتا دیں کہ وہ اس زمانہ میں کیوں پیدا ہوئے۔ پہلے جگ میں کیوں نہیں ہوئے، کیا اس وقت ایشور کو بقول ان کے بنانے اور پیدا کرنے کی یاد نہیں رہی تھی اس موقعہ پر ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہو گا۔ عرصہ ہوا کہ بریلی میں آریہ اِس فقیر

سے مناظرہ کرنے آئے تھے ان کے پنڈت نے یہ اعتراض کیا کہ توریت انجیل زبور اور قرآن شریف یہ چار کتابیں مختلف زبانوں میں کیوں نازل ہوئیں ایک ہی مرتبہ ایک مکمل کتاب کیوں نازل نہ کر دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کتاب نازل کرتے وقت (معاذ اللہ) خدا سے بھول ہوئی جب یاد آیا کہ فلاں بات رہ گئی تو دوسری کتاب نازل کی اس میں بھی بھول سے بہت باتیں رہ گئیں یاد آنے پر تیسری اور اسی طرح سب کے آخر میں چوتھی کتاب نازل کی اگر وہ سب باتیں پہلے سے یاد ہوتیں تو ایک ہی مرتبہ مکمل کتاب نازل کر دیتا۔

پنڈت صاحب نے بڑے تفاخر سے اچھل اچھل کر اس اعتراض کو پیش کیا اور انہیں یقین تھا کہ اس میں ان کا مقابل لاجواب ہو جائے گا اور میدان ان کے ہاتھ رہے گا۔

فقیر نے کہا کہ پنڈت صاحب یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں حکیم کے افعال حسب اقتضاء حکمت و مصلحت ہوتے ہیں جس وقت جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اسی کو وہ بہم کرتا ہے ایک حاذق طبیب ایک وقت مریض کے لئے منضج کا نسخہ لکھتا ہے پھر وہی اس نسخہ کو موقوف کر کے مسہل کا نسخہ دیتا ہے اس کے بعد اس کو بھی موقوف کر دیتا ہے تبرید پلاتا ہے پھر انہیں موقوف کر کے مصفیات دیتا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ منضج کا نسخہ لکھتے وقت اس کو مسہل یاد نہ تھا، اور مسہل تجویز کرتے وقت تبرید کا اس کو علم نہ تھا، اور تبرید دیتے وقت وہ نہ جانتا تھا کہ آخر کار مصفیات دینے ہوں گے بلکہ یہ سب کچھ حسب اقتضاء حکمت ہے وہ حکمت

اگر آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ آپ کی سمجھ اور علم وعقل کا قصور ہے۔ حکیم پر یہ اعتراض بے جا ہے۔ یہ مضمون میں نے تفصیل وتوضیح کے ساتھ بیان کیا۔ اور بحمداللہ جلسہ کے دلنشیں اور خاطر گزیں ہوگیا۔ مجمع سے آفرین اور مرحبا کی صدائیں آنے لگیں۔ مگر پنڈت صاحب بہت برہم ہوئے بہت بگڑے اور جوش میں کھڑے ہوگئے تیوری میں بل ڈال کر کہنے لگے کہ ہم جانتے تھے کہ آپ کے پاس اس اعتراض کا کچھ جواب نہیں ہے اور آپ یہی کہیں گے کہ دین کی بات میں عقل کا کچھ دخل نہیں اپنی حکمت کو خدا ہی جانے مگر یہ کہہ دینے سے میرا اعتراض نہیں اٹھا آپ اعتراض کا جواب دیجیے اس کے ساتھ پنڈت جی نے تعلی وغیرہ کے بہت کلمات کہے میں نے کہا کہ پنڈت جی میں نے جواب بہت معقول دیا اور مجمع کے دلنشیں بھی ہوگیا۔ میری تقریر پر آپ کوئی جرح بھی نہیں کرسکے۔ اور اس کا کوئی لفظ آپ سے غلط ثابت نہ ہوسکا اس پر اتنا غصہ ہے ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیجیے آپ کے اعتراض کا شافی جواب پیش کردیا گیا ہے۔

فقیر نے کہا کہ پنڈت صاحب اس متانت کی گفتگو نے آپ کو بہت زیادہ گرم کردیا۔ لیکن انہوں نے بہت سخت لب ولہجہ میں پھر اپنے اعتراض کو پیش کرکے جواب طلب کیا۔ میں نے کہا کہ پنڈت جی جواب شافی تو میں دے چکا ہوں اور مجمع سمجھ گیا ہے مگر آپ کہتے ہیں کہ جواب ہی نہیں ہوا تو اب میں آپ کی فہم کے لائق جواب عرض کرتا ہوں قرآن پاک کو تو آپ مانتے ہی نہیں مگر یہ تو آپ کو تسلیم ہے کہ آپ کو تو آپ کے ایشور ہی نے پیدا کیا ہے۔

پنڈت جی جواب سنئے اس وقت تو آپ کا قد پانچ چھ فٹ لمبا ہے منہ پر مونچھیں تاؤ کھا رہی ہیں دانت داڑھیں موجود ہیں لیکن جب آپ پیدا ہوئے تھے اس وقت نہ آپ کے منہ میں دانت تھے نہ داڑھیں نہ یہ لمبی لمبی مونچھیں نہ اتنا بڑا قد و قامت تو کیا آپ کے اعتقاد میں اس وقت ایشور ان سب چیزوں کو بھول گیا تھا آپ کی تو صرف زبان ہلتی ہے آپ آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ ایشور سے بھول ہو گئی تھی، لیکن اگر کہیں پیدائش کے وقت جناب کا یہ موجودہ قد و قامت ہوتا تو والدہ صاحبہ کی شامت تھی، یہ جواب سنکر آریہ تو چلدیئے اور پنڈت جی اکیلے رہ گئے نہ ان سے اٹھا گیا نہ زبان سے ایک لفظ نکل سکا۔ اور مجمع میں تحسین و آفرین کا شور مچ گیا اس پنڈت کی یہ گفتگوئے نادانی بھی انہیں استاد کی تعلیم کا نتیجہ تھی جس پر اس کو انتہا درجہ کی شرمندگی اٹھانا پڑی

اعتراض: آیۃ "ومن یرغب عن ملۃ ابرٰھیم" کا غلط ترجمہ لکھ کر پنڈت نے اعتراض کیا ہے کہ

"یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جو ابراہیم کے دین کو نہیں مانتے وے سب جاہل ہیں۔ ابراہیم کو ہی خدا نے پسند کیا اس کا کیا سبب ہے اگر دین دار ہونے کے سبب کیا تو دیندار اور بھی بہت سے ہو سکتے ہیں اگر بلا دیندار ہونے کے پسند کیا تو بے ہوئی ہاں تو یہ ٹھیک ہے کہ جو دھرماتما ہے وہی خدا کو عزیز ہوتا ہے۔ ادھرمی نہیں"

جواب: پنڈت جی کی فہم پر افسوس اتنا بھی نہ سمجھا کہ کسی نائب السلطنت یا سفیر حکومت کی مخالفت اس سلطان کی مخالفت ہوتی ہے جس نے اسے یہ منصب دیا ہے۔ جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام فرستادہ خدا اور اس کے رسول تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ملت حقہ کی دعوت وتبلیغ کے لئے بھیجا تھا تو کوئی ان کے دین سے پھرے گا وہ دین الٰہی سے منحرف ہوگا کس عاقل کے نزدیک ایسا شخص مستحق عتاب وعقاب نہ ہوگا۔ پنڈت جی کی سمجھ میں اتنا بھی نہ آیا کہ ان کا یہ کہنا دین دار اور بھی بہت ہو سکتے ہیں اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور انبیاء علیہم السلام کو بھی مرسل کیا اور وہ بھی دین لائے تو ان سب کی اطاعت واجب ہے اور ان میں سے ہر ایک نبی سے انحراف کرنے والا متمرد باغی مستحق سزا ہے اور اگر پنڈت جی کی یہ مراد ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقوں

کے سوا اور لوگ بھی دیندار ہیں تو انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے پاس دین الٰہی نہیں دین باطل ہے۔ جیسے بت پرستوں کا دین آتش پرستوں کا دین کواکب پرستوں کا دین، مادہ پرستوں کا دین آریوں کا دین، دین الٰہی نہیں ہے ان کا اختیار کرنے والا اور دین الٰہی کا چھوڑنے والا تو مستحق سزا ہے پہلے اپنے دین کو دین الٰہی تو ثابت کیا ہوتا تب اسے دینوں میں شمار کرتے مگر آپ دین الٰہی کیا ثابت کریں گے آپ کے اعتقادات تو ایشور کا وجود ہی ثابت نہیں ہونے دیتے مادہ اور اس کے اوصاف و افعال کی قدامت چاہتی ہے کہ عالم خود بخود ہو جب پنڈت جی کو یہ تسلیم تو وہ خدا کے وجود کا کس منہ سے دعوٰی کر سکتے ہیں۔ اور خدا نہ ہو تو خدائی دین کہاں سے آئے گا۔؟ پنڈت جی کا یہ کہنا کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو نہیں مانتے وہ سب جاہل ہیں عاقل کے کہنے کی بات نہیں اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ سچے دین کا نہ ماننے والا ضرور جاہل و گمراہ ہے اور اس سے بڑھ کر انسان کی سیہ دلی و سیہ بختی کیا ہوگی کہ دین حق سے منحرف ہو جائے۔

کیا پنڈت صاحب کے اعتقاد میں جو لوگ ان کے دین کے مخالف ہیں وہ نادان اور غلط کار نہیں، عالم دیندار خداشناس ہو سکتے ہیں اگر کہیے کہ نہیں جب تو پنڈت صاحب کا اعتراض خود ان کے سر پر سوار ہو جائے گا۔ اور اگر کہیں کہ ہاں ویدک دھرم کے نہ ماننے والے بھی عالم دیندار خداشناس ہو سکتے ہیں تو پھر انسان کے لیے اس دھرم کا ماننا ضروری نہ رہا۔ کیونکہ بغیر اس کے بھی علم و خداشناسی اور دینداری حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اس دین کی پابندیاں برداشت

کرنے اور بے فائدہ تکلیف اٹھانے کی کیا حاجت۔ پنڈت جی کا یہ نکتہ آریوں کی سمجھ میں آجائے تو وہ دھرم کے قیدوں سے آزاد ہو آنند کریں۔ یا اگر خدا عقل دے تو یہ عذر کریں کہ آریہ میں تو خداشناسی کے لیئے ضرور نہیں اب وہ کون سا دین ہے جو خداشناسی کے لئے اپنے اصول کی پابندی ضروری بتاتا ہے اور اگر اس کی پابندی نہ کی جائے تو عذاب دائم اور مصیبت ابدی میں گرفتار ہونے کا اعلان کرتا ہے اس کو قبول کریں تاکہ اس کے بموجب بھی نجات پاسکیں اور پنڈت جی کے طور پر تو ان کے دین کا قبول کرنا نجات کے لیئے ضروری ہی نہیں ہے۔

اعتراض: آیۃ کریمہ قد نری تقلب وجھك فی السماء فلنولینك قبلۃ ترضٰھا کا ترجمہ غلط لکھ کر مسلمانوں پر بت پرستی کا الزام لگایا ہے آیت شریفہ میں کعبہ معظمہ کے قبلہ بنانے اور نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا بیان ہے اس کو پنڈت نے شرک و بت پرستی بتایا اور انتہائی خلاف تہذیب کلمات سے اس پر اعتراض کیا پنڈت کے چند کلمات نقل کیے جاتے ہیں۔

"محمد صاحب نے چھوٹے بت کو مسلمانوں کے مذہب سے نکالا لیکن بڑا بت جو پہاڑ کی مانند مکہ کی مسجد میں ہے وہ تمام مسلمانوں کے مذہب میں داخل کر دیا گیا یہ چھوٹی بت پرستی ہے ہاں جیسے ہم لوگ (ویدک) وید کے ماننے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ ویسے تم لوگ بھی ویدک ہو جاؤ تو بت پرستی جیسی برائیوں سے بچ سکو گے ورنہ نہیں۔"

جواب: کتنا بڑا طوفان و بہتان ہے جس آدمی کو جھوٹ بولنے میں شرم نہ ہو وہ جو چاہے کہے اس کی بندش ہی کیا ہو سکتی ہے کعبہ معظمہ کو پنڈت نے خود مسجد بتایا اور خود ہی بڑا بت بتایا اب کوئی پوچھے کہ مسجد عبادت خانہ کو کہتے ہیں دنیا میں عبادت خانہ کو بت خانہ کس نے بتایا آپ کو ابھی تک یہ معلوم نہیں بے شعور مخلوقات میں سے جس کو پوجا جائے جس کی پرستش اور عبادت کی جائے۔ وہ بت ہوتا ہے نہ کہ پوجا کی جگہ، یا پرستش و عبادت کا مقام یہ انوکھی ہی بات ہے کہ مقام عبادت کو بت اور معبود سمجھ لیا جائے جس کی سمجھ کا یہ حال ہو اس کا معترض ہونا جائے تعجب و مقام حیرت نہیں یہی حال ہے

تو پنڈت جی ہر چیز کے مکان پر اسی کا حکم جاری کر دیا کریں گے۔ مہمان خانہ کو مہمان، مسافر خانہ کو مسافر، اور بیمار خانہ کو بیمار، اور قمار خانہ کو قمار اور شراب خانہ کو شراب سمجھ لیں گے۔ اس سمجھ کی آڑ سے بھی تعریف کریں گے مسجد جائے سجود ہے نہ کہ معبود، پارسیوں کے آتش خانے اور ہندوؤں کے بت خانے کو کوئی بت نہیں کہتا۔ پھر پنڈت کی عقل کو کیا ہو گیا کہ اس نے مسجد کو معاذ اللہ بت بتا دیا۔ تعصب کی کچھ انتہا ہے پنڈت کا یہ الزام کسی دوسرے پر اس قدر قبیح نہ ہوتا جتنا مسلمانوں پر بے جا ہے کیونکہ ہر مسلمان نماز کی نیت میں یہ کلمے کہتا ہے تب نماز شروع کرتا ہے "نویت ان اصلی رکعتی (صلوٰۃ الفجر) للہ تعالیٰ متوجہا الی الکعبۃ الشریفۃ۔ میں نیت کرتا ہوں کعبہ کی طرف منہ کر کے خاص اللہ تعالیٰ کے لئے (دو رکعت نماز فجر) پڑھوں"۔ اس نیت میں جس وقت کی نماز ہوتی ہے اسی کا نام لیتا ہے مگر باقی تمام کلمے ہر نماز میں یکساں ہی رہتے ہیں اور نماز شروع کرنے سے قبل وہ یہ کہہ لیتا ہے کہ میری نماز خاص اللہ ہی کے لئے ہے تو دوسرے کسی کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی عبادت میں توحید کی یہ مزیدار چاشنی ہے جو خدا پرست کو مست بنا دیتی ہے ان پر کسی مفتری کا الزام بت پرستی کب چسپاں ہو سکتا ہے۔ غیر کی پرستش کا تو اسلام نے شائبہ بھی نہ چھوڑا۔ نماز کے اندر آنے سے پہلے ہی عابد نے تشریح کر دی کہ اس کی عبادت خاص اللہ عزوجل کے لئے ہے اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر خدائے تعالیٰ کی کبریائی کے اعتراف و اقرار کے ساتھ وہ نماز میں داخل ہوتا ہے اور آغاز عبادت اپنے معبود برحق جل شانہٗ کی ثنا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے سبحانک

اللھم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا الہ غیرك'۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کے بعد توحید کا اعلان کرتا ہے اور شرک کی گردن قطع کردیا ہے کہ لَا اِلٰہَ غیرک یعنی تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس کی عبادت کی جائے۔

جس کی عبادت کی ابتدا میں یہ اعلان ہو اس کو بت پرست اور شرک کہنا کیسا کذب کیسا فریب کتنا بڑا بہتان اور افترا ہے جس طرح نماز میں وقت کا نام لینے کو کوئی وقت پرستی نہیں کہہ سکتا اسی طرح کعبہ معظمہ کا نام لینے کو کوئی کعبہ پرستی نہیں کہہ سکتا۔ پنڈت سے کہو کہ گریبان میں منہ ڈال سندھیا کرنے والے کو ستیارتھ پرکاش صہ۴ میں ہدایت کی ہے کہ" جنگل یا تنہائی کی جگہ میں جا کر قائم مزاجی سے پانی کے نزدیک بیٹھ کر نت کرم کرنے کے بعد ساوتری کو پڑھے"۔

اب آریہ بتائیں پنڈت کے اصول پر یہ آب پرستی اور پانی کی پوجا ہوئی یا نہیں اور اگنی ہوتر میں جو آریوں کی عبادت ہے جس کا طریقہ پنڈت جی نے اسی ستیارتھ پرکاش صہ۴ میں لکھا ہے اس میں ویدی کھودی جاتی ہے آگ جلائی جاتی ہے صندل وغیرہ کی عمدہ لکڑیاں پھونکی جاتی ہیں آگ میں گھی ڈالا جاتا ہے یہ آتش پرستی ہوئی یا نہیں پنڈت جی کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آیا۔

اعتراض: پنڈت نے آیۃ کریمہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "بھلا خدا کی راہ میں مرنے مارنے کی کیا ضرورت ہے یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ بات اپنی مطلب برآری کے لئے ہے۔ یعنی یہ لالچ دیں گے تو لوگ خوب لڑیں گے اور اپنی فتح ہوگی۔ مرنے سے نہ ڈریں گے لوٹ مار کرنے سے عیش و عشرت حاصل ہوگی بعدازاں خوب گل چھرّے اڑائیں گے اپنی مطلب برآری کے لئے اس قسم کی الٹی باتیں گڑھی ہیں۔

جواب: مرنے مارنے کی جگہ تو خدا کی ہی راہ ہے اور وہی مرنا مارنا کام کا ہے جو راہِ خدا میں ہو جو مرنا مارنا خدا کی راہ کا نہ ہو وہ فساد ہے بدمعاشی ہے جرم و گناہ ہے ظلم و عدوان ہے۔ ہندوستان میں ہندو خونخوارانہ جنگ کرتے رہے اچھوت اقوام کے لئے ان کے تیر و تلوار ہمیشہ تشنۂ خون رہے ہندوستان کے قدیم باشندوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ منوسمرتی میں ان کے لئے وہ احکام لگائے ایسی سختیاں کیں جو انسان کسی جانور کے لئے کبھی گوارہ نہیں کرتا پنڈت صاحب نے اس پر کوئی حکم نہ کیا خود غرضی کے جنگ کی ان کا مذہب تعلیم دیتا ہے ان کے دین والے اس پر عامل رہے اور اب بھی وہی ستمگاری ان کی طبیعت میں ہے ہندوستان کی سرزمین بے گناہوں کے خون سے رنگ ڈالی گئی مگر پنڈت صاحب نے اس کی نسبت ایک لفظ نہ کہا۔ ان کتابوں کو اپنے دین سے خارج کیا جن میں یہ تعلیم دی گئی ہے۔

راہِ خدا میں جان دینا تو بڑے بلند حوصلہ عالی ہمت خدا پرستوں کا کام

ہے حق وصداقت کے شیدائی راہ حق میں قائم رہتے ہیں دنیا کی قوتیں اور ظالمانہ طاقتیں ان پر بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑتی ہیں اور سالکان راہ حق کو جادۂ صدق وصفا سے ہٹانے کے لئے جور وجفا کے پہاڑ ان پر ڈھائے جاتے ہیں امتحان گاہ صداقت میں یہ ان کی آزمائش کا وقت ہوتا ہے راست باز خدا پرست بلاؤں کی بھیانک گھٹاؤں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ گردنیں کٹوا لیتے ہیں مگر راہ خدا سے قدم نہیں ہٹاتے۔ صادق العہد ایمانداروں کو تیغ دشمنان اور لشکر وفوج وفائے عہد سے منحرف نہیں کر سکتے لذت طاعت وعبادت کے سوائے یاد خدا میں مست رہتے ہیں خواہ کوئی ان کے خون بہائے یا سر کاٹے دولت ومال چھینے یا گھر لوٹے مگر ان کے استقلال واستقامت میں فرق نہیں آتا ہے توحید کے ستائے سر دے کر سودائے محبت خریدتے ہیں ع "طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست،،

اہل باطل میں یہ حوصلہ کہاں دنیا پرستوں کو اس جذبہ کی کیا خبر۔ سرمدغم عشق بوالہوس راند ہند، سوز دل پروانہ مگس راند ہند،

دنیا کو اس صدق وراستی نے حیرت میں ڈال دیا اس وارفتگی وصداقت نے متحیر کر دیا بیر معونہ کے واقعہ میں کفار نے ستر حافظ قرآن صحابۂ کرام کو دھوکہ سے لے جا کر شہید کر دیا ان حضرات نے دشمنان اسلام کا خون نہ کیا تھا مال نہ لیا تھا اور کسی طرح کی عداوت نہ تھی بجز اس کے وہ دل وزبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے معتقد وقائل تھے۔ ان سے بھی کہا جاتا تھا کہ تم یہ کہنا چھوڑ دو پھر جو چاہو تمہارے لئے حاضر ہے مال ودولت بھی خوبصورت حسین وجمیل لڑکیاں بھی اگر اس سے

باز نہ آؤ گے تو تمہیں سولی دے کر یا تیل میں جلا کر سختی کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے گا۔ مگر ان صادق العہد وفا شعاروں نے دولت دنیا کو ٹھکرا دیا اور سولی کی پرواہ نہ کی کلمہ شریف پڑھتے پڑھتے جانیں دیدیں اور حق یہ ہے کہ صدق و حقانیت کے جلوے دیکھنے والے ہی فداکاری کر سکتے ہیں جنہیں اپنے دین میں حقانیت کی دل کش روشنی نظر نہ آئی ہو وہ بے چارے فداکاری کی لذت سے کیا خبردار ہوں گے جو دین خود اس دین والوں کی نظر میں اس قابل نہ ہو کہ اس پر جاں نثاری کی جائے اس کا بطلان اور کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

رہا مسلمانوں پر مارنے کا الزام جس کا بڑا غوغا ہے اور بے جا طور پر مسلمانوں کو متہم اور بدنام کیا جاتا ہے پہلے اس کی حقیقت سامنے لائیے واقعات کی تحقیق کیجئے اس کے بعد حکم لگائیے یہ تو بڑی جہالت ہے کہ واقعات کو نہ تو دیکھا جائے اور محض توہم یا عناد سے کسی کو مورد الزام ٹھہرا دیا جائے۔

حضور انور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اسلام کی دعوت دی اور دین الٰہی کو قبول کرنے کی ہدایت فرمائی اور کتاب الٰہی کو پیش فرمایا اس قرآن پاک کو ماننے پر کسی کو بزور شمشیر مجبور نہ کیا بلکہ قرآن پاک کے کتاب الٰہی ہونے کا ایسی زبردست دلیل سے ثبوت دیا کہ جس نے تمام دنیا کو ساکت کر دیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ عرب میں ہوئی نشوونما عرب میں پائی عربوں کی گودوں میں رہے عربوں میں جوان ہوئے عربوں کی زبان میں کلام فرمایا کسی دوسرے ملک میں تعلیم حاصل کرنے تشریف نہ لے گئے

بلکہ اپنے ملک میں بھی کسی کے سامنے شاگرد بن کر نہ بیٹھے کسی سے ایک حرف نہ سیکھا باوجود اس کے آپ جو کتاب لائے وہ عربی میں تھی زمانہ ایسا تھا کہ عربی علم ادب انتہائی عروج پر تھا فصحا، بلغاء سے ملک بھرا ہوا تھا فصاحت و بلاغت اور زبان دانی کا شہرہ تھا نظم و نثر کی اعلیٰ ترین دستگاہ رکھنے والوں سے ملک خالی نہ تھا زبان کے ماہر غرور یکتائی کے نشہ میں چور تھے اسی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کتاب لائے اس کے ساتھ یہ اعلان تھا کہ یہ کتاب فصاحت و بلاغت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی کسی صاحب کمال کی مجال نہیں وہ اس کا مثل بنا کر پیش کر سکے، تمام مخلوق جن و انس کو یہ اعلان دے دیا گیا کہ یہ کتاب الٰہی ہے اس لئے کسی مخلوق کی قدرت میں نہیں کہ اس کا مثل بنا سکے۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتو بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔

جب تمام جن و انس اور کل کائنات قرآن پاک کا مثل پیش کرنے سے عاجز رہی اور مقدرت مخلوق سے اس کتاب پاک کا مثل بنانا ممکن نہ ہوا تب اس کے کمال و بے مثالی کے اظہار میں مزید فرمایا گیا کہ اگر تم سب مل کر اور ایک دوسرے کے مددگار ہو کر بھی قرآن پاک کا مثل بنانے سے عاجز رہے تو اتنا ہی کرو کہ فقط دس سورتیں اس کی مثل بنا لاؤ۔ یہ تو اس کا چھوٹا سا حصہ ہے فاتو بعشر سور مثلہ جب وہ دس سورتیں بھی نہیں بنا سکے تو اور تخفیف فرمائی اور ان کے کمال عجز کے اظہار کے لئے فرمایا فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین کہ ایک بات ہی اس کی مثل بنا لاؤ، ایک چھوٹی سی سورت کے برابر ہی کوئی عبارت لکھ لاؤ زبان کے ماہر ہو

فصاحت و بلاغت میں شہرۂ آفاق ہو اگر قرآن پاک کے کتاب الٰہی ہونے میں تردد رکھتے ہو تو اس کی مثل بنا لاؤ یہ بھی نہ کرسکو تو صرف دس سورتوں کے مثل بنا لاؤ یہ بھی امکان نہ ہو تو صرف کسی ایک سورت کا ہی مثل بنا لاؤ مگر عرب کے تمام فخر روزگار ماہر زبان اور آسمان فصاحت کے نیر اعظم اتنا بھی نہ کر سکے عاجز رہے ان کو قرآن پاک کی اس تحدی نے مجبور و لاچار کر دیا شرم سے سر نہ اٹھا سکے اور یقین کامل ہو گیا کہ اس کتاب کی مثل بنانا ہمارے امکان میں نہیں ہے تو انہوں نے بجائے علمی مقابلہ کے مقاتلہ شروع کر دیا اور ہنگامہ کا بازار گرم کر ڈالا ان کے مقابلہ کے مسلمانوں کو میدان میں آنا پڑا مسلمانوں کی حالت پر نظر کرنا بھی ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ابتدائی عہد میں جبکہ ان کی تعداد محدود اور جماعت منتشر تھی دس کہیں رہتی تھی بیس کہیں۔ اور سب طاقتور دولتمند جتھے دار اور جنگجو کفار کے انبوہ میں گھرے ہوئے تھے وہ لوگ اپنے زور کے غرور میں رات دن ان پر ظلم کرتے تھے ان کے پاس رہنے کے لئے نہ تو محفوظ مکان تھے۔ نہ گذر اوقات کے لئے کافی اسباب معاش کیونکہ مسلمان ہونے والوں کو اسلام لا کر اپنی تمام دولتوں سے دست بردار ہونا پڑتا تھا وہ صرف اپنی جان لے کر سید عالم کی حضور میں حاضر ہوتے زن و فرزند اور عزیز و اقارب تک ان کے جانی دشمن ہو جایا کرتے تھے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی کوئی دنیوی خزانہ بظاہر موجود نہ تھا اگرچہ درحقیقت وہ تمام عالم کے مالک ہیں لیکن کفار جس چیز کو دولت یا خزانہ سمجھتے ہیں اس کا یہاں پتہ نہ تھا۔

دولت سرائے اقدس میں کئی کئی روز مطبخ سرد رہتا اور دھواں تک نہ

اٹھا پیہم فاقوں سے ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکم مبارک پر پتھر باندھنے پڑتے تو اسلام قبول کرنے والے کے لئے یہاں کبھی آسائش زندگی کے سامان موجود نہ تھے نہایت بے بسی اور بے کسی کا عالم تھا ضروری لباس تک ان کے پاس نہ تھے ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ ان میں ہوس ملک گیری پیدا ہو سکتی ہے۔

اور وہ معذور افراد باوجود ان تمام مصائب اور بے بسی و بے سامانی کے زبردست طاقتور ملک سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے جن کی تعداد بدرجہا زیادہ ہر قسم کے سامان ان کے پاس موجود نیز دراز نا و پیکروں کے مسلح لشکر ہر وقت تیار اور جوش عداوت زوروں پر اگر اس قسم کی حالت دنیا کی کسی اور جماعت کو پیش آتی تو وہ ہرگز اپنے آئین و دین پر قائم نہ رہ سکتی۔ اور ضرور اس کو ملک کی ایسی زبردست اکثریت کے سامنے گردن جھکانا پڑتی اور اپنا دین چھوڑ کر دشمن کی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا لیکن ان حالات میں مسلمانوں کا استقلال کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہنا اور مصائب کے طوفان کو خیالوں میں نہ لانا اور جانوں کو راستی و خدا پرستی پر قربان کر دینا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعلیم سے جذبۂ خدا پرستی میں سرشار ہو جانا کہ دنیا کی آفت و مصیبت اور سخت سے سخت بلا اور تمام ملک کا شمشیر بکف ہو کر تشنہ خون ہو جانا انہیں مرعوب نہ کر سکے نہایت حیرت انگیز اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت واضح معجزہ ہے ان واقعات پر نظر کر کے کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ مسلمان خود در پئے جنگ ہو سکتے تھے۔ ہاں جب کفار نے انہیں چین نہ لینے دیا اور بجائے اس کے کہ قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورت

کاہش بنا سکتے لڑنے کیلئے آمادہ ہو گئے اور ہر طرف سے لشکر کشی شروع کر دی اور مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے تو اس وقت مسلمانوں کا استقلال کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہنا اور ان ہولناک مصائب کے ہجوم میں ثابت قدم رہنا اور شجاعت و بسالت کے ساتھ اعدائے دین کا مقابلہ کرنا اور بتائید الٰہی اپنی قلت اور بے سامانی کے باوجود ان پر فتح پانا اور تمام ملک کا بادشاہ اسلام کے مقابل عاجز ہونا اور ان کی دولتوں لشکروں اور مکروں کا ان کے کام نہ آنا اسلام کی حقانیت اور ربانی تائید کی کھلی دلیل ہے ایک طالب حق اتنا ہی دیکھ کر اسلام کی حقانیت کی طرف سے مطمئن ہو سکتا ہے۔ اور یہ حالات اس کی ہدایت کے لئے کفایت کر سکتے ہیں بشرطیکہ چشم بینا اور منصف دل اس کے پاس موجود ہو جو سرگرم مخالفت تھے اسلام کے شیدائی بن گئے اس جنگ پر جو مسلمانوں کے لئے ناگزیر تھی کون عاقل انہیں الزام دے سکتا ہے کہ اسلام کے آئین میں ملک و مال کے لئے جنگ کرنا داخل ہی ہے اور یہی سبب ہے کہ اسلام کے پیشوائے اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں اگرچہ بہت سی فتوحات ہوئیں اور سرکش تو میں اطاعت کیش اور فرمانبردار بنیں محارب ناکام ہوئے اسلام کو فتح پر فتح حاصل ہوتی چلی گئی لیکن بایں ہمہ فتوحات سلطان کونین بادشاہ دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سکونت و آسائش کے لئے کوئی قلعہ یا گڑھی تیار نہیں فرمائی بلکہ نہ کوئی خزانہ ذات خاص کے لئے املاک کثیرہ نہ اپنی اہل و عیال کے لئے فراغت عیش کے اسباب جمع کئے ہوں بلکہ آپ کی مقدس زندگی اول سے آخر تک درویشانہ و زاہدانہ ہی رہی۔

اعتراض: پنڈت نے آیات ان اللہ شدید العقاب ولا تتبعوا خطوٰت الشیطٰن کو بے جوڑ طریقہ سے ملا کر کسی کا ٹکڑا کسی کے ساتھ جوڑا سخن فہمی تو اس سے ظاہر ہے اتنا بھی شعور نہیں کہ بات کہاں پوری ہوئی دو باتیں تھیں ان میں سے پہلی بات کا پہلا نصف حصہ علیحدہ کیا اور پچھلا نصف دوسری بات کے ساتھ ملا دیا اتنا بے شعور آدمی اگر اعتراض کرے تو کیا تعجب ہے وہ خود اپنی نادانی کا ماتم کرتا ہے۔ پھر اس جوڑ گانٹھ قطع و برید سے کوئی نتیجہ نہ نکلا اب پنڈت کی عبارت دیکھئے اور اندازہ کیجئے اگر کوئی قابل اعتراض بات اس کے ہاتھ آسکی۔ پنڈت نے آیت کی قطع و برید کر کے جو اٹل شل ترجمہ لکھا ہے وہ یہ ہے "اور یہ کہ اللہ سخت تکلیف دینے والا ہے شیطان کے پیچھے مت چلو وہ واقعی تمہارا دشمن ہے اس کے سوائے اور کچھ نہیں کہ برائی اور بے شرمی کی اجازت دے اور یہ کہ تم کہو اللہ پر جو نہیں جانتے"

پنڈت کا اعتراض یہ ہے کہ "کیا تمہارا خدا بدوں کو عذاب دینے والا، اور نیکوں پر رحم کرنے والا ہے یا مسلمانوں پر رحم کرنے والا اور دوسروں کو عذاب دینے والا ہے۔ موخر الذکر صورت میں وہ خدا ہی نہیں ہو سکتا اگر خدا طرفدار نہیں ہے تو جو آدمی دھرم کرے اس پر خدا رحم کرے اور جو ادھرم کرے گا اس کو سزا دے گا ایسی حالت میں محمد صاحب اور قرآن کو شفیع جاننا ضروری نہ رہا اور جب سب کی برائی کرنے والا ایک انسان کا دشمن شیطان ہے اس کو خدا نے پیدا ہی کیوں کیا کیا وہ آئندہ کی بات نہیں جانتا تھا اگر کہو کہ جانتا تھا لیکن آزمائش کے لئے بنایا تو بھی درست نہیں کیونکہ آزمائش کرنا محدود العقل کا کام ہے ہمہ دان

خدا سب روحوں کے اچھے برے اعمال کو ہمیشہ سے ٹھیک جانتا ہے اور اگر شیطان سب کو بہکاتا ہے تو شیطان کو کس نے بہکایا ہے اگر کہو کہ شیطان خود بخود بہک جاتا ہے تو اور بھی خود بخود بہکائے جا سکتے ہیں درمیان میں شیطان کا کیا کام ہے اگر خدا ہی نے شیطان کو بہکایا تو خدا شیطان کا بھی شیطان ٹھہرے گا۔ ایسی بات خدا کی نہیں ہوسکتی اور جو کوئی کسی کو بہکاتا ہے وہ بدصحبت اور لاعلمی کے باعث خود گمراہ ہوتا ہے۔

جواب: یہ وہی باتیں ہیں جو پنڈت کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں اور بارہا ان کو لکھ چکا ہے اور مکرر سہ مکرر جواب گذر چکے ہیں۔ جب اسلام دین الٰہی ہے اور وہ ہدایت کے لیے آیا ہے اور اس نے نیک باتیں بتائیں تو نیک وہی ہے جو اس کا متبع ہو اور جو متبع نہ ہو اسلام قبول نہ کرے وہ بد ہے تو پھر یہ کیا پوچھتا ہے کہ "خدا بدوں کو عذاب دینے والا اور نیکوں پر رحم کرنے والا ہے۔ مسلمانوں پر رحم کرنے والا"، نیک تو مسلمان ہی ہیں جو خدا کی ذات و صفات کی نسبت حق واعتقاد رکھتے ہیں اور وہ ناخداشناس جو خدا کے عزوجلال کو نہ پہچانیں اور مخلوقات کے ذرہ ذرہ کو خدا کی طرح واجب الوجود اور قدیم جانیں وہ ہر بد سے بدتر ہیں۔ مگر پنڈت کے اعتراض سے آریوں کی نصرت کے لیے ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ کہ خدا کا رحم وکرم آریہ دھرم کے قبول کرنے پر نہیں ہر مذہب میں آدمی نیک رہ کر پنڈت کے اعتقاد میں رحمت الٰہی کا مورد ہوسکتا ہے پھر آریہ ہونا بے کار اور اس کے لئے کوششیں کرنا کتابیں لکھنا، لیکچر دینا، شور مچانا، فساد برپا کرنا نہایت ظلم اور برے درجہ

کا گناہ ہے اسی طرح پنڈت کا یہ اعتراض بھی لایعنی ہے کہ جب شیطان انسان کا دشمن ہے تو اس کو خدا نے پیدا ہی کیوں کیا، ایسی بات تو معمولی سمجھ کا انسان بھی زبان پر لانا گوارہ نہ کرے گا، سانپ بچھو بھیڑئیے، شیر ریچھ اور موذی جانور سب انسان کے دشمن ہیں نہیں کیا خدا کے سوا اور کسی نے پیدا کیا اور خود مسلمان اور عیسائی جنہیں آریہ اپنا دشمن جانتے ہیں اور ان کی طرف سے دل میں بہت غیظ و غضب رکھتے ہیں، انہیں بھی خدا نے ہی پیدا کیا تو پنڈت جی نے کبھی ایشور کو ٹیلیفون کیا کہ آپ سے یہ غلطی ہوئی ویدک دھرم کا ناک لگانے والوں کو آپ نے پیدا کرکے مدت ہائے دراز تک دھرم آتماؤں کو ان کی غلامی کی ذلتوں میں مقید رکھا اگر آپ جانتے تھے کہ یہ ادھرمی ہیں تو آپ نے پیدا ہی کیوں کیا اگر نہ جانتے تھے تو بایں جہالت ایشور ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ پنڈت جی کی نظر اپنے گریبان میں نہیں پڑتی اور اپنی آنکھ کا شہتیر انہیں نظر نہیں آتا۔

پنڈت جی کا ایک نہایت لغو اور فرسودہ اعتراض یہ بھی ہے کہ اگر شیطان سب کو بہکاتا ہے تو شیطان کو کس نے بہکایا اتنا ہر عاقل جانتا ہے کہ بہکانے والے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو بھی کسی نے بہکایا ہو۔ ہزاروں آدمی دوسروں کو اغوا کرتے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ اس کو بھی کسی نے اغوا کیا ہو، پنڈت جی کے نزدیک تو آریوں کے سوا ساری دنیا کے لوگ بہکانے ہی والے ہیں سناتن دھرمی پنڈتوں کی شان میں پنڈت جی نے دل کھول کر الفاظ لکھے ہیں اور ان کو بہکانے والا بتایا ہے تو ان بہکانے والوں کو پنڈت جی کے اعتقاد میں ایشور

نے بہکایا ہے جیسا کہ خود ان کا قول ہے یا کسی کے طبیعت ہی میں خود اپنے آپ ہی خبث ہوتا ہے اور کوئی بہکائے سے راہِ حق چھوڑ کر منحرف ہوتا ہے شیطان میں خبث طبعی ہے اس کے لئے کسی اور بہکانے والے کی ضرورت نہیں اتنی بات بھی نہ سمجھنا اور کسی مذہب کے پیشوائی کا دعویٰ کرنا اس مذہب کی حقیقت کو آشکارا کردیتا ہے۔

اعتراض: پنڈت نے آیۃ کریمہ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے "تم پر مردار لہو اور گوشت سور کا حرام ہے اور سوائے اللہ کے جس پر کچھ پکارا جائے" اس پر پنڈت نے یہ اعتراض کیا ہے کہ"

یہاں پر سوچنا چاہیے کہ کوئی جانور خواہ خود بخود مرا ہو یا کسی کے مارنے سے دونوں حالتوں میں وہ مردار ہے یاں ان میں کچھ فرق بھی ہے تو بھی موت میں کچھ فرق نہیں اور جب سور کی ممانعت ہے تو کیا انسان کا گوشت کھانا روا ہے کیا یہ بات اچھی ہو سکتی ہے کہ خدا کے نام دشمن وغیرہ کو عذاب دے کر اس کی جان لی جاوے اس سے تو خدا کے نام پر دھبہ لگتا ہے، ہاں خدا نے بلا پورب جنم یعنی زندگی سابقہ گناہوں کے مسلمانوں کے ہاتھ سے جانداروں کو عذاب کیوں دلایا کیا ان پر رحم نہیں کرتا ان کو اولاد کی طرح نہیں جانتا جس جاندار سے زیادہ فائدہ پہونچے مثلاً گائے وغیرہ ان کے مارنے کی ممانعت نہ کرنے سے خدا دنیا کو نقصان پہونچانے والا ثابت ہوتا ہے اور عام طور پر ایذا رسانی کے گناہ سے خدا بدنام بھی ہو جاتا ہے ایسی باتیں خدا اور خدا کی کتاب کی ہرگز نہیں ہو سکتیں۔

جواب: یہ کفار مکہ کا اعتراض تھا کہ مسلمان اپنے ہاتھ کے مارے ہوئے کو حلال

جانتے ہیں اور خدا کے مارے ہوئے یعنی اپنی موت مرجانے والے کو حرام" پنڈت جی نے اسی سے یہ اعتراض اڑایا اور جو حماقت انہوں نے کی تھی آپ نے اس کا اتباع کیا ہر عاقل جانتا ہے کہ طبعی موت فساد مزاج وفنائے ارواح اور اکثر حالات میں انتشار سمیت سے واقع ہوتی ہے قوٰی میں اگر ذرا سی رمق بھی باقی ہو تو جاندار نہیں مرتا جب تمام اعضاء کی طاقتیں باطل ہو چکتی ہیں اعضاء فاسد وخراب ہو جاتے ہیں ان کے مزاج بدل جاتے ہیں یا ان میں سمیت آجاتی ہیں اس وقت طبعی موت جاندار کے بدن پر وارد ہوتی ہے تو اس کے کھانے کا حکم دینا اقتضائے حکمت نہ تھا صحیح سالم تندرست جاندار جس کے بدن میں سمیت نہیں ہے اس کو ذبح کر کے کھایا جائے اور ذبح کرنے سے اس کا دم بغیر گھٹے آسانی سے نکل جائے تو اس کے اعضاء فساد سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ غذا صالح ہو کر بدن کی صحت وقوت کا سبب ہوتا ہے اس لئے یہ اعتراض جہالت ہے کہ مردہ اور ذبح کئے ہوئے میں فرق نہیں دونوں کو مردار بتانا ناواقفی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر پنڈت اور اس کے ہمنواؤں کے نزدیک مذبوح اور مردار دونوں میں غذائیت کے اعتبار سے فرق نہیں ہے تو آریہ مردار خوری شروع کر دیں کہ اس میں بہترین غذا بھی ملے گی اور کسی کی ایذا بھی نہیں ہے مگر آریوں کا گوشت سے بالعموم احتراز کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ مردار کو ذبح کی مثل صالح الغذا نہیں سمجھتے تو پھر مسلمانوں پر اعتراض کرنے کی کیا وجہ ہے۔

پنڈت کا یہ قول کہ صرف سور کی ممانعت ہے قرآن پاک پر افتراء ہے اور بہتان ہے۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ممانعت صرف سور کی ہے بلکہ جو آیت

پنڈت نے نقل کی ہے اس میں بھی کہیں نہیں ہے کہ ممانعت صرف سور کی ہے بلکہ کئی قسم کے محرمات کا ذکر ہے یہ کیا اعتراض ہے جس کے شوق میں جھوٹے الزام لگائے جائیں اور بہتان اٹھائے جائیں۔ رہا مذبوح کو بنام خدا ذبح کرنا یہ ایک عارفانہ تعلیم ہے کہ جب تم نفیس غذا یعنی حیوان کے گوشت کا ارادہ کرو تو تمہارا فرض ہونا چاہیے کہ رب النعمتہ یعنی اپنے اور اس کے خالق کی یاد کرو اور اس کا نام لو اب اس میں مومن کو مشرکین کے اطوار و عادات سے بچانا اور شبہ اور شائبہ شرک سے محفوظ رکھنا بھی مد نظر ہے۔ کیوں کہ مشرک بتوں کے نام پر جانوروں کی قربانی کرتے ہیں تو مومن کو خدا کے نام کا اعلان کر کے ظاہر کر دینا چاہیے کہ ان کا فعل مشرکین کے افعال کی طرح باطل اور نجاست شرک سے آلودہ نہیں ہے اور جو گوشت وہ کھانا چاہتے ہیں وہ اس جانور کا نہیں ہے جس کی جان بتوں کے نام پر بے فائدہ ضائع کی گئی ہو اور اس کا ذبح شرک اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ سے بغاوت ہو۔

پنڈت جی نے اسی سلسلہ میں ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے "ہاں خدا نے بلا پورب جنم یعنی سابقہ زندگی کے گناہوں نیز مسلمانوں کے ہاتھ سے جانداروں کو عذاب کیوں دلایا"۔ آریہ سوچیں پنڈت کا یہ اعتراض مسلمانوں پر ہوا یا آریوں پر جب پنڈت کے اعتقاد میں ہر جاندار کی راحت و تکلیف اس کے عمل کی جزا اور پراکرتی کا پھل ہے تو ضرور مذبوح جانور اپنے سابقہ اعمال سے ذبح کا مستوجب تھا اور ایشوری عدل و داد کی رو سے اس کا ذبح ہونا عین انصاف اور نہایت ضروری تھا تو مسلمانوں پر ایذا رسانی اور بے رحمی کا اعتراض پنڈت کے اپنے عقیدے کے خلاف ہے۔

کہ وہ بندے جن کے ہاتھ سے اس نے احکام عدل جاری کرائے اور مستحق سزا کو سزا یاب کرایا ضرور مقبول و مقرب اور اپنے کارساز کی مرضی کے تابع ہیں جس طرح مجسٹریٹ شاہی قانون کو نافذ کر کے بادشاہ کے احکام عدل و انصاف کو عمل میں لاتا ہے اور حکومت میں صاحب منصب مانا جاتا ہے ایسے ہی وہ بندے جو لائق سزا مخلوق کو سزا دیکر خداوندی انصاف کا قانون نافذ کرتے ہیں خدائی حکومت میں منصبدار اور اس کے مقبول ہیں یہ سمجھ کر تو پنڈت اور اس کے ہم اعتقادوں کو مسلمانوں کے سامنے گردن نیازجھکا دینا چاہیے اور ان پر اعتراض کر کے ایشور کا مجرم اور پاپی نہ بننا چاہیے۔

اور اگر پنڈت یا اس کے ہمنوا یہ کہیں کہ جانور کا عمل تو ایسا نہ تھا کہ جس پر وہ قتل کی سزا کے مستحق ہوتا نہ ایشور کی دی ہوئی عمر ابھی تمام ہوئی تھی بلکہ ایشور کی عطا کی ہوئی عمر کے بہت سے سال ابھی باقی تھے لیکن مسلمانوں نے بغیر سابقہ عمل کے بے گناہ جانوروں کو وقت سے پہلے مار دیا اور ایشور کی دی ہوئی عمر کو پورا نہ ہونے دیا تو اب وہ بتائیں کہ ایشور زبردست ہوا یا مسلمان۔ ایشور کی قلمرو میں اس کا حکم تو نافذ نہ ہو سکا مسلمان جو چاہتے رہے کرتے رہے ایشور بے گناہوں کو محفوظ نہ رکھ سکا اپنے قانون کو شکست سے بچا نہ سکا تو ایسے مجبور کو ایشور اور قادر مطلق ماننا خبط ہے اور جن مسلمانوں سے پنڈت جی کے ایشور کی بھی نہ چلی ان سے لڑنا اور چھیڑ چھاڑ کرنا حماقت اور بدبختی کی نشانی ہے۔

اب اسی مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو پر نظر کیجیے، گوشت بہترین اور قوی ترین غذا ہے لذیذ بلکہ الذ ہے مقوی اور ضعف دور کرنے والا ہے دریافت

طلب یہ ہے کہ ایسی نفیس ولذیذ مقوی ونافع غذا مسلمانوں کو بغیر عمل سابق کے ملی تو تناسخ باطل ہوا۔ اور اگر انہوں نے پہلی جیون میں ایسے عمل کئے تھے جن کی جزا میں وہ ایسی عمدہ غذا کے مستحق تھے تو پھر رونا اور اعتراض کرنا کیسا۔ خود تمہارے ایشور نے یہ غذا انہیں ان کے عمل کے بدلے میں دی ہے اس پر اعتراض ایشور کی بغاوت اور سخت توہین ہے بلکہ اس پر آریوں کو خوش ہونا چاہیے کہ روئے زمین پر مسلمان ایسے مقبول بند ہیں جنہیں گوشت جیسی غذا دی جاتی ہے ہاں ایک وجہ رنج کی بھی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کو تو لذیذ کھانوں سے قوت وطاقت دی جاتی ہے اور آریوں کو عمر بھر دال اور ساگ کھانے کو دیئے جاتے ہیں۔ عمدہ غذا سے زندگی بھر محروم رکھے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مسلمہ اصول کی بنا پر پہلی زندگی میں ان کے پاس ایسے اچھے عمل نہ تھے کہ وہ ایسی عمدہ غذا کے مستحق ہو سکتے تو اب انہیں رنج کا کیا موقع اور مسلمانوں سے ذبح حیوانات کی کیا شکایت؟

جانداروں کے ذبح کو جرم بتانا، اور تناسخ کو ماننا یہ ایسی دو متضاد باتیں ہیں جو کسی طرح جمع نہیں ہو سکتیں اور آریہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان دونوں مسئلوں کو باہم ٹکرانے سے نہیں بچا سکتے اس سے عجیب تر معترض کی نابینائی یہ ہے کہ مسلمانوں کے ذبح گاؤ کو تو اس نے اپنے عقیدے کے خلاف ظلم اور تکلیف بے سبقت عمل مانا لیکن اپنی گئو ماتا کو عمر بھر رسی باندھ کر ذلیل ترین قیدی کی طرح مقید رکھنا اور اس کے نوزائیدہ بچے کو بغیر کسی پچھلے عمل کے اس کی ماں کے سامنے علیحدہ باندھ دینا اور جاندار کی قدرتی غذا اس سے چھین لینا، بچے کی محبوسی قید بھوک پیاس میں رکھ کر

ماں کے پاس پہنچنے اور دودھ پینے کو ترسنے اور روح فرسا اور جگر کو پاش پاش کر ڈالنے والی مصیبت میں گئو کو مبتلا کرنا اور بچے کی بیکسی اور بے بسی کے دردناک مناظر اس کی ماں کی نگاہوں کے سامنے لانا اور پھر بچے کا دودھ چھین کر پی جانا یا دودھ دینے میں اگر گائے راضی نہ ہو اور خداداد غذا کو وہ اپنے بچے کے لئے بچا کر رکھنا چاہے تو اس کے پچاند باندھنا ڈھنگنا ڈالنا لاٹھیوں سے مارنا طرح طرح کی ایذائیں دینا جس میں تمام ہندو مبتلا ہیں تمام آریہ گرفتار ہیں قرنوں سے ان کی نسلیں یہ ستمگاری کرتی چلی آئی ہیں یہ کیوں ظلم نہیں پنڈت نے اس کی مخالفت کیوں نہیں کی اپنے معتقدین کو اس بے رحمی سے کیوں نہیں روکا۔

اس سے بڑھ کر وہ مصائب ہیں جو ان کی ماتا گئو کے شوہر بیل مہاراج پر نازل ہوتے ہیں لالہ اور پنڈت سب انہیں قابو میں کرنے کے لئے ناتھ ڈالتے ہیں اور پتاجی سے سواری لیتے ہیں اور اگر وہ آہستہ چلیں تو مار مار کر انہیں بے حال کر ڈالتے ہیں کیسے سعادت مند پتر ہیں جنہیں کبھی پتاجی کی تکلیف کا دھیان بھی نہیں آتا۔ زمین جوتنے میں بیل کی کیسی مرمت کی جاتی ہے اس کی ساری زندگی پٹتے ہی کٹتی ہے۔ مار کھاتے اور رات دن مصیبتیں جھیلنے میں گذرتی ہے۔ بغیر سابقہ عمل کے یہ تمام طریقہ عمل ظلم ہوا اور ایسا ظلم ہوا کہ ملک کے ہر ہر بیل پر زندگی بھر یہ ظلم ہوتا ہی رہا اسی طرح دوسرے حیوانات ہاتھی گھوڑے خچر وغیرہ کو کیا کیا تکلیفیں نہیں دی جاتیں۔ مگر پنڈت جی نے کبھی آریوں سے ان بے محابانہ مظالم کے ترک کی اپیل نہیں کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حیوانات پر حکومت تسلط اور اپنے اختیار سے

انہیں کام میں لانا انسانی حق ہے کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں تو پنڈت کا اعتراض ہر پہلو سے لغو باطل اور غلط ہے۔

اب ایک پہلو پر اور نظر ڈالیے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ذبح گاؤ کا کام جس کے مسلمان مرتکب ہیں ہندوستان اور یہاں کے باشندوں پر عظیم ترین احسان ہے اس لئے کہ ہندوستان کے وسیع ملک میں مسلمانوں کی لاکھوں بستیاں ضلع شہر قصبے ایسے موجود ہیں کہ جن میں بکثرت گائے ذبح کی جاتی ہیں اگر یہ فرض کیجئے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے چار کروڑ ایسے ہیں جو گائے کا گوشت نہیں کھاتے باوجودیکہ ہرگز یہ نسبت نہیں ہے مسلمانوں میں گوشت کھانے والوں کا تناسب اسی فیصد سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ لیکن اگر انتہائی کمی کی جائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ نصف مسلمان گائے کا گوشت نہیں کھاتے ہیں تو بھی چار کروڑ کھانے والے ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ایک گائے کو دو سو مسلمان کھاتے ہیں جبکہ یہ بھی فرض اقل ہے ورنہ اوسطاً فیصدی ایک گائے کی نسبت بڑی ہے لیکن کم از کم آپ یہی مانئے کہ ایک گائے دو سو آدمی کھاتے ہیں دو چار کروڑ آدمی دو لاکھ گائیں کھائیں گے اس حساب سے کم از کم دو لاکھ گائیں ہندوستان میں روزانہ ذبح ہو جاتی ہیں یہ اس صورت میں ہے کہ جب مسلمانوں کی نصف تعداد کو گائے خور نہ مانا جائے باقی نصف کی غذا بھی اتنی قلیل مانی جائے۔ لیکن اب آپ غور کیجئے کہ جس ملک میں روزانہ دو لاکھ گائیں صرف مسلمانوں کی خوراک میں آجاتی ہوں اور صدیوں سے مسلمان اسی نسبت سے گوشت کھاتے رہے ہوں باوجود اس کے پھر گائے کی قلت نہ ہو گوشت کی گرانی نہ ہو

باوجود ہندوستان کی کوششوں اور رکھشا خانوں کی بھرتیوں اور گئوشالوں کی حفاظتوں کے گائے بغیر گرانی کے نہایت آسانی سے اس کثیر تعداد میں روزانہ بہم پہونچ جاتی ہو تو اگر ایک سال کے لئے مسلمان گائے کا ذبح ترک کردیں تو ہندوستان میں گایوں کی تعداد سات کروڑ تیس لاکھ سے زیادہ ہوجائے اور لالہ لوگ اپنی غذا کے دانے بھی کھلادیں تو انہیں کفایت نہ کرے۔ تمام جنگل ویران ہوجائیں سبزہ کا نام ونشان کہیں باقی نہ رہے غلہ بھی ان کی ماتاجی کھاجائیں جب بھی بھوکی رہیں ملک تباہ ہوجائے کبھی اس تحریک کی معقولیت پر ہندوؤں نے غور نہیں کیا اب پنڈت جی سے پوچھئے کہ اگر مسلمان گوشت کھانا ترک کردیں تو ہندوؤں کے ایشور سے بھی ملک کا انتظام نہ ہو اور گایوں کی بڑھتی ہوئی تعداد ہندوستان کی ساری پیداوار ہضم کر جائے اور پھر بھوکی رہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان کی اقوام گائے کی قربانی اور اس کے ذبح کی عادی تھیں ہندوؤں کی کتابوں میں اسکے ناقابل انکار ثبوت ملتے ہیں۔

علاوہ بریں گائے کا خون تنہا مسلمانوں کے حصہ میں آتا ہے اس کو بھی تنہا مسلمان نہیں کھاتے بلکہ بہت سی وہ قومیں بھی کھاتی ہیں جن کو مردم شماری میں ہندو لکھا جاتا ہے اور جن کی تعداد اپنے میں شامل کرکے نشستیں حاصل کرتے ہیں گوشت کے علاوہ دوسرے اجزا سینگ ہڈی دانت چمڑا یہ سب ہندوؤں کے کام میں آتا ہے۔ بڑے بڑے بھکت بننے والے گھوڑوں کے ساز چرمی استعمال کرتے ہیں باگیں ہاتھوں میں تھامے پھرتے ہیں پانی کے نلوں میں چمڑے کی کٹوریاں لگائی جاتی ہیں

اور وہ ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں پانی انہیں پر ہو کر آتا ہے۔ نیز ہینڈ بیگ سوٹ کیس وغیرہ بکثرت چیزیں چمڑے کی ہی استعمال ہوتی ہیں۔ کروڑوں روپئے کا چمڑا اور سینگ وغیرہ ہندوؤں کے استعمال میں آجاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہندو گئو ماتا کے جسم کے اجزا استعمال بھی کریں چمڑے کی جوتیاں بھی بنائیں اور ان پر گاؤ کشی کا الزام نہ آئے سارا غصہ مسلمانوں ہی پر رہے پھر چمڑے کی تجارتوں میں ہندوؤں کا دخیل ہونا کیوں گئو ہتیا نہیں بتایا جاتا اور جو مال گائے کے اجزاء کی تجارت سے حاصل کیا جائے وہ ہندوؤں کے لئے کس طرح جائز سمجھا جاتا ہے جب ان کے نزدیک گائے کا ذبح کرنا اور ان کی جان لینا ظلم ہے تو اس کے ذریعہ جو دولت پیدا کی گئی ویسی ہی ہے جیسے رہزنی یا قزاقی سے ثروت حاصل کر لی جائے لیکن پنڈت جی نے ہندوؤں کی طرف رخ نہیں کیا ان کے اعتراض کی توپ کا دہانہ فقط مسلمانوں کی ہی طرف ہے۔ ہندو گئو ہتیا بھی کریں تو اس پر جبیں بجبیں نہیں ہوتے۔

یہ بات ضرور غور طلب تھی کہ اگر ہندو چمڑا سینگ ہڈی دانت وغیرہ گائے کے اجزا کا استعمال مطلقاً ترک کر دیں تو مسلمانوں کے لئے گوشت اس قدر گراں ہو جاتا کہ اسے بڑے بڑے دولت مند ہی کھا سکتے گائے کی قیمت تو چمڑے ہی سے حاصل ہو جاتی ہے اس لئے ذبح کی جس قدر بھی کثرت ہو گی چمڑے کے کاروبار کی ترقی ہو گی تو اس ذبح کا ذمہ دار ہندوؤں کو ٹھہرانا چاہیئے تھا مگر پنڈت جی نے انہیں نظر انداز چھوڑ دیا اس سے معترض کی نیت اور کدورت قلب کا پتہ چلتا ہے۔

اعتراض : پنڈت نے آیۃ کریمہ احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نساءکم کا نہایت جاہلانہ غلط ترجمہ لکھ کر اس پر انتہا درجہ کا لغو اعتراض کیا ہے اس کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ "روزے کی رات تمہارے واسطے حلال کی گئی کہ رغبت کرنا اپنی بی بیوں سے وے تمہارے واسطے پردہ ہیں اور تم ان کے سیئے پردہ ہو اللہ نے جانا کہ تم خیانت کرتے ہو پر اللہ نے معاف کیا تم کو بس ان سے ملو اور ڈھونڈو جو اللہ نے تمہارے سیئے لکھ دیا ہے یعنی اولاد اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے کالے دھاگے سے سفید دھاگہ یا رات سے دن نکلے" اب اس پر اعتراض ملاحظہ فرمایئے :

"یہ تحقیق ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کا مذہب جاری ہوا تب یا اس سے پہلے کسی نے کسی پورانک سے پوچھا ہوگا کہ چاندراین برت جو ایک مہینہ بھر کا ہوتا ہے اس کا طریق بیان کرو شاستر کا طریق یہ ہے کہ چاند کی کلا کی گھٹنے بڑھنے کے مطابق لقموں کو گھٹانا بڑھانا اور دوپہر کے وقت کھانا کھانا چاہیئے اس کو نہ جان کر پورانک نے کہا ہوگا کہ چاند کو دیکھ کر کھانا کھانا چاہیئے اس چاندراین برت کو مسلمانوں نے اس قسم کا بنالیا لیکن برت میں مجامعت منع ہے پر ایک بات ان کے خدا نے بڑھ کر کہدی کہ تم روزے کی رات کو مجامعت بھی کیا کرو اور رات میں جتنی دفعہ چاہو کھاؤ، بھلا یہ روزہ کیا ہوا کہ دن کو نہ کھایا اور رات بھر کھاتے رہے یہ بات قانون قدرت کے خلاف ہے کہ دن کو نہ کھانا اور رات کو کھانا"

جواب : جس شخص کو ترجمہ کرنے اور بات کرنے کا سلیقہ نہ ہو اس کا اعتراض اس

کی بے علمی و ناسمجھی کا ثبوت ہے اور پھر اعتراض کیسا رکیک اور لایعنی جس سے معترض کی حقائق شناسی کا پردہ فاش ہوتا ہے آپ لکھتے ہیں کہ "تحقیق ہوتا ہے" یہیں دیکھنا ہے کہ ویدک دھرم کی تحقیق کس پایہ کی ہوتی ہے اسی سے ان کے مذہب اور تمام اعتقادیات کی حقیقت معلوم ہوجائے گی معمولی سے معمولی عقل و فہم کا انسان کسی واقعہ کی نسبت تحقیق کا لفظ اس وقت زبان پر لاتا ہے جب اس کو واقعہ کی صحت قطعی طور پر معلوم ہو اور وہ جانتا ہو کہ واقعہ ہرگز اس کے خلاف نہیں اور اس کے ناقابل انکار ثبوت اس کے پاس موجود ہیں لیکن پنڈت کی اصطلاح اور اس کی لغت میں تحقیق کے یہ معنی نہیں۔

آپ کے یہاں تحقیق اس کا نام ہے کہ واقعہ کی نسبت نہ کوئی ثبوت ہو نہ کوئی دلیل نہ کہیں سے خبر آئی ہو نہ اس پر شہادت گذری ہو نہ خواہ ہو نہ کانوں کان اس کا کچھ پتہ ہو سپنے میں بھی نہ دیکھا ہو بلکہ جس طرح افیونی پینک میں کوئی تصور باندھ لیتا ہے اسی طرح کا کوئی وہم پیدا ہوگیا ہو وہ آپ کے یہاں تحقیق ہے۔

جہاں تحقیق اتنی زبردست ہو اس مذہب کی حقانیت کیسی کچھ ہوگی اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہمیات کے بادشاہ ہیں اور آپ کا سرمایہ تحقیق بے اصل اوہام ہیں چنانچہ یہاں آپ کی تحقیق کیا ہے یہ کہ جب مسلمانوں کا مذہب جاری ہوا ہوگا تب کسی نے کسی پورانک سے پوچھا ہوگا اور کہا ہوگا پر ثبوت تاریخ تو اس تحریر کے سامنے بے کار ہوگئے واقعات کے لیے نقل و خبر کی حاجت ہی نہ رہی ہوا ہوگا سے سارے عقدے حل ہوگئے اس تحقیق نے تو خیالی پلاؤ کو بھی مات دے دیا

کاش پنڈت جی اس تحقیق سے ویدک دھرم کی تاریخ تصنیف کر جاتے تو بڑا مزہ دیتی، جہاں تحقیق کا یہ حال ہے ۔ وہاں کی معمولی خبریں تو بالکل برعکس ہوتی ہوں گی۔

یہی تحقیق ہے جس کے اعتبار سے پنڈت جی اپنے آپ کو محقق کہتے ہیں اعتراض کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اسلام میں روزہ ہندوؤں کے شاستر سے لیا گیا ہوگا اول تو بے ثبوت بات محض لغو ہوتی ہے ثانیاً کہاں ہندو کہاں مرکز اسلام اس زمانہ کے ہندو نہ عرب جاتے تھے نہ سمندر پار کا سفر جائز سمجھتے تھے تو پورانک کہا جا رہا ہوگا علاوہ بریں آپ کے برت کو مسلمان کے روزے سے کیا نسبت برت میں کواکب پرستی ہے اس لئے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے ساتھ لقمے گھٹائے بڑھائے جاتے ہیں پھر برت میں ترک خورد و نوش کہاں دودھ اور دودھ کی بنی چیزیں کھویا مکھن بالائی وغیرہ کھاتے پیتے رہتے ہیں اور دن دہاڑے دوپہر کے وقت سب کچھ کھا جاتے ہیں اس کو روزے سے کیا علاقہ جو خاص رضائے الٰہی کے لیے رکھا جاتا ہے اور کسی مخلوق کے لئے نہیں مسلمانوں کے نزدیک مخلوق پرستی شرک و کفر ہے نہ ان کے لقمے چاند کے گھٹنے بڑھنے سے شمار ہوتے ہیں نہ چاند دیکھ کر کھانے کا حکم نہ دوپہر میں کھانے کی اجازت ، برت میں نفس پر مشقت ہی کیا ہوئی ، جب دوپہر میں کھالیا اور دودھ وغیرہ کھاتے پیتے رہے مسلمانوں کا روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور تمام دن وہ کھانے پینے مجامعت کرنے سے باز رہتے ہیں باوجودیکہ ہر قسم کے لذائذ پاس ہوتے ہیں لیکن خدا کا بندہ رضائے الٰہی کیلئے کسی طرف التفات نہیں کرتا ۔

صدرالافاضل: مختصر تعارف اور علمی جامعیت

مراد آباد کی وجہ تسمیہ

ہندوستان ایشیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اتر پردیش اس ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے اس صوبہ میں پانچ اضلاع پر مشتمل "روہیل کھنڈ" ایک مردم خیز علاقہ ہے۔ حافظ رحمت اللہ خاں روہیلہ (متوفی ۱۷۷۴ء) نے اس علاقہ کو فتح کیا اسی وجہ سے اس علاقہ کو "روہیل کھنڈ" کہا جاتا ہے۔ مراد آباد اسی روہیل کھنڈ کا ایک مشہور صنعتی شہر ہے۔ شہنشاہ اعظم شاہجہاں کے بیٹے شہزادہ مراد کے نام پر رستم خاں نامی جرنیل نے اس بستی کا نام "مراد آباد" رکھا تھا۔

مغل تاجدار محی الدین اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے دور حکومت میں ایران کے شہر مشہد (جہاں اب بھی اہلسنت کی اکثریت اور سادات کی کثرت ہے) سے کچھ ارباب فضل وکمال (صدرالافاضل کے آباء واجداد) ہندوستان آئے انہیں گوناں گوں صلاحیتوں کے سبب بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں۔ اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اسی خانوادے میں حضرت علامہ مولانا معین الدین صاحب نزہت کے گھر ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں ایک ہونہار سعادتمند بچے کی ولادت ہوئی۔ فیروزمندی اور اقبال کے آثار اس کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ وہی بچہ بڑا ہوکر دنیائے سنیت کا عظیم رہنما آسمان سیاست کا نیر اعظم دنیائے فضل وکمال کا صدرالافاضل اور دنیائے درس وتدریس کا استاذالعلماء، نیر میدان شعر وسخن میں نعیم الدین مرادآبادی کے نام

سے جانا پہچانا گیا۔ مزید براں تدبر تفکر، دیدہ وری، دانشوری علمی جاہ وحشم، شرافت نفس، نیک نیتی، سادگی، اتباع شریعت، زہد و اتقا، ادب پروری، سخن سنجی سیاسی بصیرت حق گوئی و راست بازی جرائت وبے باکی اور دین حق کی حفاظت واشاعتی سرگرمیوں کے ذکر سے صدرالافاضل کی شخصیت آراستہ وپیراستہ نظر آتی ہے۔ ان کے دربار میں اپنوں اور بے گانوں کی کوئی تمیز نہیں تھی، سواد اعظم میں ان کی حیثیت فخر الامم کی سی تھی مگر اس کے باوجود نہ تو کوئی طنطنہ تھا اور نہ ہی اغیر معقول، کوئی رعب ودبدبہ۔ ہاں اگر جاہ وجلال تھا تو علم کا حسن وجمال تھا عرفان کا، دبدبہ تھا تو ذہانت کا اور رعب تھا تو نکتہ رسی کا، فالحمد للہ رب العلمین۔

حضرت صدرالافاضل کے والد ماجد حضرت مولانا سید معین الدین نزہت رحمۃ اللہ علیہ اپنے کئی فرزندوں کو اپنے ہاتھوں سے کم سنی کے عالم میں سپرد خاک کر چکے تھے اس لئے انہوں نے صدرالافاضل کی ولادت باسعادت پر بارگاہ قاضی الحاجات میں یہ نذر مانی تھی کہ اگر میرے بچے کو عمر طبعی عطا ہوئی تو میں اسے جہاد کے لئے پیش کروں گا۔

حضور صدرالافاضل اس پرآشوب دور میں جبکہ دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگ آپ کی جان لینے پر تلے ہوئے تھے اس دل ہلا دینے والے ماحول میں ہندو مسلم اتحاد (اہل ہنود کے ساتھ اسلامی موالات) کی زبان وقلم سے مخالفت کر کے اپنے والد ماجد کے نذر کی تکمیل کر رہے تھے۔ کسی تقریر میں بر سر مجمع ایک شرپسند وہابی ننگی تلوار لیکر کھڑا ہو گیا کہ میں انہیں (صدرالافاضل کو) قتل کر کے ہی رہوں گا جب اس کی خبر

والد ماجد کو ملی تو آپ نے اپنی قلبی کیفیت کا اظہار یوں فرمایا۔

یاالٰہی بے خطا بے جرم ہے میر اپسر دشمنی رکھتے ہیں اس سے شہر والے فتنہ گر

تو برائے احمد مختار و بوبکر و عمر دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر

علماء دیوبندیہ و وہابیہ کی مسلسل ریشہ دوانیوں کے باوجود صدر الافاضل ہمت نہ ہارے اور دشمنوں کی ہزار دشمنی کے باوجود احقاق حق و ابطال باطل کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے اور ہر اس مسئلہ کے خلاف میدان میں آکر نعرہ جہاد اور علم بغاوت بلند کرتے رہے جس سے اسلام کا وقار مجروح ہوتا ہوا نظر آیا۔ (انتھی کلام الدکتور)

(استفادہ از مضمون جناب ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم بحوالہ "تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل" مرتبہ مولانا نور محمد نعیمی صاحب)

خاور ہند کا رخشندہ آفتاب

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کی ولادت طیبہ ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ جب آپ چار سال کے ہوئے تو آپ کے والد گرامی حضرت علامہ مولانا سید محمد معین الدین صاحب نزہت علیہ الرحمۃ والرضوان نے انتہائی تزک و احتشام اور بڑے دھوم دھام سے "بسم اللہ خوانی" کی پاکیزہ رسم ادا فرمائی، چند ہی مہینے میں حضرت حافظ سید نبی حسین صاحب علیہ الرحمہ نے قرآن کریم کا ناظرہ ختم کرا کے حفظ شروع کرا دیا۔ ساتھ ہی اردو کی تعلیم بھی

چلتی رہی چنانچہ آٹھ سال کی عمر میں حضرت حافظ سید نبی حسین صاحب اور حافظ حفیظ اللہ صاحب علیہما الرحمہ سے قرآن مجید کا حفظ مکمل کر لیا۔ ساتھ ہی ساتھ اردو ادب اور اردوئے معلّٰی میں بھی اچھی خاصی لیاقت پیدا ہو گئی، اور آپ کی تو پرورش ہی تہذیب و ادب کے گہوارے میں ہوئی ' والد محترم حضرت علامہ مولانا سید محمد معین الدین صاحب نزہت علیہ الرحمہ علم و فضل کے آفتاب، دادا حضرت علامہ مولانا سید محمد امین الدین صاحب راسخ علیہ الرحمہ فضل و کمال کے نیر تاباں، پردادا حضرت مولانا کریم الدین صاحب آزاد علیہ الرحمہ استاذ الشعراء و افتخار الادباء تھے۔ جن کی آغوش تربیت نے آپ کو تہذیب و ادب کا چمکتا ہوا سورج بنا دیا تھا۔ طبیعت میں جولانی اور افتاد تو پیدائشی تھی ہم عمر بچوں میں آپ یگانہ شمار کیے جاتے تھے۔

ذہانت و فطانت

جودتِ طبع میں آپ اتنے بلند تھے کہ آٹھ سال کی عمر شریف میں قرآن کریم حفظ کر کے فارسی میں بھی کافی دسترس حاصل کر لی تھی قبل بلوغ تک ہر سال رمضان المبارک میں نوعمر بچوں کی جماعت کے ساتھ نفلوں میں پابندی سے ختم قرآن مجید پڑھا کرتے۔

درسِ نظامی

فارسی اور معتد بہ حصہ تک عربی کی تعلیم اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان سے حاصل فرمائی، اور متوسطات تک علوم درسیہ اور فن طب حضرت مولانا حکیم فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اس کے بعد خود حضرت مولانا فضل احمد صاحب علیہ الرحمہ ہی حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کو لے کر ایک زبردست بزرگ فاضل قدوۃ الفضلا زبدۃ العلماء شیخ الکل حضرت علامہ مولانا سید محمد گل صاحب کابلی

مہتمم مدرسہ امدادیہ مرادآباد کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا حضور! صاجزادے صاحب انتہائی ذکی وفہیم ہیں، ملاحسن تک پڑھ چکے ہیں میری دلی خواہش ہے کہ بقیہ درس نظامی کی تکمیل حضرت کی خدمت میں رہ کر کریں حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صدر الافاضل کی پیشانی پر ایک نظر ڈالی اور فوراً ملاکم و کاست قبول فرماکر اظہار مسرت فرمایا۔

زمانہ تحصیل علم کے بے شمار علمی مباحث میں فکر کی جودت وذہانت سے ہمعصروں کے دلوں پر علم کا سکہ جما دیا تھا بارہا علمی مذاکروں میں ہم چشموں پر غالب وفائق رہے۔

چودہ سال کی عمر میں ایک مرتبہ ہم جماعت طلباء میں فارسی ادب میں مقابلہ ہوا۔ دفتر ابوالفضل کو سامنے رکھ کر طے ہوا کہ ہر ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی اپنی انشاء کے جوہر دکھائے، چنانچہ بھی ہم جماعت طلباء مضمون لکھ کر لائے، مضامین جب پڑھے گئے تو سب نے یک زبان ہوکر اپنے اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا مکتوب گرامی قدر دفتر ابوالفضل کے ہم دوش و بے مثل ہے اسی طرح دیگر علمی مذاکروں میں آپ ہمیشہ غالب رہے۔ اس قسم کے مذاکرے اور مکالمے ہم سبق بچوں اور منتہی طلباء سے بھی اکثر مدرسے میں ہوا کرتے تھے، مگر غلبہ آپ کو ہی حاصل رہتا تھا۔

مرادآباد میں حضور صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ محترم شیخ الکل حضرت علامہ مولانا محمد گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اہتمام چلنے والا مدرسہ امدادیہ (جس میں حضور صدر الافاضل تعلیم حاصل کرتے تھے) کی دیوار کے نیچے بالکل متصل دیوبند ثانی جس کو مدرسہ شاہی مسجد کہا جاتا تھا۔ دار العلوم دیوبند پر قابض ہوجانے کے بعد مولوی قاسم نانوتوی نے

اسی کے ساتھ ہی اس مدرسہ شاہی مسجد کو قائم کیا تھا جو بہت حد تک مراد آباد اور اس کے اطراف واکناف میں دیوبندیت وہابیت کی نشر گاہ تھا۔ حضور صدر الافاضل بزمانہ طالب علمی کبھی کبھی مدرسہ شاہی مسجد میں تشریف لے جاتے اور اسباق کی سماعت فرماتے ہوئے ایسے ایسے اعتراضات لاتے کہ مدرسہ شاہی مسجد کے اساتذہ حیران ہو کر تحسین وآفرین فرماتے مگر خجالت وشرمندگی ان کے چہروں پر صاف نظر آتی تھی۔

بعض موقعوں پر مدرسہ شاہی مسجد کے اساتذہ کہا کرتے تھے کہ اس نوعمر بچے کے آنے سے ہمارا انتظام اسباق درہم برہم ہو گیا ہے۔ اور اس کی علمی ذہانت سے لاجواب ہونا ہمارے علمی وقار کو ٹھیس لگتا ہے لہذا کہنے لگے کہ میاں درمیان اسباق مت آیا کرو تمہارا اپنا مدرسہ ہے۔ تم اپنے مدرسہ میں رہو یہاں کیا ضرورت ہے؟ ذالک فضل اللہ

اسی طرح مراد آباد کے صدر مقام کیٹی چوک میں ایک چبوترہ تھا جس پر شام کے وقت کبھی کوئی پادری، کبھی کوئی آریہ سماجی، کبھی کوئی سناتن دھرمی، کبھی کوئی غیر مقلد کبھی کوئی وہابی دیوبندی وغیرہ میں سے کھڑا ہو جاتا اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا اپنے دھرم مذہب کی باتیں کرتا حضرت صدر الافاضل بلا جھجک وبے خوف اپنی نوعمری اور طالب علمی کے زمانہ میں ان سے (مذکورہ مذاہب میں سے جو بھی ہوتا) بحث ومباحثہ شروع کر دیتے اور اس سے خوب خوب مقابلہ کرتے اور اس کے باطل خیالات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے تھے۔

زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نے بہت سارے مناظرے فرمائے انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مراد آباد محلہ گل شہید میں قبرستان سے قریب ایک آریہ

روزانہ آکر لوگوں کو فاتحہ اور ایصال ثواب سے روکتا تھا کتنے جاہل تو اس کی باتوں میں آجی جاتے تھے۔ حضرت نے فرمایا حاجی صاحب! چلو چلتے ہیں دیکھیں کون ہے اور کیا کرتا ہے چنانچہ دونوں حضرات قبرستان پہونچے اور فاتحہ پڑھی حسب عادت اس نے حضرت صدر الافاضل کو بھی بلایا، اور جس طرح لوگوں کو بہکانے کے لئے تقریر کرتا تھا حضرت سے بھی وہی تقریر کرنے لگا۔ حضرت نے پہلے روح سے متعلق اس سے سوال فرمایا وہ لاجواب ہوکر گھبرا اٹھا، پھر حضرت نے تناسخ (آواگون) کے باطل ہونے پر متعدد دلیلیں قائم فرمائیں ... میرا درد ... لگا کہ میں نے آج تک کوئی ایسا محقق فلسفی نہیں دیکھا اور عرض گذار ہوا کہ میاں صاحبزادے صاحب میری تسلی ہوگئی اب میں کسی کو فاتحہ سے منع نہیں کروں گا۔

فراغت استاذ الاساتذہ شیخ الکل حضرت علامہ مولانا سید محمد گل ... سے منطق فلسفہ ریاضی اقلیدس، توقیت وہیئت جفر عربی بحروف غیر منقوط تفسیر حدیث اور فقہ فرائض وغیرہا بہت سے مروجہ درس نظامی اور غیر درس نظامی علوم وفنون اپنے شفیق استاد سے حاصل فرمائی اور بہت سے سلاسل احادیث وعلوم اسلامیہ کی سندیں بھی تفویض ہوئیں، زندگی کی بیسویں بہار ہم آغوش تھی مراد آباد کی مرادیں برآئی مدرسہ امدادیہ دلہن کی طرح سجا ہوا تھا، علماء ومشائخ رونق افروز تھے کہ ایک چمکتا ہوا تاج استاد محترم نے دستار کی شکل میں اپنے چہیتے تلمیذ خوش تمیز (صدر الافاضل) کے سر پر رکھتے ہوئے ایک تابندہ ودرخشندہ سند فراغت ہاتھ میں عطا فرما کر اپنے بغل مسند تدریس وارشاد پر بٹھادیا، یہ رسم دستار فضیلت ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء کو ادا ہوئی، اسی وقت آپ کے والد گرامی حضرت علامہ مولانا سید محمد معین الدین صاحب نزہت علیہ الرحمہ نے بہجت وسرور میں

ڈو بکر ایک قطعہ ارشاد فرمایا جس سے مادۂ سنہ فراغت نکلتا ہے۔

ہے میرے پسر کو طلبا پر وہ فضیلت — سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت

نزہت نعیم الدین کو یہ کہہ کے سنا دے — دستار فضیلت کی ہے تاریخ "فضیلت"

سنہ ۱۳۲۰ھ

حضرت صدر الافاضل رضی اللہ عنہ خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے، حافظ بڑا اسمٰعیل پایا تھا جس کے سبب بعد فراغت ہی کئی علوم و فنون میں ان کی بالادستی مسلم ہو گئی تھی چنانچہ علم و فضل میں یکتائے روزگار ہو کر قوم کے سامنے آئے۔

اعلحضرت سے پہلی ملاقات

جودھ پور کا ایک مولوی انتہائی دریدہ دہن گستاخ قلم وہابی تھا جو سامنے تو نہیں آتا مگر اخبار و رسائل میں سنی عالموں کے مضامین کے رد میں مقالے لکھا کرتا تھا۔ اور اس میں اپنے خبث باطن کا اظہار خوب خوب کیا کرتا تھا گویا وہابیوں کا وہ شتر بے مہار تھا۔ اس وقت اعلحضرت رضی اللہ عنہ کا آفتاب علم و فضل نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ قسمت کا مارا اخباثت کا ہرکارہ جودھ پوری وہابی مولوی کو اعلحضرت کا فضل و کمال ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا چنانچہ شیطان نے قلم پکڑا دیا اور اس نے شرف تلمذ کا حق ادا کرتے ہوئے اعلحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک نہایت نامعقول ذلالت و رذالت سے بھرپور مضمون لکھ کر "نظام الملک اخبار" میں شائع کرا دیا۔ حلقۂ اہلسنت میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ضیغم صحرائے ملت تاجدار اہلسنت استاذ العلماء سند الفضلاء حضور سیدی صدر الافاضل رضی اللہ عنہ نے جودھ پوری مولوی کی تحریر کا نہایت شوخ و طرار دندان شکن اور مسکت جواب

قلمبند فرماکر اسی اخبار نظام الملک میں شائع فرمایا۔ زمانہ گواہ ہے کہ پھر اسے ایسی دریدہ دہنی اور گستاخانہ تحریر کی توفیق کبھی نہ ہو سکی جس میں اعلیٰحضرت کی بے ادبی ہو۔

جب اس بے ادب مضمون اور باادب جواب کی اطلاع لوگوں نے اعلیٰحضرت کو دی اور خود نظام الملک اخبار حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا جس کو اعلیٰحضرت نے خود بہ نفس نفیس ملاحظہ فرمایا تو دل میں حضور صدر الافاضل کی محبت کا دریا موجیں مارنے لگا اور حضور سیدی صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کو اعلیٰحضرت نے بڑی بڑی حسرت دیدار اور محبت بیقرار کے ساتھ بریلی شریف تشریف ارزانی کی خواہش ظاہر فرمائی۔ چنانچہ اعلیٰحضرت کی طلب پر حضور صدر الافاضل بریلی شریف امام اہلسنت کی بارگاہ میں تشریف لے گئے۔ اعلیٰحضرت نے اہلسنت کے موقف کی تائید پر بے پناہ دعائیں دیں اور انتہائی شفقت و محبت سے نوازا۔

واضح رہے کہ اعلیٰحضرت سے پہلی ملاقات اور یہ واقعہ مدرسہ امدادیہ مراد آباد سے فراغت کے فوراً بعد کا ہے۔

الکلمۃ العلیاء اور اعلیحضرت کا مطالعہ

حضور صدر الافاضل کے فراغت کا زمانہ بڑا پر آشوب تھا جدید دیوبند کے نظریۂ فکر کی نشر و اشاعت کا دور دورہ تھا اور جب سے مولوی قاسم نانوتوی نے مراد آباد میں مدرسہ شاہی مسجد کی بنیاد ڈالی تھی "جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے" تب سے تو دیوبند اور مراد آباد کنفس واحدہ ہو گئے، وہابی گلی کوچوں میں بحث مباحثہ کرتے پھر رہے تھے۔ لازمی مراد آباد بھی ان کے نظریات کی آماجگاہ ہونا چاہیے تھا ایک صدر الافاضل کی ذات تھی خواہ مخواہ

علمی کا دور ہو یا فراغت کا ہر محاذ پر پہونچ کر احقاق حق و ابطال باطل فرماتے تھے اور دلائل وبراہین سے بھرپور ایسی ایسی بحثیں فرماتے کہ وہابیوں کے لاف و گزاف کے تار و پود بکھر جاتے تھے اسی زمانہ فراغت میں ہی آپ نے علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب کی طرح ڈال دی، ادھر فراغت ہوئی ادھر کتاب مکمل ہو گئی، جو علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی اور جامع کتاب ہے جس کا نام "الکلمۃ العلیاء لاعلاء علم المصطفےٰ" ہے جس کا جواب وہابی آج تک نہ دے سکے اور نہ ہی قیامت تک انشاء اللہ تعالیٰ دے سکیں گے۔

جب یہ کتاب شائع ہوئی تو مراد آباد میں ایک بزرگ ان پڑھ تھے لیکن مذہبی تبلیغ میں گنجینۂ معلومات تھے ان کا نام حاجی ملا محمد اشرف شاذلی تھا۔ حاجی صاحب موصوف حضرت صدر الافاضل سے غایت درجہ محبت و شفقت فرماتے تھے، جب حاجی صاحب نے یہ کتاب سنی تو بے حد خوش ہوئے، اور بریلی شریف حاضر ہو کر اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی خدمت میں کتاب "الکلمۃ العلیاء" پیش کی اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ نے اپنے عالمانہ فاضلانہ اور مجددانہ نقطۂ نظر سے انتہائی دقیق و عمیق نگاہ سے مطالعہ فرمایا، اور ارشاد فرمایا ماشاء اللہ بڑی کار آمد اور عمدہ کتاب ہے عبارت شگفتہ مضامین دلائل سے بھرے ہوئے یہ نو عمری اور اتنے احسن براہین کے ساتھ اتنی بلند پایہ کتاب مولانا موصوف کے ہونہار ہونے پر دال ہے، آپ نے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی، اور حضرت صدر الافاضل حضرت حاجی ملا محمد اشرف شاذلی مرحوم کے ہمراہ بریلی شریف حاضر ہو گئے، پھر تو سلسلہ اتنا بڑھا کہ نہ تو اعلیٰحضرت کو ان کے بغیر چین تھا اور صدر الافاضل کو اعلیٰحضرت کے دیدار کے بغیر سکون۔ اعلیٰحضرت کے آستانہ کے سفر کے لئے حضرت صدر الافاضل

کا بستر گھر پر کبھی کھلا ہی نہیں، ایک بستر بریلی شریف کے سفر کے لئے خاص تھا جو تمام تر تیاریوں کے ساتھ خاص طور پر بندھا رہتا تھا اس لئے کہ ہر پیر اور جمعرات کو اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضری لازمی ہوا کرتی تھی، یہ جب ہوتا تھا کہ جب آپ مراد آباد تشریف فرما ہوتے تھے، یہ رشتہ محبت و مودت اس قدر مضبوط ہو گیا کہ اعلیٰحضرت نے صدر الافاضل قدس سرہ کو اپنا معتمد اور اپنے کاموں کا مختار کل بنا دیا، یہی وجہ تھی کہ اگر صدر الافاضل نے اعلیٰحضرت سے کسی مضمون یا کچھ عبارتوں میں ترمیم و تنسیخ یا حذف و استرداد کی گذارش فرمائی تو فوراً اعلیٰحضرت نے منظور فرما کر صدر الافاضل کی منشاء کے مطابق کر دیا جس کا قدرے تفصیل ذکر آگے آ رہا ہے۔

پروفیسر اشتیاق طالب صاحب (کراچی پاکستان) کا مضمون صدر الافاضل کی سیاسی بصیرت جس کو رضا اکیڈمی پاکستان نے شائع کیا ہے بحوالہ تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل مرتبہ مولانا نور محمد نعیمی۔ میرے مذکورہ بالا مضمون پر شاہد عدل ہے۔ پروفیسر طالب صاحب رقمطراز ہیں کہ

"یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ صدر الافاضل نہ تو فاضل بریلوی کے مرید تھے اور نہ ہی دست گرفتہ خلیفہ لیکن یہ خصوصیت مولانا سید محمد نعیم الدین کو حاصل رہی کہ جہاں فاضل بریلوی اپنی شرعی ذمہ داریوں کی وجہ سے خود شرکت نہ فرماتے وہاں مولانا سید محمد نعیم الدین آپکی نمائندگی کرتے۔"

حضرت صدر الافاضل نہ صرف خانوادۂ اعلیٰحضرت بلکہ برصغیر کے تمام معتبر

خانوادوں میں قابل اعتماد شخصیت کی حیثیت سے رہے۔

بیعت وخلافت

حضرت شیخ شاہ جی محمد شیر میاں پیلی علیہ الرحمۃ والرضوان جو اپنے وقت کے ولی کامل اور قطب عصر تھے ان کی خدمت میں حضرت صدر الافاضل رضی اللہ عنہ پوری ارادت وعقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ شاہ جی علیہ الرحمہ کے ارشاد اور اشارے پر اپنے ہی استاذ گرامی حضرت شیخ الکل مولنا سید محمد گل صاحب رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت شیخ الکل نے اپنے لائق وفائق تلمیذ رشید کو چاروں سلسلوں اور جملہ اوراد ووظائف ذکر واذکار افکار واشغال کی اجازت عطا فرما کر ماذون ومجاز بنا دیا۔ اس کے بعد غوث وقت قطب دوراں اعلیحضرت شیخ المشائخ حضرت سید شاہ سید علی حسین صاحب اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کچھوچھوی نے بھی خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت صدر الافاضل نے حضرت شیخ المشائخ کی شان میں ایک منقبت بھی لکھی ہے جس کا ایک شعر یوں ہے ؎

"راز وحدت کھلے نعیم الدین | اشرفی کا یہ فیض ہے تجھ پر"

درس وتدریس

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ اپنی مختلف دینی، علمی، تبلیغی، تحقیقی تصنیفی اور مناظرہ ومقابلہ نیز فرق باطلہ کے رد وابطال جیسی سرگرمیوں کے باوجود تاحیات درس وتدریس سے وابستہ رہے جس کی وجہ سے علماء وفضلا کی ایک بڑی مضبوط جماعت تیار ہوگئی اور الحمد للہ آپ کے مقصد حیات کی سب سے نمایاں یادگار "جامعہ نعیمیہ مراد آباد" سے اب تک تیار ہو رہی ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیام

قیامت تیار ہوتی رہے گی۔ آپ کے تدریس کا طریقہ انتہائی انوکھا تھا جس کی وجہ سے طلباء کے دل ودماغ پر آپ کا پورا درس نقش ہو جاتا تھا۔ افہام وتفہیم میں آپ یکتائے روزگار تھے، تفسیر وحدیث علم کلام فقہ واصول نحو وصرف منطق وفلسفہ، ہیئت وریاضی، نجوم، علم التوقیت وعلم الفرائض غرضیکہ ہر قسم کے علوم وفنون میں ملکہ تامہ حاصل تھا بلکہ آپ امتیازی صلاحیتوں کے مالک تھے کسی فن کی کتاب ہو دوران درس وتدریس پر مغز مدلل تقاریر زبانی فرمایا کرتے تھے جس کتاب پر تقریر فرماتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے خود حضرت ہی اس کے مصنف ہیں جو کتاب کی گہرائی اور اشارات وماله وماعليه سے وضاحت فرما رہے ہیں۔ بہر حال حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کو تدریس میں ایسی بے مثال مہارت حاصل تھی کہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ بقول حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ میں نے مدرس دو ہی دیکھے ایک صدر الشریعہ دوسرے صدر الافاضل فرق صرف اتنا تھا کہ صدر الشریعہ اس شعبے سے زیادہ وابستہ رہے اور حضرت صدر الافاضل ذاکم؛ تصنیفات میں درجنوں سے زیادہ کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔

(تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل)

فائدہ: "ذراکم" کی وجہ یہ تھی کہ حضور صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تدریس کے علاوہ تبلیغی دورے، جلسوں میں شرکت وہابیہ دیابنہ، آریہ قادیانی، نیچری، اہلحدیث اور اہل قرآن وغیرہا فرقہائے باطلہ سے اکثر مناظرے کرکے شجر اسلام کی آبیاری گلشن سنیت کی حفاظت بھی کرنی پڑ رہی تھی۔ اتنے سارے مصروفیات کے باوجود تدریسی فرائض باحسن وجوہ انجام دیتے تھے جس کا اعتراف وقت کے قدآور علماء کرام اور مفتیان عظام بھی کرتے ہیں۔

وظیفہ تدریس سے استغناء

دنیا بھر کے مدرسین چھوٹے ہوں یا بڑے عموماً تنخواہ دار ہوتے ہیں اور اپنی اپنی صلاحیتوں اور مناصب کے اعتبار سے مشاہرہ لیتے ہیں لیکن صدر الافاضل نے کبھی ایک پیسہ تنخواہ نہیں لیا اور اتنا بڑا مدرسہ جامعہ نعیمیہ بطور خود چلاتے تھے طلاب کے خورد و نوش ،مدرسین کی تنخواہ آپ ادا کرتے تھے. بقول سیدی بحر العلوم دام ظلہٗ حضرت کو دست غیب حاصل تھا.

شانِ تدریس

تفسیر

تفسیر کا درس اتنا شاندار ہوتا تھا کہ طلبار کے علاوہ اگر وقت خالی رہتا تھا تو جامعہ نعیمیہ کے مدرسین بھی درس میں آکر بیٹھتے تھے اور حضرت کی تقریر انتہائی غور و خوض سے سماعت کرتے. درس تفسیر میں خصوصیت سے تفسیر قرآن بالقرآن، تفسیر قرآن بالحدیث اسباب نزول، مفردات القرآن کی تشریح مفاہیم قرآن کی مثالوں سے وضاحت آیات متشابہات کی توجیہ و تنقیح ناسخ و منسوخ کی وضاحت مکی و مدنی کی نشاندہی بظاہر آیات میں تطبیق بظاہر آیات واحادیث میں توفیق اقوال مفسرین میں ترجیح اصول دین اور عقائد اسلام کی تشریح مسائل ضروریہ کا حسن استنباط و استخراج ظواہر آیات سے پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ ،تفسیر قرآن آثار صحابہ سے، تفسیر قرآن دیگر کتب سماویہ سے نیز واقعات امم اور قصص اقوام کا تذکرہ وغیرہا یہ مذکورہ بالا محررات حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ

کے درس تفسیر کے محاسن عظمیٰ ہیں. جو بوقت درس طلبہ فصیح و بلیغ زبان سے سنتے کو پاتے تھے گویا شہر کا درس درسگاہ میں بیٹھ کر امام رازی، امام خازن کی درسگاہ کا لطف اٹھاتے تھے.

حدیث علم حدیث میں تو آپ مشہور خاص و عام تھے. ملک کے تمام فضلا معترف تھے کہ جس طرح حدیث کا درس آپ دیتے ہیں ان کے کانوں نے کبھی نہیں سنا ہے. حدیث کے مطالب و مفاہیم اس جامعیت کے ساتھ مختصر الفاظ میں بیان فرماتے کہ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا. بظاہر تناقص احادیث کو اس طرح سلجھاتے کہ سننے والے مطمئن ہو جاتے. حدیث کی شان ارشاد بیان فرما کر ایسی تقریر فرماتے کہ علم کا چشمہ ابلنے لگتا. راجح مرجوح روایتوں پر بھرپور کلام فرماتے. اختلافی حدیثوں میں تطبیق و توفیق تو آپ کا حصۂ خاص تھا. قابل کلام احادیث پر ایسی جرح و تعدیل فرماتے کہ غیر مقلدین اور اہلحدیث کے ہوش اُڑ جاتے. علاوہ ازیں ان کے روزمرہ کے بدیہی اور مشہور و معروف اعتراض کا شافی جواب دینے کے بعد اپنی طرف سے اعتراضات کی ایسی ایسی شقیں بیان فرماتے کہ وہابیوں کے باپ بھی نہ بیان کر پاتے اور پھر خود ہی اپنے نکلے ہوئے اعتراضات کے جوابات بھی بیان فرما دیتے. اس طرح سے درس حدیث اس قدر دلچسپ ہو جاتا کہ طلباء درسگاہ سے ہشاش بشاش اٹھتے. مزید براں اسماء الرجال اور اصول حدیث پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ دوران درس اسناد رواۃ اور مرفوع، مقطوع، موقوف و دیگر اصطلاحات حدیث برجستہ بیان فرماتے جس سے سبق کی تقریر اور مفاہیم و مطالب کے بیان میں چار چاند لگ جاتے.

فقہ: فقہ کے جزئیات پر اس قدر گہری نظر تھی کہ دار الافتاء میں آئے فتاوے کے جوابات

قلم برداشتہ تحریر فرماتے، بہت کم کتب فقہ اور متون جزئیات دیکھنے کی نوبت آتی تھی۔

ایک مرتبہ شہزادہ صدر الافاضل سیدی و مرشدی رہنمائے ملت حضرت علامہ حکیم سید اختصاص الدین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان مجھ سے فرمانے لگے کہ جب حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی کتاب بہار شریعت چھپ گئی تو حضرت نے مولانا محمد عمر صاحب نعیمی محدث پاکستان جو اس وقت فارغ ہو چکے تھے اور جامعہ کا اہتمام ان کے ذمہ تھا ان سے فرمایا کہ بہار شریعت کے ہر مسئلہ کے بعد کتاب کا نام لکھا ہوا ہے تم سارے مسائل کو ان کتابوں سے ملا ڈالو تا کہ تمہارے علم میں اضافہ ہو۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب بہار شریعت کے مسائل کتابوں سے ملانے لگے مگر کہیں کہیں کوئی مسئلہ کتاب کے اس باب میں نہیں ملتا حضرت صدر الافاضل سے آکر ذکر کرتے تو حضرت فرماتے کہ اس مسئلہ کو کتاب کے فلاں باب میں دیکھو وہاں مل جائے گا، چنانچہ دیکھتے اور مسئلہ مل جاتا معلوم ہوا کہ حضور صدر الافاضل کو تمام متون فقہ مستحضر تھے۔

دوران تدریس فقہ کی کتابیں ایسی پڑھاتے تھے جیسے انہیں کی لکھی ہوئی ہے۔ مختلف فیہ مسائل میں ایسا کلام فرماتے کہ امام اعظم کے مسلک کی پوری طرح سے تائید و تنقیح ہو جاتی، تقریر ایسی شستہ ہوتی کہ ائمہ ثلاثہ میں سے کسی کی اہانت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اور مسلک امام اعظم روشن ہو جاتا۔ بہر کیف فقہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا فالحمد للہ رب العلمین۔

توقیت و ہیئت

علم ہیئت و نجوم میں حضور صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خداداد مہارت تامہ حاصل تھی اس کے درس میں آپ امتیازی صلاحیتوں

کے مالک تھے۔ دوران تعلیم آپ گردش افلاک اور حرکت کواکب و نجوم کے لیے تمثیلات ایسے دلکش انداز میں بیان فرماتے کہ طلبا محسوس کرنے لگتے تھے گویا وہ اجرام فلکیہ کی سیر کر رہے ہیں۔ اور چشم سر سے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ آپ نے متعدد کرۂ فلکی تیار کرائے تھے جس میں سبع ثوابت اور سیارگاں کو ہر کرۂ فلک میں یکساں طور پر چاندی کے نقطوں سے واضح کیا تھا جب آپ ہیئت کا سبق پڑھاتے تو وہ کرہ سامنے رکھتے تھے اور طلبا کو پڑھاتے پڑھاتے انہیں آسمان کی طرف دیکھنے سے بے نیاز کر دیتے تھے ایسا لگتا تھا کہ آسمان زمین پر چلا آیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آسمانی کرہ جات آپ کی خاص یادگاروں میں سے ہے اور کتابوں کی طرح یہ بھی آپ کی تصنیفات سے ایک عظیم الشان تصنیف ہے اس فن کے علما اگر یہ اعتراف کریں تو حق بجانب ہوں گے کہ اتنا جامع اور کامل کرۂ فلک نہ دیکھنے میں آیا اور نہ ہی سننے میں۔ اس سے صدر الافاضل کی عظیم شخصیت اور بے مثل استاد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

فائدہ: شہزادہ صدر الافاضل حضور رہنمائے ملت حضرت علامہ سید اختصاص الدین علیہ الرحمۃ والرضوان نے متعدد بار یہ بات دہرائی ہے (بدورہ تلسی پور) کہ ایک کرۂ فلک مسلم یونیورسٹی علیگڈھ گیا ہے۔ اور ایک کرہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور گیا ہے' اور ایک جامعہ عتیقیہ انوار العلوم تلسی پور میں تھا۔ (جس کو راقم الحروف نے خود دیکھا ہے) ایک مولانا نذیر الاکرم صاحب کے کتب خانہ میں تھا، ایک حضور رہنمائے ملت علیہ الرحمہ کے حجرے میں رکھا رہتا تھا۔ اور دو کرے جامعہ نعیمیہ میں تھے جن کو ۱۹۶۰ء دوران ملازمت مدرسہ اکرم العلوم مراد آباد راقم الحروف نے دیکھے ہیں۔ اور کتنے پاکستان چلے گئے' اور کتنے

چوروں نے چرالئے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

دارالافتاء اعلیٰحضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے بعد حضور سیدنا صدرالافاضل رضی اللہ عنہ کا دارالافتاء ایک جامع شان کا تھا اور لطف کی بات ہے کہ آپ کے دارالافتاء میں نہ کوئی نائب تھا اور نہ ہی آپ دارالافتاء کے لئے نائب رکھتے تھے سارے فتوؤں کے جوابات آپ بدست خود دیا کرتے تھے۔ ہندوبیرون ہند نیز مرادآباد کے اطراف واکناف سے بے شمار استفتے اور استفسارات آتے تھے اور حضرت قدس سرہ العزیز باوجود بہت سارے مصروفیات سے بپر مستزاد بلا ناغہ بالالتزام تدریسی خدمات، آئے ہوئے استفتوں کے جوابات تحریر فرماکر مستفتیوں کے پاس روانہ فرمادیا کرتے تھے۔ بفضلہ اللہ الکریم فقہ کے جزیات اسقدر مستحضر تھے کہ فتوؤں کے جوابات لکھنے کے لئے کتابہائے فقہ بہت کم دیکھا کرتے تھے اور قلم برداشتہ جواب تحریر فرماکر دیدیا کرتے تھے۔ اور آپ کی مشغولیات اسقدر تھیں کہ کتاب دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حضور رہنمائے ملت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میراث وفرائض کے فتوے کثرت سے آتے رہتے تھے مگر حضرت کو جواب لکھنے کے لئے کبھی کتاب دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا آج تو ایک بطن، دو بطن، چار بطن کے فتوے اگر دارالافتاء میں آجائیں تو گھنٹوں گھنٹوں کتابیں دیکھی جاتی ہیں تب کہیں جاکر فتوے کا جواب لکھا جاتا ہے اور وہ بھی کبھی ایک مفتی دوسرے مفتی کے فتوے کو مسترد کردیتا ہے مگر حضرت صدرالافاضل کا یہ حال تھا کہ بیس بیس اکیس اکیس بطون کے فتوے بھی

کبھی دار الافتاء میں آگئے مگر حضرت قلم برداشتہ بغیر کتاب دیکھے جواب تحریر فرمادیتے تھے البتہ انگلیوں پر کچھ شمار کرتے ضرور دیکھا جاتا تھا اور آپ کے فتوے سے استرداد کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

علمِ طب

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ نے علم طب حکیم حاذق نباض دوراں، حضرت مولانا حکیم فیض احمد صاحب امروہوی سے حاصل کی جس طرح سے آپ کو علوم منقولیہ و علوم معقولیہ میں ہمعصر علماء پر تفوق و برتری حاصل تھی اسی طرح قدرت نے میدان طب میں بھی کمال مہارت عطا فرمائی تھی۔ عموماً مریض کا چہرہ دیکھ کر ہی مرض پکڑ لیا کرتے تھے نباضی میں یکتائے زمانہ بین الحکماء تھے مفردات ادویہ کے خواص ازبر تھے، مرکبات میں بھی خاصی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بہت سے علماء جو جامعہ نعیمیہ سے فارغ ہوئے انہوں نے آپ سے علم طب بھی پڑھا ہے جن میں فن طب سے خصوصی لگاؤ دیکھے تھے انہیں تعلیم و تبلیغ کے علاوہ حکمت و طبابت کا بھی حکم فرمایا کرتے تھے، آپ کا جو وقت تبلیغ و تدریس سے بچتا تھا اس میں آپ طب و حکمت کے ذریعہ خدمت خلق فی سبیل اللہ فرمایا کرتے تھے۔

تحریر و تقریر و تبلیغ

عموماً دیکھا گیا ہے جو تقریر میں ماہر ہوتا ہے تدریس کا ملکہ نہیں رکھتا اور اگر تقریر و تدریس میں مہارت رکھتا ہے تو تحریر کامیاب نہیں ہوتی، اور یہ تو بالکل بدیہی ہے کہ اکثر علماء رسم الخط میں نہایت کمزور ہوتے ہیں، لیکن سیدی صدر الافاضل علیہ الرحمۃ والرضوان پر اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل و احسان تھا کہ آپ کو ہر فن میں ید طولیٰ حاصل تھا، تقریر نہایت مدلل و مسجع اور

بے تکلف کئی کئی گھنٹے گھنٹے تک عجیب و غریب نکات و رموز سے بھرپور ہوتی تھی۔ الفاظ نہایت شگفتہ و شیریں ہوتے تھے۔ سننے والوں پر کیف و سرور طاری ہو جاتا۔ مجمع کی محویت کا یہ عالم ہوتا کہ اگر سر پر چڑیا بیٹھ جائے۔ تو انہیں خبر نہ ہو غرضکہ آپ اپنے ہم عصر علماء میں بے مثال مقرر تھے۔ تحریر نہایت شستہ، صاف اور سلیس ہوتی تھی۔ آپ کی خطاطی ایسی عمدہ اور قواعد کے مطابق تھی کہ سینکڑوں خوش نویس اس فن میں آپ کے شاگرد ہیں۔ مزید برآں یہ کہ خط کے ساتوں طرزِ تحریر میں بے مثال کمال حاصل تھا حتیٰ کہ ہر ایک رسم الخط کو بائیں ہاتھ سے معکوس بآسانی نہایت خوشخط تحریر فرما سکتے تھے۔

مناظرہ اور طرز استدلال

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کا طرزِ استدلال بالکل واضح اور روشن ہوتا تھا۔ مغلقات و معضلات اور طول طویل بحثوں کو مختصر مگر جامع الفاظ میں نہایت ظاہر و باہر طریقہ سے بیان کرتے تھے۔ اقامت حجۃ میں بھی اور جس پر بھی جو حجج قویہ دلائل قطعیہ قائم فرماتے تھے کسی کو اتنی طاقت نہ کہ توڑ سکتا۔ مخالف ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ناممکن تھا کہ جو گرفت فرمائی تھی اس سے گلو خلاصی پاسکتا یا وہ گرفت نرم پڑ جاتی۔ مخالف عناد میں غضب میں انگلیاں چباتے مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ صدر الافاضل کی یہ صفت تو خاصہ کی حیثیت رکھتی تھی کہ دوران گفتگو کبھی بھی کسی کے ساتھ ناشائستہ غیر مہذب کلمات زبان مبارک پر نہیں آتے تھے۔ مقابل کی تضحیک و تحقیق کا شائبہ تک آپ کے بحث و استدلال میں نہیں ہوتا تھا۔

آپ کے مناظرے کا حال تو آگے تفصیل کے ساتھ آرہا ہے۔ یہ بات بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ بسا اوقات مناظرے کا کام اپنے شاگردوں سے بھی لیا کرتے تھے۔

چنانچہ موضوع مناظرہ ہی سنکر شاگردوں کو پہلی ہی گفتگو میں مقابل کے علمی معیار کا اندازہ لگا کر جواب اور جواب الجواب تلقین فرمادیا کرتے تھے۔ اور بتا دیتے کہ مخالف یہ جواب دیگا اس کا یہ جواب ہوگا۔ لہٰذا ایسا ہی ہوتا اور آپ کے شاگرد فتحیاب ہو کر لوٹتے۔

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ یوں تو سارے فرق باطلہ سے نبرد آزما رہے وہابیت دیوبندیت قادیانیت بہائیت نیچریت کوئی بھی فرقہ ہو ہر ایک کے ایوان عقائد میں زلزلے ڈالے گا ہے گاہے ہر ایک عقیدے کے مناظرے آتے رہے مگر ہمیشہ میدان مناظرہ صدر الافاضل کے ہاتھ رہا۔ وہابیوں دیوبندیوں قادیانیوں نیچریوں کے ساتھ مناظروں کے داستان کتابی شکلوں میں اس قدر وافر مقدار میں مارکیٹ میں آچکے کہ اب ان کے داستانوں اور قصوں کو سنتے ہوئے کانوں کو برا لگنے لگا۔ البتہ آریوں سے مناظرے کی روداد اور میدان مناظرہ میں ان کی شکست وریخت کے حالات سنتے ہوئے دیکھتے ہوئے اب بھی اچھا لگتا ہے چنانچہ کچھ آریائی مناظرے ضبط تحریر کئے جاتے ہیں۔

مرادآباد کے پنڈت جی

مرادآباد بازار چوک میں آریہ مبلغین روزانہ شام کو اسلام کے خلاف تقریر کرتے تھے حضرت صدر الافاضل قلعہ والی مسجد میں جمعہ پڑھا کر واپس آرہے تھے۔ ملاحظہ فرمایا کہ آریوں کا ایک پنڈت کچھ اعتراض کر رہا ہے اور دیوبندی مکتبہ فکر کا ایک مولوی قدرت اللہ نامی (جو مدرسہ شاہی مسجد کے مدرس تھے) جواب دے رہے تھے۔ وہ جب مکمل جواب نہ دے سکے تو وہاں سے فرار ہو گئے اور آریہ پنڈت نے تالی بجائی۔

حضور صدر الافاضل نے فرمایا کہ پنڈت جی آپ کا کیا اعتراض ہے بیان کیجئے
اس نے کہا کہ آپ کے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بیوی سے نکاح کیا۔ حضور نے فرمایا کہ
زید حضور کے بیٹے نہیں تھے بلکہ متبنّٰی تھے جیسے اردو زبان میں لے پالک کہتے ہیں،
حضور نے اپنے کرم سے انہیں بیٹا فرمایا، شریعت اسلامیہ میں منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا
نہیں ہوتا اور نہ ہی وراثت میں حصہ پاتا ہے۔ آریہ پنڈت کہنے لگا کہ ہمارے ہندو
دھرم میں منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہو جاتا ہے وراثت وغیرہ میں حصہ پاتا ہے۔ حضرت
نے دلائل عقلیہ سے ثابت فرمایا کہ کسی کو بیٹا کہنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ حقیقت میں
جس کے نطفے سے پیدا ہوا ہے اسی کا بیٹا ہوتا ہے۔ صرف زبان سے بیٹا کہنا اس
کی حقیقت کو نہیں بدلتا۔ اس حقیقت کو ایسے عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا کہ سارا مجمع
آپ کی تقریر سے متاثر ہو گیا۔ مگر پنڈت ماننے کو ہرگز تیار نہیں۔ پھر تو آپ نے اپنا
مخصوص مناظرانہ طریقہ استعمال فرمایا اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا، مجمع والو سنو! میں
کہتا ہوں کہ پنڈت جی میرے بیٹے ہیں، پنڈت جی میرے بیٹے ہیں، پنڈت جی میرے
بیٹے ہیں۔ پنڈت جی اب میرے بیٹے کہنے سے تم میرے منہ بولے بیٹے ہو گئے اور
بقول تمہارے منہ بولے بیٹے کے تمام احکام ثابت ہو گئے، چنانچہ بیٹے کی بیوی حرام
مگر بیٹے کی ماں حلال، تو تمہاری ماں میرے لئے حلال ہو گئی۔ پنڈت بولا آپ گالی دے
رہے ہیں حضرت نے فرمایا میرا مدعا ثابت ہو گیا، کہ جب تو خود اسے گالی سمجھتا ہے تو
معلوم ہوا کہ منہ بولا بیٹا حقیقت میں بیٹا نہیں ہوتا ہے۔ یہ سن کر پنڈت بھرے مجمع میں چلایا
کہ آپ کے مولوی صاحب چلے گئے اب میں جاتا ہوں پورا مجمع اسکے پیچھے تالیاں بجانے لگا۔

وہابیوں کا پنڈت

دہلی میں رام چندر نامی ایک آریہ بہت خوش آواز تھا، غیر مقلدین وہابیوں نے اسے قرآن مجید کی کچھ سورتیں یاد کروادی تھیں اچھے لہجے کے ساتھ پڑھتا تھا وہ بڑا دریدہ دہن اور گستاخ تھا، بریلی آکر اس نے مناظرہ کا چیلنج دیدیا مسلمانوں نے اس کا چیلنج قبول کرلیا، اور حضرت حجۃ الاسلام شہزادہ اعلیٰ حضرت علامہ حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی سنی مناظر کے انتخاب کے لئے عرض گذار ہوئے آپ نے فرمایا کہ ابھی مراد آباد تار دو، رات کو صدر الافاضل تشریف لے آئینگے ان سے زیادہ مناسب کوئی دوسرا نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ صبح مناظرہ شروع ہو جائے گا۔ تار کسی قدر تاخیر سے پہونچا ٹرین کا وقت گذر گیا، صبح کی ٹرین سے صدر الافاضل بریلی کے لئے روانہ ہوئے، اور ٹھیک ۱۰ بجے بریلی شریف پہونچ گئے۔ حضرت حجۃ الاسلام نے صبح انتظار کیا جب آپ نہ پہونچے تو مولانا ظہور الحسن صاحب رامپوری کو مناظر کی حیثیت سے پیش فرمادیا اور پنڈت رام چندر سے روح اور مادہ سے متعلق گفتگو شروع ہوئی، جس وقت صدر الافاضل مناظرہ گاہ پہونچے تو گفتگو جاری تھی مگر علمی بحث سے عوام کو بالکل دلچسپی نہ تھی، اور نہ ان کے پلے کچھ پڑ رہا تھا، حضور صدر الافاضل نے حجۃ الاسلام صاحب فرمایا کہ اگر میں گفتگو شروع کرتا ہوں تو پنڈت کہیگا کہ آپ کے مولوی صاحب ہار گئے اس لئے دوسرے مولوی کو کھڑا کیا ہے لہٰذا آپ صدر ہیں اعلان کردیجئے کہ گیارہ بج گئے ہیں گرمی بہت پڑنے لگی ہے اس لئے بقیہ بحث رات کو ہوگی، حضرت حجۃ الاسلام صاحب نے اعلان فرمایا اور جلسہ رات کے لئے ملتوی ہوگیا۔ حضرت صدر الافاضل رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ سب لوگ ٹھہر جائیں اور ہر دو مناظر بھی پانچ منٹ کیلئے

ٹھہر جائیں ۔ میں مجمع کو یہ بتا دوں کہ پنڈت جی اور مولانا کی گفتگو کا نتیجہ کیا نکلا ۔ چنانچہ سبھی لوگ ٹھہر گئے ، صدر الافاضل نے پنڈت رام چندر سے فرمایا پنڈت جی آپ یہی تو کہتے ہیں کہ روح انسانی اور روح حیوانی ایک ہے ۔ صرف صورت نوعیہ کا فرق ہے پنڈت جی نے کہا جی ہاں میں یہی کہتا ہوں ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب آپ یہ کہتے ہیں کہ فقط صورت ہی کا فرق نہیں ہے بلکہ روح انسانی اور روح حیوانی میں بہت فرق ہے ۔ مولانا ظہور الحسن صاحب نے فرمایا جی ہاں صحیح ہے ۔

پھر حضور صدر الافاضل نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ لوگ کچھ سمجھے ؟ مجمع نے کہا کچھ نہیں سمجھے ۔ تو صدر الافاضل نے فرمایا کہ پنڈت جی تمہارے ایسا کہنے میں خود تمہاری ہی ذلت ورسوائی ہے اب کبھی ایسا نہ کہنا پنڈت نے کہا وہ کیسے ؟ آپ نے فرمایا پنڈت جی میری کتاب کے پندرہ پارے سنا سکتے ہو ذرا اپنا وید جسے خدا کی کتاب مانتے اس کو تم آدھا سنا دو ، چوتھائی سنا دو ، پندرہ ورق ہی سنا دو ۔ یا فقط پانچ ورق ہی پڑھ دو ۔ ارے پنڈت جی اس سے قرآن مجید کی صداقت کا پتہ چلتا ہے کہ مخالف کی زبان پر بھی اس کا فیض ہے کہ وہ پندرہ پارے سنانے کے لئے تیار ہے ۔ قرآن کا یہ " دعویٰ " ہے " ھدًی للناس " یہ کتاب سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے ۔ اس مضمون کو صدر الافاضل نے اتنے احسن اور پیارے طریقہ سے بیان فرمایا کہ پورا مجمع حتیٰ کہ ہندو تک بھی قرآن مجید کو کلام الٰہی ماننے پر مجبور ہو گئے ۔ فالحمد للہ تعالیٰ ۔

مناظرانہ تعاقب اور شردھانند

حضرت صدر الافاضل آریوں کو جگہ جگہ گھیر کر ان سے مناظرہ کا مطالبہ فرماتے رہتے ، اور اگر کہیں

کوئی آریہ خود مناظرہ کا چیلنج کر دیتا تھا تو پھر اس کی شامت ہی آجاتی تھی جیسا کہ اوپر کے سطور میں پڑھ چکے ہیں بشدھی تحریک کے بانی شردھانند کا تو آپ نے ناطقہ بند کر رکھا تھا وہ آپ کے سامنے آنے سے گھبراتا تھا ایک مرتبہ دوارب پرانا دھرم ہونے کے دعوے پر آپ نے غیرت دلاتے ہوئے مناظرہ کا مطالبہ کرکے پوسٹر شائع فرمادیا اور پورے ہندستان میں تقسیم کروایا مگر پھر بھی مناظرہ کے لئے سامنے نہ آیا اب حضرت اس کے تعاقب میں لگ گئے اور مطالبہ مناظرہ فرمایا تو اس نے قبول کر لیا چنانچہ آپ دہلی آئے وہ دہلی سے فرار ہو کر بریلی پہونچا حضرت بریلی تشریف لے گئے تو وہ لکھنؤ بھاگ گیا حضرت بھی لکھنؤ پہنچے، پھر وہ پٹنہ چلا گیا حضرت پٹنہ پہونچے پھر وہ وہاں سے بھاگ کر کلکتہ پہونچا حضرت نے کلکتہ پہونچ کر اسے پکڑ لیا اور مناظرہ کا مطالبہ فرمایا چنانچہ پنڈت نے مناظرہ سے صاف انکار کر دیا۔

اعلحضرت کے وکیل مطلق

سب سے پہلے آپ یہ سمجھ لیں کہ حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کے نزدیک اعلحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا مقام کیا تھا اور صدر الافاضل اعلحضرت کو کس مقام پر دیکھتے تھے۔

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اعجاز صاحب قادری رضوی (پاکستان) تحریر فرماتے فرماتے ہیں کہ " ہمیں وثوق اور معتمد علیہ روایت پہونچی ہے کہ حضرت صدر الافاضل نے فرمایا " ایک بار سیدنا اعلحضرت مجدد اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فقہ مجھے علامہ ابن عابدین سے حاصل ہوئی تو ہم نے اسے تواضع پر محمول کیا اس لئے کہ ہماری نگاہ میں سیدنا اعلحضرت قدس سرہ کی تحقیقات عالیہ علامہ شامی کی تحقیقات سے عالی و بلند تر ہیں " معلوم ہوا کہ صدر الافاضل کی نظر اعلحضرت کی تحقیقات اور علامہ شامی کی تحقیقات پر پوری پوری بصیرتانہ طور پر تھی (راقم الحروف)

حضرت علامہ مفتی اعجاز صاحب رضوی اپنے اسی مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کس قدر باعظمت تھے امام اہلسنت مجدد اعظم اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کی بارگاہ ذی جاہ سے "وکالت مطلقہ" جس جس موقع پر حضرت تاجدار اہلسنت صدر الافاضل کو ملتی رہی اس سے یہ اندازہ لگانا بڑا صحیح اور درست ہوگا کہ حضرت صدر الافاضل کا کیا مقام ہے۔ فرق باطلہ اور معاندین سے گفتگو ومناظرات میں سیدنا اعلیحضرت قدس سرہٗ نے بار بار صدر الافاضل کو اپنا وکیل خاص بنایا چنانچہ اسی خصوصیت کی بنا پر خود اعلیحضرت قدس سرہٗ نے بارہا ذکر احباب میں ارشاد فرمایا ؎

میرے نعیم الدین کو نعمت　　　　اس سے بلا میں سماتے یہ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز کے کارہائے تجدید کی ترویج واشاعت جس قدر حضرت سلطان العلوم صدر الافاضل قدس سرہٗ نے فرمایا وہ اہلسنت سواد اعظم پر مخفی نہیں ہے۔ بلاشبہ مسلک اعلیحضرت قدس سرہٗ کی ترویج واشاعت میں جو خصوصیت حضرت صدر الافاضل کو حاصل ہے وہ ان کی تالیفات وتصنیفات سے ظاہر ہے۔

بحر العلوم حضرت علامہ عبد الباری صاحب فرنگی محلی کی رد میں جب اعلیحضرت نے الطاری الداری لکھا تو اس سلسلے میں مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ "الطاری الداری" کی تصنیف پر مسودہ جب حضرت صدر الافاضل کو دکھایا گیا تو حضرت صدر الافاضل نے اس میں کثیر مضامین کے بارے میں درخواست کی کہ یہ نکال دیا جائے۔ چنانچہ سیدنا اعلیحضرت قدس سرہٗ نے بلا تامل اسے کاٹ دیا۔ اور حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ سے یہ بھی نہ فرمایا کہ کیوں یہ ترمیم پیش کی۔ غرضیکہ بجا طور پر اگر حضرت سلطان العلوم صدر الافاضل کو "رضویوں کا وکیل" کہا جائے تو

کوئی مضائقہ نہیں۔ (مضمون مفتی اعجاز احمد رضوی پاکستان ماخوذ تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل مرتبہ مولانا نور محمد نعیمی صاحب۔ ص ۳۱۳، ۳۱۲)

توبہ نامہ بحر العلوم مفتی عبد الباری فرنگی محلی

جب حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خلافت کمیٹی کے بام عروج کے وقت گاندھی کی تحریکات ونظریات کے تحت چند کلمات غیر محتاط خلاف اسلام نکل گئے حتیٰ کہ یہ بھی کہہ گئے ؎

عمرے کہ بآیات احادیث گذشت رفتی ونثار بت پرستی کردی

تو اعلیٰحضرت نے خط وکتابت کا سلسلہ شروع فرمایا اور نہایت متین وسنجیدہ لب ولہجہ میں افہام وتفہیم چاہی مگر علامہ فرنگی محلی عقیدت گاندھیت کے نشہ میں اعلیٰحضرت قدس سرہ کی خط وکتابت سے بے پرواہ ہوگئے۔ چنانچہ اعلیٰحضرت نے "الطاری الداری لھفوات عبد الباری" دو جلدوں میں تالیف فرمائی۔ کتاب چھپ جانے کے بعد جب حضرت علامہ فرنگی محلی علیہ الرحمہ کے مطالعہ میں آئی تو تبحر علمی کے ساتھ خشیت الٰہی نے مساعدت کی اور مفاہمت کی طرف میلان خاطر کیا۔ چنانچہ اس مفاہمت کے لئے اعلیٰحضرت نے اپنے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں صاحب اور حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی صاحب قدس اسرارہما کو حضرت استاذ العلماء صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کی معیت میں لکھنؤ کے لئے روانہ فرمایا۔ ان تین نفوس قدسیہ پر مشتمل باوقار وفد میں بحیثیت طالب علم محدث اعظم پاکستان بھی تھے۔ جب مولانا فرنگی محلی کو معلوم ہوا کہ بریلی سے انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ ایک وفد آرہا ہے جس میں فلاں فلاں نفوس قدسیہ

شریک ہیں تو مولانا فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ اپنے بہت سے مریدوں اور محبوں کو لے کر وفد کے خیر مقدم کے لئے بطور استقبال پر اسٹیشن پہونچ گئے جیسے ہی گاڑی سے یہ وفد فلیٹ فارم پر اترا فوراً والہانہ انداز میں مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی مصافحہ و معانقہ کے لئے بڑھے۔ حضرت حجۃ الاسلام نے یہ کہہ مصافحہ و معانقہ سے اعراض فرمایا کہ جن بنیادی اختلاف کی وجہ سے ہم آپ سے اور آپ ہم سے دور ہو گئے ان کا تصفیہ ہو جائے پھر معانقہ ہو گا۔ یہ دیکھ کر مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی علیہ الرحمہ اوران کے ہزاروں مریدین مایوس ہو گئے اور مصالحت و موافقت کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ بالآخر حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ کے پاس ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ آپ ناراض نہ ہوں اور قطعاً عار نہ محسوس کریں حجۃ الاسلام کے اس طرز عمل میں بھی خلوص و دینداری کا جذبہ صادق ہی کارفرما ہے۔ کچھ ذاتی منافرت و کدورت نہیں ہے۔ واقعی بنیادی اور اصولی اختلاف کا تصفیہ پہلے ہونا چاہیے۔

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ نے اس حسن تدبر سے مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو قائل کیا کہ وہ گفتگو کے لئے تیار ہو گئے چنانچہ ایسے ماحول میں گفتگو کے لئے حضور صدر الافاضل کو ہی منتخب کیا گیا۔ اور وقت کی نزاکت کے اعتبار سے یہی مناسب بھی تھا گفتگو ایسے خوشگوار ماحول میں ہوئی کہ مولانا فرنگی محلی جھکتے چلے گئے حتیٰ کہ اعتراف حق کے ساتھ اظہار حق کے لئے کاغذ اٹھایا اور اپنے غلطیہائے ماضیہ پر لکھنا شروع کر دیا کہ اتنے میں حضرت مولانا فرنگی محلی کا ایک متمول خادم خاص جو لکھنؤ کے

بوچڑوں میں سے تھا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ اور عرض کرنے لگا کہ حضور اس میں ہماری سخت ذلت ورسوائی ہے۔ مقابلہ کے لئے یہ چیک بک حاضر ہے لاکھ دو لاکھ جتنا چاہیں خرچ فرمائیں مگر توبہ نامہ نہ لکھیں۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے حضرت بحر العلوم کو کہ انہوں نے نہایت بے نیازانہ طور پر اسے جواب دیا کہ کمرے سے باہر چلے جاؤ کیا تم میرا ایمان چیک بک سے اور پر خریدنا چاہتے ہو۔ مجھے تو ایمان کی پڑی ہے اور تجھے اتنی دولت کا غرہ ہے۔ میں ایسے لوگوں کو شیاطین الانس سمجھتا ہوں میری یہ توبہ خاتمہ کو درست کرنے کے لئے ہے۔ نہ کہ کسی شخصیت سے مرعوب ہوکر۔

حضرت صدر الافاضل رضی اللہ عنہ نے بر وقت نہایت متانت سے فرمایا۔

حضرت! یہ تحریر صرف شہادت ملائکہ تک ہے یا ہم تینوں اس کے شاہد ہیں یہ تحریر پریس میں نہیں جائے گی اس کی اشاعت ہرگز نہیں ہوگی۔ تو مولانا بحر العلوم علیہ الرحمہ نے فوراً فرمایا کہ جب میں اپنے رب کے حضور خوف وخشیت سے تائب ہورہا ہوں تو اس کے اشاعت کا مجھے کوئی خوف وخطرہ نہیں۔ مجھے تو دنیا کی ذلت سے کہیں زیادہ آخرت کی ذلت ورسوائی سے خطرہ ہے۔ چنانچہ علامہ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا توبہ نامہ "اخبار ہمدم ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء میں شائع فرمادیا۔ سبحٰن اللہ العظیم۔ اور پھر تینوں حضرات سے علامہ فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے مصافحہ ومعانقہ فرمایا۔ اور اسی خوشی میں اپنے دولت کدے پر محفل میلاد کا انعقاد بھی کیا۔

اب وہ تحریر لئے ہر سہ نفوس قدسیہ اعلحضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی بارگاہ میں پہنچے وہ بے حد خوش ہوئے۔ بلکہ اسی کے ساتھ حق پرستی وحق پوشی کے طور پر آپ نے حکم دیا کہ "الطاری الداری" کو نذر آتش کردیا جائے۔ اس زمانے کے اعتبار

سے وہ کئی ہزار کے صرفہ سے چھپی تھی لہ

علی برادران کی توبہ

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی صاحبان حضرت بحر العلوم علامہ عبد الباری فرنگی محلی کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت بحر العلوم فرنگی محلی علیہ الرحمہ کے توبہ اور رجوع کے بعد قدرتی اور نفسیاتی طور علی برادران بھی اعلیٰحضرت کی تحقیقات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جبکہ یہ دونوں حضرات اعلیٰحضرت سے خلافت کمیٹی اور ہندو مسلم اتحاد و اشتراک کے موضوع پر گفتگو کر چکے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی جوہر علیہ الرحمہ دہلی آئے اور حضرت صدر الافاضل کو پتہ چلا تو آپ دہلی تشریف لے گئے اور مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات کی اور خلافت کمیٹی و ہندو مسلم اتحاد کے موضوع پر تفصیلی گفتگو فرمائی ، بالآخر مولانا جوہر مرحوم نے لاجواب ہو کر توبہ نامہ لکھا اور صدر الافاضل کے حوالہ کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد مولانا شوکت علی علیہ الرحمہ مراد آباد آئے اور حضرت صدر الافاضل نے مولانا شوکت علی علیہ الرحمہ سے خلافت کمیٹی کے موضوع پر ہندو مسلم اتحاد سے متعلق تفصیلی گفتگو ہوئی ، چنانچہ مولانا مرحوم نے بھی تمام تر خلاف شرع افعال و اعمال سے تائب ہو کر اپنا توبہ نامہ صدر الافاضل کے ہاتھ میں دے دیا۔ فالحمد للہ رب العلمین۔

شدھی تحریک اور صدر الافاضل

۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۵ء کے دوران جب پنڈت شردھانند کی شدھی تحریک کا فتنہ زوروں پر تھا تو حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ نے اس کی مدافعت کے لئے اس کے مقابلے میں جماعت رضائے مصطفےٰ کے پلیٹ فارم سے فتنۂ ارتداد کا زبردست مقابلہ کر کے

لہ مستفاد از مضمون مفتی حسن علی رضوی، ملتان پاکستان مطبوعہ تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل "

اندرون خانہ ہی اسے دفن کر دیا اس کے بعد جب "گرو گوکل" کی تحریک چلائی گئی تو آپ نے اس کے مقابلے کے لئے اکابر اہلسنت وجماعت کی ایک زبردست تنظیم "الجمیعۃ العالیۃ المرکزیۃ" کے نام سے قائم کی پھر جب پنڈت دیانند سرسوتی نے ستیارتھ پرکاش نامی کتاب لکھ کر اسلام اور شارح اسلام کی شان میں گستاخی کی تو آپ نے اس کے خلاف زبردست تحریک چلائی اور اس کے اعتراضات و شکوک و شبہات کے مسکت جواب اپنی تقریروں سے اور اپنے ماہنامہ رسالہ "السواد الاعظم" میں مستقل مضامین لکھ کر دیئے۔ (اس مضمون کی مکمل تفصیل کے لئے کتاب تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل، مرتبہ مولانا نور محمد صاحب نعیمی کا مطالعہ کریں)

تبلیغی خدمات

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی دعوت و تبلیغ اور رشد وہدایت سے تعبیر ہے۔ شدھی تحریک کا تعاقبی دور تو آپ کی حیات طیبہ کا وہ درخشندہ باب ہے کہ جس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ "آگرہ" جو شدھی تحریک کا مرکز تھا، متھرا، بھرت پور، گوڑگاواں، گوبند گڑھ، حوالی اجمیر، جے پور، کشن گڑھ میرٹھ اور اس کے مضافات بلند شہر، علیگڈھ وغیرہ کا دورہ فرما کر اسلام اور مسلمانوں کی خدمتیں انجام دیں۔ اور شدھی تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حالاں کہ ان تبلیغی اور تعاقبی دوروں میں آپ نے بے مثال تکلیفیں بھی اٹھائی ہیں، مگر کبھی اپنی تکلیفوں کا اظہار اشارے اور کنائے میں بھی نہیں فرمایا۔ البتہ حساس دل والے اور احساس کے پیکروں نے ان اسفار کے مشکلات کے اعتراف میں بخل سے بھی کام نہیں لیا۔ اور برملا اعتراف حقیقت کیا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد مستقیم صاحب مصطفوی کا اعتراف حقیقت قابل قدر بھی ہے اور قابل ذکر بھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہزارہا ہزار لوگ جس عظیم شخصیت صدرالافاضل کے نیاز مند ہوں جو شہر کے پر سہولت ماحول کا خوگر اور عادی ہو جس کے چاہنے اور ماننے والے اس کے ہر آرام و آسائش کا پورا خیال کرتے ہوں، بچپن سے جوانی تک جسے ایک دو میل بھی پیدل چل کر سفر کرنے کی نوبت نہ آئی ہو وہ نازونعم کا پروردہ مسیحائے قوم، ناخواندہ مسلم عوام کے ایمان و عقیدہ کو بچانے کے لئے میلوں پیدل چل رہا ہے۔ نہ کہیں کھانے کا انتظام ہے اور نہ کہیں سونے کا انتظام، بس ایک مسؤلیت اور جواب دہی کا احساس ہے نیز مسلم عوام کی خیر خواہی کا جذبہ صادق ہے۔ جو شہر کی پختہ شاہراہوں پر سواری کے ذریعہ آنے جانے والے کو دیہات کی پگڈنڈیوں اور ندی نالے کے نشیب و فراز کی سیر کرا رہا ہے جس کی نازبرداری کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت ہے وہ ماوشما کی نازبرداری بادیہ پیمائی کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کا جو عملی مظاہرہ آپ نے فرمایا وہ قابل قدر اور لائق تقلید ہے۔

پہاڑی زبان میں کتاب ”پراچین کال“ کی تصنیف

حضرت مولانا محمد حسین صاحب رضوی سابق استاذ جامعہ نظام الدین دہلی کا زیر نظر مضمون حضرت صدرالافاضل کے تبلیغ و تصنیف میں بالکل ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ دعوت و تبلیغ کے لئے آپ کا سوز تڑپ، بے لوث جدوجہد اور مخلصانہ کوششوں کا قدرے اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس کی خاطر متعدد مسلم و غیر مسلم علاقوں اور دیہاتوں کا دورہ فرمایا۔ اس

سلسلہ میں آپ نینی تال گئے، الموڑہ اور ہلدوانی وغیرہ کے ایسے پہاڑی علاقوں اور دیہاتوں میں گئے، جو علمی اور دینی اعتبار سے کافی پسماندہ تھے۔ وہاں کے باشندوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرایا، اور انہیں اسلام پر پوری طرح عمل کرنے اور بری عادتوں، غلط رسم و رواج کو ترک کرنے پر ابھارا۔ آپ نے یہاں کے باشندوں کیلئے پہاڑی زبان میں اسلامی تعلیمات پر مشتمل "پراچین کال" کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی، ان تمام دعوتی کوششوں اور تبلیغی سرگرمیوں کے علاوہ اس کام کے لئے ملک کے مختلف مقامات پر آپ نے وفود بھیجے اور مبلغین کو متعین فرمایا۔ اس طرح آپ نے پوری زندگی دین کی دعوتی و تبلیغی مشن کو فروغ دینے میں گذار دی۔ (بحوالہ کتاب مذکورہ)

مدارس و مکاتب

اسلامی ذہن سازی کے میدان میں اسلامی مدارس و مکاتب کا اہم کردار ہے اسی لئے حضور صدر الافاضل نے مدارس و مکاتب کی جانب خصوصی توجہ فرمائی، اور ایسے علاقوں میں چھوٹے مدارس و مکاتب قائم فرمائے کہ جہاں کے لوگوں کو دین کے تعلق سے کچھ بھی معلومات نہیں تھی، اس طرح سے وہاں کے لوگوں کو دینی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ فرمادیا۔

اخلاق و مروت اور داد و دہش

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ اپنے جد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کے مظہر تھے مصاحبین پروانہ وار نثار ہونے کا جذبہ رکھتے تھے۔ تلامذہ والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے یہ بات اور اساتذہ کے شاگردوں میں نہیں ملتی۔ آپ کے کریمانہ اخلاق کے یگانے گردیدہ اور بیگانے معترف تھے۔ آپ کی خدمت عالیہ میں دیگر مقامات سے فارغ التحصیل

ہونے کے بعد بغرض استفادہ بکثرت علماء آتے تھے، اور تعلیم و تدریس تبلیغ و افتاء کے طور طریقے سیکھتے تھے اور علمی و روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔ اس دوران سب کی کفالت آپ فرماتے تھے۔ اور آپ انہیں مختلف تعلیمی و تبلیغی اور تدریسی خدمات پر مامور فرماکر بھیجتے رہتے تھے۔ غرضیکہ آپ کی ذات والاصفات بہت ہی زیادہ فیض رساں تھی اس سلسلہ میں حضرت علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی ناظم جامعہ نعیمیہ لاہور پاکستان، کی زبان سے سنیئے۔ "میں نے نو سال جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں رہ کر کبھی کسی سائل کو خالی واپس جاتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ میری آنکھوں نے ایسا بھی دیکھا ہے کہ سائلوں کو بدن کے کپڑے تک دیدیئے ہیں۔ بلکہ متعدد غرباء مساکین، بیوائیں اور یتامیٰ کو آپکے داد و دہش سے پلتے اور جیتے دیکھا ہے۔ ہر غریب و نادار کو سہارا دینا آپ کا محبوب مشغلہ تھا اور جس کو سہارا دیا وہ ضرور اپنے پیر پر کھڑا ہوجانے کے لائق ہوگیا۔

ماہنامہ السواد الاعظم اور صدر الافاضل کی فکری قیادت

پرنٹ میڈیا اور صحافت عصر جدید میں ذہن سازی کا سب سے بڑا کام انجام دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس طرح ذہن و فکر کی تعمیر کی جاسکتی ہے اسی طرح اذہان و افکار کی تخریب طبیعتوں میں بگاڑ اور بڑے بڑے فتنہ و انقلاب برپا کئے جاسکتے ہیں درحقیقت موجودہ زمانے میں یہ اسلام کی صحیح دعوت و تبلیغ اور قوم مسلم کی ذہنی و فکری رہنمائی کے لئے بڑا ہی موثر ترین آلۂ کار ہے۔

حضرت صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کو صحافت کی اہمیت اور اس کے فوائد کا پورا پورا احساس تھا جس کی وجہ سے آپ نے اس کی طرف مکمل توجہ فرمائی اور ابوالکلام آزاد

کی ادارت میں کلکتہ سے شائع ہونے والا مشہور جریدہ "الہلال" "البلاغ" کے لئے عرصہ تک دینی و تاریخی ادبی و فکری سیاسی و سماجی اور عقائد سے بھرپور دعوتی و تبلیغی مضامین لکھتے رہے۔ لیکن جب ابو الکلام آزاد کے عقائد اور نظریاتی اختلافات کھل کر سامنے آگئے تو آپ نے یہ سلسلہ بند فرما دیا اور خود "السواد الاعظم" کے نام سے ایک ماہنامہ مراد آباد سے جاری فرمایا۔ جس کا شمار چند ہی مہینے میں اپنے زمانہ کے اہم اور نامور رسالوں میں ہونے لگا۔

یہ ماہنامہ سنجیدہ اسلوب بلند اسلامی افکار اور ایسے دلکش طرز تحریر کا حامل تھا کہ جسکی طرز تحریر دلوں کو موہ لیتی تھی۔ اس کی فکر انگیز عبارتوں اور شعلہ بار تحریروں نے اپنے وقت کے ذہین و فطین مفکروں کے ذہن و فکر کے دریچے کھول دیئے۔ عقل و خرد کو بیدار کر رہا اور مسلمانوں کو جھنجھوڑ دیا۔ اس طرح سے حضور صدر الافاضل نے "السواد الاعظم" کے ذریعہ قوم و ملت کی فکری قیادت بھی باحسن وجوہ فرمائی۔

وہابی، دیوبندی، قادیانی نیچری بہائی، آریہ سماجی غرضیکہ جتنے قسم کی بھی سرخ و سیاہ اور باطل آندھیاں منصوبہ بند طریقے پر ایک ساتھ ہو کر اس وقت وفاداران اسلام اور اہلسنت وجماعت پر چلیں بفضل اللہ الکریم صدر الافاضل نے نہایت پامردی کے ساتھ السواد الاعظم کے ذریعہ ان کے افکار فاسدہ اور اوہام کاسدہ و عقائد باطلہ کے دندان شکن جواب تاحیات دیتے رہے اور قوم کو بیدار فرماتے رہے۔

کئی قسم کے مضامین مسلسل چھپتے رہے بالخصوص پنڈت دیانند سرسوتی کی کتاب "ستیارتھ پرکاش" (جس میں قرآنی آیتوں پر اعتراضات بھرے پڑے ہیں) اسکے جوابات اور استرداد میں آپ نے اپنے ماہنامہ السواد الاعظم میں ایک مستقل کالم کے

ذریعہ مسلسل قسطوں میں لاجواب مضامین تحریر فرمائے۔ دکاش صدر الافاضل کے تمامی مضامین مل جاتے تو بات ہی کچھ اور ہوتی۔ پھر بھی خدا بھلا کرے ہمارے محب گرامی مولانا محمد صاحب نعیمی نعیم القادری کا کہ انہوں بڑی جانفشانی اور کٹھن صعوبتوں سے دوچار ہو کر جتنے مہینے کے السواد الاعظم رسالے مل سکے اس میں سے سیارتھ پرکاش کے جوابات کے مضامین اکٹھا کر کے "ما یحصل الکل لا یترک الکل" کو پیش نظر رکھ کر تقریباً سترّ اسیّ صفحات پر مشتمل اسی فتاوی صدر الافاضل کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر کے مسلمانوں پر احسان فرمادیا)۔ راقم الحروف۔

فتنۂ انکار حدیث کا مقابلہ

حضور صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی درس و تدریس تصنیف و تالیف اور مناظرہ و مقابلہ سے تعبیر ہے آپ کے زمانۂ اقدس کا وہ کونسا فرقہ باطلہ ہے کہ جس سے آپ نبرد آزما نہیں ہوئے، اور الحمد للہ تحریر و تقریر سے بحث و مباحثہ اور مناظرہ و مقابلہ سے آپ نے تمام فرق باطلہ کا پامردی سے مقابلہ کر کے ہر میدان میں اپنے مقابل کو شکست فاش دیکر ہزیمت و ذلت سے دوچار کیا۔ انہیں میں ایک نابکار و باطل فرقہ منکر حدیث کا ہے۔ جس کے متعلق مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تقریباً پندرہ سو سال پہلے خبر دیدی تھی کہ ایک مالدار و متکبر شخص قرآن کا قائل ہوگا اور حدیث کا انکار کرے گا۔ حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں کہ مسلمان سمجھتے رہے کہ آخر زمانہ میں ایسا وقت آئے گا جب کوئی مدعی اسلام بہ آواز بلند کہیگا کہ فقط قرآن کو مانو اور حدیث کا اعتبار مت کرو۔ لیکن مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خبر ہمارے زمانہ میں پوری ہوئی اور عبد اللہ چکڑالوی نے اہل قرآن نامی ایک فرقہ نکالا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خبر دی تھی بعینہٖ ویسا ہی ہوا کہ اس مغرور و متکبر

کیا اور لکھا کہ قرآن پاک سے نماز ثابت نہیں، خداوند کریم کی مقرر کردہ کوئی عبادت اسم وحرکت کی پابند نہیں ہو سکتی اور قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی "صلوٰۃ" کا لفظ آیا ہے اس کے معنی نماز کے نہیں ہیں اور مثال میں اس نے آیۂ کریمہ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی الخ اور دوسری آیت "وکان صلوتھم عند البیت الا مکاء وتصدیہ" اپنے مدعائے باطل کی تائید کے لئے پیش کی ہے۔

حضور صدر الافاضل نے اس خبیث وملعون عقیدے کا بھی خوب خوب آپریشن اور بڑی مبسوط وطویل بحث اس کے رد وابطال میں فرمائی ہے، صاحب ذوق حضرات السواد الاعظم مراد آباد سے مستفاد وماخوذ کتاب مقالات صدر الافاضل پر مشتمل "افکار صدر الافاضل" کا مطالعہ فرمائیں۔ صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کے طویل جواب کا مختصر خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ اول تو نماز کی فرضیت اور ثبوت میں کلام کرنا ہی دیوانگی سے کم نہیں لیکن اگر نماز کے ثبوت میں کوئی بھی آیت نہ ہوتی، کوئی حدیث نہ ہوتی جب بھی انکار ممکن نہیں تھا کیوں کہ کسی چیز کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا اور بے شمار بندگان خدا کا ہر قرن میں اس پر عامل رہنا ہی ثبوت کی ایسی محکم دلیل ہے کہ جس کے مقابلے میں لب کشائی کی کوئی عاقل جرأت ہی نہیں کر سکتا، ہم کو معلوم ہے کہ بغداد ایک شہر ہے اور خبر متواتر نے اس کا یقین دلایا ہے تو کیا آج کوئی شخص بغداد شہر کے ہونے کا منکر ہو سکتا ہے؟ واضح رہے کہ بغداد کی شہریت کا تواتر اتنا زبردست نہیں ہے جتنا نماز کی فرضیت کا ہے کہ عہد پاک رسالت اور زمانہ نزول وحی سے آج تک نماز کی فرضیت ہم تک ایسے تواتر سے پہونچی ہے کہ جو انقطاع سے پاک ہے ہر قرن میں کروڑوں بلکہ بے شمار انسان اس تواتر کے عامل وحامل رہے۔ مذکورہ بالا دونوں آیات طیبات کے جوابات تو

نے احادیث کریمہ کا انکار کیا اور اب اس کا فرقہ طرح طرح سے مسلمانوں کو غلطی میں ڈالنے اور احادیث سے منحرف کرنے کی فکریں کر رہا ہے۔

اس باطل فرقہ کے خبیث بانی (عبداللہ چکڑالوی) کی رد میں آپ نے اپنے رسالہ السواد الاعظم ۱۳۴۵ھ میں قسط وار کئی مضامین چھاپے ہیں جنہیں مقالات صدرالافاضل میں دیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے حضرت کے مضامین کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ احادیث کا انکار شریعت و قرآن کا انکار ہے۔ احادیث کریمہ قرآن حکیم کی تفسیر ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کلامی تفسیر کلام اللہ میرا کلام کلام الٰہی کی تفسیر ہے۔ تو جب تفسیر کو چھوڑ دیا تو قرآن پاک کے صحیح مطالب تک رسائی کا کیا ذریعہ ہے۔ اب اپنے ہوائے نفس کا اتباع رہ گیا ہے اور احادیث کا انکار کرنے سے یہی مقصود بھی ہے۔ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا" جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ اس آیۃ کریمہ میں ارشاد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبول کا حکم صریح ہے۔ احادیث کا انکار اس حکم قرآنی کی کھلی مخالفت ہے۔ دوسری آیۃ میں ارشاد پروردگار ہے۔ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ (معصوم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں فرماتے مگر وہ وحی جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام وحی الٰہی ہے۔ اور حدیث کا انکار وحی خداوندی کا انکار ہے۔

فتنۂ انکار نماز کا مقابلہ

لکھنؤ سے ایک رسالہ نکلتا تھا جس کا نام "نگار" تھا اس کا ایڈیٹر نیاز فتح پوری تھا اس نے اپنے رسالہ میں صاف نماز کا انکار

کتاب "افکار صدر الافاضل" میں دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں اس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں مضمون کے آخر میں دس آیات کریمہ جو نماز کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں تحریر فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ آیات اور اس کے سوا بکثرت آیات ہیں جن میں کلام کا اسلوب صلوٰۃ بمعنی نماز ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ روز روشن میں آفتاب کے انکار کرنے سے زیادہ شنیع تر نیاز فتحپوری کا یہ قول ہے کہ قرآن پاک میں صلوٰۃ بمعنی نماز نہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

افغانستان کا "امیر المومنین" اور "ام المومنین"

قندھار (افغانستان) کا رہنے والا مولوی عبد السلام درانی جو عہد صدر الافاضل میں بدایوں کے مدرسہ شمس العلوم کا مدرس تھا۔ افغانستان کے شاہ امان اللہ خاں جو مغربیت کے عشق میں اس قدر سرشار تھے کہ انہیں حکومت و سلطنت کی بھی پرواہ نہیں رہ گئی تھی اور اسی مغربیت نوازی میں ہی ملک و سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑا تھا مولوی عبد السلام افغانی نے شاہ امان اللہ خاں کو بڑی سخاوت کے ساتھ مسطورہ ذیل القاب عنایت فرمائے تھے، "امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، مجاہد فی سبیل اللہ لاعلاء کلمۃ اللہ غازی اسلام" اور شاہ امان اللہ خاں کی بیوی ثریا بیگم کو ام المومنین کا خطاب عطا کیا تھا۔

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ افغانی مولوی کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذرا یہ تو بتایئے کہ شاہ امان اللہ خاں نے کون سا جہاد کیا اور کس نے کیا اور کب کیا اور کہاں کیا؟ اور میدان جہاد سے اور غزوہ کفار سے بچ کر فتحیاب ہو کر افغانستان آگئے کہ مجاہد فی سبیل اللہ لاعلائے کلمۃ اللہ اور غازی اسلام ہو گئے، بلکہ امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین کہہ کر خلفاء راشدین ابو بکر صدیق، عمر ابن الخطاب، عثمان غنی، اور حضرت علی ابن ابی طالب

رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاکیزہ و باعظمت صف میں لاکر کھڑا کر دیا۔ وہ شاہ امان اللہ جس نے وضع یہود و لباس نصاریٰ اور چھجہ دار ٹوپی (ہیٹ) پہننے کا حکم اپنی رعایا کو دے کر اسلامی وضع کا کھلے عام مذاق اڑایا اور پھر تم نے یہ کہہ کر ہیٹ اصحاب دول عظمیٰ کا لباس ہے ان میں اظہار تنعم ہے لہٰذا یہ مستحسن اور واما بنعمۃ ربك فحدث میں داخل ہے مزید غضب ڈھایا۔ تمہاری یہ دلیل انتہائی ذلیل ہے اور کسی صاحب علم و عقل کو ایسی بات زبان پر لاتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ اصحاب دول عظمیٰ کا لباس نیکر و جانگھیہ بھی ہے آستین کٹے شلوکے اور کرتے بھی ہیں، سینہ کھلے کپڑے بھی ہیں سب میں اظہار تنعم ہے اور لنگوٹی میں تو اور اظہار تنعم ہوگا کیا خوب معیار تنعم ہے۔ جو کچھ یورپ کے بے قید کریں وہ تنعم ہے۔ سڑی مچھلی کہ جس کی بو محلے پراگندہ کردے وہ آپ کے نزدیک تنعم ہوگا۔ تف ہے ایسی تنعم پر اور اس کو "واما بنعمۃ ربك فحدث" میں داخل بتایا، اور کفار کے طریقوں کو ایسی نعمت رب قرار دیا کہ جس کی تحدیث کا قرآنی حکم ہے۔ کس قسم کی جرأت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے غضب سے بچائے۔ شاید کوئی لکچرار ٹیچر بھی قرآن پاک کے معنی کو اس طرح بگاڑنے کی ہمت نہ کرتا مگر معلوم نہیں کہ ملا صاحب کی آنکھوں پر کس قسم کی پٹی بندھی ہوئی ہے؟ (یہ تو مشتے از نمونہ خروارے ہے تفصیل کے لئے کتاب افکار صدر الافاضل دیکھئے)

رہ گئی ثریا بیگم جس کو افغانی ملا نے "ام المومنین" کے خطاب سے نوازا اس سلسلہ میں حضور صدر الافاضل کی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "اولی بالمومنین من انفسھم" فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کو ام المومنین کے خطاب سے نوازا۔ فرمایا قال اللہ

تعالیٰ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امہاتھم، وہ حقیقت
مسلمانوں کی مائیں ہیں اور مسلمانوں کی عزت ہیں، ہماری سب کی مائیں ان ماؤں کی نعلین پاک
پر قربان۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی ازواج کو یہ خطاب خاص عطا فرمایا ہے کسی کا کیا مجال کہ یہ حق
دوسرے کو دے اور وہ کسی دوسرے کے حق میں صحیح بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس طرح
مائیں ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات علی التابید حرام ہیں اور اسی معنی میں انہیں امہات المومنین
فرمایا گیا اور یہ مرتبہ ایسا خاص ہے کہ اس میں ان کی اولاد و برادر بھی حصہ دار نہیں، ورنہ ان کے
بھائی، مسلمانوں کے ماموں اور انکی بہنیں مسلمانوں کی خالہ ہو جاتیں، ان کی تمام صاحبزادیاں بھی
ان کے اس امتیاز میں شرکت کا دعویٰ نہیں کر سکتیں۔ اور اس رشتہ سے اخواۃ المومنین نہیں
ہو سکتیں۔ جو مرتبہ ایسا خاص اور اتنا تام ہے اس کی کسی دوسرے کے لئے تجویز کتنی بڑی
بے باکی ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ کسی بادشاہ کی بیوی کو ام المومنین کہنا جھوٹ بھی ہے
کیونکہ وہ مومنوں پر ہمیشہ کے لئے حرام نہیں اگر بادشاہ چھوڑ دے تو کسی بھی مومن سے
وہ نکاح کر سکتی ہے۔ ہاں مولوی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ ماں سے پردہ نہیں ہوتا اور
ثریا بیگم صاحبہ کسی سے بھی پردہ نہیں کرتی ہیں اسی لئے انہیں ام المومنین کہا گیا ہے۔ العیاذ
باللہ تعالیٰ۔ "بریں عقل و دانش بباید گریست۔" (پوری تفصیل کیلئے افکار صدر الافاضل دیکھئے)

جامعہ نعیمیہ مراد آباد

حضور صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۳۲۸ھ میں ارادہ
فرمایا کہ ایک ایسا مدرسہ قائم کرنا چاہیے جس میں معقول و منقول
کی معیاری تعلیم ہو، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے ایک انجمن بنائی جس کے ناظم آپ اور

صدر حکیم حافظ نواب حامی الدین احمد صاحب مراد آبادی ہوئے، اس انجمن کے تحت ایک مدرسہ قائم فرمایا جس کو مدرسہ اہلسنت وجماعت کہا جاتا تھا جب نواب صاحب اور انکے رفقاء و ہمنواؤں کا انتقال ہوگیا تو انجمن خود بخود ختم ہوگئی اب مدرسہ آپ کی طرف منسوب کیا جانے لگا، اور وہ مدرسہ نعیمیہ کے نام سے مشہور ہوا پھر جب اس کے فارغ التحصیل طلبا وعلماء اطراف واکناف اور ملک میں پھیل کر اپنے اپنے مقامات پر مدرسے قائم کئے اور ان کا الحاق مراد آباد کے مرکزی مدرسہ نعیمیہ سے ہوا، اور ملک کے دیگر مدارس اہلسنت میں سے بیشتر اسی مدرسہ سے ملحق ومنسلک ہوگئے، تو لازمی اب اس مدرسہ کی حیثیت رائج الوقت زبان میں یونیورسٹی اور قدیم زبان میں "جامعہ" کی ہوگئی، چنانچہ ۱۳۵۲ھ میں اس مدرسہ کا نام "جامعہ نعیمیہ" رکھا گیا اور آج تک اسی نام سے قائم ومشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمیشہ اس کو قائم ودائم رکھے اور دین ومذہب کی خدمت میں ہمیشہ اسے سب سے آگے رکھے۔ آمین۔

چند مشاہیر تلامذہ (پاکستان)

حضرت علامہ ابوالحسنات صاحب قادری علیہ الرحمہ۔

حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب قادری علیہ الرحمہ ناظم انجمن حزب الاحناف پاکستان

حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی صاحب محدث پاکستان۔

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی بدایونی۔

مورخ اسلام جسٹس علامہ پیر کرم شاہ ازہری علیہ الرحمہ۔

حضرت علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی بی اے ازہری علیہ الرحمہ۔

حضرت علامہ نذر احمد صاحب نعیمی اسلانوالی، پاکستان

حضرت علامہ غلام فخر الدین صاحب نعیمی گانگوی میاں والی۔

حضرت علامہ مولانا خدا بخش صاحب نعیمی لاہور پاکستان۔

حضرت علامہ مفتی امین الدین صاحب نعیمی کاموکی، پاکستان۔

حضرت علامہ غلام معین الدین صاحب، محدث اعظم پاکستان۔

حضرت علامہ مفتی سید غلام معین الدین صاحب کانیل پاکستان

حضرت علامہ حکیم محمد مختار صاحب نعیمی گجرات۔

حضرت علامہ احمد سعید صاحب صاحب نعیمی شادیانہ، میانوالی۔

حضرت علامہ محمد صالح صاحب نعیمی فاضل پور ڈیرہ غازی خان۔

حضرت علامہ غلام محی الدین صاحب مرادآباد۔

حضرت علامہ محمد اطہر صاحب نعیمی، کراچی پاکستان۔

ہندوستان میں چند مشاہیر تلامذہ

حضرت علامہ غلام یزدانی علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف۔

برادر شیخ العلماء علامہ غلام جیلانی اعظمی سابق شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف

سلطان المناظرین امین شریعت مفتی رفاقت حسین کانپوری علیہ الرحمہ۔

شمس العلماء علامہ قاضی شمس الدین جونپوری علیہ الرحمہ مصنف قانون شریعت۔

امام المعقولات علامہ سلیمان علیہ الرحمہ بھاگلپوری۔

حافظ ملت حضرت علامہ عبد العزیز محدث مبارکپوری۔ علیہ الرحمہ

مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن رئیس اعظم اڑیسہ، علیہ الرحمہ۔

اجمل العلماء حضرت علامہ مفتی اجمل حسین سنبھلی علیہ الرحمہ۔

فقیہ اسلام حضرت علامہ مفتی عبد الرشید علیہ الرحمہ بانی جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگپور۔

سلطان المناظرین حضرت مفتی عتیق الرحمٰن نعیمی محدث تلشی پوری علیہ الرحمہ۔

حضرت علامہ قاضی احسان الحق نعیمی بہرائچی علیہ الرحمہ۔

سیاح ایشیا، علامہ نذیر الاکرم مرادآبادی علیہ الرحمہ۔

حضرت علامہ ظہور احمد علیہ الرحمہ مرادآباد وغیرہ وغیرہ۔

تصنیفات

دینی وملی سیاسی وسماجی تدریسی اور تبلیغی خدمات کے باوجود حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے تقریباً دو درجن کتابیں بطور یادگار چھوڑیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تفسیر خزائن العرفان شریف

۲۔ نعیم البیان فی تفسیر القرآن (جو ہفت روزہ السواد الاعظم پاکستان میں قسط وار مولانا سید غلام معین الدین صاحب نعیمی چھاپتے تھے یہ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰ء کی بات ہے میں خود السواد الاعظم دوران طالب علمی جامعہ عتیقیہ انوار العلوم میں منگاتا رہا۔ کتنی تھی اب کیا ہوئی خدا کو ہی معلوم۔ راقم الحروف)

۳۔ الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ۔

۴۔ اطیب البیان در رد تقویۃ الایمان۔

۵۔ مظالم نجدیہ بر مقابر قدسیہ

۶۔ اسواط العذاب علیٰ قوامع القباب

۷۔ آداب الاخیار۔

۸۔ سوانح کربلا۔

۹۔ سیرت صحابہ

۱۰ التحقیقات لدفع التلبیسات

۱۱ ارشاد الانام فی محفل المولود والقیام۔

۱۲۔ کتاب العقائد۔

۱۳۔ زالحرمین۔

۱۴۔ الموالات

۱۵۔ گلبن غریب نواز

۱۶۔ شرح شرح مائۃ عامل (یہ کتاب مفتی حفیظ اللہ صاحب نعیمی شیخ الحدیث دارالعلوم فضل رحمانیہ پچپیڑوا کے پاس ہے۔ کاشکہ چھپ جائے۔)

۱۷۔ پراچین کال (یہ کتاب پہاڑی زبان میں ہے)

۱۸۔ فن سپہ گری۔ (نام ہی سے اس کے مضامین کا پتہ چلتا ہے۔ نبیرہ صدرالافاضل حضرت علامہ مولانا حکیم سید رضوان الدین صاحب قبلہ کے پاس ہے۔)

۱۹۔ شرح بخاری (نامکمل غیر مطبوع)

۲۰۔ شرح قطبی (نامکمل غیر مطبوع۔

۲۱۔ ریاض نعیم۔ (مجموعہ کلام)

۲۲۔ کشف الحجاب عن مسائل ایصال ثواب۔

۲۳۔ فرائد النور فی جرائد القبور۔ وغیرہ وغیرہ۔

گروکل تحریک اور مراد آباد کانفرنس

جمعیۃ العلمائی علماء جب گاندھی جی کے بالکل قریب ہو گئے اور معاملے میں ان کے ہمنوا ہو گئے حتیٰ کہ گاندھی جی کا تخاطب معراج سے کچھ کم نہیں سمجھتے ان کے اقتدار میں سر نیاز خم کئے ہوئے نظر آرہے ہیں ہندوستان کے ساری سنے ایسا جادو پھونکا تھا کہ بڑے بڑے صاحبان جبہ و دستار اور جانے مانے ہوئے لیڈران کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں اور ان کی ملاقات کو وجہ سعادت جانتے ہیں، یہ تب کی بات ہے جب تحریک خلافت کی تائید گاندھی جی نے کر دی تھی،

شاطر اور چالاک قسم کے ہندوؤں نے جب دیکھا کہ ان کی گرد میں ایسے لگ گئے ہیں کہ ان کو حرص ولالچ دے کر جو چاہیے کرا لیجیے تو انہوں نے یہ چال چلی کہ اپنی مذہبی تہذیب کو تیز کر کے مسلمانوں کو مرتد بنا لیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں شدھی تحریک شروع کر دی اور مسلمانوں کو مرتد بنانے لگے۔

حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ بقول حضرت علامہ وارث جمال صاحب قادری اعلیٰحضرت امام عشق ومحبت کی مقدس جماعت کے ہراول دستے کے سالار اعلیٰ تھے ان کی رائے سے متفق ہو کر "جماعت رضائے مصطفےٰ" کی تشکیل ہوئی، اور اسی جماعت کے جھنڈے تلے اعاظم رجال علماء اہلسنت بالخصوص حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی معیت میں شدھی تحریک کا پامردی سے مقابلہ کیا جس کی ابتداء آگرہ سے ہوئی، چوں کہ شدھی تحریک تقریباً دس اضلاع تک پھیل چکی تھی۔ لہٰذا ہمارے علماء اہلسنت نے جگہ جگہ پہونچ کر فتنۂ ارتداد کا خوب خوب مقابلہ کیا۔ علمائے اہلسنت اس تبلیغی جدو جہد میں ایک مدت مدید تک آگرہ

میں جلوہ افروز رہے۔ اور حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ نے تو اپنا ہیڈ کوارٹر ہی آگرہ کو بنا لیا تھا۔ اور وہیں سے فتنۂ ارتداد کا مقابلہ مختلف جگہوں پر پہونچ پہونچ کر کرتے رہے۔ آخر کار "الحق یعلو ولا یعلیٰ" کی جلوہ گری ہوئی۔ شردھانند جو شدھی تحریک کا بانی تھا اس کی شرارت خاک آلود ہوئی اور ہزارہا مرتد داخل اسلام ہوئے۔ اور لاکھوں مسلمانوں کو آریاؤں کے چنگل سے بچا لیا۔

جب شاطران ہند نے دیکھا کہ ان کی شدھی مشن اور تحریک ارتداد کی مٹی پلید ہوگئی تو انہوں نے ایک دوسرا منصوبہ بنایا اور گرو کل کی تحریک چلائی جس کا مقصد یہ تھا کہ ایسے گوشالے کالج بھون اسٹی قائم کئے جائیں کہ جس میں نو عمروں کو داخل کر کے ان کو باقاعدہ ٹریننگ دے کر مسلمانوں کے خلاف غیظ و غضب اور نفرت و حقارت کا پتلا بنا دیا جائے۔ اس طریقۂ تعلیم پر حضور صدر الافاضل نے یہ نظریہ قائم فرمایا کہ بظاہر تو یہ تعلیم کا پرچار ہے لیکن نتیجہ میں اب سے بیس پچیس سال کے بعد ایسے لوگ تیار ہو جائیں گے جو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلیں گے اور اس وقت اس فتنہ کا مقابلہ کرنا آسان نہ ہوگا۔ چنانچہ ملک کے ہر سنی عالم کو صدر الافاضل نے جھنجھوڑا اور ان کو ان خطرات سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ اگر تم اب بھی ہوش میں نہ آئے اور اپنی تنظیم نہ کی ایک سلک میں منسلک نہ ہوئے تو پھر انجام جو ہونا ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آپ نے ملک کے اعاظم و اکابر اہلسنت علماء و مشائخ کو مراد آباد میں مدعو کیا اور ملک کے کونے کونے سے تقریباً تین سو سے زائد علماء کرام اور مشائخ عظام مراد آباد پہونچے اسی کو مراد آباد کانفرنس کہتے ہیں۔

علمائے اہلسنت میں بیداری پیدا کرنے کے لیے صدر الافاضل کی تحریریں
سے آپ کی قائدانہ و مدبرانہ صلاحیتوں کا بھرپور جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں علمائے دین
اور پیشوایانِ اسلام اب قدم اٹھائیں گوشۂ تنہائی سے نکلیں اس لئے کہ نہیں کہ انہیں جاہ
ملے یا منصب ملے۔ فقط اس لئے کہ دین کی حفاظت ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے
خلاف پیش آنے والے خطرات کو روک سکیں اور مسلمانوں کے دلوں کو خوف سے محفوظ کر سکیں
اب آپ کا یہ تقاعد زہد و انکسار کی حد سے گذر کر غفلت و تکاسل کے دائرے میں آگیا
ہے۔ اور اس انداز سکوت سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصانات پہونچ رہے ہیں اب
آپ اس عقیدے کو چھوڑ دیجئے کہ آپ کے فرائض ایک مجلس میں وعظ کہہ دینا یا ایک حلقہ
میں درس دے کر خلوت خانہ میں فتوی لکھ کر ادا ہو جاتے ہیں اور آپ کو اس پر نظر ڈالنے
کی ضرورت نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ بدخواہانِ اسلام تحریک کے لئے کیا کیا تدابیر
عمل میں لا رہے ہیں۔ یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے
گا۔ اٹھئے اٹھئے اور اپنے فرض کو ادا کیجئے۔

ایسے موقعہ پر حضور صدر الافاضل نے ایک قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے مرادآباد
کی سرزمین پر مورخہ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، مارچ ۱۹۲۵ء کو اکابر اہلسنت اور اربابِ فکر و نظر پر مشتمل
ایک عظیم اجتماع کا انعقاد کیا۔ جس میں آپ کی دعوت پر دانشوروں کے علاوہ تین سو سے
زائد علماء و مشائخ نے شرکت کی اسی اجلاس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی داغ بیل ڈالی
گئی درحقیقت اس کانفرنس کا قیام بنیادی طور پر گردوکل تحریک کی بیخ کنی کے لیے ہوا
اس کے اغراض و مقاصد نہایت حوصلہ افزا تھے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہندوستان کے ہر شہر اور قصبات و دیہات میں اسلامی انجمنیں قائم کرنا اور موجودہ انجمنوں کو احسن طریقہ پر جمعیۃ عالیہ مرکزیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس) کے ساتھ مربوط کرنا

۲۔ ہندوستان کے کثیر سنی مسلمانوں کے درمیان پیدا شدہ انتشار کو دور کر کے انکی تنظیم کرنا، اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والوں میں ایک ربط پیدا کر کے متحدہ قوت بنانا۔

۳۔ تبلیغی کام کو ایک نظم محکم کے ساتھ وسیع کرنا اور اس کے لئے مفید ذرائع اختیار کرنا۔

۴۔ تبلیغ کی تعلیم دینے کے لئے خاص مدارس کھولنا۔

۵۔ مذہبی تعلیم عام کر کے مسلمانوں کے ہر طبقہ کو مذہب سے باخبر اور آشنا بنانا، انگریزی خواں طلباء کے لئے مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام اور آسان ذرائع بہم پہونچانا اور مزدور پیشہ لوگوں کی تعلیم کے لئے مدارس شبینہ جاری کرنا۔

۶۔ مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنا اور ان کی معاشرت میں اصلاح کرنا۔

۷۔ مسلمانوں سے قرض کی عادت چھوڑوانا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا کہ مسلمان اپنی ضرورتیں خود پوری کریں۔ اور غیر اقوام کے سامنے قرض کے لئے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہیں۔

۸۔ مقروض مسلمانوں کے لئے وہ تدابیر اختیار کرنا کہ وہ محدود مدت میں قرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

۹۔ بے کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ معاش تجویز کرنا اور انہیں کام پر لگانا۔

۱۰۔ مذکورہ تجاویز کو عوام اہلسنت میں پھیلانا اور مسلمانوں کو ان پر کاربند ہونے کی تلقین کرنا۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

سنی کانفرنس بنارس

بتاریخ ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، اپریل ۱۹۴۶ء کو حضور صدر الافاضل رضی اللہ عنہ نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں منعقد فرمائی، جس میں غیر منقسم ہندوستان کے کونے کونے سے علماء کرام و مشائخ عظام شریک ہوئے، شہزادہ صدر الافاضل حضور رہنمائے ملت سید مرشدی حضرت علامہ مولانا حکیم سید اختصاص الدین صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان اس فقید المثال کانفرنس کے تعلق سے اکثر بیان فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت کے تحریکی و تبلیغی کاموں میں سب سے نمایاں کام آل انڈیا سنی کانفرنس (بنارس) کا انعقاد ہے جس میں تقریباً چوبیس ہزار علماء و مشائخ تھے۔ اور تقریباً تین لاکھ سے زائد مجمع تھا اتنے بڑے اجتماع کا انتظام و انصرام کوئی معمولی بات نہیں ہے جس میں کانفرنس کے لئے حضرت نے کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلایا۔ اور اتنے بڑے مجمع کے کھانے پینے رہنے سہنے کا انتظام اس حسن و خوبی کے ساتھ فرمایا کہ عوام ہوں یا خواص کسی کو بھی شکایت و شکوہ کا موقع نہیں مل سکا۔ بلکہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ یہ سارے رہائشی انتظام و آسائش ہمارے ہی لئے تھی۔

اس موقع پر حضور استاذ الکریم بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی عبد المنان صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی وہ تحریر بے محل نہ ہوگی جس کو آپ نے اطیب البیان کے مقدمہ میں حضرت مولانا سید منظور احمد صاحب گھوسی سے روایت کی ہے۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ صدر الافاضل نے اپنی زندگی میں ایک سے ایک بڑے بڑے کام کئے ہیں مثلاً جامعہ نعیمیہ قائم کیا اعلیٰ درجہ کا۔ برقی پریس لگایا، ایک ماہنامہ "السواد الاعظم" جاری کیا جو مدتوں شان سے جاری رہا۔ کافی تعداد میں دینی و مذہبی کتابیں اعلیٰ معیار طباعت کے ساتھ شائع فرمائیں کئی کئی آل انڈیا کانفرنسیں منعقد فرمائیں۔ روزانہ کے شاہانہ اخراجات مزید برآں مگر کبھی میں نے آپ کو چندہ کی اپیل کرتے دست طلب پھیلاتے اور لفظ سوال منہ سے نکالتے نہیں دیکھا اور سارے اخراجات اپنے بٹوہ سے ہی پورا فرماتے تھے اس کے بعد حضرت بحر العلوم صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ از خود حضرت کا ہاتھ نہیں بٹاتے تھے مگر آپ نے کبھی مانگا نہیں۔ اس وقت مشہور تھا کہ آپ کو دست غیب حاصل ہے۔ اقول "بغیر کچھ کہے لوگوں کا از خود ہاتھ بٹانا یہ بھی تو کرامت ہی ہے"۔

راقم الحروف۔

وفات حسرت آیات

ماہ ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ کی ۱۸ تاریخ اور اکتوبر ۱۹۴۸ء کی ۲۳ تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا صبح سے ہی اس قسم کے آثار پائے جارہے تھے کہ آفتاب علم و عمل ماہتاب فضل و کمال اختر برج کرامت شیرازہ بند اہلسنت سید و سالار جماعت اعلیحضرت سیادت قیادت کا تاجدار قلزم ارث نبوت کا گوہر آبدار حقیقت و معرفت کا شہسوار خاتم المفسرین راس المحققین حکیم الحکماء استاذ العلماء سند الفضلا صدر الافاضل فخر الاماثل سیدی و سندی آقائی و مولائی مادی و ملجائی کنزی و ذخری حضرت علامہ مولانا حافظ و مفتی مفسر و محدث حکیم الحاج سید **محمد نعیم الدین احمد** صاحب مرادآبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا آج ہی کے دن کے مہمان ہیں۔ وصال حق سے سرفراز ہونے اور تمام اہلسنت و جماعت کو روتا بلکتا چھوڑ جانے والے ہیں۔

بعد نماز جمعہ حضرت کی خدمت میں شاہزادگان حضرت کے داماد حکیم سید حامد علی صاحب مولانا سید غلام معین الدین صاحب نعیمی و دیگر محبین موجود تھے سنبھل سے آپ کے ایک عقیدت کیش چودھری اختر حسین صاحب قدم بوسی کے لئے آئے ہوئے تھے حضرت سے کچھ غذا نوش فرمانے کے لئے کہا گیا آپ نے منع فرمادیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ چودھری صاحب کے لئے چائے کا انتظام کرو۔ چائے بنائی گئی اور چودھری صاحب کو چائے

دی گئی حضرت سے بھی چائے نوشی کی گذارش کی گئی، فرمایا لاؤ حضرت کے داماد اور مولانا سید غلام معین صاحب نے سہارا دے کر کلی کرائی اور چائے پلانی شروع کی کریکایک ضعف کا ایسا حملہ ہوا کہ آپ کو پھر چارپائی پر لٹانا پڑا۔ اور کلمہ شریف سب کے سب پڑھنے لگے کچھ ہی وقفہ کے بعد جب سکون ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ تم سب کلمہ پڑھ رہے تھے رک کیوں گئے، مجھے بہت سکون مل رہا تھا۔

اس کے بعد پھر مرید ہونے والوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ کا کاشانۂ مبارک محلہ چوکی حسن خاں میں تھا، سب سے پہلے جب محلہ چوکی حسن خاں کے مسلمانوں کو آپ کی طبیعت اور ناسازگار حالت کی اطلاع ہوئی تو مرید ہونے کے لئے جوق در جوق کاشانۂ اقدس پر حاضر ہونے لگے۔ کئی عمامے ایک میں باندھ کر بالاخانہ سے لے کر نیچے تک پھیلا دیا گیا، تل رکھنے کی جگہ نہیں جس کو دیکھو عمامہ شریف پکڑ کر مرید ہو رہا ہے یکے بعد دیگرے محلہ چوکی حسن خان کے سارے لوگ مرید ہو گئے۔ بالکل اسی طرح پردے کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے مرید ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور جس کی جس کی بھی قسمت میں تھا حضرت قدس سرہ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ شدہ شدہ حضرت کی ناسازیٔ طبع کی خبر پورے مرادآباد شہر میں پھیل گئی جو مرید ہو چکے تھے زیارت اور قدمبوسی کے لئے آتے رہے اور جو مرید نہیں تھے مرید ہونے کے لئے آنے لگے اور اسی طرح جس طرح محلہ کے لوگ عمامہ پکڑ کر مرید ہوئے تھے شہر کے لوگوں نے بھی عمامہ پکڑ کر مرید ہونا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ ۱۱ بجے تک چلا ہے، مگر حضور رہنمائے ملت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے تھے کہ ۱۲ بجکر ۲۰ منٹ تک جبتک زبان اقدس میں سکت تھی مرید فرماتے رہے، اور

یہ سلسلہ خیر و برکت آخری دم تک قائم رہا اس کے بعد کچھ وقفہ کے لیے خاموش ہو گئے اور بیعت کا سلسلہ ختم فرما دیا اس کے بعد چشم پاک کھول ہونٹوں پر خوشی کے آثار نظر آئے آواز سے کلمہ طیبہ پڑھتے رہے پیشانی مقدس اور چہرۂ مبارک پر بے حد پسینہ آنے لگا (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی بوقتِ وصال اسقدر پسینے نکلے تھے کہ جسے بیان نہیں کیا جا سکتا) سینۂ اقدس پر رومال رکھا ہوا تھا خدام بار بار پسینہ پونچھتے تھے مگر پسینہ نکلتا ہی رہتا تھا۔ (بوقتِ مرگ پیشانی سے پسینہ نکلنا خاتمہ بالخیر کی علامت ہے۔ راقم الحروف) بعدہٗ خود بخود قبلہ رخ ہو کر اپنے دستہائے پاک اور قدمہائے ناز کو سیدھے کرلیے۔ اور اب آواز دھیرے دھیرے مدھم ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ انتہائی خفیف آواز کے وقت شاہزادگان اور خدام نے کان لگا کر سنے تو زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا یک بیک سینۂ اقدس پر ایک نور کی لہر محسوس ہوئی اور ۱۲ بجکر ۲۰ منٹ پر شہزادۂ نورِ رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پاکیزہ زبان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

آپ کی وفات کی خبر پورے شہر اور اطراف واکناف میں آناً فاناً پھیل گئی۔ اور حضرت کے مکان کے باہر سڑکوں پر، گلیوں میں لوگوں کا اژدحام ہو گیا حضرت کے حضرت کے اہلِ بیت خاندان عزیز و اقارب خدام و محبین جامعہ نعیمیہ کے اربابِ حل وعقد مدرسین و طلباء اور تمامی اہلسنت کو جو صدمہ ہوا، وہ بیان سے باہر ہے علاوہ ازیں اغیار و معاندین کو بھی ایسا صدمہ ہوا کہ وہ اپنی مسجدوں اور مدرسوں میں روتے تھے اور کہتے تھے کہ زندگی بھر ہمارا اور ان کا کیسا ہی اختلاف تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم و فضل میں یکتائے روزگار اور نظر و بصیرت میں وہ بے مثل و بے مثال تھے۔ چنانچہ سنی مدارس و مکاتب کے علاوہ مدار

شاہی مسجد مدرسہ امدادیہ و دیگر مکاتب و مدارس حتیٰ کہ میونسپل کمیٹی کے تحت چلنے والے اسکول و مدارس نے بھی اس روز تعطیل کر دی تھی۔ ملک بھر میں علماء کرام اور جماعت اہلسنت کے مدارس میں فوراً تار بھیجے گئے۔ قرب و جوار کے علماء اور مدارس میں آدمیوں کے ذریعہ اطلاع پہونچائی گئی۔ کثیر تعداد میں علماء کرام اور مشائخ عظام جسے جو ذریعہ میسر آیا مرادآباد آ گئے۔

حضرت کے بڑے صاحبزادے صدر العلماء حضرت علامہ مولانا ظفر الدین صاحب قبلہ اور منجھلے صاحبزادے حضرت علامہ مولانا سید اختصاص الدین صاحب قبلہ اور تاج العلماء حضرت علامہ مولانا محمد عمر صاحب قبلہ اور مہتمم جامعہ حضرت علامہ مولانا محمد یونس صاحب قبلہ اور خادم خاص حضرت علامہ سید غلام معین الدین صاحب نعیمی ان حضرات نے مل کر سرکار صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دیا۔ بعدہٗ جامۂ عروسی پہنایا گیا۔ اور پھر درون خانہ زیارت کرائی گئی۔ باہر زائرین کا ایک جم غفیر دیدار اور جنازہ کا منتظر تھا مگر مجمع کے اژدہام کی وجہ سے ممکن نہیں تھا کہ یکے بعد دیگرے فرداً فرداً زائرین کو زیارت کرائی جا سکے۔ لہٰذا جنازہ شریف جامعہ نعیمیہ لے چلنے کا انتظام شروع ہوا۔ تاجدار اہلسنت کے جنازہ کو کندھا دینے کی آرزو سارے حاضرین و زائرین کو تھی، لہٰذا جنازہ پاک کی چارپائی میں لمبے لمبے بانس دو رویہ طریقہ پر باندھے گئے تاکہ ہر ایک جنازہ کو کندھا دے سکے پھر بھی مجمع کی کثرت کی وجہ سے کتنے لوگ محروم رہ گئے۔

حضرت کی وصیت کے مطابق جنازہ محلہ چوکی حسن خان تحصیل اسکول نئی سڑک اور کاٹھ دروازہ ہوتے ہوئے جامعہ نعیمیہ میں پہونچا حضرت کے شاہزادگان تو غم سے نڈھال تھے جنازہ کے سامنے انہیں کھڑا ہونا دشوار ہو رہا تھا۔ لہٰذا حضور صدر العلماء

(بڑے صاحبزادے) نے تاج العلماء حضرت علامہ مولانا محمد عمر صاحب نعیمی کو جنازہ پڑھانے کی اجازت دی اور حضرت تاج العلماء نے تاجدار اہلسنت کی نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد فراغت نماز آخری دیدار کے لئے ازدہام کی کثرت مانع تھی اس لئے جنازہ دار الحدیث میں لاکر رکھا گیا یہ وہی دار الحدیث ہے۔ جس میں حضرت قدس سرہ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور اعلان کر دیا گیا کہ زائرین فرداً فرداً ایک دروازہ سے آئیں اور دوسرے دروازہ سے نکل جائیں۔ بعدہٗ جامعہ نعیمیہ کی مسجد کے بائیں گوشہ میں آپ کی آرامگاہ مقرر ہوئی اور آپ کو سپرد خاک کرتے ہوئے زبانِ حال سے عرض گذار ہوئے۔ ؎

اے خاکِ تیرہ عزت مہماں نگاہ دار!
ایں نور قلب ماست کہ در بر گرفتہ

لمحۂ فکریہ: فنا فی القلم، رئیس التحریر محب گرامی حضرت علامہ مولانا محمد وارث جمال صاحب قادری بارک اللہ فی علمہ وقلمہ نے بجا فرمایا ہے کہ حضور صدر الافاضل کے اخلاف و باقیات و پس ماندگان میں یوں تو پورا برصغیر ہند و پاک ہے پورا سواد اعظم ہے جن کی گردنوں پر ان کے بے پایاں احسانات ہیں قومی ملکی مذہبی اور سیاسی وہ کونسا میدان ہے جسے آپ نے اپنے خون جگر سے لالہ زار اور اسلامیان ہند کے لئے مستنیر کیا ہو۔ "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" کے طور پر کیا اسلامیان ہند و پاک کے دامن میں کوئی ایسی متاع گراں بہا ہے جنہیں ان کی بارگاہ عظمت میں بطور خراج تحسین و عقیدت پیش کیا جاسکے؟

قافلہ درد کا اس رات کی تاریکی میں — منزل ضبط کا رہ رہ کے پتہ مانگے ہے

غلام غلامانِ آلِ عبا

شعبان علی نعیمی غفرلہ القوی حبابی تلشی پوری ثم بلرامپوری۔
(خطیب و امام ساناکروز اسٹیشن مسجد، وصدر تنظیم جاء الحق علماء اہلسنت ملونی ملاڈ)

اجمالی سوانحی خاکہ

ولادت : ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء

اسم گرامی : سید محمد نعیم الدین

تاریخی نام : غلام مصطفےٰ

القاب : صدر الافاضل، فخر الاماثل، استاذ العلماء

تخلص : نعیم، منعم

والد گرامی : حضرت علامہ مولانا سید محمد معین الدین نزہت مرادآبادی علیہ الرحمہ۔

جد مکرم : استاذ الشعراء حضرت مولانا سید محمد امین الدین راسخ ابن حضرت علامہ مولانا سید کریم الدین آزاد علیہما الرحمۃ والرضوان۔

رسم بسم اللہ خوانی : چار سال کی عمر میں۔

تکمیل حفظ قرآن : آٹھ سال کی عمر میں

تعلیم : بیس سال کی عمر تک تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت۔

مادر علمی : متوسطات تک گھر ہی میں اپنے والد بزرگوار سے تعلیم حاصل کی بعدہ مدرسہ امدادیہ سے فراغت ہوئی۔

دستار فضیلت : ۱۳۲۰ھ (۲۰ سال کی عمر میں)

فتویٰ نویسی : فراغت کے بعد ایک سال مشاقی فرمائی بعدہ دارالافتاء کی مستقل خدمات

انجام دیتے رہے۔

اساتذہ کرام : حضرت والد صاحب قبلہ، شیخ الکل مولانا سید محمد گل صاحب قادری
حافظ سید نبی حسین صاحب، حضرت حافظ حفیظ اللہ صاحب، حضرت
علامہ ابوالفضل احمد صاحب علیہم الرحمۃ والرضوان۔

پیرومرشد : شیخ الکل استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا سید محمد گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلافت واجازت : شیخ الکل استاذ الاساتذہ حضرت محمد گل قادری، اور شیخ المشائخ
حضرت سید علی حسین صاحب اشرفی میاں کچھوچھوی علیہما الرحمۃ۔

عقد مسنون : ۱۳۲۲ھ (ہمراہ صاحبزادی رئیس اعظم مراد آباد)

اولاد وامجاد : چار صاحبزادے ۱۔ صدر العلما حضرت علامہ مولانا مفتی سید ظفرالدین
صاحب علیہ الرحمہ، ۲ رہنمائے ملت حضرت علامہ مولانا سید اختصاص الدین
صاحب علیہ الرحمہ، ۳ حضرت علامہ حکیم سید ظہیر الدین صاحب علیہ الرحمہ
۴ حضرت مولانا حکیم سید اظہار الدین عرف حنفی میاں دام ظلہ۔
جو تادم تحریر باحیات ہیں۔ اور چار صاحبزادیاں۔

تصنیفات : تفسیر خزائن العرفان شریف۔ علاوہ ازیں بیس کتابیں۔

قیام مدرسہ انجمن اہلسنت : ۱۳۲۸ھ۔

نشاۃ ثانیہ : جامعہ نعیمیہ ۱۳۵۲ھ

تنظیمی خدمات : الجمیعۃ العالیۃ المرکزیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس)، جماعت رضائے مصطفیٰ
بریلی کے پلیٹ فارم سے اسلام دشمن تحریکوں کے تعاقب میں عظیم ترین

دین وسنیت کی خدمت انجام دی جو آپ کی زندگی کا روشن ترین باب ہے۔

تبلیغی خدمات: غیر منقسم ہندوستان کے تمامی دینی مذہبی جلسوں میں آپ کی شرکت لازم ہوتی تھی بشدھی تحریک، وہابیت اور دیوبندیت کے طوفان بلاخیز سے قوم مسلم کو بچانے کے لئے آپ نے مسلسل سفر فرمائے اور اسلام دشمن نظریات سے آپ نے متعدد کامیاب مناظرے بھی کئے، اپنی بات مختصر اور دلکش انداز میں پیش فرما کر مخالف کو جلد از جلد شکست فاش دیدینا آپ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس مراد آباد: ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، مارچ ۱۹۲۵ء

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، اپریل ۱۹۴۶ء

ماہنامہ السواد الاعظم، اسلام دشمن عناصر کی بخیہ دری کے لئے نیز اپنی بات عوام اہلسنت تک پہونچانے کے لئے آپ نے مراد آباد سے اسے جاری فرمایا جو تاحیات مسلسل جاری رہا۔ بعدہٗ مولانا غلام معین الدین نعیمی کی ادارت میں پاکستان سے شائع ہوا۔

وصال پر ملال: ۱۸، ذوالحجۃ المکرمہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳، اکتوبر ۱۹۴۸ء۔ رات ساڑھے بارہ بجے۔ جس کا مادہ تاریخ "غلام رسول" نکلتا ہے۔

روضہ مقدسہ: اندرون جامعہ نعیمیہ (مسجد جامعہ کی بائیں جانب)

عرس پاک: ہر سال ۱۶، ۱۷، ۱۸، ذی الحجہ کو اندرون جامعہ انتہائی شان وشوکت سے منایا جاتا ہے۔ (استفادہ از کتاب تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر الافاضل)

مطبوعات تنظیم افکار صدر الافاضل ممبئی

نام کتاب | صفحات